الا وان فی الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله الا وھی القلب

بدن میں ایک ٹکڑا گوشت کا ہے جب وہ سنور جاتا ہے تو تمام بدن سنور جاتا ہے جب وہ خراب ہوجاتا ہے
تو تمام بدن خراب ہوجاتا ہے سنو وہ ٹکڑا دل ہے۔ صحیح بخاری ۱، ۵۲

# دل کی اِقسام

## قرآن کی روشنی میں



مرتب: سکندر نقشبندی

الا ان في الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب

بدن میں ایک ٹکڑا گوشت کا ہے جب وہ سنور جاتا ہے تو تمام بدن سنور جاتا ہے جب وہ خراب ہوجاتا ہے
تو تمام بدن خراب ہوجاتا ہے سنو وہ ٹکڑا دل ہے۔ صحیح بخاری ۱:۵۲

# دل کی اِقسام

## قرآن کی روشنی میں



سیّد سبط سکندر نقوی حنفی نقشبندی مجدّدی

نام کتاب: دل کی اقسام (نظر ثانی شدہ)
تالیف: سکندر نقشبندی
ٹیلیفون: (001) 647 890 1317
sikander.naqshbandi@gmail.com
Link: https//archive.org/details/@sikander.naqshbandi
سرورق: محمد راشد مسی ساگا ۔ کینیڈا
پروف ریڈنگ: محترم امیر قادر ۔ مسی ساگا ۔ کینیڈا
تعداد:
سنِ طباعت دوم: 2023ء

## قارئین سے گذارش

کتاب کی پروف ریڈنگ میں اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو معذرت قبول فرمائیں اور نشاندھی فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست کی جا سکے۔ جزاکم اللہ خیراً

### کتاب ملنے کیلئے رابطہ

مختار احمد (کراچی پاکستان) 0300-2380285

نفیس الحسن جیلانی (کراچی پاکستان) 0300-3512712

عبدالرشید خان (ورجینیا امریکہ) (001) 703-785-4735

منور نقوی (سڈنی آسٹریلیا) 0614-2490-4151

قیصر نقوی (ٹورنٹو کینیڈا) (001) 647-898-4640

سید عباد الرحمان (کیلگری AB کینیڈا) (001) 403-926-5171

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دل کی اقسام

☆☆☆

ؔ

**عمل کی اپنی اساس کیا ھے**
**بجز ندامت کے پاس کیا ھے**
**رھے سلامت تمھاری نسبت**
**میرا تو بس آسرا یھی ھے**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تقریظ

از

## سیّدی مرشدی مولائی شیخِ طریقت پروفیسر ڈاکٹر

## حضرت حافظ منیر احمد خان نقشبندی مدظلہٗ عالی

اعمال کی قبولیت و عدمِ قبولیت اور جزا و سزا کا دارومدار دل کی نیت پر موقوف ہے اگر دل صحیح ہوگا تو اعمالِ خیر کی رغبت، خلوص اور قبولیت بھی حاصل ہوگی اور اگر دل بیمار ہوگا تو اعمالِ شر کے صدور کی وجہ سے دنیا و آخرت کی فلاح و کامرانی سے محرومی ہوگی۔ دل کی بیماریاں کو باطنی امراض کہا جاتا ہے۔ کفر، نفاق، غیبت، حسد، کینہ، غصہ، دنیا و مال کی محبت، بخل، حرص و لالچ، غرور، تکبر، عجب اور ریاکاری وغیرہ باطنی بیماریاں ہیں۔ ان کو اخلاقِ رزیلہ بھی کہا جاتا ہے۔ انہی باطنی امراض کی اصلاح اور اخلاقِ حمیدہ کی تعلیم کے لئے حضورِ انور ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ کی محبت اور کامل اتباع فکرِ الٰہی میں دوام اور اہل اللہ کی صحبت کی برکت سے تمام قلبی و روحانی امراض سے شفاء، سعادتِ ابدی، قربِ خداوندی اور رضائے الٰہی حاصل ہوسکتی ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے قرآنِ مجید نازل کیا گیا۔

قرآنِ مجید میں متعدد جگہ انسان کے دل کی اچھی اور بُری کیفیات، حالات اور اقسام کو بیان کیا گیا ہے تاکہ انسان اپنے دل کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو، تمام بُرائیوں کو چھوڑ کر حضورِ انور ﷺ کی کامل اطاعت و غلامی اختیار کر کے اور ذکر و عبادت میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا و قرب کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو جائے جو کہ انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے۔

قرآن مجید میں انسان کے دل کی مختلف حالتوں کی تیس (۳۰) اقسام بیان کی گئی ہیں، ان تمام اقسام کو ہمارے محترم سکندر نقشبندی صاحب نے اس کتاب میں تفسیر ابن کثیرؒ، تفسیرِ جلالین، تفسیرِ مظہری اور تفسیر معارف القرآن کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ ان اقسام کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ قرآن میں بُرے دل کی

بیس (۲۰) قسمیں اور اچھے دل کی دس (۱۰) قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ اس لئے حصہ اول میں بُرے دل کی بیس اقسام کو بیان کیا گیا ہے اور حصہ دوم میں اچھے دل کی دس اقسام کو بیان کیا گیا ہے۔

محترم سکندر نقشبندی صاحب نے بڑی محنت اور جاں فشانی سے مذکورہ تفاسیر کی روشنی میں دل سے متعلق تمام آیات کی تحقیق فرمائی ہے جو حقیقتاً تمام مسلمانوں اور بالخصوص آئندہ نسلوں کے لئے گراں قدر علمی سرمایا ہے۔ دل کی ان تمام اقسام کا مطالعہ کرنا ہر مسلمان کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا۔

اللہ پاک اپنے محبوب ﷺ کے صدقے محترم سکندر نقشبندی صاحب کو دونوں جہاں میں سرفراز و سربلند فرمائے۔ اوران کی اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور امتِ مسلمہ کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔

( آمین ثم آمین )

احقر۔ منیر احمد خان

۷ جنوری ۲۰۱۴ء

حیدرآباد۔ پاکستان

# پیش لفظ

**اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسَنَاوَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مِنْ یَّھْدِ ہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مِنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِ یَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَ ہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّد نَا وَسَنَدَ نَا وَ نَبِیِّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدً ا عَبْدُ ہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا ☆**

**اَمَّابَعْدُ**

**فَاعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ**

**بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ**

**قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم !**

**” وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَۃً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہُ وَإِذَا فَسَدَ تْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہُ أَلَاوَهِيَ الْقَلْبُ ☆ “**

ترجمہ: خبرادار ہوجاؤ کہ بدن میں ایک ٹکڑا گوشت کا ہے جب وہ سنور جاتا ہے تمام بدن سنور جاتا ہے اور جب وہ خراب ہوجاتا ہے تو تمام بدن خراب ہوتا ہے۔ سنووہ ٹکڑا دل ہے۔

**اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمِ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ.**

**اللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ ☆**

## مکمل حدیث یوں ہے

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَ بَيْنَهُمَا مُشَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنْ اتَّقَى الْمُشَبِهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ وَ مَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا إِنَّ حِمَى اللّٰهِ فِي أَرْضِهِ مَحَارِمُهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ ☆

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 51۔ حدیث مرفوع۔ مکررات 13 متفق علیہ 6 بدون مکرر)

ابونعیم، زکریا، عامر، نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم فرماتے تھے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام (بھی ظاہر ہے) اور دونوں کے درمیان میں شبہ کی چیزیں ہیں کہ جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے پس جو شخص شبہ کی چیزوں سے بچے اس نے اپنے دین اور اپنی ابرو کو بچا لیا اور جو شخص شبہوں (کی چیزوں) میں مبتلا ہو جائے (اس کی مثال ایسی ہے) جیسے کہ جانور شاہی چراگاہ کے قریب چر رہا ہو جس کے متعلق اندیشہ ہوتا ہے کہ ایک دن اس کے اندر بھی داخل ہو جائے۔
لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہے، آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کی چراگاہ اس کی زمین میں اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں **خبردار ہو جاؤ! کہ بدن میں ایک ٹکڑا گوشت کا ہے جب وہ سنور جاتا ہے تو تمام بدن سنور جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو تمام بدن خراب ہو جاتا ہے سنو وہ ٹکڑا "دل" ہے۔**

Narrated An-Nu'man bin Bashir: I heard Rasool Allah's (ﷺ) Apostle saying. 'Both legal and illegal things are evident but in between them there are doubtful (suspicious) things and most of

the people have no knowledge about them. So whoever saves himself from these suspicious things saves his religion and his honour. And whoever indugles in these suspicious things is like a shepherd who grazes (his animals) near the Hima (private pasture) of someone else and at any moment he is liable to get in it.
O people! Beware! Every king has a Hima and the Hima of Allah (swt) on the earth is His illegal (forbidden) things. Beware! There is a piece of flesh in the body if it becomes good (reformed) the whole body becomes good but if it gets spoilt the whole body gets spoilt and that is the **HEART**.

جیسا کہ حدیث مبارک کے مفہوم سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار قلب پر ہے۔ یہی جسم کے تمام اعضاء کا سردار ہے اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کرنے کی طاقت اور شعور عطا فرمایا ہے۔

اس لئے انسان کو اپنی کامیاب زندگی گذارنے کیلیئے اس کے متعلق جاننا بے انتہا ضروری ہے۔ کسی بھی چیز کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ تمام معلومات صحیح ہوں , مستند ہوں اور قابل قبول ہوں۔ اس لئے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہ رہے ہوں اس کے بنانے والے یا تخلیق کار سے پوچھ لیا جائے۔ اس سے بہتر معلومات آپ کہیں اور سے حاصل نہیں کر سکتے۔ انسان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اسی نے انسان کا قلب بھی تخلیق کیا۔ انسان کو خیر کی تمام قوتیں عطا فرما دیں اور تمام شرور سے بھی آگاہ کر دیا ہے۔ انسان کو یہ بتا دیا کہ خیر کا کام کرو گے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں عطا فرمائے گا اور اس عارضی زندگی کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی اور راحت نصیب فرمائے گا اور شر کا کام کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں تو موقعہ فراہم کرے گا کہ اپنے آپ کو سنوار لو لیکن مرنے کے بعد اس کو اس کے کئے کی سزا ملے گی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قلب کے بارے میں بڑی تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ اس کی تمام کیفیات واقسام کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کی خوبیاں بھی بیان کی ہیں اور اس کے شرور سے بھی آگاہ کیا گیا ہے۔ جب ہم قرآن میں قلب کے بارے میں دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے تقریباً تیس (30) مختلف اقسام کا ذکر فرمایا ہے۔ جن میں بیس (20) قسمیں منفی جذبات کی نشاندھی کرتی ہیں اور دس (10) پسندیدہ اقسام کا ذکر ہے۔ یہ محض اتفاق ہے کہ قلب کی نسبت شر کا پہلو خیر کے پہلو سے دوگنا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمیں اس طرف کس قدر فکر کرنی چاہئے کہ ہم اپنے قلب کی اصلاح کریں۔

اس کتاب میں اس بات کا پورا خیال رکھا گیا ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت کی تشریح وتفسیر میں اپنی کوئی رائے یا الفاظ شامل نہ کئے جائیں۔ اس میں ہر آیت کی تفسیر ایسے مستند اور قابل بزرگ ہستیوں کی لی گئی ہے کہ جن پر تمام امتِ مسلمہ کا بلا جماع اتفاق ہے۔ کتاب کی روانی میں ربط پیدا کرنے کے لئے اپنے الفاظ شامل کئے گئے ہیں تا کہ قاری کو کتاب میں تسلسل محسوس ہو۔ اس کتاب میں جتنی بھی آیاتِ قرآنی شامل کی گئی ہیں ان کا اردو ترجمہ مولانا فتح محمد جالندھریؒ کا ہے جو کہ اردو تراجم میں ایک مستند ترین ترجمہ مانا جاتا ہے۔ انگریزی ترجمہ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہٗ کا ہے جو کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

تفاسیر کے سلسلے میں چار مستند ترین تفاسیر سے استفادہ حاصل کیا گیا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ تفسیر ابن کثیرؒ

۲۔ تفسیر مظہری

۳۔ تفسیر جلالین

i] تفسیر جمالین فی شرح جلالین

از مولانا محمد جمال سیفی فی استاذ دار العلوم دیوبند (اس تفسیر کے پہلے پندرہ پاروں کی تفسیر شامل ہے)

ii] تفسیر کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین

از مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری و مولانا محمد نعیم دیوبندی (اس تفسیر میں سورۃ الکھف سے آخر تک آیات

لی گئی ہیں)

۴۔ تفسیر معارف القرآن

اب کچھ تعارف ان تفاسیر لکھنے والوں کا ہے۔

## تفسیر ابن کثیرؒ

اس تفسیر کے لکھنے والے امام محدث حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر القریشی البصر وی الدمشقیؒ ہیں۔ آپ کی کنیت ابو الفداء اور لقب عماد الدین تھا۔ آپ کی ولادت 700ھ کو مجدل نامی بستی میں ہوئی۔ یہ بصریٰ شہر کے مضافات میں واقع ہے۔ آپ کے والد اسی بستی میں خطیب تھے اور جب آپ (4) سال کے تھے تو والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ کی پرورش آپ کے بڑے بھائی عبدالوہاب نے کی جو ایک ممتاز عالم دین تھے۔ 706ھ میں بھائی آپ کو دمشق لے آئے اور آپ کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔

آپ نے فن حدیث مشہور و معروف محدث ابو العباس احمد بن حجاز سے حاصل کیا۔ ان کے علاوہ آپ نے حدیث کا علم عیسیٰ بن المطعم، عفیف الدین اسحاق بن یحییٰ الامدی، بدرالدین محمد بن ابراہیم معروف با بن سویدی، حافظ مزی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، محمد بن الشیر ازی، بہاؤ الدین قاسم بن عساکر اور حافظ ذھبی سے حاصل کیا۔

آپ نے فقہ کی تعلیم اپنے بڑے بھائی عبدالوھاب، شیخ برہان الدین بن عبدالرحمٰن فزاری 729ھ اور شیخ کمال الدین ابن قاضی شھبہ سے حاصل کی۔ آپ نے اصول فقہ کی تعلیم علامہ شمس الدین محمود بن عبدالرحمٰن اصفہانی سے حاصل کی۔

آپ اپنے شیخ حافظ مزیؒ کی خدمت میں طویل عرصہ رہے اور شیخ حافظ مزیؒ نے اپنی صاحبزادی کی شادی آپ سے کر دی۔ آپ بیک وقت تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ زبان و ادب اور اصول کے استاد تھے۔ آپ اسماء رجال کے فن کے ماہر تھے۔ آپ نے فقہ شافعی کی کتاب التنبیہ کی تخریج کی۔ آپ کے مشہور شاگردوں میں ابن محی، ابن العماد حنبلی اور ابن حبیب کے نام مشہور ہیں۔

## آپؒ کی تصنیفات

1۔ تفسیر قرآن کریم تفسیر ابن کثیرؒ

2۔ البدایہ و النھایہ (تاریخ)

3۔ مسند الشیخین (حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی احادیث کا مجموعہ)

4۔ ترتیب مسند امام احمد بن حنبلؒ

5۔ السیرۃ النبویہ

6۔ السیرۃ النبویہ مختصراً

7۔ رسالہ فی الجہاد

8۔ التکمیل فی معرفہ الثقات والضعفا والمجاہیل (فن رجال)

9۔ طبقات شافعیہ

10۔ الھدیٰ والسنن فی احادیث المسانید والسنن (جامع المسانید)

11۔ مناقب الشافعی

12۔ رسالہ فی فضائل قرآن

آپ نے بخاری شریف کی شرح (احکام الکبیر) کے نام سے شروع کی لیکن مکمل ہونے سے پہلے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آپ باقاعدگی سے فتویٰ نویسی کا کام کرتے تھے اور آخیر عمر تک اسے جاری رکھا۔

آپ کی وفات 774ھ میں دمشق میں ہوئی اور اپنے استاد محترم شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے۔

( اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاْ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ )

## تفسیر مظہری

اس تفسیر کے مصنف علامہ قاضی محمد ثناء اللہ صاحب پانی پتی ؒ ہیں۔ آپ مشائخ چشت کے مشہور بزرگ حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی قدس سرہ کی اولاد میں ہیں اوران کا سلسلہ نسب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ 1722ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ وہیں قرآن حفظ کر کے ابتدائی درجات کی دینی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد دہلی جا کر مدرسہ رحیمیہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ؒ محدث دہلوی جیسے جلیل القدر شخصیت سے حدیث کا باقاعدہ علم حاصل کیا۔ اٹھارا سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہوکر تزکیہ باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلے شیخ محمد عابد سنامیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور مدارج طے کئے۔ ان کی وفات کے بعد اس وقت کے نامور ولی اللہ حضرت میرزا مظہر جان جاناںؒ شہید 1195ء کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا اوران کے نامور خلفاء میں شامل ہوئے۔ آپ کے شیخ نے آپ کا لقب (علم الہدیٰ) رکھا تھا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے آپ کو بیہقیِ وقت کا خطاب دیا تھا۔

آپ کی مشہور تصانیف:

1۔ تفسیر مظہری
2۔ کتاب مبسوط
3۔ ملا بدمنہ (فقہ حنفی پر)
4۔ السیف المسلول
5۔ تصوف وسلوک
6۔ ارشاد الطالبین
7۔ تذکرہ الموتی القبور
8۔ تذکرہ المعاد
9۔ حقیقت الاسلام

### آپ کے رسائل

1۔ موسیقی کی حرمت

2۔ متعہ کی حرمت

3۔ عشر و خراج کے احکام

آپ کا انتقال یکم رجب 1225ھ بمطابق 1810ء کو پانی پت میں ہوا اور وہاں ہی آپ کی تدفین ہوئی۔ ( اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ )

## تفسیر جلالین

### صاحب جلالین نصف اول:

تفسیر جلالین نصف اول کے تحریر کرنے والے محترم بزرگ کا نام عبدالرحمٰن بن ابی بکر محمد کمال الدین لقب جلال الدین کنیت ابوالفضل ہے۔ پورا نسب اس طرح ہے عبدالرحمٰن بن ابی بکر محمد کمال الدین بن سابق الدین بن عثمان فخر الدین بن ناظر الدین الاسیوطی, سیوط کی طرف منسوب ہیں جس کو اسیوط بھی کہتے ہیں۔ سیوط دریائے نیل کے مغربی جانب ایک شہر ہے, یہی محلّہ خضریہ ہے جو کہ سوق خضر کے نام سے مشہور ہے۔ آپ یکم رجب 829ھ بعد از مغرب تولد ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں سایہ پدری سے محروم ہوگئے۔ آپ کی سرپرستی شیخ کمال الدین ابن الہمام حنفی نے کی۔ آپ نے 8 آٹھ سال سے کم عمر میں قرآن حفظ کرلیا اس کے بعد منہاج الاصول اور الفقہ ابن مالک ( کتابیں ) حفظ کرلیں آپ کے استادوں میں شیخ شمس سراجی اور شیخ شمس مرزبانی حنفی شامل ہیں۔ بعض تذکرہ نگار آپ کو حافظ ابن حجر عسقلانی کا شاگرد بتاتے ہیں لیکن ان کی ملاقات ثابت نہیں ہے۔

تحصیل علوم و تکمیل فنون کے بعد 870ء میں افتاء کا کام شروع کیا آپ نے سات علوم میں کمال حاصل کیا جن میں علوم تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان اور بدیع شامل ہیں۔ آپ کو دو لاکھ احادیث حفظ تھیں۔ آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً 500 پانسو سے بھی متجاوز ہیں۔ علوم قرآن پر آپ کی تصنیف

''الاتقان فی علوم القرآن'' نہایت اہم اور مشہور کتاب ہے۔ آپ کی وفات جمعۃ المبارک 19 جمادی الاول 911ھ میں ہوئی۔ ( اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ )

## صاحب جلالین نصف ثانی:

تفسیر جلالین نصف ثانی کے لکھنے والے محمد بن احمد ہیں ان کا لقب جلال الدین سلسلہ نسب محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم بن احمد بن ہاشم بن شہاب بن کمال الانصاری محلّی مصر کے ایک شہر محلّہ الکبریٰ کی طرف منسوب ہے۔ آپ کے پیدائش 791ھ مصر کے دارالسلطنت قاہرہ میں ہوئی اور 15 رمضان المبارک 864ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ باب النصر میں اپنے اباوَاجداد کے قریب مدفون ہوئے۔

قرآن کے حفظ کرنے کے بعد آپ نے فقہ علامہ بیجوری جلال بلقینی اور ولی عراقی سے پڑھی، نحو شہاب عجیمی اور شمس شطعونی سے اور فرائض وحساب ناصر الدین بن انس مصری حنفی سے منطق، جدل، معانی، بیان، عروض بدر محمود القصرائی سے اصول دین وتفسیر علامہ شمس بساطی سے پڑھیں۔ آپ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔

آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں جمع الجوامع جلالین نصف ثانی بڑی اہمیت کی حاصل ہیں۔ آپ نے تفسیر کی ابتداء سورۃ الکہف سے فرمائی نصف ثانی مکمل کرنے کے بعد نصف اول سے صرف سورۃ فاتحہ ہی کی تفسیر کر پائے تھے کہ عمر نے وفا نہ کی اور راس دارفانی سے کوچ کر گئے۔

( اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ )

تفسیر نصف اول کی تکمیل آپ کے شاگرد رشید علامہ جلال الدین سیوطی عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے کی۔

## تفسیر معارف القرآن

اس تفسیر کے مصنف حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی ؒ صاحب ہیں آپ کے والد کا نام مولانا محمد یامین ابن خلیفہ تحسین علی تھا۔ آپ 21 شعبان 1314ھ میں دیوبند میں پیدا ہوئے جو کہ ضلع سہارنپور یوپی کا ایک قصبہ ہے۔

آپ دیوبند کے مرکز علوم اسلامیہ کے بانیان علمائے ربانی کی صحبتوں سے فیض یاب ہوئے۔ آپ نے قرآن پاک کی تعلیم حافظ عبدالعظیم اور حافظ نامدار خان صاحب سے حاصل کی اپنے والد ماجد سے اردو، فارسی، حساب، ریاضی اور ابتدائی عربی کے مضامین پڑھے 1331ھ میں دارالعلوم دیوبند کے عربی کے درجہ میں داخلہ لیا اور 1335ھ میں درس نظامی مکمل کیا۔ آپ کے استادوں میں سب سے بلند مقام حضرت شیخ العرب والعجم سیدی مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہند قدس سرہ کا ہے۔ ان کی مالٹا جیل سے واپسی پر انہی کے دست حق پرست پر بیعت طریقت نصیب ہوئی۔

آپ کے استادوں میں حافظ حدیث جامع علوم حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ، عالم ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ، حضرت مولانا محمد احمد بن حضرت مولانا قاسم نانوتوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ الادب وفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ اور ماہر علوم معقول ومنقول حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب اور حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب شامل ہیں۔

1349ھ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو دارالعلوم دیوبند میں منصب فتویٰ سپرد کیا گیا۔ آپ نے (26) چھبیس سال دارالعلوم کی خدمت کی۔ حضرت مجدد الملت حکیم الامت سیدی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ کی خدمت میں زمانہ طالب علمی سے حاضری کا شرف حاصل رہا لیکن باقاعدہ تجدید بیعت کا شرف 1346ھ میں حاصل ہوا۔ آپ نے اپنے شیخ سے تفسیر اور تصوف کے مخصوص فن سیکھے۔

آپ نے 20 جمادی الاخریٰ 1367ء یکم مئی 1948ء کو اپنے بچوں اور والدہ کے ساتھ اپنے وطن دیوبند کو خیر آباد کہہ کر پاکستان کیلئے ہجرت فرمائی۔ 1370ھ/1950ء میں آرام باغ کراچی کی متصل مسجد باب السلام میں درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا پھر آپ کی نگرانی میں مسجد میں دارالافتاء قائم ہوا۔ اس دوران شوال 1373ھ بمطابق 7 جولائی 1954ء تفسیر معارف القرآن کا سلسلہ شروع ہوا جو کہ 21 شعبان 1392ھ میں مکمل ہوا۔

آپ نے تفسیر معارف القرآن کے علاوہ اور کتابیں بھی لکھیں جن کی تعداد (162) ایک سو باسٹھ ہے جن میں مندرجہ ذیل کتابیں بھی شامل ہیں۔

1۔ احکام الحج

2۔ الیواقیت فی احکام المواقیت

3۔ منہج الخیر فی الحج عن الغیر (حج بدل کے احکام)

4۔ مقام صحابہؓ

5۔ اسلامی ذبیحہ

6۔ اعضائے انسان کی پیوند کاری

7۔ بیمہ زندگی

8۔ پراویڈنٹ فنڈ

9۔ اسلام اور سوشلزم

10۔ اسلامی نظام میں اقتصادی اصلاحات

11۔ تقریر ترمذی

12۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (امداد المفتین)

13۔ مسئلہ سود

14۔ جواہر الفقہ

15۔ اسلام کا نظام تقسیم دولت

16۔ سیرت خاتم الانبیاء ﷺ

17۔ شہید کربلا

18۔ ملفوظات امام مالکؒ

19۔ ملفوظات امام احمد بن حنبلؒ

20۔ اصول اللغہ

آپ کی وفات 10 شوال 1396ھ/1976ء کو حرکت قلب بند ہونے سے ہوئی اور آپ دارالعلوم کراچی۔ کورنگی کے احاطے میں مدفون ہوئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

میں دل کی گہرائیوں سے اپنے رب کریم کا شکرگزار ہوں کہ اس نے ''دل کی اقسام'' کی کتابی شکل ممکن بنا کر مجھے ایک بہت بڑی سعادت نصیب فرمائی ہے۔ میں اس کتاب کی اہمیت کے بارے میں ضرور کہنا چاہوں گا کہ مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے والے اس کے عنوانات کو پڑھتے ہوئے ضرور اپنے دل کی کیفیت کو ٹٹولیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائے اور یہ ہمارے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہو۔

(آمین ثم آمین)

﴿ وما توفیقی الّا باللّٰہ علیہ توکلت و الیہ اُنیب ﴾

طالبِ دعا

**سکندر نقشبندی** (عفی عنہ)

19 ربیع الثانی 1434ھ بروز جمعۃ المبارک

بمطابق یکم مارچ 2013ء

ٹورنٹو ۔ کینیڈا

Tel: (001) 647 890 1317

Email: sikander.naqshbandi@gmail.com

Link: https//archive.org/details/@sikander.naqshbandi

# حصہ اول

# 1 ۔ سخت دل

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقام پر پانچ جگہ سخت دل کا ذکر کیا ہے اور تشبیہات وتمثیلات سے انسانوں کو سمجھایا ہے۔ ان آیات کی تفسیر میں امام المفسرین حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل بن عمر بن کثیرؒ الدمشقی اپنی تفسیر ابن کثیرؒ میں فرماتے ہیں

1.1- ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ O

(سورة البقرہ ۔ 2:74)

پھر اسکے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور پتھر تو بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکلنے لگتا ہے اور بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ خدا کے خوف سے گر پڑتے ہیں اور خدا تمہارے عملوں سے بے خبر نہیں۔

When, even after that, your hearts were hardened, as if they were rocks, or still worse in hardness. For surely among the rocks there are some from which rivers gush forth, and there are others that crack open and water flows from them, and there are still others that fall down in fear of Allah. And Allah is not unware of what you do.

پتھر دل لوگ:

اس آیت میں بنی اسرائیل کو تنبیح کی گئی ہے کہ زبردست معجزے اور قدرت کی نشانیاں دیکھ کر بھی بہت جلد

ان کے دل سخت پتھر بن گئے۔ اسی لئے ایمان والوں کواس طرح کی سختی سے روکا گیااور کہا گیا آیت۔

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ وَلَا یَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَیۡہِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ وَکَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۝

(57 ۔ الحدید:16)

یعنی کیا اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ تعالی کے ذکراور اللہ کے نازل کردہ حق سے کانپ اٹھیں؟ اوراگلے اہل کتاب کی طرح نہ ہوجائیں جن کے دل لمبازمانہ گزرنے کے بعد سخت ہوگئے اوران میں سے اکثر فاسق ہیں۔

سورۃ البقرہ میں بنی اسرائیل کے جس قتل کا ذکر ہوا ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس مقتول کے بھیتجے نے اپنے چچا کے دوبارہ زندہ ہونے اور بیان دینے کے بعد جب مر گیا تو اس نے کہا کہ اس نے جھوٹ کہا اور پھر کچھ وقت گزر جانے کہ بعد بنی اسرائیل کے دل پھر پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوگئے کیونکہ پتھروں سے تو نہریں نکلتی اور بہنے لگتی ہیں بعض پتھر پھٹ جاتے ہیں۔ بعض خوف اللہ سے گر پڑتے ہیں لیکن ان کے دل کسی وعظ ونصیحت سے نرم ہی نہیں ہوتے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پتھروں میں ادراک اور سمجھ ہے۔

اورجگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے آیت

تُسَبِّحُ لَہُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَ الۡاَرۡضُ وَ مَنۡ فِیۡہِنَّ ؕ وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَہُوۡنَ تَسۡبِیۡحَہُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا ۝

(17۔ الاسرآء:44)

یعنی ساتوں آسمان اورزمینیں اوران کی تمام مخلوق اور ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ حلم وبرباری والا اور بخشنے اورمعاف کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے آیت۔

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا

وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ (33 ۔ الاحزاب:72)

یعنی ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا انہوں نے اس کے اُٹھانے سے مجبوری ظاہر کی اور ڈر گئے اور کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ احد پہاڑ کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت رکھتے ہیں ایک اور حدیث میں ہے کہ جس کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر حضور ﷺ جمعہ کا خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر بنا اور وہ تنا ہٹا دیا گیا تو وہ تنا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ حجر اسود کے بارے میں ہے کہ جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہوگا یہ اس کے ایمان کی گواہی قیامت والے دن دے گا اور اس طرح کی بہت سی آیات اور حدیثیں ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں ادراک وحس ہے اور یہ تمام باتیں حقیقت پر محمول ہیں نہ کہ مجاز پر۔

قرطبیؒ اور رازی تو کہتے ہیں کہ ان کے دلوں کو خواہ جیسے پتھر سمجھ لو یا اس سے بھی زیادہ سخت۔ رازی نے ایک وجہ یہ بھی بیاں کی ہے کہ یہ ابہام کے لئے ہے گویا مخاطب کے سامنے باوجود ایک بات کا پختہ علم ہونے کے دو چیزیں بطور ابہام پیش کی جارہی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ بعض دل پتھر جیسے اور بعض اس سے زیادہ سخت ہیں۔ واللہ اعلم۔

یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ تمہارے دل ان دو حال سے خارج نہیں یا تو وہ پتھر جیسے ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت۔ تفسیر ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ کے ذکر کے سوا زیادہ باتیں نہ کیا کرو کیونکہ کلام کی کثرت دل کو سخت کر دیتی ہے اور سخت دل والا اللہ سے بہت دور ہوجاتا ہے۔ بزار میں حضرت انس سے مرفوعاً روایت ہے کہ چار چیزیں بدبختی اور شقاوت کی ہیں خوف اللہ سے آنکھوں سے آنسو نہ بہنا۔ دل کا سخت ہوجانا۔ امیدوں کا بڑھ جانا۔ لالچی بن جانا۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

اس آیت کی ضمن میں حضرت علامہ قاضی محمد ثناءاللہ عثمانیؒ مجددی پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں۔
''پھر سخت ہو گئے تمہارے دل یہ منظر دیکھنے کے بعد بھی وہ تو پتھر کی طرح (سخت) ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت (کیونکہ) کئی پتھر ایسے بھی ہیں جن سے نہریں بہہ نکلتی ہیں اور کئی ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلنے لگتا ہے اور کئی ایسے بھی ہیں جو خوف الٰہی سے گر پڑتے ہیں اور اللہ بے خبر نہیں ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو یہاں مراد دلوں سے رحمت، نرمی اور بھلائی کا نکلنا ہے، سخت دل پر لمبی امیدیں، یادِ الٰہی سے محرومی اور خواہشات نفسانی کی اتباع ہوتی ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام اولاد آدم کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں میں ایک دل کی مانند ہیں وہ جیسے چاہتا ہے انہیں پھیرتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر پھیر دے۔ (مسلم)

تحقیق وہ ہے جو امام بغویؒ نے لکھا ہے۔ اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جمادات اور تمام حیوانات کا علم ہے۔ جبکہ جن وانس کو ان کا علم نہیں ہے۔ تمام جمادات وحیوانات کے لئے دعا، تسبیح اور خشیت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْ ءُ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ،

(اس کائنات میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے حمد کرتے ہوئے)،

وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ط کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ ط

(اور پرندے پر پھیلائے ہوئے، ہر ایک جانتا ہے اپنی (مخصوص دعا اور تسبیح کو)۔

امام بغویؒ فرماتے ہیں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ثبیر پہاڑ پر تھے اور کفار آپ ﷺ کو تلاش کر رہے تھے۔ پہاڑ نے آپ ﷺ سے عرض کی حضور ﷺ! مجھ سے اتر جائیں مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں آپ ﷺ میرے اوپر سے پکڑے گئے تو مجھے اللہ تعالیٰ سزا دیں گے۔ جبل حراء نے آپ ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میری طرف تشریف لائیے، میری طرف تشریف لائیے۔ امام بغویؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ

عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو مکہ میں میری بعثت سے پہلے مجھے سلام کرتا تھا۔ میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں۔ یہ حدیث صحیح ہے اور امام مسلم نے تخریج کی ہے اور حضرت انسؓ سے صحت کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جبل احد کے سامنے تشریف لائے تو فرمایا یہ احد پہاڑ ہے، یہ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

(تفسیر مظہری)

اسی آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع ؒ صاحب مفتی اعظم پاکستان اپنی تفسیر معارف القرآن میں فرماتے ہیں۔

ایسے واقعات کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل کے لوگوں کے دل بالکل نرم اور حق تعالیٰ کی عظمت سے پُر ہو جاتے لیکن تمہارے دل پھر بھی سخت ہی رہے تو یوں کہنا چاہئے کہ ان کی مثال پتھر کی جیسی ہے یا یوں کہتے کہ وہ سختی میں ان سے بھی زیادہ ہیں اور زیادہ سخت اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ بعضے پتھر تو ایسے ہیں جن سے بڑی بڑی نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں اور انہی پتھروں میں بعضے تو ایسے ہیں کہ جو شق ہو جاتے ہیں پھر اُن سے اگر زیادہ نہیں تو تھوڑا ہی پانی نکل آتا ہے اور ان ہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک آتے ہیں اور تمہارے قلوب میں کسی قسم کا اثر ہی نہیں ہوتا ہے اور اس قساوت سے جو اعمال بد صادر ہوتے ہیں حق تعالیٰ تمہارے ان اعمال سے بے خبر نہیں ہیں بہت جلد تم کو سزا تک پہنچا دیں گے۔

فائدہ: اس جگہ پتھر کے تین اثرات بیان کئے گئے ہیں اول ان سے زیادہ پانی نکلنا، دوم کم پانی نکلنا۔ ان دو میں تو کسی کو شبہ نہیں ہے تیسری صورت یعنی خدا کے خوف سے پتھر کا نیچے آ گرنا اس میں ممکن ہے کسی کو شبہ ہو کیونکہ پتھر کو تو عقل اور حس نہیں ہوتی سو یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ خوف کے لئے عقل کی تو ضرورت نہیں، کیونکہ حیوانات لایعقل میں خوف کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ البتہ حس کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جمادات میں اتنی حس بھی نہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ حِس حیات پر موقوف ہے اور بہت ممکن ہو کہ ان میں ایسی لطیف حیات ہو جس کا ہم کو ادراک نہ ہوتا۔ جیسا ہر دماغ کے احساس کا بہت سے عقلمند لوگوں کو ادراک نہیں ہوتا وہ محض دلائل سے اس کے قائل

ہوتے ہیں۔ یہ دعویٰ بھی نہیں کہ ہمیشہ پتھر گرنے کی علت خوف ہی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ بعض پتھر اس وجہ سے گر جاتے ہیں سو بہت ممکن ہے کہ گرنے کے اسباب مختلف ہوں ان میں سے بعض طبعی ہوں اور ایک سبب خوف خدا بھی ہو۔

اس مقام پر تین قسم کے پتھروں کے ذکر میں ترتیب نہایت لطیف اور نہایت بلیغ انداز میں کیا گیا ہے۔ یعنی بعض پتھروں میں تاثر اتنا قوی ہے جس سے نہریں جاری ہوجاتی ہیں جن سے مخلوق خدا فائدہ اٹھاتی ہے۔ ان یہودیوں کے دل ایسے بھی نہیں کہ مخلوق خدا کی تکلیف و مصیبت میں پگھل جائیں اور بعض پتھروں میں ان سے کم تاثر ہوتا ہے جس سے کم نفع پہنچتا ہے تو یہ پتھر بہ نسبت اول کے کم نرم ہوئے اور ان کے قلوب ان درجہ پتھروں سے بھی سخت ہیں۔ اور بعض پتھروں میں گو اس درجہ کا اثر نہیں مگر پھر بھی ایک اثر تو ہے کہ خوف خدا سے نیچے گر آتے ہیں گو درجے میں پہلی قسموں سے یہ ضعیف تر ہیں مگر ان کے قلوب میں تو کم درجہ اور ضعیف ترین جذبہ انفعال بھی نہیں۔

1:2 ۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ج يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ لا وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ج وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلاً مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ O

(المائدہ - 13)

تو ان لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں۔ اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی ان کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ تم ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو۔ تو ان کی خطائیں معاف کر دو اور اُن سے درگزر کرو، خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

So, because they broke their pledge, We cursed them and made their hearts hardened. They change words from their places, and they have overlooked a good deal of the Advice they were

given. Every now and then you come across a certain treachery from all of them, except a few. So, forgive them and forego. Indeed, Allah loves those who are good in deeds.

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نافرمان اور عہد شکن لوگوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ ان کے دل سخت کر دئے ہیں اس کی تشریح میں تفسیر مظہری میں ارشاد ہوا۔

''تو بوجہ ان کی عہد شکنی کے (۱) ہم نے اپنی رحمت سے انہیں دور کر دیا (۲) اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا (۳) وہ (اللہ کے) کلام کو اپنی اصلی جگہوں سے بدل دیتے ہیں (۴) اور انہوں نے بھلا دیا بڑا حصہ جس کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی (۵) اور ہمیشہ آپ ان کی خیانت پر آگاہ ہوتے رہیں گے (۶) بجز چند آدمیوں کے ان سے (۷) تو ان کو معاف فرماتے رہیئے اور درگزر فرمایئے (۸) بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے (۹)''۔

(۱) وعدے توڑنے سے مراد نصاریٰ کا حضور ﷺ کی تکذیب کرنا، یہودیوں کا حضور ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کی تکذیب کرنا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو پس پشت ڈال دیا اور اپنے فرائض ضائع کر دیئے۔

(۲) عطاء نے کہا اس کے معنی ہیں کہ ہم نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ حسن اور مقاتل نے کہا ہم نے انہیں مسخ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ہم نے ان پر جزیہ لازم کر دیا۔

(۳) یعنی سخت دل جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نرم نہیں ہوتے۔ اپنی سختی کی وجہ سے آیات اور خشیت سے متاثر نہیں ہوتے۔

(۴) یعنی تورات میں موجود اللہ تعالیٰ کے احکام کو پھیر دیتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف اور اس پر افتراء باندھنا انتہائی سخت دل ہونے کا نتیجہ ہے۔

(۵) یعنی تورات اور انبیاء کی زبانوں سے انہیں جو یاد کرایا گیا تھا اس کا ایک مکمل حصہ وہ بھول گئے۔ وہ یہ تھا کہ تم پر حضور ﷺ کی اتباع لازم ہے یا اس کا معنی جو ان کی طرف نازل کیا گیا تھا۔ اس کا ایک حصہ چھوڑ دیا

کیونکہ ان کے آباؤ اجداد کا حصہ یہ تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کریں اور حضور ﷺ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کا حصہ یہ تھا کہ وہ حضور ﷺ کی اتباع کریں جس کو انھوں نے نہیں اپنایا۔

(۶) اے محمد (ﷺ)! آپ لگا تار ان کی خیانتوں پر آگاہ ہوتے رہیں گے ۔

آپ ہمیشہ ان میں ایسے لوگ پاتے رہیں گے، ان کے اسلاف سابقہ رسولوں کے ساتھ خیانت کرتے تھے اور یہ آپ ﷺ کے ساتھ خیانت کرتے ہیں۔ ان کی خیانت حضور ﷺ کے ساتھ بدعہدی، حضور ﷺ کے خلاف مشرکوں کی مدد حضور ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کرنا، آپ ﷺ کو زہر دینا اور اسی جیسے دوسرے کام تھے۔

۷) تھوڑے ہی ہیں جو خیانت نہیں کرتے، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے صالح لوگ ہیں اور جو حضور ﷺ کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لائے۔

۸) یعنی آپ ان سے اعراض کریں ان سے کوئی تعرض نہ کریں۔ انھوں نے آپ ﷺ کو جو اذیتیں دی ہیں ان پر مواخذہ نہ کریں ان کے ساتھ وہی معاملہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے۔ انھوں نے حضور ﷺ کے ساتھ جو معاملہ روا رکھا تھا اس پر انہیں معاف کرنا، یہ اللہ تعالیٰ کے خلاف جہاد کرنے کی مصلحت کے منافی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کے معنی ہیں آپ انہیں معاف کریں اور درگزر سے کام لیں، بشرطیکہ وہ توبہ کریں اور ایمان لے آئیں یا معاہدہ کریں اور جزیہ اپنے اوپر لازم کرلیں۔

۹) یہ درگزر کرنے کے حکم کی علت ہے۔ نیز درگزر کرنے پر برانگیختہ کرنا مقصود ہے اور اس امر پر آگاہ کرنا ہے کہ خائن کافر کو معاف کرنا یہ بھی احسان ہے۔ چہ جائیکہ کسی غیر کو معاف کرنا یعنی وہ بدرجہ اولیٰ احسان ہے۔

(تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ نے یہود کی دو عہد شکنیوں کا ذکر ہے۔

## پہلی عہد شکنی:

پہلی عہد شکنی کا حاصل یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مصر میں قیام کے زمانہ میں بنی اسرائیل ملک شام سے ہجرت کر کے مصر میں سکونت پزیر ہو گئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون کی ہلاکت کے

بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر شام چلے جائیں۔ ملک شام پر چونکہ قوم عاد کے باقی ماندہ کچھ لوگ قابض ہوگئے ہیں ان سے لڑ کر ملک شام کو آزاد کرائیں اور وہیں سکونت اختیار کریں۔ قوم عاد کے لوگوں میں ایک شخص تھا جس کا نام عملیق بن آزر تھا ملک شام پر قابض لوگ اسی شخص کی اولاد تھے اسی لئے ان کو عمالقہ کہا جانے لگا تھا۔ عمالقہ قوم کے لوگ بڑے مضبوط جسموں کے مالک اور شہ زور اور قد آور تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب شام کے قریب پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام نے بارہ قبیلوں میں سے بارہ سردار منتخب کئے۔ جن کو اپنے قبیلوں کی دینی و اخلاقی نگرانی کی ذمہ داری سپرد کی مذکورہ بارہ سرداروں کو قوم عمالقہ کے حالات معلوم کرنے کیلئے بھیجا اور ان سے یہ عہد لیا کہ قوم عمالقہ کی قوت و طاقت اور شہ زوری کی کوئی ایسی بات یہاں آکر بیان نہ کریں جس سے بنی اسرائیل کے حوصلے پست ہو جائیں اور ان سے خوف زدہ ہو کر ان سے لڑنے سے ہمت ہار بیٹھیں۔ چنانچہ انہوں نے قوم عمالقہ کے حالات بیان کر دیئے جس کی وجہ سے بنی اسرائیل ہمت ہار گئے اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لڑنے کیلئے جانے سے انکار کر دیا۔

## دوسری عہد شکنی:

دوسرا عہد تورات کے احکام کی پابندی کا تھا۔ اس عہد میں نماز، زکوٰۃ وغیرہ کا بنی اسرائیل کو پابند کیا گیا تھا جو انہوں نے پورا نہ کیا۔ ان کو سابقہ عہد کو یاد دلایا گیا ہے۔ غرض یہ کہ اس عہد کے مطابق یہود کو عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزمان ﷺ کی فرمانبرداری اور پیروی کا پابند کیا گیا تھا انہوں نے اس کو پورا نہ کیا جس کی وجہ سے تورات کے بھی پابند نہ رہے۔ اسلئے کہ تورات کی جن آیات میں عیسیٰ علیہ اسلام اور نبی آخر الزمان ﷺ کے اوصاف علامات مذکور تھیں ان میں لفظی اور معنوی تحریف کر ڈالی۔ اسی تحریف کی جانب ( **و یُحَرِفُون الکلم عن مواضعه**) سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

یہود چونکہ اپنے پختہ عہد پر قائم نہ رہ سکے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طرح طرح کی سزاؤں میں گرفتار ہوئے اور اس طرح ذلت سے دوچار ہوئے کہ تاریخ میں یہود کا نام ہمیشہ ذلت سے لیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ اس عہد شکنی کی وجہ سے

ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے قلوب قبول حق کے معاملہ میں سخت پتھر کے مانند ہوگئے۔ اس سنگدلی کا اثر یہ ہوا کہ اپنے اندر تبدیلی کے بجائے خدا کے کلام میں تبدیلی کرنے لگے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو جو نصیحت کی گئی تھی اس کا اکثر حصہ فراموش کر بیٹھے۔ ان کی اس تحریف خیانت کا سلسلہ ہنوز جاری ہے جس کی اطلاع آپ ﷺ کو ہو جاتی ہے۔ البتہ بہت تھوڑے لوگ ان میں ایسے بھی ہیں کہ اس ناشائستہ حرکت سے محفوظ ہے، آپ ﷺ ان کو معاف کیجئے اور درگذر سے کام لیجئے۔

بنی اسرائیل کی بداعمالیوں اور بداخلاقیوں کا جو بیان آیا بظاہر اس کا تقاضہ یہ تھا کہ رسول کریم ﷺ ان سے انتہائی نفرت وحقارت کا معاملہ کریں ان کو پاس نہ آنے دیں اس آیت کے آخری جملہ میں آپ ﷺ کو ہدایت دی جارہی ہے۔

فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاصۡفَحۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ O

یعنی آپ ﷺ ان کو معاف کریں اور ان کی بدکرداریوں کو نظر انداز کریں، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ حسن سلوک کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

(جمالین فی شرح جلالین)

اس آیت کی تشریح میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

بنی اسرائیل نے عہد مذکور توڑ ڈالا اور توڑنے کے بعد طرح طرح کی آزمائشوں اور سزاؤں میں جیسے مسخ اور ذلت وغیرہ گرفتار ہوگئے۔ پس یہ جو ان کو عنایت واالطاف الہیہ کے خلاف ہوا تو صرف ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت یعنی اس کے آثار سے دور کر دیا اور یہی حقیقت ہے۔ لعنت کی اور اسی لعنت کا اثر یہ ہے کہ ہم نے اُن کے قلوب کو سخت کر دیا کہ حق بات کا ان پر اثر ہی نہیں ہوتا۔ اس سخت دلی کے اثر یہ ہے کہ وہ لوگ یعنی ان میں سے علماء کلام الٰہی یعنی توریت کو اس کے الفاظ یا مطالب کے مواقع سے بدلتے ہیں۔ یعنی تخریف لفظی یا تحریف معنوی کرتے ہیں اور اس تحریف کا اثر یہ ہوا کہ وہ لوگ جو کچھ ان کو توریت میں نصیحت کی گئی تھی اس میں سے اپنا ایک

بڑا حصہ نفع کا جو کہ ان کو عمل کرنے سے نصیب ہوتا فوت کر بیٹھے۔ ایمان سے زیادہ بڑا حصہ کیا ہوگا غرض عہد توڑنے پر لعنت مرتب ہوئی اور پھر یہ بھی تو نہیں کہ جتنا کر چکے اس پر بس کریں بلکہ حالت یہ ہے کہ آپ کو آئے دن یعنی ہمیشہ دین کے باب میں کسی نہ کسی (نئی) خیانت کی اطلاع ہوتی رہتی ہے جو ان سے صادر ہوتی رہتی ہے بجز ان کے معدودے چند شخصوں کے (جو کہ مسلمان ہوگئے تھے) سو آپ ﷺ ان کو معاف کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے۔ یعنی جب تک شرعی ضرورت نہ ہو۔ ان کی خیانتوں کا اظہار اور اُن کو نصیحت نہ کیجئے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوش معاملہ لوگوں سے محبت کرتا ہے اور بلاضرورت نصیحتیں نہ کرنا خوش معاملگی ہے اور جو لوگ نصرت دین کے دعوے سے کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ ہم نے ان سے بھی ان کا عہد یہود جیسا لیا تھا سو وہ بھی جو کچھ ان کو انجیل وغیرہ میں نصیحت کی گئی تھی اس میں سے اپنا ایک بڑا حصہ نفع کا جو کہ ان کو عمل کرنے سے نصیب ہوتا فوت کر بیٹھے کیونکہ وہ حکم جس کو فوت کر بیٹھے توحید ہے اور ایمان ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ پر جس بات کا حکم ہوا ان کو بھی ہوا تھا۔ جب توحید کو چھوڑ بیٹھے تو ہم نے ان میں قیامت تک کے لئے باہم بغض و عدالت ڈال دی۔ یہ تو دنیوی سزا ہوئی اور عنقریب آخرت میں کہ وہ بھی قریب ہی ہے ان کو اللہ تعالیٰ ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے (پھر سزا دیں گے)۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ معارف القرآن میں فرماتے ہیں۔

بنی اسرائیل نے اپنی بدبختی سے ان واضح ہدایات پر کان نہ دھرے اور میثاق کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیا۔ بنی اسرائیل پر ان کی بدعملی اور سرکشی کی سزا میں دو طرح کے عذاب آئے۔ ایک ظاہری اور محسوس جیسے پتھراؤ یا زمین کا تختہ الٹ دینا وغیرہ جن کا ذکر قرآن کریم کی آیات میں مختلف مقامات پر آیا ہے۔

دوسری قسم کے عذاب کی معنوی اور روحانی ہے کہ سرکشی کی سزا میں ان کے دل و دماغ مسخ ہوگئے۔ اُن میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہ رہی۔ وہ اپنے گناہوں کے وبال میں مزید گناہوں میں مبتلا ہوتے چلے گئے۔

ارشاد ہے:۔ (فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ج)

یعنی ہم نے ان کی بدعہدی اور میثاق کی خلاف ورزی کی سزا میں ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا، اور ان

کے دلوں کو سخت کر دیا کہ اب ان میں کسی چیز کی گنجائش نہ رہی۔اسی رحمت سے دوری اور دلوں کی سختی کو قرآن کریم نے سورۂ المطففین میں **رَانَ** کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ **کَلَّا بَلْ سکتة رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ O** یعنی قرآنی آیات بینات اور کھلی ہوئی نشانیوں سے انکار کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے زنگ بیٹھ گیا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے ایک حدیث ارشاد فرمایا ہے کہ انسان جب اول کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے جس کی برائی کو وہ ہر وقت ایسا محسوس کرتا ہے جیسے کسی صاف سفید کپڑے پر ایک سیاہ داغ لگ جائے وہ ہر وقت نظر کو تکلیف دیتا ہے۔ پھر اگر اس نے متنبہ ہو کر توبہ کر لی اور آئندہ گناہ سے باز آ گیا تو وہ نقطہ مٹا دیا جاتا ہے اور اگر اس نے پروانہ کی بلکہ دوسرے گناہوں میں مبتلا ہوتا چلا گیا تو ہر گناہ پر ایک نقطہ سیاہ کا اضافہ ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اس کا صفحہ قلب ان نقطوں سے بالکل سیاہ ہو جائے گا۔ اس وقت اس کے قلب کی یہ حالت ہو جائے گی جیسے کوئی برتن اوندھا رکھا ہو کہ اس میں کوئی چیز ڈالی جائے تو فوراً باہر آ جاتی ہے۔ اس لئے کوئی خیر اور نیکی کی بات اس کے دل میں نہیں جمتی اس وقت اس کے دل کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ

**( لایعرف معروفا ولامنکر منکرا )**

یعنی اب نہ وہ کسی نیکی کو نیکی سمجھتا ہے نہ برائی کو برائی بلکہ معاملہ برعکس ہونے لگتا ہو کہ عیب کو ہنر، بدی کو نیکی ، گناہ کو ثواب سمجھنے لگتا ہے۔ اور اپنی طغیانی اور سرکشی میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہ اس کے گناہ کی نقد سزا ہے جو اس کو دنیا ہی میں مل جاتی ہے۔

بعض اکابر نے فرمایا ہے۔

**ان من جزاء الحسنة الحسنة بعد ها وان من جزاء السیئة السیئة بعد ھا۔**

یعنی نیکی کی ایک نقد جزاء یہ ہے کہ اس کے بعد اس کو دوسری نیکی کی توفیق ہوتی ہے۔ اس طرح گناہ کی نقد سزا یہ ہے کہ ایک گناہ کے بعد اس کا دل دوسرے گناہوں کی طرف مائل ہونے لگتا ہے۔ ایک نیکی دوسری نیکی کو دعوت دیتی ہے اور ایک بدی دوسری بدی کو اور گناہ کو ساتھ لے آتی ہے۔

بنی اسرائیل کو عہد شکنی کی نقد سزا حسب ضابطہ ان کو یہ ملی کہ وہ رحمت خداوندی سے دور ہو گئے، جو سب سے

بڑا وسیلہ نجات ہے اور ان کے دل سخت ہو گئے جس کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔

یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ یعنی یہ لوگ کلام الٰہی کو اس کے ٹھکانے سے پھیر دیتے ہیں۔

یعنی خدا کے کلام میں تحریف کرتے ہیں۔ کبھی اس کے الفاظ میں اور کبھی معنی میں کبھی تلاوت میں تحریف کی یہ سب اقسام قرآن کریم اور کتب حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔ جس کا قدرے اعتراف آج کل بعض یورپین عیسائیوں کو بھی کرنا پڑا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اس معنوی سزا کا یہ نتیجہ ہوا کہ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ۔ یعنی نصیحت جو ان کو کی گئی تھی کی اس سے نفع اٹھانا بھول گئے اور پھر فرمایا کہ ان کی یہ سزا ایسی ان کے گلے کا ہار بن گئی۔

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ۔ یعنی آپ ﷺ ہمیشہ ان کی دغا وفریب پر مطلع ہوتے رہیں۔

اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۔ بجز تھوڑے لوگوں کے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام ؓ وغیرہ جو پہلے اہل کتاب کے دین پر تھے پھر سچے مسلمان ہو گئے۔

یہاں تک بنی اسرائیل کی بدعملیوں اور بداخلاقیوں کا جو بیان آیا بظاہر اس کا تقاضا یہ تھا کہ رسول کریم ﷺ ان سے انتہائی نفرت اور حقارت کا معاملہ کریں ان کو پاس نہ آنے دیں۔ اس لئے آیت کے آخر جملہ میں رسول کریم ﷺ کو یہ ہدایت دی گئی کہ

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔

یعنی آپ ان کو معاف کریں اور ان کی بدعملی سے درگذر کریں۔ اُن سے منافرت کی صورت نہ رکھیں کیونکہ اللہ تعالٰی احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے ایسے حالات کے باوجود اپنے طبعی تقاضے پر عمل نہ کریں۔ یعنی منافرت کا برتاؤ نہ کریں کیونکہ ان کی سخت دلی اور بے حسی کے بعد اگر چہ کسی وعظ ونصیحت کا اُن کے لئے موثر ہونا دشوار ہے۔ لیکن رواداری اور حسنِ خلق کا معاملہ ایسا کیمیا ہے کہ اس کے ذریعہ ان بے حسوں میں بھی حس پیدا ہو سکتی ہے اور ان میں حس پیدا ہو یا نہ ہو۔ بہر حال اپنے اخلاق ومعاملات کو درست رکھنا تو ضروری ہے، احسان کا معاملہ اللہ تعالٰی کو پسند ہے۔ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو تو اللہ تعالٰی کا اور قرب حاصل ہو ہی جائے گا۔

1:3 ۔ فَلَوْلَآ اِذْجَآءَ هُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ
الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O

(الانعام ۔ 6:43)

توجب ان پر ہمارا عذاب آتا رہا کیوں نہیں عاجزی کرتے رہے۔ مگران کے تو دل ہی سخت ہو گئے تھے۔
اور جو کام وہ کرتے تھے شیطان ان کو (ان کی نظروں میں) آراستہ کر کے دکھاتا ہے۔

Why then, did they not supplicate in humility when a calamity from Us came upon them? Instead, their hearts were heardened and Satan adorned for them what they were doing.

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ عذاب دیکھ کر بھی اپنی ہڈ دھرمی پر جمے رہے ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے عملوں کو خوبصورت کر کے دکھایا اس کی تشریح میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ اپنی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں۔

یعنی جب ہماری پکڑ آئی تو انہوں نے آہ وزاری کیوں نہیں کی، تضرع کے اسباب ہوتے ہوئے بھی انہوں نے توبہ نہ کی، اس کی وجہ ان کے دل کا سخت ہونا ہے۔ اسی وجہ سے وہ عذاب میں مبتلا ہو کر بھی خبردار نہ ہوئے اور شیطان کے مزین کرنے سے وہ اپنے برے اعمال کو بھی اچھا خیال کرتے رہے۔ یہاں اس سبب کی وضاحت کی گئی ہے کہ جس نے انہیں عاجزی کے ساتھ توبہ کرنے سے روکا، وہ ان کے دل سختی اور شیطان کی طرف سے اعمال مزین کرنے کی وجہ سے اپنے اعمال پر خوش ہونا ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین سیوطی ؒ اپنی تفسیر جلالین میں تحریر فرماتے ہیں۔

قومیں جب اخلاق و کردار کی پستی میں مبتلا ہو کر اپنے دلوں کو زنگ آلود کر لیتی ہیں تو اس وقت اللہ کا عذاب بھی انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے اور جھنجھوڑنے میں ناکام رہتا ہے پھر اس کے ہاتھ طلب مغفرت کیلئے اللہ کے سامنے نہیں اٹھتے نہ ان کے دل اس بارگاہ میں جھکتے ہیں اور نہ ان کے رخ اصلاح کی طرف مڑتے ہیں بلکہ اپنی

بداعمالیوں پر تاویلات اور توجیہات کے حسین غلاف چڑھا کر اپنے دل کو مطمئن کر لیتے ہیں۔ اس آیت میں ایسی ہی قوموں کا وہ کردار بیان کیا گیا ہے جسے شیطان نے ان کے لئے خوبصورت بنا دیا ہے۔

( جمالین فی شرح جلالین )

## معارف القرآن میں مفتی اعظمؒ پاکستان فرماتے ہیں

اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ہم نے آپ ﷺ سے پہلی امتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے تھے مگر انہوں نے ان کو نہ مانا تو ہم نے ان کو تنگدستی اور بیماری سے پکڑا تا کہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں اور اپنے کفر و معصیت سے توبہ کر لیں۔ جب ان کو ہماری سزا پہونچی تھی وہ ڈھیلے کیوں نہ پڑے کہ ان کا جرم معاف ہو جاتا۔ ان کے قلوب تو ویسے ہی سخت کے سخت رہے اور شیطان ان کے اعمال بد کو ان کے خیال میں بدستور آراستہ کر کے دکھاتا رہا۔ پھر جب وہ لوگ (بدستور) اُن چیزوں کو بھولے اور چھوڑے رہے جن کی ان کو پیغمبروں کی طرف سے نصیحت کی جاتی تھی یعنی ایمان اور اطاعت، تو ہم نے اُن پر عیش و عشرت کی ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب اُن چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اِترا گئے اور غفلت و سستی میں ان کا کفر اور بڑھ گیا اس وقت ہم نے ان کو اچانک عذاب میں پکڑ لیا اور عذاب شدید نازل کیا۔ جس کا ذکر قرآن میں جا بجا آیا ہے پھر اس عذاب سے ظالم لوگوں کی جڑ تک کٹ گئی۔ اور اللہ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے کہ ایسے ظالموں کا پاپ کٹا جن کی وجہ سے دنیا میں نحوست پھیلی تھی۔

1:4 ۔ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِىْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ O

(الحج ۔ 22:53)

غرض (اس میں) یہ ہے کہ جو (وسوسہ) شیطان ڈالتا ہے اس کو ان لوگوں کے لئے جن دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں ذریعہ آزمائش ٹھہرائے بیشک ظالم پرلے درجے کی مخالفت میں ہیں۔

(All this is allowed to be done) so that He may make what Satan casts a trial for those in whose hearts there is a disease, and whose hearts are hard; and surely the wrongdoers are in the utmost antagonism۔

خدا تعالیٰ حکیم ہیں ان کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، لہٰذا یہ بھی حکمت سے خالی نہیں تھا۔ اس وجہ سے کہ یہ شیطانی وسوسے ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں شرک وکفر ہے اور جو نفاق میں مبتلا ہیں۔ ان کے لئے فتنہ بن جائے اور واقعی یہی ہوا کہ مشرکین نے اس شیطانی وسوسے کو خدا تعالیٰ کی جانب سے سمجھ لیا۔

مایوسی:.......................ارشاد خداوندی ہے کہ یہ کفار جن کے دلوں میں قرآن اور وحی الٰہی کی طرف سے شکوک وشبہات ہیں وہ تا قیامت ان کے دلوں سے نہیں نکل سکتے۔ شیطان انہیں اپنے مکر وفریب میں ہمیشہ مبتلا رکھے گا۔ نیز جس طرح ایمان کی برکت سے دن بدن قلب میں نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح کفر وشرک کی نحوست سے قلب میں تاریکی اور گمراہی میں اضافہ ہوتا ہے اور انہیں اس وقت جو مہلت ملی ہوئی ہے اس سے ان کے دماغ میں تکبر وغرور بھر رہا ہے۔ یہ اس وقت ہوش میں آئیں گے جب اچانک ان کے پاس قیامت کا عذاب آپہنچے گا یا وہ اس دن کے عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے جو ان کے لئے منحوس ثابت ہوگا۔

(کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

مفتی محمد شفیع صاحب ؒ اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے محمد ﷺ! یہ لوگ شیطان کے اثر سے آپ سے جھگڑا کرتے ہیں یہ کوئی نئ

بات نہیں بلکہ ہم نے آپ (ﷺ) سے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے کچھ پڑھا (تب ہی) شیطان نے اس کے پڑھنے میں کفار کے قلوب میں شبہ اور اعتراض ڈالا اور کفار انہی شبہات اور اعتراضات کو پیش کر کے انبیاء سے جھگڑا کیا کرتے تھے۔

جیسا دوسری آیات میں ارشاد ہے۔

﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ط ﴾

(الانعام . 6:112)

اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا وہ دھوکا دینے کیلئے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے اور اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو ان کو اور جو کچھ یہ افتراء کرتے ہیں اسے چھوڑ دو۔

﴿ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ط ﴾

(الانعام . 6:121)

اور شیطان (لوگ) اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں

پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو نیست و نابود کر دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کے مضامین کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے گو وہ فی نفسہا بھی مستحکم تھیں لیکن اعتراضات کے جواب سے اس استحکام کا زیادہ ظہور ہو گیا اللہ تعالیٰ خوب علم والا، خوب حکمت والا ہے۔ یہ سارا قصہ اس لئے بیان کیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ایسے لوگوں کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنا دے جن کے دلوں میں شک کا مرض ہے اور جن کے دل سخت ہیں کہ وہ شک سے بڑھ کر باطل کا یقین کئے ہوے ہیں سو ان کی آزمائش ہوتی ہے کہ دیکھیں بعد جواب کے اب بھی شبہات کا اتباع کرتے ہیں یا جواب کو سمجھ کر حق کو قبول کرتے ہیں اور واقعی یہ ظالم لوگ یعنی اہل شک بھی اور اہل یقین بالباطل بھی بڑی مخالفت میں ہیں کہ حق کو باوجود واضح ہونے کے محض عناد کے سبب قبول نہیں کرتے شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا تصرف تو اس لئے دیا گیا تھا کہ آزمائش ہو۔

1:5 ۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ط فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَۃِ قُلُوْبُھُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ط اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ O

(الزمر . 39:22)

بھلا جس شخص کا سینہ خدا نے اسلام کے لئے کھول دیا ہوا اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو (تو کیا وہ سخت دل کافر کی طرح ہوسکتا ہے؟) پس ان پر افسوس ہے جن کے دل خدا کی یاد سے سخت ہور ہے ہیں یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

So I ask about a person whose heart Allah has opened up for Islam, and consequently he proceeds in a light from his Lord. (Can he be equal to the one whose heart is hardened?) So, woe those whose hearts are too hard to remember Allah. Those are wandering in open error.

حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ط

سو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کو قبول کرنے کے لئے کھول دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے رب کے عطا کردہ نور پر ہے کیا وہ شخص اور وہ لوگ جن کے دل سخت (اور تاریک) ہیں برابر ہیں۔

شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے بندہ کے دل میں ایک نور پیدا کیا جس کی چمک میں اس نے حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھ لیا اور بغیر کسی تردد اور شک کے وہ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لے آیا اور سب کی تصدیق کی اس حالت کو شرح صدر سے اس لئے تعبیر کیا کہ سینہ دل اور روح کا مقام ہے اور دل ہی اسلام کو قبول کرتا ہے۔

نور سے مراد ہے بصیرت (دل کی بینائی)

جب مومن اور کافر میں فرق ثابت ہوگیا تو جس کا دل اللہ نے اسلام کو قبول کرنے کے لئے کھول دیا اور اس

کے نتیجہ میں اس کو ایک خاص نور حاصل ہو گیا۔ جس کی وجہ سے وہ ایمان لے آیا اور ہدایت یاب ہو گیا کیا ایسا شخص اس آدمی کی طرح ہوسکتا ہے جس کے دل پر اللہ نے چھاپ لگا دی اور اس کا دل سخت ہو گیا ہے۔

فَوَيۡلٌ لِّلۡقٰسِيَةِ قُلُوۡبُهُمۡ مِّنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ

ان کے دل ذکر خدا سے متاثر نہیں ہوتے ان کے لئے بڑی خرابی ہے یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

مسلم کا دل اللہ کے ذکر سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے اور کافر کے دل میں سختی بڑھتی اور انکار میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس لئے جہاں شرح صدر کا ذکر کیا تو شرح صدر کرنے والا اللہ کو قرار دیا اور جہاں قلب کی سختی کا ذکر کیا تو قسادت کی نسبت قلب کی طرف کر دی گویا اس آیت کا معنی اور آیت ذیل کا معنی ایک جیسا ہے ایک اور آیت میں فرمایا ہے۔

وَالَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَتۡهُمۡ رِجۡسًا اِلٰى رِجۡسِهِمۡ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ☆

یعنی ان لوگوں کے لئے بڑی خرابی ہے جن کے دل اللہ کے ذکر کو ترک کرنے کی وجہ سے سخت ہو گئے ہیں۔

مالک بن دینارؒ نے کہا قسادت قلب سے بڑھ کر کوئی سزا بندہ کے لئے مقرر نہیں کی گئی اور اللہ کا غضب کسی قوم پر اسی وقت نازل ہوتا ہے جب ان کے دلوں سے نرمی ختم ہو جاتی ہے۔

حاکمؒ وغیرہ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت سے بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر ایک طویل مدّت تک قرآن نازل ہوتا رہا اور آپ (ﷺ) برابر لوگوں کو پڑھ کر سناتے رہے آخر صحابہؓ نے (ایک روز عرض کیا یارسول اللہ ﷺ قرآن کے علاوہ حضور ﷺ کچھ اور بھی بیان فرمائیں (تو بہتر ہوگا)۔ ابن جریر نے حضرت عون بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا کہ صحابہؓ کچھ اکتا گئے اور انہوں نے عرض کیا کاش آپ (کچھ اور بھی) بیان فرماتے۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے حضرت جلال الدین محلّیؒ تفسیر جلالین میں لکھتے ہیں۔

### علم وعمل اور اخلاق کے اعلیٰ مراتب:

**اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ** میں نیکی بدی، نیک وبد کے فرق کو ایک دوسرے انداز سے سمجھایا جارہا ہے کہ ایک وہ ہے جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا اسے احکامِ الٰہی میں پوری تمانیت اور سکون حاصل ہوجاتا ہے۔ علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین کی منازل طے کر کے روشنی اور اجالے میں پہنچ جاتا ہے۔ جہاں شک وشبہ کے کانٹوں کا شائبہ تک نہیں رہتا۔

یہ علم کا منتہیٰ اور کمال درجہ ہے۔ اس انشراح قلبی کے ساتھ عمل کی اخری حد بھی نصیب ہوجاتی ہے کہ احکامِ شرح میں کوئی تکلف نہیں رہتا بلکہ عادت وعبادت، شریعت وطریقت یکساں ہوجاتی ہے دونوں میں مزاحمت وکشاکش نہیں رہتی بلکہ دونوں کے تقاضے ہم آہنگ ہوجاتے ہیں۔ وہ مختلف لوگوں کے طرز عمل سے متاثر نہیں ہوتا۔

دوسرا وہ بد بخت ہے جس کا دل پتھر کی طرح سخت ہو کہ نہ کوئی نصیحت اس پر کارگر اور نہ وہ کسی خیر سے متاثر ہو، نہ کبھی اسے اللہ کی یاد کی توفیق ہو اور نہ اپنی اصلاح کی فکر بلکہ محض رسومات کا بندہ بن کے رہ جائے۔ کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ (کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

تفسیر معارف القران میں مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں

شرح کے لفظی معنی کھولنے، پھیلانے اور وسیع کرنے کے ہیں۔ شرح صدر کے معنی وسعتِ قلب کے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قلب میں اس کی استعداد موجود ہو کہ وہ تکوینی آیات الہیہ، آسمان زمین اور خود اپنی پیدائش وغیرہ میں غور کر کے عبرت اور فوائد حاصل کرے۔ اسی طرح جو آیاتِ الہیہ بصورت کتاب اور احکام نازل کی جاتی ہیں ان میں غور کر کے استفادہ کرسکے۔ اس کا مقابل دل تنگی اور قسادتِ قلب ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت **اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ** تلاوت فرمائی تو ہم نے آپ (ﷺ) سے شرح صدر کا مطلب پوچھا آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ جب

نورِایمان انسان کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس کا قلب وسیع ہو جاتا ہے( جس سے احکام الٰہیہ سمجھنا اور عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے ) ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اس شرح صدر کی علامت کیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:۔

**الا نا بة الی دارلخلو د وا لتجافی عن دارا لغر ور**

**و التأ هب للموت قبل نزدله**

لیکن ہم لا فانی کے گھر جارہے ہیں اور فریب کے گھر سے پرہیز کرر ہے ہیں اور ہم اترانے سے،

موت سے پہلے توبہ کرر ہے ہیں۔

(رواہ الحاکم فی المستدرکُ البیہقی فی شعب الایمان (روح المعانی)

ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف راغب اور مائل ہونا اور دھوکے کے گھر یعنی دنیا کی لذائذ اور زینت سے دوررہنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔

حرف استفہام اَفَمَنْ کا مفہوم یہ ہے کہ کیا ایسا شخص جس کا دل اسلام کے لئے کھول دیا گیا ہو اور وہ اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئے نور پر ہے یعنی اس کی روشنی میں سب کام کرتا ہے اور وہ آدمی جو دل تنگ اور سخت دل ہو برابر نہیں ہوسکتے ہیں۔

# 2 ۔ مہر شدہ دل

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے چودہ(14) مقامات پر دل کے مہر لگانے کا ذکر کیا ہے

2:1 ۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ز

وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ O (البقرہ ۔ 2:7)

خدانے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا رکھی ہے اوران کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے

اوران کے لئے بڑا عذاب (تیار) ہے

Allah has set a seal on their hearts and on their hearing; and on their eyes there as a covering, and for them awaits a mightly punishment

حافظ ابنِ کثیر فرماتے ہیں۔

مہر کیوں لگا دی گئی؟

حضرت سدی فرماتے ہیں ختم سے مراد طبع ہے یعنی مہر لگا دی۔ حضرت قتادہ ؓ فرماتے ہیں یعنی ان پر شیطان غالب آ گیا وہ اسی کی ماتحتی میں لگ گئے یہاں تک کہ مہر لگا دی گئی۔ یہاں تک کہ مہر الٰہی ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر لگ گئی اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔ ہدایات کو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں، نہ سمجھ سکتے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ گناہ لوگوں کے دلوں میں بستے جاتے ہیں اور انہیں ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ بس یہی طبع اور ختم یعنی مہر ہے۔ دل اور کان کے لئے محاورہ میں مہر آتی ہے۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں قرآن میں ران کا لفظ ہے طبع کا لفظ اور اقفال کا لفظ ہے۔ ران طبع سے کم ہے اور طبع اقفال سے کم ہے، اقفال سب سے زیادہ ہے۔ اسی طرح گناہوں سے دل پر پردے پڑ جاتے ہیں اور مہر لگ جاتی ہے پھر اس پر کسی طرح حق کا اثر نہیں ہوتا۔ اسے رین بھی کہتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ تکبر کی وجہ ان کا حق سے منہ پھیر دینا بیان کیا جا رہا ہے جیسے کہا جاتا ہے کی فلاں شخص اس بات کے سننے سے بہرا بن گیا۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ تکبر اور بے پرواہی کر کے اس نے اس بات کی طرف دھیان نہیں دیا۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہ مطلب ٹھیک نہیں اس لئے کہ یہاں تو خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے ان کے دلوں پر مہر لگادی۔ ایک جگہ ارشاد ہے آیت

**فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ O**

(61۔الصّف:5)

یعنی جب وہ ٹیڑھے ہوگئے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کردئے۔

اور فرمایا آیت

**وَ نُقَلِّبُ اَفْئِدَ تَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَO**

( 6۔الانعام:111)

ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو اُلٹ دیتے ہیں گویا کہ وہ سرے سے ایمان ہی نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے ہی چھوڑ دیتے ہیں۔

اس قسم کی اور آیتیں بھی ہیں جو صاف بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے اور ہدایت کو ان سے دور کردیا ہے۔ حق کو ترک کرنے اور باطل پر جمے رہنے کی وجہ سے جو یہ سراسر عدل وانصاف ہے اور عدل اچھی چیز ہے نہ کہ بری۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں امت کا اجماع ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی ایک صفت مہر لگانا بھی بیان کی ہے جو کفار کے کفر کے بدلے ہے۔ فرمایا ہے آیت

**بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلاَ يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلاً۝**

( 4۔النساء:155)

بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر مہر لگادی۔ پس ان میں سے کم ہی لوگ ایمان لاتے ہیں

حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو اُلٹ پلٹ کرتا ہے۔ دعا میں ہے حدیث

**(یامقلب القلوب ثبت قلو بنا علی دینک)**

یعنی اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم رکھ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دلوں پر فتنے اس طرح سے پیش ہوتے ہیں جیسے ٹوٹے ہوئے بورے کا ایک ایک تنکا، جو دل انہیں قبول کر لیتا ہے اس میں ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے اور جس دل میں یہ فتنے اثر نہیں کرتے اس میں ایک سفید نکتہ ہو جاتا ہے جس کی سفیدی بڑھتے بڑھتے بالکل صاف سفید ہو کر سارے دل کو منور کو دیتی ہے۔ پھر اسے کبھی کوئی فتنہ انقصان نہیں پہنچا سکتا اسی طرح دوسرے دل کی سیاہی (جو حق قبول نہیں کرتا) پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اب اسے نہ اچھی بات اسے اچھی لگتی ہے اور نہ بُرائی بری معلوم ہوتی ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے تو معلوم ہوا کہ گناہوں کی زیادتی دلوں پر غلاف ڈال دیتی ہے اور اس کے بعد مہر الٰہی لگ جاتی ہے جسے ختم اور طبع کہا جاتا ہے۔ اب اس دل میں ایمان کے جانے اور کفر کہ نکلنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہتی۔ اسی مہر کا ذکر اس آیت (ختم اللہ) الخ میں ہے۔ وہ ہماری آنکھوں دیکھی حقیقت ہے کہ جب کسی چیز کا منہ بند کر کے مہر لگا دی جائے تو جب تک وہ مہر نہ ٹوٹے نہ اس میں کچھ جا سکتا ہے نہ اس سے کوئی چیز نکل سکتی ہے۔ اسی طرح جن کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر الٰہی لگ چکی ہے ان میں بھی بغیر اس کے ہٹے اور ٹوٹے ہدایت آئے نہ کفر جائے۔ ختم اور طبع دلوں اور کانوں پر ہوتی ہے اور غشاوت یعنی پردہ آنکھوں پر پڑتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اور دوسرے صحابہ ؓ سے مروی ہے۔

قرآن میں ہے آیت

(فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِکَ ط وَیَمْحُ اللّٰہُ الْبَاطِلَ وَیُحِقُّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ ط)

(42۔الشوریٰ:24)

سو اگر اللہ چاہے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دے اور اللہ باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو اپنے کلام سے ثابت کرتا ہے۔

اور جگہ ہے آیت

(وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِہٖ وَقَلْبِہٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشٰوَۃً ط)

(الجاثیہ۔23)

اور ان کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔

حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ تفسیر مظہری میں اس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں ۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء خواہ وہ جواہر ہوں یا اعراض تمام کا خالق ہے اور یہ اسباب اسباب عادیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اسباب کے بعد مسببات پیدا فرماتا ہے۔ پس آنکھ، کان اور دوسرے حواس کے استعمال کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ محسوسات کا علم پیدا فرماتا ہے۔ دومقدموں کی ترتیب میں ذہن کے استعمال کے بعد اللہ تعالیٰ نتیجہ کا علم پیدا فرماتا ہے۔ یہ اس کی عادت کریمہ ہے۔ اگر وہ چاہے تو کبھی پیدا نہ فرمائے، حواس کو معطل کردے اور ذہن کا ناکارہ بنادے۔ اگر وہ چاہے تو محسوس چیز کا علم حاصل ہو لیکن وہ علم دل میں اثر نہ کرے، یہ بھی اس کی قدرت سے بعید نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام بنی آدم کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کی درمیان ایک دل کی مانند ہیں جس کیفیت پر انہیں چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔

آپ ﷺ نے یوں دعا فرمائی!

اے اللہ! اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دل اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ ( صحیح مسلم )

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے کفار کے دلوں کی طہارت و پاکیزگی کا ارادہ نہ فرمایا تو ان کو آیات میں غور وفکر کرکے روشنی حاصل کرنے سے پھیر دیا اور ان کے دلوں میں آیات ومعجزات کو دیکھنے کے بعد ایمان ویقین کی روشنی کو پیدا نہ فرمایا۔ یہاں ختم سے مراد دلوں کی سیاہی ہے جو گناہوں اور مصیبتوں کے ارتکاب کے بعد اللہ تعالیٰ دلوں پر پیدا فرمادیتا ہے۔

اسی قلب کی سیاہی کو فسادِ قلب سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب یہ قلب کا لوتھڑا خراب ہو تو پورا جسم خراب ہوتا ہے، یہ فساد دل کی اصلاح کی ضد ہے۔ جب یہ کیفیت ایک گناہ گار مومن کی ہے تو کافر کا کیا حال ہوگا (جس کے دل میں ایمان کی روشنی کی ایک کرن بھی نہیں ہے ) اسی کیفیت کے پیدا ہونے کو طبع، اغفال، اقساء سے تعبیر فرمایا ہے۔ ختم کا لغت میں پہلا معنی چھپانا اور پوشیدہ کرنا ہے، دوسرا معنی مہر لگا کر کسی چیز پر اعتماد کرنا ہے اور تیسرا معنی کسی چیز کے آخر تک پہنچنا ہے کیونکہ کسی چیز کی حفاظت میں آخری فعل مہر لگانا ہوتا ہے اسی لئے اسے ختم سے تعبیر کرتے ہیں۔

یعنی ان کے کانوں پر مہر لگادی۔ (اور مہر لگادی اس کے کانوں اور دل پر اور ڈال دیا ہے اس کی آنکھوں پر پردہ) کان اور دل تمام اطراف اور جہات سے علم حاصل کرتے ہیں اس لئے ان کے روکنے کے لئے ایک ہی جنس یعنی ختم کا ذکر فرمایا۔ بخلاف آنکھ کے کہ وہ سامنے والی سمت کے ساتھ مختص ہے۔ اس لئے اس کو روکنے کے لئے غشاوۃ (پردہ) ذکر فرمایا سامنے والی جہت کے ساتھ خاص ہے۔

ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔

ابصار، بصر کی جمع ہے، جس کا مطلب آنکھ کا ادراک ہے اور مجازاً قوۃ باصرہ (دیکھنے کی قوت) اور دیکھنے والے عضو پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، اسی طرح سمع کا لفظ بھی ان تین معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر معارف القرآن میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے اُن کافروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے جو اپنے کفر و انکار میں ضد اور عناد تک پہنچ گئے تھے اور اس ضد کی وجہ سے وہ کسی حق بات کو سننے اور روشن دلیل کو دیکھنے کے لئے بھی تیار نہ تھے ایسے لوگوں کے بارے میں سُنۃ اللہ یہی ہے کہ ان کو ایک سزا اسی جہاں میں نقد یہ دی جاتی ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگادی جاتی ہے، کانوں، آنکھوں کو حق وصدق کے قبول کرنے سے بند کر دیا جاتا ہے، اُن کا حال حق وصدق کے بارے میں ایسا ہو جاتا ہے گویا نہ اُن کو سمجھنے کی عقل ہے نہ دیکھنے کے لئے آنکھیں ہیں نہ سننے کے لئے کان ہیں۔

اس آیت میں رسول کریم ﷺ کو تسلّی دینے کے لیے یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ ضدّی کفار جو حقیقت کو پہنچاننے کے باوجود کفر و انکار پر جمے ہوئے ہیں یا اپنے تکبر اور کج روی کی بنا پر کسی حق بات کو سننے اور روشن دلائل کو دیکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ان کی اصلاح اور ایمان کے متعلق جو آپ ﷺ کوشش کرتے ہیں ان کے لئے مؤثر ثابت نہ ہوگی بلکہ آپ ﷺ کا کوشش کرنا اور نہ کرنا ان کے حق میں برابر ہے۔

االلہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، سوچنے سمجھنے کے جتنے راستے تھے وہ سب بند ہیں اس لئے ان سے اصلاح کی توقع رکھنا دردسری ہے۔

کسی چیز پر مہر اس لئے لگائی جاتی ہے کہ باہر سے کوئی چیز اس میں داخل نہ ہو سکے، ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگانے کا یہی مطلب ہے کہ ان میں قبول حق کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اُن کی اس حالت کو دلوں اور کانوں پر مہر کرنے سے تعبیر فرمایا ہے، مگر آنکھوں کے لئے مہر کے بجائے پردہ پڑنے کا ذکر کیا گیا، اس میں حکمت یہ ہے کہ دلوں میں آنے والا کوئی مضمون یا کوئی فکر و خیال کسی ایک سمت سے نہیں آتا، ہر طرف سے آ سکتا ہے اسی طرح کانوں میں پہنچنے والی آواز بھی ہر سمت اور ہر جہت سے آ سکتی ہے، ان کی بندش جب ہی ہو سکتی ہے جب اُن پر مہر کر دی جائے بخلاف آنکھوں کے کہ ان کا ادراک صرف ایک سمت یعنی سامنے سے ہو سکتا ہے اور جب سامنے پردہ ہو جائے تو آنکھوں کا ادراک ختم ہو جاتا ہے۔

(تفسیر مظہری)

## گناہوں کی دنیوی سزا سلبِ توفیق

معلوم ہوا کہ کفر اور ہر گناہ کی اصل سزا تو آخرت میں ملے گی مگر بعض گناہوں کی کچھ سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے۔ پھر یہ دنیا کی سزا بعض اوقات یہ شکل اختیار کرتی ہے کہ اصلاح حال کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ انسان آخرت کے حساب و کتاب سے بے فکر ہو کر اپنی نافرمانیوں اور گناہوں میں بڑھتا جاتا ہے اور اس کی برائی کا احساس بھی اس کے دل سے جاتا رہتا ہے ایسے حال کے متعلق بعض بزرگوں کا ارشاد ہے

اِنَّ مِنْ جَزَ اءِ ا لسَّیِئَۃِ ا لسَّیِئَۃُ بَعْدَ ھَا وَاِنَّ مِنْ جَزَاءِ الْحَسَنَۃِ الْحَسَنَۃُ بَعْدَ ھَا .

یعنی گناہ کی ایک سزا یہ بھی ہوتی ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچ لاتا ہے جس طرح نیکی نقد بدلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچ لاتی ہے۔

## نصیحت ناصح کے لئے ہر حال میں مفید ہے مخاطب قبول کرے یا نہ کرے۔

ازلی کافروں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ و نصیحت کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر قرار دیئے گئے ہیں، مگر اُن کے ساتھ عَلَیْھِم کی قید لگا کر بتلا دیا کہ یہ برابری کفار کے حق میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے حق میں نہیں ، بلکہ اُن کو تو تبلیغ و تعلیم اور اصلاح خلق کی کوشش کا ثواب بہر حال ملے گا، اسی لئے پورے قرآن کریم کی کسی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے لوگوں کو بھی دعوت ایمان دینے سے روکا نہیں گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص دعوت دین اور اصلاحی کا کام کرتا ہے خواہ مؤثر ہو یا نہ ہو اس کو بہر حال اپنے عمل کا ثواب ملتا ہے۔

ایک شبہ کا جواب:

اس آیت کا مضمون وہی ہو جو سورۃ مطففین کی اس آیت کا ہے۔

كَلَّا بَلْ سكتة رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○

(83:14)

یعنی ایسا نہیں بلکہ اُن کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔

جس میں حقیقت واضح کردی گئی ہے کہ ان کی بد اعمالیاں اور سرکشی ہی ان کے دلوں کا زنگ بن گیا ہے۔ اسی زنگ کو آیت مذکورہ میں مہر یا پردہ کے لفظوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لئے اس پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی اُن کے دلوں پر مہر کردی اور حواس کو ماؤف کر دیا ہو اور وہ اپنے کفر میں معذور ہو گئے پھر اُن کو عذاب کیسا؟ وجہ یہی ہے کہ ان لوگوں نے شرارت وعناد کر کے با اختیار خود اپنی استعداد برباد کر لی ہے۔ اس لئے اس تباہی استعداد کے فاعل اور مسبب یہ خود ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے تمام افعال کے خالق ہونے کی حیثیت سے اس جگہ مہر کرنے کو اپنی طرف نسبت کر کے یہ بتلا دیا کہ جب ان لوگوں نے قبول حق کی صلاحیت و استعداد کو اپنے اختیار سے تباہ کرنا چاہا تو سنت الہیہ کے مطابق ہم نے وہ بد استعداد کی کیفیت اُن کے قلوب اور حواسوں میں پیدا کردی۔

2:2 ۔ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَخَذَ اللّٰهُ سَمۡعَكُمۡ وَاَبۡصَارَكُمۡ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوۡبِكُمۡ مَّنۡ اِلٰهٌ
غَيۡرُ اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِهٖ ؕ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ ثُمَّ هُمۡ يَصۡدِفُوۡنَ O

(الانعام۔6:46)

(ان کافروں سے) کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر خدا تمہارے کان اور آنکھوں چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگادے تو خدا کے سوا کونسا معبود ہے جو تمہیں یہ نعمتیں پھر بخشے؟ دیکھو ہم کس کس طرح اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں پھر بھی یہ لوگ روگردانی کرتے ہیں۔

Say,: Tell me, if Allah takes away your hearing and your sights and sets a seal on your hearts, which god other than Allah can bring these back to you? See how We put forth Our verses in various forms? Yet, still they turn away.

## محروم اور کامران کون؟

فرمان ہے کہ ان مخالفین اسلام سے پوچھو تو کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں چھین لے جیسے کہ اس نے تمہیں دیئے ہیں۔ جیسے فرمان ہے آیت

وَهُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـئِدَةَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ O

(23۔المؤمنون:78)

یعنی اللہ خالق کل وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں سننے کو کان اور دیکھنے کو آنکھیں دیں مگر تم لوگ بہت کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مراد چھین لینے سے شرعی نفع نہ پہنچانا ہو اس کی دلیل اس کے بعد کا جملہ دل پر مہر لگا دینا ہے۔ جیسے فرمان ہے آیت

اَمَّنۡ يَّمۡلِكُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ

(10۔ یونس:31)

کون ہے جو کان کا اور آنکھوں کا مالک ہو؟

اورفرمان ہے آیت

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

(8-الانفال:24)

جان لوکہ اللہ تعالیٰ انسان کے اوراس کے دل کے درمیان حائل ہے، یہاں ان سے سوال ہوتا ہے کہ بتلاؤ تو کہ اللہ کے سوااورکوئی اوران چیزوں کے واپس دلانے پرقدرت رکھتا ہے؟ یعنی کوئی نہیں رکھتا۔ دیکھ لوکہ میں نے اپنی توحید کے کس قدر زبردست، پرزورصاف اور بجے تلے دلائل بیان کردیئے ہیں اور یہ ثابت کردیا کہ میرے سواسب بے بس ہیں۔ لیکن یہ مشرک لوگ باوجوداس قدرکھلی روشن اورصاف دلیلوں کے حق کونہیں مانتے بلکہ اوروں کوبھی حق کوتسلیم کرنے سے روکتے ہیں۔ پھرفرماتا ہے! ذرااس سوال کا جواب بھی دوکہ اللہ کا عذاب تمہاری بےخبری میں یاظاہراً کھلم کھلاتمہارے پاس آجائے تو کیاسوائے ظالموں اورمشرکوں کے کسی اورکوبھی ہلاکت ہوگی؟ یعنی نہ ہوگی۔ اللہ کی عبادت کرنے والے اس ہلاکت سے محفوظ رہیں گے جیسےاورآیت میں ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

جولوگ ایمان لائے اوراپنے ایمان کوشرک سے خراب نہ کیاان کیلئے امن وامان ہےاوروہ ہدایت یافتہ ہیں۔

(6- الانعام:82)

فرمایا کہ رسولوں کا کام تو یہی ہے کہ ایمان والوں کوان کے درجوں کی خوشخبریاں سنائیں اورکفارکواللہ کے عذاب سے ڈرائیں، جولوگ دل سے آپ (ﷺ) کی بات مان لیں اور اللہ کے فرمان کے مطابق اعمال بجا لائیں، انہیں آخرت میں کوئی ڈرخوف نہیں اوردنیا کے چھوڑنے پرکوئی ملال نہیں، ان کے بال بچوں کا اللہ والی ہے اوران کے ترکے کا وہی حافظ ہے۔ کافروں کواورجھٹلانے والوں کوان کے کفروفسق کے وجہ سے بڑے سخت عذاب ہوں گے کیونکہ انہوں نے اللہ کے فرمان چھوڑرکھے تھےاوراس کی نافرمانیوں میں مشغول تھے۔ اس کے حرام کردہ کاموں کوکرتے تھے اوراس کے بتائے ہوئے کاموں سے بھاگتے تھے۔

(تفسیرابن کثیرؒ)

قاضی ثناءاللہ پانی پتی ؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''آپ فرمائیے بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو کوئی خدا ہے اللہ کے سوا جو تمہیں یہ چیزیں دلا دے ملاحظہ ہو کس کس رنگ سے ہم بیان کرتے ہیں (توحید کی) دلیلیں پھر بھی وہ منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ا''

قُــلْ میں خطاب حضور ﷺ کو ہے اور اَرَءَیْتُــمْ میں خطاب مشرکین کو ہے۔ قوت، سماعت اور قوت بصارت چھین لینے سے مراد بہرہ اور اندھا کرنا اور دلوں پر مہر لگانے سے مراد دلوں کو ایسی چیز سے ڈھانپ لینا جس سے تمہاری عقلیں زائل ہو جائیں۔ جب اللہ تعالیٰ تم سے یہ چیزیں سلب کر لے تو کوئی اور تمہیں واپس نہیں دلا سکتا۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے وہ صلاحیتیں لے لے تو کوئی بھی تمہیں ایسی چیزیں نہیں دے سکتا۔ (تفسیر مظہری)

آپ ﷺ ان سے یہ بھی کہئے کہ یہ بتلاؤ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سننے کی طاقت اور بینائی بالکل لے لے کہ نہ تم کو کچھ سُنائی دے نہ دکھائی دے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے کہ تم دل سے کسی چیز کو سمجھ نہ سکو تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود ہے کہ یہ چیزیں تم کو پھر دے دے۔ جب تمہارے اقرار سے بھی کوئی ایسا نہیں پھر کیسے کسی اور کو مستحق عبادت سمجھتے ہو۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ہم کس کس طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے ظاہر کر رہے ہیں پھر بھی ان دلائل میں غور اور ان کے نتیجہ کو تسلیم کرنے سے یہ اعراض (بے رُخی) کرتے ہیں آپ ﷺ ان سے یہ بھی کہئے کہ یہ بتلاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ پڑے خواہ بے خبری میں یا ہوشیاری میں تو کیا بجز ظالم لوگوں کے اس عذاب سے اور بھی کوئی ہلاک کیا جائے گا مطلب یہ ہے کہ اگر عذاب آیا وہ تمہارے ظلم کی وجہ سے تم پر ہی ہوگا۔

(تفسیر معارفِ القرآن)

2:3 ۔ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ O

(الاعراف ۔7:100)

کیا ان لوگوں کو جو اہل زمین کے مر جانے کے بعد زمین کے مالک ہوتے ہیں یہ امر موجب ہدایت نہیں ہوا کہ اگر ہم چاہیں ان کے گناہوں کے سبب ان پر مصیبت ڈال دیں؟ اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں کہ کچھ سن ہی نہ سکیں۔

Have all these events still not taught a lesson to those who inherit the land after its (former) inhabitants, that if We so willed, We could afflict them for their sins? But We seal their hearts, so that they do not listen.

## گناہوں میں ڈوبے لوگ؟

ارشاد ہے کہ ایک گروہ نے ہمارا مقابلہ کیا اور ہم نے انہیں تاخت و تاراج کیا۔ دوسرا گروہ ان کے قائم مقام ہوا تو کیا یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ اگر وہ بداعمالیاں کریں گے تو اپنے سے اگلوں کی طرح کھو جائیں گے جیسے اس آیت میں فرمان ہے۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى O

(20 ۔ طٰہٰ:128)

کیا اس بات نے بھی ان کی راہنمائی نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے ہی گروہ ہلاک کر دیئے، جن کے رہنے کی جگہ یہ چل پھر رہے ہیں، بے شک ان میں عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

یعنی کیا انہیں اب تک سمجھ نہیں آئی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی آباد بستیاں اجاڑ کر رکھ دیں جن کے مکانوں میں اب یہ لوگ رہتے سہتے ہیں۔ اگر یہ عقل مند ہوتے ان کے لئے بہت سی عبرتیں تھیں اور اس بیان کے بعد کی آیت میں ہے کہ اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ کیا یہ سن نہیں رہے؟

فرمایا تم اس سے پہلے لوگ پورے یقین سے کہتے تھے کہ انہیں زوال نہیں آئے گا حالانکہ تم جن کے گھروں میں تھے وہ خود بھی اپنے مظالم کے سبب تباہ کر دیئے گئے تھے۔ خالی گھر رہ گئے۔ ایک اور آیت میں ہے

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِئْيًا O

(19-مریم:74)

ان سے پہلے ہم نے بہت سی بستیاں تباہ کر دیں نہ ان میں سے اب کوئی نظر آئے نہ کسی کی آواز سنائی دی اور آیت میں ہے کہ وہ لوگ تو ان سے زیادہ مست تھے، مال دار تھے، عیش وعشرت میں تھے، راحت وآرام میں تھے، اوپر سے ابر برستا تھا نیچے سے چشمے بہتے تھے لیکن گناہوں میں ڈوبے رہے کہ آخر تہس نہس ہو گئے اور دوسرے لوگ ان کے قائم مقام آئے۔

عادیوں کی ہلاکت کا بیان فرما کر ارشاد ہوا کہ ایسے عذاب اچانک آ گئے کہ ان کے وجود کی دھجیاں اڑ گئیں، کھنڈر کھڑے رہ گئے اور کسی چیز کا نام ونشان نہ بچا۔ مجرموں کا یہی حال ہوتا ہے۔ حالانکہ دنیوی وجاہت بھی ان کے پاس تھی آنکھ، کان، ہاتھ سب تھے۔ لیکن اللہ جل شانہ کی باتوں کا تمسخر کرنے پر اور ان کے انکار پر جب عذاب آیا تو حیران وششدر رہ گئے، نہ عقل کام آئی نہ اسباب بچے۔ اپنے آس پاس کی ویران بستیاں دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔ اگلوں نے جھٹلایا تو دیکھ لو کہ کس طرح برباد ہوئے؟ تم تو ابھی تک ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے۔ تم سے پہلے کے منکروں پر میرے عذاب آئے انہیں غور سے سنو۔ ظالموں کی بستیاں اللہ نے الٹ دیں اور ان کے محلات کھنڈر بنا دیئے۔ زمین میں چل پھر کر آنکھیں کھول کر، کان لگا کر ذرا عبرت حاصل کرو۔ جس کی آنکھیں نہ ہوں وہی اندھا نہیں بلکہ سچ مچ اندھا وہ ہے جس کی دل کی آنکھیں بے کار ہوں۔ اگلے نبیوں کے بھی مذاق اڑائے گئے لیکن نتیجہ یہی ہوا کہ ایسے مذاق کرنے والوں کا نشان مٹ گیا۔ ایسے گھیرے میں آ گئے کہ ایک بھی نہ بچا۔ اللہ تعالیٰ کی باتیں سچی ہیں، اس کے وعدے اٹل ہیں وہ ضرور اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو

نیچا دکھاتا ہے۔　　(تفسیر ابن کثیرؒ)

اس کی علّت بتلاتے ہیں کہ ان کو عذاب سے کیوں ڈرنا چاہیے، اور وہ علّت ان کا امم سابقہ کے ساتھ جرم کفر میں شریک ہونا ہے۔ یعنی اور ان گزشتہ زمین پر رہنے والوں کے بعد لوگ اب زمین پر بجائے ان کے رہتے ہیں کیا ان واقعات نے ان کو یہ بات ابھی تک نہیں سمجھائی کہ اگر ہم چاہتے تو ان کو بھی مثل امم سابقہ کے ان کے جرائم وکفر وتکذیب کے سبب ہلاک کرڈالتے کیونکہ امم سابقہ ان ہی جرائم کے سبب ہلاک کی گئیں اور واقعی یہ واقعات تو ایسے ہی ہیں کہ ان سے سبق لینا چاہئے تھا۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ ان کے دلوں پر بند لگے ہوئے ہیں اس سے وہ حق بات کو دل سے سنتے بھی نہیں اور ماننا تو درکنار رہا پس اس بند لگانے سے ان کی قساوت پڑھ گئی کہ ایسے عبرت خیز واقعات سے بھی عبرت نہیں ہوتی اور اس بند لگانے کا سبب انہی کا ابتداء ہی سے کفر کرنا ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

پچھلی قوموں کے واقعات وحالات سنا کر موجودہ اقوام عرب وعجم کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ ان واقعات میں تمہارے لئے بڑا درسِ عبرت ہے کہ جن کاموں کی وجہ سے پچھلے لوگوں پر اللہ کا غضب اور عذاب نازل ہوا ان کے قریب نہ جائیں اور جن کاموں کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کو کامیابی حاصل ہوئی ان کو اختیار کریں۔

چنانچہ اس آیت مذکورہ میں ارشاد ہے۔

اَوَلَمۡ یَهۡدِ لِلَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَهۡلِهَاۤ اَنۡ لَّوۡ نَشَآءُ اَصَبۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ ۚ

هَــدٰی، یَهۡــدِیۡ معنی نشاندہی کرنے اور بتلانے کے آتے ہیں۔ موجودہ زمانہ کے لوگ جو پچھلی قوموں کے ہلاک ہونے کے بعد ان کی زمینوں مکانات کے وارث بنے یا آئندہ بنیں گے کیا ان کو پچھلے عبرت ناک واقعات نے یہ نہیں بتلایا کہ کفر وانکار اور احکام خداوندی کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں جس طرح ان کے مورث اعلیٰ یعنی پچھلی قومیں ہلاک و برباد ہوچکی ہیں اسی طرح اگر یہ بھی انہیں جرائم کے مرتکب رہے تو ان پر بھی اللہ تعالیٰ کا

قہر و عذاب آ سکتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا وَنَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝

طبع کے معنی چھاپنے اور مہر لگانے کے ہیں اور معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ واقعات ماضیہ سے بھی کوئی عبرت اور ہدایت حاصل نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غضب الٰہی سے ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے پھر وہ کچھ نہیں سنتے۔ حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی انسان پہلے پہل گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک نقطہ سیاہی کا لگ جاتا ہے دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا اور تیسرا گناہ کرتا ہے تو تیسرا نقطہ لگ جاتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ برابر گناہوں میں بڑھتا گیا توبہ نہ کی تو یہ سیاہی کے نقطے اس کے سارے قلب کو گھیر لیتے ہیں اور انسان کے قلب میں اللہ تعالیٰ نے جو فطری مادہ بھلے بُرے کی پہچان اور برائی سے بچنے کا رکھا ہے وہ فنا یا مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کا یہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اچھی چیز کو بُرا اور بُری کو اچھا، مفید کو مضر اور مضر کو مفید خیال کرنے لگتا ہے۔ اسی حالت کو قرآن میں ران یعنی قلب کے زنگ سے تعبیر فرمایا ہے۔

(حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

2:4 ۔ تِلْکَ الْقُرٰی نَقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَاۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِۚ فَمَا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا کَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الْکٰفِرِیْنَ O

(الاعراف۔7:101)

یہ بستیاں ہیں جن کے کچھ حالات ہم تم کو سناتے ہیں اور ان کے پاس کے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے۔ مگر وہ ایسے نہیں تھے کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا چکے ہوں اسے مان لیں اسی طرح خدا کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔

Those are the towns We narrate to you their important events. Surely their messengers came to them with clear signs, but they were not able to believe in what they had rejected earlier. This is how Allah seals the hearts of the disbelievers.

## عہد شکن لوگوں کی طے شدہ سزا

پہلی قومیں نوحؑ ، ہودؑ ، صالحؑ ، لوطؑ اور قوم شعیبؑ کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ ان سب کے پاس ہمارے رسول حق لے کر پہنچے، معجزے دکھائے، سمجھایا، بجھایا، دلیلیں دیں لیکن وہ نہ مانے اور اپنی بد عادتوں سے باز نہ آئے۔ جس کی پاداش میں ہلاک ہوگئے، صرف ماننے والے بچ گئے۔ اللہ کا طریقہ اسی طرح جاری ہے کہ جب تک رسول نہ آجائیں، خبردار نہ کر دیئے جائیں عذاب نہیں دئے جاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ظالم نہیں لیکن جبکہ لوگ خود ظلم پر کمر کس لیں تو پھر ہمارے عذاب انہیں آ پکڑتے ہیں۔ ان سب نے جن چیزوں کا انکار کر دیا تھا ان پر باوجود دلیلیں دیکھ لینے کے بھی ایمان نہ لائے۔ یہ لوگ معجزے آنے پر بھی ایمان نہ لائیں گے، ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے۔ ہم انہیں ان کی سرکشی کی حالت میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیں گے، یہاں بھی فرمان ہے کہ کفار کے دلوں پر اسی طرح ہم مہریں لگا دیا کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر بد عہد ہیں بلکہ عموماً عہد میں فاسق ہیں۔ یہ عہد وہ ہے جو روز ازل میں لیا گیا اور اسی پر پیدا کئے گئے اسی فطرت اور جبلت میں رکھا گیا اسی کی تاکید انبیاء علیہم السلام کرتے رہے۔ لیکن انہوں نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا، مطلق پرواہ نہ کی اور اس عہد کے خلاف غیر اللہ کی پرستش شروع کر دی۔ اللہ کو مالک خالق اور لائق عبادت مان

کر آئے تھے لیکن یہاں اس کے سراسر خلاف کرنے لگے اور بے دلیل، خلاف عقل ونقل، خلاف فطرت اور خلاف شرع، اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت میں لگ گئے۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو توحید پر پیدا کیا لیکن شیطان نے آ کر انہیں بہکا دیا اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کر دیں۔ بخاری، مسلم میں ہے ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اسے اس کے ماں باپ یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ خود قرآن کریم میں ہے کہ ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے تھے سب کی طرف یہی وحی کی تھی کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اے دنیا کے لوگوں! تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو۔ اور آیت میں ہے اپنے سے پہلے کے رسولوں سے دریافت کر لو کیا ہم نے اپنے سوا اور معبود ان کے لئے مقرر کئے تھے؟

اور فرمان ہے آیت

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○

(16۔ النحل:36)

اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے ہیں تا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور بتوں سے بچو، پھر ان میں سے بعض کو تو اللہ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی، سو تم زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے کہ لوگوں صرف اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک عبادت سے الگ رہو۔ اس جملے کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ چونکہ پہلے ہی سے اللہ کے علم میں یہ بات تھی کہ انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا۔ یہی ہو کر رہا کہ باوجود دلائل سامنے آ جانے کے ایمان نہ لائے۔ میثاق والے دن گو یہ ایمان قبول کر بیٹھے لیکن ان کے دلوں کی حالت اللہ جل شانہ کو معلوم تھی کہ ان کا ایمان جبراً اور ناخوشی ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ یہ اگر دوبارہ دنیا کی طرف لوٹائے جائیں تو پھر بھی وہی کام نئے سرے سے کرنے لگیں گے جن سے انہیں روکا گیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

یعنی وہ ایمان نہ لائے اس پر جس کو وہ رسولوں کی آمد سے پہلے جھٹلا چکے تھے، یعنی توحید پر ایمان نہ لائے اور تکذیب واشراک پر برقرار رہے یا یہ معنی کہ جس کو وہ ابتداً جھٹلا چکے تھے بقیہ تمام عمر بھی اس پر ایمان نہ لائے۔ یعنی جب رسول شرائع اور پیغامات الٰہیہ لے کر آئے تو انہوں نے ان کو تسلیم نہ کیا اور ان کی دعوت پر کچھ دھیان نہ دیا۔

امام بغویؒ لکھتے ہیں ابن عباسؓ اور سدیؒ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی پشت سے سب کو نکال کر جب اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کے تسلیم کرنے کا عہد لیا تھا، انہوں نے زبان سے اقرار کیا تھا اور دل میں تکذیب کی تھی تو رسولوں کی آمد کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائے تھے کیونکہ وہ لوگ ہماری پکڑ سے پہلے بھی تکذیب کر چکے تھے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہلاکت سے پہلے جس طرح وہ ایمان نہیں لائے تھے اگر ہم اس ہلاکت کے بعد دوبارہ زندہ کر دیں تو پھر بھی یہ ایمان نہ لائیں گے۔

یمان بن ذبابؒ فرماتے ہیں کہ ہر نبی نے اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا لیکن انہوں نے اس کی تکذیب کی پس ہم نے انہیں ہلاک کر دیا پھر جب ان کے بعد رسول دلائل کے ساتھ تشریف لائے تو بعد میں آنے والی امتیں بھی ایمان نہ لائیں جن کو سابقہ امتیں جھٹلا چکی تھیں۔

اس کی مثال اس ارشاد ربانی میں موجود ہے۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّ سُوْ لٍ اِلَّا قَا لُوْ اسَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ☆

(سورۃ الذاریات ۔ ۵۲)

اس طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جب بھی کوئی رسول آیا تو انہوں نے اس کو جادوگر اور دیوانہ کہا۔

جس طرح ہم نے اس سے پہلے ہلاک شدہ قوموں کے دلوں پر مہر لگائی تھی بالکل اسی کی مثل اللہ تعالیٰ ان کفار کے دلوں پر مہر لگاتا ہے جن کی تقدیر میں ایمان نہ لانا لکھا جا چکا ہے۔ ان کے دل آیات و ڈرنے والی باتوں کے ساتھ بھی نرم نہیں ہوتے۔

(تفسیر مظہری)

گزری ہوئی سب بستیوں میں رہنے والوں کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے کر آئے تھے۔ مگر پھر بھی ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی یہ کیفیت تھی کہ جس چیز کو انہوں نے اول ایک بار جھوٹا کہہ دیا یہ بات نہ ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے اور جیسے یہ دل کے سخت تھے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں اور ان میں سے بعض لوگ مصیبتوں میں ایمان لانے کا عہد بھی کر لیتے تھے۔ لیکن اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد کرتے نہ دیکھا یعنی زوالِ مصیبت کے بعد پھر ویسے کے ویسے ہی ہو جاتے تھے اور ہم نے اکثر لوگوں کو نافرمان پایا پس کفار ہمیشہ سے ایسے ہی ہوتے رہے ہیں آپ بھی غم نہ کیجئے۔

آیت مذکورہ میں ارشاد فرمایا (تِلْکَ الْقُرٰی نَقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَآئِهَا ج)

" انباء " نبا کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کوئی عظیم الشان خبر معنی یہ ہیں کہ ہلاک شدہ بستیوں کے بعض واقعات ہم آپ ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا!

(وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ج فَمَا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا کَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ط)

یعنی ان سب لوگوں کے پاس انبیاء و رسل معجزات لے کر پہنچے جن کے ذریعہ حق و باطل کا فیصلہ ہو جاتا ہے مگر ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کا یہ عالم تھا کہ جس چیز کے متعلق ایک مرتبہ ان کی زبان سے یہ نکل گیا تھا کہ یہ غلط اور جھوٹ ہے پھر اس کے حق و صدق ہونے پر کتنے ہی معجزات، دلائل اور حجتیں سامنے آ گئیں مگر وہ اس کی تصدیق و اقرار کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔

معجزات تمام انبیاء و رسل کو عطا فرمائے گئے ہیں جن میں بعض انبیاء کے معجزات کا قرآن میں ذکر آیا ہے بہت سوں کا نہیں آیا اس سے یہ سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا جن کے معجزات کا ذکر قرآن میں نہیں آیا ان سے کوئی معجزہ ثابت ہی نہیں، اور سورۂ ہود میں جو حضرت ہود علیہ السلام کا قوم کا یہ قول مذکور ہے کہ (مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ) یعنی آپ کوئی معجزہ نہیں لائے اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان کا یہ قول محض عناد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر تھا یا یہ کہ ان کے معجزات کو معمولی سمجھ کر ایسا کہا۔

دوسری بات یہ قابل توجہ ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کا جو حال بتلایا گیا ہے کہ غلط بات زبان سے نکل گئی تو اسی کے پیچھے چلتے رہے، اس کے خلاف کتنے ہی واضح دلائل آجائیں اپنی بات پر اڑ جاتے تھے۔ یہ خدا کی منکر اور کافر قوموں کا حال ہے جس میں بکثرت مسلمان بلکہ بعض علماء وخواص بھی مبتلا پائے جاتے ہیں کہ کسی چیز کو اول غلط یا جھوٹ کہہ دیا تو اب اس کی سچائی کے ہزاروں دلائل بھی سامنے آجائیں تو اپنی غلط بات کی پیروی کرتے رہیں۔ یہ حالت قہر خداوندی اور غضب الٰہی کا موجب ہے۔ (از مسائل السلوک)

اس کے بعد فرمایا! ( كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۞ )

یعنی جس طرح ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگادی گئی اسی طرح عام کافر و منکر لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتے ہیں کہ پھر نیکی قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔

(تفسیر معارف القرآن)

2:5 ۔ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ O

(التوبہ ۔9:87)

یہ اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ جو پیچھے رہ جاتی ہیں (گھروں میں بیٹھ) رہیں ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی ہے۔ لیکن یہ سمجھتے ہی نہیں۔

They are happy to be with women who sit back, and their hearts are sealed; so they do not understand.

الخَوالِف سے مراد ہیں عورتیں جو مردوں کے جانے کی بعد اپنے گھروں میں رہی تھیں، خوالف خالفہ کی جمع ہے بعض نے کہا، خالفه بے کار بے نفع آدمیوں کو کہتے ہیں۔ محادرہ میں کہا جاتا ہے۔"فلانٌ خالفةُ قومِهٖ" فلاں شخص اپنی قوم میں نچلے درجہ کا (یعنی بیکار یا ناکارہ) ہے۔ مراد یہ ہے کہ انہوں نے ناکارہ لوگوں کے ساتھ کو پسند کیا۔

**وَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِم** اوران کے دلوں پر مہر کردی گئی یعنی اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی جس کی وجہ سے ان کو بھلائیوں کی خوبی اور برائیوں کی خرابی سمجھ میں نہیں آئی۔

**فَھُمْ لَا یَفْقَھُوْنَ** پس وہ نہیں سمجھتے کہ جہاد اور رسول ﷺ کی موافقت میں کیسی خوش نصیبی ہے اور مخالف میں کیسی بدبختی ہے۔

(تفسیر مظہری)

حضرت مولانا جلال الدین سیوطیؒ اس آیت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

یہاں ان منافقوں کی مذمت بیان کی جاری ہے جو غزوۂ تبوک میں نفیر عام ہونے کے باوجود اپنے نفاق اور کسل مندی کی وجہ سے آپ ﷺ کے ہمراہ شریک غزوہ نہیں ہوئے تھے اور جھوٹے اعذار بیان کر کے غزوہ میں شریک نہ ہونے کی اجازت چاہی آپ ﷺ نے ان کو اجازت بھی دیدی۔ یہاں ان کو یہ وعید بھی سنائی جارہی ہے کہ ان کا نام مجاہدین کی فہرست سے کاٹ دیا گیا ہے اب آئندہ بھی کسی غزوہ میں شریک نہ ہوسکیں گے۔

**خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ،** لفظ ''خلاف'' کے معنی یہاں پیچھے اور بعد کے بھی ہوسکتے ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے یہی معنی لئے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ آپ ﷺ کے جہاد پر چلے جانے کے بعد آپ ﷺ سے پیچھے رہ جانے پر خوش ہورہے ہیں یہ درحقیقت خوشی کی بات نہیں تھی۔

دوسرے معنی یہاں خلاف کے مخالف کے بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کر کے گھر میں بیٹھے رہے اور صرف خود ہی نہیں بیٹھے بلکہ دوسروں کو بھی ''لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ط'' کہہ کر پست ہمت کر کے روکنے کی کوشش کی۔ غزوۂ تبوک نہایت شدید گرمی کے زمانہ میں ہوا تھا حق تعالیٰ نے ان کی بات کا جواب آپ ﷺ کی معرفت یہ دیا کہ ''قُلْ نَارُ جَھَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ط'' یعنی یہ بدنصیب اس وقت کی گرمی کو دیکھ رہے ہیں اور اس سے بچنے کی فکر کررہے ہیں مگر آخرت میں نار جہنم کی ابدالآباد کی گرمی کو اپنے اوپر لازم کررہے ہیں جھوٹے بہانے بیان کر کے مدینہ میں بیٹھے رہنے پر یہ خوشیاں منارہے ہیں حالانکہ یہ موقع خوشی منانے اور ہنسنے کا نہیں ہے۔ بلکہ خون کے آنسو رونے کا ہے اپنے مصنوعی اور جھوٹے اعذار کے ذریعہ چند روز کی گرمی سے اگر بچ بھی گئے تو ہمیشہ

ہمیشہ کی گرمی اپنے اوپر لازم کر لی۔ دنیا کی گرمی کی نار جہنم کی گرمی کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ دنیا کی آگ بھی دوزخ کی آگ سے پناہ مانگتی ہے۔

غزوہ تبوک میں جو لوگ شریک نہیں ہوئے تھے ان میں سب ہی منافق نہیں تھے بعض حقیقی عذر کی وجہ سے اور بعض آجکل کرتے کرتے شریک نہیں ہو سکے تھے اور آنحضرت ﷺ نے واپس آنے کے بعد ان کے اعذار کو قبول بھی فرمالیا تھا اور بعضوں کی کچھ دنوں کی مہلت بھی ملی تھی اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی توبہ قبول فرمائی تھی۔ منافقوں کی ایک چھوٹی سی جماعت تھی جو مختلف بہانے بنا کے ساتھ جانے سے رک گئی تھی۔

تفسیر ابن ابی حاتم میں قتادہؓ کا قول ہے کہ ان منافقوں کی تعداد صرف بارہ تھی جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ صحیح بخاری میں انس بن مالکؓ اور صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ تبوک کے سفر سے واپسی کے وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بعضے لوگوں نے گھر بیٹھے وہی ثواب حاصل کیا جو اور لوگوں نے سفر کر کے پایا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضرت ﷺ یہ کیونکر؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ مجبوری کے سبب سے مدینہ میں رہ گئے تھے ورنہ اس سفر میں ضرور شریک ہوتے۔ ان حدیثوں سے اس بات کی پوری تائید ہوتی ہے کہ جو لوگ تبوک میں شریک نہیں ہوئے وہ سب منافق نہیں تھے۔

**وَلاَ تُصَلِّ عَلَى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ ...الخ**

احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی ابن سلول کی موت اور اس پر نماز جنازہ پڑھنے کے متعلق نازل ہوئی اور صحیحین کی روایت سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھی، پڑھنے کے بعد یہ آیت نازل ہوئی، اس کے بعد آپ ﷺ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

### واقعہ مذکورہ سے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات:

پہلا سوال: عبداللہ بن ابی ایک ایسا منافق تھا کہ جس کا نفاق صاف ظاہر تھا صرف یہی نہیں بلکہ منافقوں کا سردار مانا جاتا تھا، اس کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا یہ امتیازی سلوک کس بنا پر ہوا کہ اس کے کفن کے لئے اپنا قمیض مبارک بھی عطا فرمادی۔

جواب: اس کے دو سبب ہو سکتے ہیں اول اس کے صاحبزادے جو کہ مخلص صحابیؓ اور بدریین میں سے تھے محض ان کی دلجوئی کیلئے ایسا کیا۔ دوسرا سبب ہوسکتا ہے جو بخاری شریف میں بروایت حضرت جابرؓ منقول ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب کچھ قریشی سردار گرفتار ہو کر آئے تھے تو آپ ﷺ کے چچا عباسؓ بھی ان میں تھے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ ان کے بدن پر کرتہ نہیں ہے تو صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ انہیں قمیض پہنا دیا جائے۔ حضرت عباسؓ چونکہ دراز قد تھے عبداللہ بن ابی کے سوا کسی کا کرتہ ان کے بدن پر درست نہ آیا تو عبداللہ بن ابی کا کرتہ لے کر آپ ﷺ نے اپنے چچا کو پہنا دیا، اس کے اسی احسان کا بدلہ ادا کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے اپنا کرتہ اس کو عطا فرما دیا۔ (قرطبی، معارف)

دوسرا سوال: یہ کہ جب حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو منافق کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے یہ کس بنا پر کہا؟ کیونکہ اس سے پہلے صراحت کے ساتھ آپ ﷺ کو منافق کی نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن خطابؓ نے اسی سورت کی سابقہ آیت (**استغفر لھم او لا تستغفر لھم**) سے ممانعت کا مضمون سمجھ کے ایسا کہا مگر آپ ﷺ نے اس سے ممانعت نہیں قرار دیا بلکہ آپ نے یہ فرمایا کہ اس آیت میں مجھے اختیار دیا گیا ہے۔

جواب: یہ ہے کہ حقیقت الفاظ آیت کا ظاہری مفہوم اختیار ہی دینا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سترؔ کا ذکر تحدید کے لئے نہیں ہے بلکہ کثرت بیان کرنے کے لئے ہے تو اس کا ظاہری مفہوم یہ ہوگا کہ منافق کی مغفرت تو نہ ہوگی خواہ آپ کتنی ہی مرتبہ استغفار کر لیں لیکن اس میں صراحت کے ساتھ آپ کو استغفار سے روکا نہیں گیا۔

(جمالین فی شرح جلالین)

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم خلوصِ دل سے ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ہمراہ ہو کر جہاد کرو تو ان میں سے طاقت اور قدرت رکھنے والے آپ ﷺ سے رخصت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو اجازت دیجیے کہ ہم بھی یہاں ٹھہرنے والوں کے ساتھ رہ جائیں۔ وہ لوگ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے اور ان کے دلوں

پر مہر لگ گئی جس سے حمیت اور بے حمیتی کو سمجھتے نہیں۔ ہاں لیکن رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی ہمراہی میں جو مسلمان ہیں انھوں نے اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور انہی کے لیے ساری خوبیاں ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

(تفسیر معارف القران)

## 2.6 ۔ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ج رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ لا وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَO

(التوبہ ۔ 9:93)

الزام تو ان لوگوں پر ہے جو دولتمند ہیں اور (پھر) تم سے اجازت طلب کرتے ہیں (یعنی اس بات سے)
خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ جو پیچھے رہ جاتی ہیں (گھر میں بیٹھ) رہیں خدا نے
ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ پس وہ سمجھتے ہی نہیں۔

Blame lies, in fect, on those who ask you permission dispite being rich. They are happy being with women who sit back. Allah has sealed their hearts; so they do not know.

وہ لوگ انتہائی بے حمیتی سے خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ جس سے وہ گناہ وثواب کو جانتے نہیں بلا عذر جہاد پر نہ جانے کی اجازت طلب کرنے کا سبب اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے پست درجہ میں رہنے اور عورتوں، بچوں، بیماروں، اپاہجوں کی فہرست میں داخل ہو جانے کو پسند کیا۔ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور وہ اپنی بدانجامی سے غافل ہو گئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف کرنے اور جہاد سے بیٹھ رہنے کو اختیار کیا اس کے علاوہ ان کو کچھ علم نہیں کہ اس کا نتیجہ کتنا برا نکلے گا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت مولانا جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ان معذورین کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ شہر سے دور رہنے والے وہ اعرابی تھے جنہوں نے جھوٹے عذر پیش کر کے اجازت حاصل کی۔ ان میں دوسری قسم وہ تھی جنہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں آ کر عذر پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی اور بیٹھے رہے۔ منافقین کے دو گروہوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور عذابٌ الیم کی وعید میں دونوں شامل ہیں اور دوسرے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ بادیہ نشین (بدوی) مسلمان مراد لئے ہیں ان مسلمانوں کا جس کے پاس واقعی عذر تھے اور دوسرے ان منافقین کا جو بغیر عذر پیش کئے بیٹھے رہے ان کے بارے میں وعید آئی ہے۔

## یہ عذر بیان کرنے والے کون تھے:

مفسرین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے عذر کیا تھا بعضوں نے کہا کہ یہ لوگ قبیلہ بنی اسد اور غطفان کے لوگ تھے۔ انہوں نے یہ عذر کیا تھا کہ ہمارے اہل وعیال ہیں جن کے لئے ہمیں بڑی محنت ومشقت کرنی پڑتی ہے۔ آپ ﷺ ہمیں گھر ہی پر رہ جانے کی اجازت دیدیں اور بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ عامر بن طفیل کے قبیلے کے یہ لوگ تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے آ کر یہ بات کہی تھی اگر ہم آپ ﷺ کے ساتھ چلیں اور شریک غزوہ ہو جائیں تو ہمارے بیوی بچے اور مویشی اکیلے رہ جائیں گے اور قبیلہ بنی طے کے بدو آ کر ہمارے پیچھے انہیں برباد کر دیں گے اور سب مال لوٹ کر لے جائیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ خدا نے میرے لئے تمہاری ضرورت نہیں رکھی ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ قبیلہ غفار کے چند لوگوں نے کہا تھا۔ صحیح قول یہ ہے کہ اطراف مدینہ میں چند قبیلے رہتے تھے ان میں بعضے لوگ جھوٹے عذر بیان کر کے اور بعضے بغیر عذر بیان کئے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے تھے اور اس غزوہ میں لشکر اسلام کا ساتھ نہیں دیا۔

## شان نزول:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى ... الخ

تفسیر ابن ابی حاتم اور مغازی محمد بن اسحٰق میں زید بن ثابتؓ کی روایت سے ان آیات کا جو شان نزول

بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ توانا وتندرست اور مالدار لوگ جو بلا کسی معقول عذر کے شریک غزوہ نہیں ہوئے تھے۔ جب مذکورہ آیات میں ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی خفگی اور وعید ظاہر کی گئی تو ناتواں بوڑھے، بیمار اور ایسے مفلس صحابہؓ کہ جن کے پاس اتنا سرمایہ نہیں تھا کہ سواری اور زادراہ کا خرچ برداشت کرسکیں اور آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب ہوسکیں وہ لوگ بہت پریشان ہوئے کہ شاید ہم لوگ بھی اس خفگی اور وعید میں داخل ہیں تو ان کی تسکین کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔

صحیح بخاری میں انس بن مالکؓ اور صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہؓ کی روایتیں موجود ہیں جن میں انخضرت ﷺ فرمایا! بہت سے ہمارے ساتھی مدینہ میں ایسے ہیں کہ ہر کام میں گویا ہمارے ساتھ ہیں جو راستہ ہم نے طے کیا ہے انہوں نے بھی گویا وہی راستہ طے کیا ہے۔ اس لئے کہ عذر کے سبب وہ ہمارے ساتھ نہیں آسکے ایسے معذورین سے اللہ تعالیٰ نے سرزنش اٹھالی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ایک شرط بھی لگادی ہے کہ اس طرح کا معذور آدمی گھر بیٹھے کوئی فساد کی بات نہ نکالے جس سے معلوم ہو کہ وہ دین کا خیر خواہ نہیں ہے۔

## شان نزول:

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ

صحیح بخاری میں ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت سے اس آیت کا جو شان نزول معلوم ہوتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ اپنے قبیلے کے لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے شرکت جہاد کے لئے سواری کی درخواست کی اس وقت آپ ﷺ کسی وجہ سے غصہ میں تھے۔ آپ نے سواری دینے سے قسم کھا کر انکار کردیا اس وجہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ اور ان کے ساتھی مایوں ہوکر واپس چلے گئے۔ اتنے میں آپ ﷺ کے پاس مال غنیمت کے کچھ اونٹ آگئے تو آپ نے ان لوگوں کو واپس بلایا اور چھ اونٹ ان کو عنایت فرمائے۔ جب یہ لوگ اونٹ لے کر واپس چلے گئے تو ان کو راستہ میں خیال آیا کہ شاید آپ ﷺ کو اپنی قسم یاد نہیں رہی واپس چل کر آپ ﷺ کو قسم یاددلانی چاہیئے۔ چنانچہ یہ لوگ واپس آئے اور آپ ﷺ کو قسم یاددلائی تو آپ نے فرمایا! جاؤ تمہیں اللہ نے سواری دیدی۔ میں جب قسم کھاتا ہوں اور جس کام پر وہ قسم ہو اس کام سے بہتر

اگر کوئی کام مجھے نظر آئے تو قسم کا کفارہ دیکر میں اس کام کو کر لیتا ہوں۔ (احسن التفاسیر)

اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَک الخ

اوپر کی آیات میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو اپاہج، بوڑھے، ضعیف، معذور، مریض یا مفلس ہونے کے سبب غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ اور ان لوگوں کو معذور قرار دیکر یہ فرمایا تھا کہ یہ لوگ سرزنش کے قابل نہیں۔ ان آیتوں میں فرمایا اصل سرزنش کے قابل وہ لوگ ہیں جو ہٹے کٹے اور دولتمند ہونے کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر گھروں میں بیٹھے رہے۔

(جمالین فی شرح جلالین)

غرض ان معذورین پر کوئی مواخذہ نہیں بس الزام اور مواخذہ تو صرف ان لوگوں پر ہے جو باوجود اہل سامان قوت ہونے کے گھر پر رہنے کی اجازت چاہتے ہیں وہ لوگ غایت بےحمیتی سے خانہ نشیں عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے اور اللہ نے انکے دلوں پر مہر کر دی جس سے وہ گناہ وثواب کو جانتے ہی نہیں۔

(تفسیر معارف القرآن)

2:7 ۔ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلاً اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا
بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ O
(یونس۔10:74)

پھر (نوحؑ کے بعد) ہم نے اور پیغمبر اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے تو وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ مگر وہ لوگ ایسے نہ تھے کہ جس چیز کی پہلے تکذیب کر چکے تھے اس پر ایمان لے آتے۔ اسی طرح زیادتی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔

Then, after him, We sent messengers to their peoples, and they came to them with clear signs, but they were not to believe in what they had rejected earlier. This is now We seal the hearts of the transgressors.

### سلسلہ رسالت کا تذکرہ:

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد بھی رسولوں کا سلسلہ جاری رہا ہر رسول اپنی قوم کی طرف اللہ کا پیغام اور اپنی سچائی کی دلیلیں لے کر آتا رہا۔ لیکن عموماً ان سب کے ساتھ بھی لوگوں کی وہی پرانی روش رہی یعنی ان کی سچائی کو تسلیم نہ کیا۔ جیسے اس آیت میں ہے

وَ نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ
فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَO (6۔الانعام:110)

اور ہم اُن کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے) اور ان کو چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں بہکتے رہیں۔

پس ان کے حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے جس طرح ان کے دلوں پر مہر لگ گئی۔ اسی طرح جیسے تمام لوگوں کے دل مہر زدہ ہو جاتے ہیں اور عذاب دیکھ لینے سے پہلے انہیں ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ حضرت نوح نبی علیہ السلام

کے بعد سے برابر یہی ہوتا رہا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں بھی انسان زمین پر آباد تھے۔ جب ان میں بت پرستی شروع ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کو ان میں بھیجا۔ یہی وجہ ہے کہ جب قیامت کے دن لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس سفارش کی درخواست لے کر جائیں گے تو کہیں گے کہ آپؑ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف مبعوث فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس زمانے گزرے اور وہ سب اسلام میں ہی گزرے ہیں۔ اسی لئے فرمان اللہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کے آنے والے لوگوں کو ہم نے ان کو بدکرداریوں کے باعث ہلاک کر دیا۔ مقصود یہ کہ ان باتوں کو سن کر مشرکین عرب ہوشیار ہو جائیں کیونکہ وہ سب سے افضل و اعلیٰ نبی کو جھٹلا رہے ہیں۔ پس جب کہ ان کے کم مرتبہ نبیوں اور رسولوں کے جھٹلانے پر ایسے دہشت ناک عذاب سابقہ لوگوں پر نازل ہو چکے ہیں تو اس سید المرسلین امام الانبیاء ﷺ کے جھٹلانے پر ان سے بھی بدترین عذاب ان پر نازل ہوں گے۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

یعنی جس طرح ہم نے قوم نوحؑ اور نوحؑ کے بعد آنے والے پیغمبروں کی امتوں کے دلوں پر مہر لگا دی تھی (بے مدد چھوڑ دیا تھا) اسی طرح آپ ﷺ کی امت میں سے جو لوگ حکم خداوندی سے تجاوز کرنے والے ہیں ان کے دلوں پر بھی مہر لگا دیتے ہیں اور چونکہ وہ خود گمراہی میں غرق ہیں اور خواہشات نفس کو نہیں چھوڑتے اس لئے ہم بھی ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

پھر نوح علیہ السلام کے بعد ہم نے اور رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس معجزات لے کر آئے مگر پھر بھی ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی یہ کیفیت تھی کہ جس چیز کو انہوں نے پہلی دفعہ میں ایک بار جھوٹا کہہ دیا تو پھر نہ ہوا کہ اس کو مان لیتے اور جیسے یہ لوگ دل کے سخت تھے اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں۔ (تفسیر معارف القرآن)

2:8 ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَسَمْعِھِمْ وَاَبْصَارِھِمْ ج
وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ O
(النحل۔16:108)

یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر خدا نے مہر لگا رکھی ہے
اور یہی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

Those are the ones Allah has set a seal on whose hearts, ears and eyes: and they are the heedless.

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے اور یہ ہی لوگ انجام سے بالکل غافل ہیں۔ دلوں پر مہر لگنے کی وجہ سے حق کو حق نہیں جانتے ہیں اور کانوں پر مہر لگنے کی وجہ سے حق کو نہیں سنتے، آنکھوں پر مہر لگنے کی وجہ سے چشم عبرت اندوز سے آیات خداوندی کو نہیں دیکھتے پس یہ بالکل غافل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غافل ہیں جس نے ان کو پیدا کیا جبکہ جانور اور بے عقل پتھر بھی اپنے بنانے والے سے بے خبر نہیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

ان کو بڑی سزا ہوگی اور یہ غضب وعذاب اس سبب سے ہوگا کہ انہوں نے دنیوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں عزیز رکھا اور اس سبب سے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایسے کافروں لوگوں کو جو دنیا کو ہمیشہ آخرت پر ترجیح دیں ہدایت نہیں کیا کرتا یہ دو سبب الگ الگ نہیں بلکہ مجموعہ سبب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیا میں ان کے اصرار علی الکفر کی حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے۔ یہ لوگ انجام سے بالکل غافل ہیں اس لئے لازم بات ہے کہ آخرت میں یہ لوگ بالکل گھاٹے میں رہیں گے۔
(تفسیر معارف القرآن)

2:9 ۔ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ O

(سورة الروم . 30:59)

اسی طرح خدا ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے مہر لگا دیتا ہے۔

Thus Allah seals up the hearts of those who do no believe.

اسی طرح یعنی جس طرح ہم نے مکہ کے کافروں کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا ہے اسی طرح اللہ ٹھپہ لگا دیتا ہے ان لوگوں کے دلوں پر جو (اللہ کی توحید کو) نہیں جانتے۔

لَا يَعْلَمُوْنَ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی توحید سے ناواقف ہیں یا یہ مراد ہے کہ ان کو علم کی طلب ہی نہیں اپنے بے ہودہ عقائد پر جمے ہوئے ہیں جہل مرکب معرفت حق سے روکتا اور تکذیب حق پر آمادہ کرتا ہے۔

(تفسیر مظہری)

### توبہ کا وقت گزر جانے کے بعد سزا بھگتنی پڑتی ہے:

اس وقت ان سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ چلو اب توبہ کر لو اور اللہ کو راضی کر کے معافی تلافی کر لو کیونکہ اس کا وقت گزر چکا ہوگا اب تو سزا بھگتنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوگا۔ اس وقت پچھتائیں گے مگر پچھتانے سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ دنیا میں رہ کر ان سب باتوں کا موقعہ تھا کیونکہ وہ دارالعمل ہے۔ اس کو تو گنوا دیا اور قرآن کی صاف صاف دلیلوں کو جھٹلا دیا۔ واضح معجزات کا انکار کیا، پیغمبروں کا مذاق اڑایا، قرآن کو جادو اور من گھرت بتلایا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص نہ سمجھے اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کرے اور ہٹ دھرمی سے ہر بات کا انکار کرتا رہے تو قبول حق کی فطری استعداد بھی کھو بیٹھتا ہے۔ اس کے دل پر آخر کار مہر لگ جاتی ہے اور جب یہ اس درجہ کو پہنچ گئے تو ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے لئے پیغمبرانہ حوصلہ اور برداشت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔ آپ ﷺ ان سے ہٹ کر اپنے کام میں لگے رہئے اور رنج و ملال کے بجائے اصلاح و دعوت کے مشغلہ میں بدستور لگے رہئے۔ یہ لوگ آپ ﷺ کا بال بیکا نہیں کر سکیں گے اور نہ آپ ﷺ کو آپؐ کے مقام سے بال برابر جنبش دے سکیں گے۔

نفسانی انتقام گو جائز ہے مگر صاحب تبلیغ کے لئے مخصوص ابتداء اسلام میں مناسب نہیں سمجھا گیا اور جہاد کو نفسانی انتقام نہیں کہا جائے گا کہ دونوں میں تعارض مان کر ناسخ منسوخ ماننا پڑے۔

(کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

2:10 ۔ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ O

(المومن / غافر۔ 40:35)

جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو خدا کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں خدا کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ جھگڑا سخت ناپسند ہے۔ اسی طرح خدا ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

Those who quarrel in Allah's verses without any authority having reached them. it is terribly hateful with Allah and with those who believe. That is how Allah stamps a seal on the entire heart of an arrogant tyrant.

جو بغیر کسی خدا داد سند کے اللہ کی آیات میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں اس (کج بحثی) سے خدا کو بھی بڑی نفرت ہے اور مومنوں کو بھی، اسی طرح اللہ ہر مغرور جابر کے پورے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

**الذین یجادلون** موصول اول سے بدل ہے کیونکہ **من هو** (یعنی موصول اول) جمع کے حکم میں ہے۔

**سلطن** واضح دلیل یعنی آیات الٰہیہ میں کسی واضح دلیل کی روشنی میں جھگڑے نہیں نکالتے بلکہ سرف اسلاف کی تقلید میں یا بے بنیاد شبہات کی وجہ سے جھگڑتے ہیں۔

**یطبع اللّٰه علی کل قلب** یعنی اللہ پورے دل پر مہر دلگا دیتا ہے پھر نور ایمان دل کے اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ (تفسیر مظہری)

2:11 ۔ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۚ فَاِنۡ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخۡتِمۡ عَلٰی قَلۡبِکَ ؕ وَیَمۡحُ اللّٰہُ الۡبَاطِلَ وَیُحِقُّ الۡحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ O

(الشوریٰ ۔ 42:24)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے خدا پر جھوٹ باندھ لیا ہے؟ اگر خدا چاہے تو (اے محمد ﷺ) تمہارے دل پر مہر لگا دے اور خدا جھوٹ کو نابود کر دیتا ہے اور اپنی باتوں سے حق کو ثابت کرتا ہے بیشک وہ سینے تک کی باتوں سے واقف ہے۔

Is it that they say, : He has forged a lie against Allah? So, if Allah wills, He may put a seal on your heart. And Allah blots out falsehood and establishes truth with His words. Surely, He is fully aware of what lies in the hearts.

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے یعنی رسول اللہ ﷺ نے اللہ پر جھوٹ بولا ہے۔ یعنی کفار مکہ رسالت کا حق تو ادا نہیں کرتے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے خدا پر بہتان تراشی کی ہے کہ نبوت کا مدعی بن بیٹھا ہے یا قرآن کو اللہ کی کتاب کہتا ہے۔

## فَاِنۡ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخۡتِمۡ عَلٰی قَلۡبِکَ

خدا اگر چاہے تو آپ ﷺ کے دل پر بند لگا دے۔ یعنی محمد ﷺ جیسے شخص سے کذب تراشی اور بہتان بندی کا صدور بعید از عقل ہے۔ دروغ بندی کی جرات تو وہی کرسکتا ہے جس کے دل پر اللہ کی طرف سے گمراہی کی مہر لگ چکی ہو اور اپنے رب کو پہچانتا نہ ہو۔ لیکن جو صاحب بصیرت اور خدا شناس ہو وہ ایسی حرکت نہیں کرسکتا۔ گویا حاصل مفہوم یہ ہے کہ اگر اللہ آپ ﷺ کو بے مدد چھوڑنا چاہتا تو آپ ﷺ کے دل پر مہر لگا دیتا کہ آپ ﷺ اللہ پر دروغ بندی کرنے لگتے۔

مجاہد نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا اگر اللہ چاہے گا تو آپ ﷺ کے دل پر صبر کی مہر کر دے گا کہ پھر آپ ﷺ کے لئے کافروں کی طرف سے اذیت رسانی شاق نہیں رہے گی اور کافر جو آپ ﷺ کو تہمت تراش

کہہ رہے ہیں اس سے آپ ﷺ کو دکھ نہ ہوگا۔ قتادہؓ نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا اگر اللہ چاہتا تو آپ ﷺ کے دل پر چھاپ لگا دیتا کہ آپ ﷺ کو قرآن فراموش ہو جاتا آپ ﷺ ان کو بتا دیجئے کہ اگر میں اللہ پر کذب تراشی کرتا تو خدا میرے دل پر نسیان کی چھاپ لگا دیتا ۔

( وَيَمۡحُ اللّٰهُ الۡبَاطِلَ وَيُحِقُّ الۡحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ )

اور اللہ باطل کو مٹایا کرتا ہے اور حق کو اپنے احکام سے ثابت کیا کرتا ہے بلاشبہ وہ دلوں کی باتیں جاننے والا ہے۔

مطلب یہ ہے اگر رسول افترا پرواز ہوتے تو ان کے افترا کو اللہ مٹا دیتا۔ کیونکہ اللہ کا دستور ہی یہی ہے کہ وہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو وحی کے یا فیصلے کے ذریعہ سے ثابت کرتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس نے وعدہ کر رکھا ہے کہ باطل کو مٹائے گا اور حق کو قرآن یا فیصلے کے ذریعہ سے ثابت کرے گا۔ اس کے فیصلہ کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا باطل کو مٹا دیا اور کافروں کے مقابلہ میں اپنے احکام بھیج کر اسلام کو بول بالا کر دیا۔
(تفسیر مظہری)

حضرت مولانا جلال الدین محلّی نے تفسیر جلالین میں اس آیت کی تفصیل یوں بیان کی ہے

**یقینی وعدوں پر تو اطمینان نہیں مگر موہوم پر کامل اعتماد:**

مگر لوگوں کا حال عجیب ہے کہ موہوم کے لئے تو جدو جہد یقینی اور یقین کے لئے محض تمنائیں اور خالی آرزوئیں ہیں۔ اللہ نے نبیوں کی زبانی آخرت کا راستہ بتلا دیا۔ پھر آخر مشرکین نے اس راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہیں کہاں سے نکالی ہیں۔ اللہ کے علاوہ اور کون ہے جس کو حلال حرام کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ دنیا میں کھول کھول کر حق ناحق کو بیان کر دیا گیا۔ مگر پھر بھی یہ نہیں مانتے تو عملی فیصلہ تو مقررہ وقت پر ہوگا۔ اس کا انتظار کریں سب کرنی سامنے آجائی گی۔ آج اگر نہیں ڈرتے تو اس وقت ڈریں گے مگر لا حاصل ہے اس سے رہائی کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ جو ایمان دار نیکوکار رہوں گے جنہوں نے دنیا میں ہر قسم کی صعوبتیں دین کی خاطر برداشت کیں۔ وہ آخرت کی جسمانی اور روحانی ہر قسم کی نعمتوں سے لذت آشنا ہوں گے۔ ان کی ہر تمنا ہر آرزو پوری کی جائے گی۔

انسانیت و قرابت کا لحاظ کر کے ہی ظلم سے باز آجانا چاہیے:

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اس میں میری کوئی ذاتی غرض نہیں ہے بلکہ صرف اللہ کیلئے تمہیں فلاح کا راستہ بتلا دیتا ہوں۔ تم سے اس پر کچھ بدلہ نہیں مانگتا۔ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ کم ازکم خاندانی تعلقات کا لحاظ کرتے ہوئے بالکل بے مروتی پر تو نہ اتر آؤ۔ تم میری بات نہیں مانتے نہ مانو میرا دین قبول نہیں کرتے نہ کرو۔ میری تائید و حمایت میں کھڑے نہیں ہوتے نہ سہی لیکن قرابتداری کا خیال کر کے ظلم پر تو کمر نہ باندھو۔ ہر وقت کی ایذاء رسانی سے باز آؤ اتنی تو آزادی دو کہ اللہ کا پیغام پہنچاتا رہوں کیا میں اتنی دوستی اور اتنی محبت و انصاف کا بھی حق دار نہیں ہوں میری دشمنی اور عداوت میں جلد بازی سے کام نہ لو۔ بلکہ ٹھنڈے دل و دماغ سے میری پوری بات سن لو اور اس کو عقل و دلیل کی میزان میں تول لو۔ اگر معقول ہو قبول کر لو۔ کچھ شبہات ہوں تو صاف کر لو اور بالفرض اگر غلط ہو تو مجھے سمجھا دو راہ پر لے آؤ۔ غرض جو بات ہو وہ خیر خواہی اور خیر اندیشی سے ہو۔ یہ نہیں کہ بے سمجھے فوراً ہی بھڑک اٹھو۔ بلکہ سمجھانے پر بھی خلاف سے باز نہ آؤ۔ آخر رشتہ داری کا کیا فائدہ جب ایک دوسرے کے اتنا بھی کام نہ آئے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ خالی رشتہ داری پیش نظر ہے اور اس کے بعد ایمان مطلوب نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ لطیف طریقہ سے تدریجی طور پر یہ ایمان ہی کی طرف لے جانے کا راستہ ہے۔

چار مقدمات استدلال:

ام یقولون کفار آپ پر جھوٹا دعوائے نبوت کر دینے کا الزام لگاتے ہیں۔ سو ان کی یہ بکواس خود افتراء ہے چار مقدمات کی بنیاد پر ہے۔

اول یہ کہ کسی خارق عادت معجزہ کا آپ ﷺ کے ہاتھ پر ظاہر ہونا نہ ہونا دونوں فی نفسہ ممکن ہوئے اور اللہ کی قدرت میں ہونے کے لحاظ سے اگرچہ برابر ہیں۔

دوسرے یہ کہ اللہ کی عادت لوگوں کو تلبیس سے بچانے کے لئے یہ ہے کہ وہ سچے کے ہاتھ معجزہ ظاہر کر دیتا ہے اور جھوٹے کے ہاتھ پر ظاہر نہیں کرتا۔ پس آپ کا جھوٹا ہونے کے لئے لازم ہے کہ آپ کے ہاتھ معجزہ ظاہر نہ ہو۔

تیسرے یہ کہ لازم کا نہ ہونا ملزوم کے نہ ہونے کو ستلزم ہے۔

چوتھے یہ کہ آپ ﷺ کی زبان سے معجزانہ کلام قرآن ظاہر ہوا ہے۔ پس لازم یعنی معجزہ کے نہ ہونے کی نفی ہوئی۔ اس لئے ملزوم یعنی جھوٹ کی بھی نفی ہوگئی۔ اس طرح آپ ﷺ کا سچا اور مخالفین کا جھوٹا ہونا ثابت ہوگیا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ ''اللہ چاہے تو آپ ﷺ کے دل پر مہر لگا دے'' اور فرشتہ آپ ﷺ کے قلب پر یہ کلام معجزانہ نہ اتار سکے اور وحی کا سلسلہ بند ہو جائے۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ کو یہ قدرت ہر وقت حاصل ہے کہ یہ معجزانہ کلام صادر نہ ہونے دے اور دوسرے مقدمہ کی رو سے عادت الٰہیہ کے مطابق اللہ جھوٹے دعویٰ کو مٹا دیا کرتا ہے۔ جھوٹے کے ہاتھ پر خرق عادت ظاہر ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ احکام تنزیلیہ اور تکوینیہ سے نبوت کے سچے دعویٰ کو ثابت اور غالب کر دیا کرتا ہے۔ اور تیسرا مقدمہ بدیہی اور چوتھا مقدمہ بالکل مشاہد ہے۔

اس سے ثابت ہوگیا کہ آپ ﷺ سچے اور مخالفین جھوٹے ہیں۔ اس لئے محض ان بدبختوں کی ناقدری اور طعن و تشنیع کی وجہ سے فیضان کا یہ سلسلہ منقطع نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس کو جاری رکھے گا اور عملی طور پر جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ ثابت کر کے رہے گا۔ اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ کس کے دل پر اللہ نے مہر لگائی اور کون جھوٹا ہے اللہ سے ان کا کوئی حال قال مخفی نہیں۔ حتیٰ کہ وہ دلی منصوبوں سے بھی واقف ہے۔ اس لئے وہ خود ان سے نپٹ لے گا۔

(کمالین ترجمہ و شرح تفسیر جلالین)

2:12 ۔ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ
وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ط فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ط اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ O

(الجاثیہ۔ 45:23)

بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے بوجھنے کے (گمراہ ہو رہا ہے تو) خدا نے (بھی) اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اب خدا کے سوا اس کو کون راہ راست پر لا سکتا ہے؟ بھلا تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے؟

So, have you seen him who has taken his desires as his god, and Allah has let him go astray, despite having knowledge, and has sealed his ears and his heart, and put a cover on his eyes? Now who guide him after Allah? Still, do you not take lesson?

کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہشات کو بنا رکھا ہے اور اللہ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کانوں پر اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے ایسے شخص کو اللہ کے گمراہ کر دینے کے بعد کون ہدایت کرے گا کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

اَفَرَءَیْتَ　ذ ایت سے پہلے ایک جملہ محذوف ہے پورا کلام اس طرح تھا کیا آپ اس کو ہدایت کرنا چاہتے ہیں اور آپ نے دیکھ بھی لیا ہے کہ اس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے ایسے آدمی کو کون ہدایت کر سکتا ہے یہ اللہ کے اوامر ونواہی کو ترک کر کے اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہے گویا اس نے خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا۔

حضرت ابن عباسؓ، حسن اور قتادہ نے آیت کے مطلب کی توضیح اس طرح کی ہے اس کافر نے اپنا دین نفسانی ہوا و ہوس کو بنا رکھا ہے۔ پس جس بات کی خواہش ہوتی ہے اس کو اختیار کرتا ہے کیونکہ اللہ پر اس کا ایمان نہیں وہ خدا سے ڈرتا نہیں اور جس کام سے اللہ نے روکا ہے اس سے رکتا نہیں۔

بعض لوگوں نے یہ مطلب بیان کیا ہے اس نے اپنا معبود ہوا اور ہوس کو بنا رکھا ہے نفسانی خواہشات کی پوجا کرتا ہے۔ ابن جریر اور ابن المنذر کا بیان ہے اور بغوی نے سعید بن جبیر ؒ کی طرف بھی اس بیان کی نسبت کی ہے کہ عرب پتھروں کی اور سونے چاندی کی پوجا کرتے تھے۔ جب کوئی پتھر پہلے سے اچھا مل جاتا تو پہلے پتھر کو پھینک دیتے یا توڑ ڈالتے اور دوسرے کو پوجنے لگتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

شعبی نے کہا ہویٰ کو ہوا اس لئے کہا جاتا ہے کہ (کہ ہویٰ کا معنی ہے لڑھکنا، نیچے گرانا) خواہشات اپنے پرستار کو دوزخ میں گرا دیتی ہیں۔

**عَلٰی عِلْمٍ** یعنی اللہ اس کی گمراہی اور (فطری) استعداد کی خرابی کو جانتا تھا اس بناء پر اس کو گمراہ کیا یہ مطلب ہے کہ اس کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ کو علم تھا کہ یہ گمراہ ہوگا۔

**وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ** یعنی اس کے کانوں پر مہر لگا دی اس لئے وہ نصیحت سنتے نہیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی اس لئے وہ آیات پر غور نہیں کرتے۔

**وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً** ط اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اس لئے وہ بصیرت اندوز عبرت آگیں نظر سے دیکھتے نہیں۔

**فَمَنْ یَّهْدِیْهِ** ... اِلخ یعنی اللہ نے اس کو گمراہ کر دیا تو اس کے بعد کوئی اس کو ہدایت نہیں دے سکتا۔ استفہام انکاری ابن جریر اور ابن المنذر نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اہل جاہلیت (یعنی کافر) کہا کرتے تھے رات اور دن (کا چکر) ہم کو ہلاک کرتا ہے۔

(تفسیر مظہری)

وہ شخص جس نے اپنی خواہشاتِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کوئی کافر بھی اپنی نفسانی خواہشات کو خدا یا معبود نہیں کہتا لیکن قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ عبادت درحقیقت اطاعت کا نام ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی اطاعت کرے تو وہی اس کا معبود کہلائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اسی کو اچھا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس اچھا سمجھتا ہے اور اسی کو برا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس برا سمجھتا

ہے۔ یعنی اللہ اوراس کے رسول کے احکامات کے مقابلہ میں اپنی نفسانی خواہشات کوترجیح دیتا ہے یا اپنی عقل کواہمیت دیتا ہے، حالانکہ عقل بھی ماحول سے متاثر خواہش سے مغلوب اور مفادات کی اسیر ہوکر خواہش نفس کی طرح غلط فیصلے کرسکتی ہے۔ حضرت ابوامامہ ؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ زیرآسمان دنیا میں جتنے معبودوں کی عبادت کی گئی ہے ان میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک شہواتِ نفس ہے۔ حضرت شداد بن اسود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دانشمند شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اوران باتوں پرعمل کرے جوموت کے بعداس کے کام آسکیں۔ فاجر وہ شخص ہے جو جونفس کواپنی خواہشات کے پیچھے چھوڑ دے اور اللہ سے آخرت کی بھلائی کی تمنا کرے۔ اہل عرب میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جوایک پتھر کو پوجتے تھے اور جب اس سے زیادہ خوبصورت پتھر مل جاتا تو اس پتھر کو پھینک کر دوسرکواپنا معبود بنالیتے تھے۔

(جمالین فی شرح جلالین)

## خلاصۂ تفسیر

کیا توحید وآخرت کے ان واضح بیانات کے بعد آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے کہ جو دل میں آتا ہے اسی کے پیچھے چلتا رہتا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کردیا ہے کہ حق کوسنااور سمجھا بھی مگر نفسانی خواہش کی پیروی سے گمراہ ہوگیااور خدا تعالیٰ نے اس کے کان اور دل پرمہر لگادی اوراس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے۔ یعنی نفس پرستی کی بدولت قبول حق کی صلاحیت نہایت کمزور ہوگئی سوایسے شخص کوخدا کے گمراہ کردینے کے بعدکون ہدایت کرے گا۔ کیا تم ان آیات کوسنکر بھی نہیں سمجھتے یعنی ایسا سمجھنا جونفع بخش ہو۔ کفار سمجھتے ہیں کہ اس زندگی کے سوااور کوئی زندگی یعنی آخرت میں نہیں ہے ہم یہی ایک موت مرتے ہیں اور یہی ایک جینا جیتے ہیں مقصود یہی ہے کےموت کی طرح زندگی بھی دنیا ہی کے ساتھ خاص ہے اور ہم کو صرف زمانہ کی گردش سے موت آجاتی ہے۔ مطلب یہ کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ جسمانی قوتیں خرچ ہوتی رہتی ہیں اوران اسباب طبعیہّ کے تابع ہیں اور اسباب طبعیہ آخرت کی زندگی کا تقاضا نہیں کرتے تو آخرت کی زندگی نہ ہوگی۔ اوران لوگوں کے پاس اس پرکوئی دلیل نہیں ہے محض اٹکل سے ہانک رہے ہیں۔ یعنی اُخروی زندگی کی نفی پر

کوئی دلیل نہیں اور نہ اہل حق کی دلیل کا وہ کچھ جواب دے سکتے ہیں۔ چنانچہ جس وقت اس بارہ میں ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو مطلوب ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں تو ان کا اس پر اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ داداؤں کو زندہ کر کے سامنے لے آؤ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو اور اس جواب کے سوا کوئی اور جواب نہیں دے سکتے۔ مثلاً یہ کہ کسی دلیل عقلی سے اس کا اعقلاً محال ہوتا ثابت کر دیتے۔ آپ ﷺ ان کے جواب میں یوں کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو جب تک چاہتا ہے زندہ رکھتا ہے پھر جب چاہے گا تم کو موت دے دے گا پھر قیامت کے دن جس کے وقوع میں ذرا شک نہیں تم کو زندہ کر کے جمع کریگا (پس دعویٰ اس روز میں زندہ کرنے کا ہے اور دنیا میں مردوں کو زندہ نہ کرنے سے اس روز میں زندہ کرنے کی نفی لازم نہیں آتی) لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے اور بلا دلیل حق کا انکار کرتے ہیں۔

(تفسیر معارف القرآن)

2:13 ۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ج حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا قف اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ O

(محمد ۔ 47:16)

اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو تمہاری طرف کان لگائے رہتے ہیں یہاں تک کہ (سب کچھ سنتے ہیں لیکن) جب تمہارے پاس نکل کر چلے جاتے ہیں تو جن لوگوں کو دین کا علم دیا گیا ہے ان سے کہتے ہیں کہ (بھلا) انہوں نے ابھی کیا کہا تھا؟ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر خدا نے مہر لگا رکھی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے چل رہے ہیں۔

Among them there are ones who (pretend to) give ear to you, until when they go out from your presence, they say to those who have been given knowledge,: What did he say just now? Those

are the ones on whose hearts Allah has put a seal, and they have followed their desires.

## بے وقوف، کند ذہن اور جاہل:

منافقوں کی کند ذہنی اور بے وقوفی اور بے علمی نا سمجھی اور بے وقوفی کا بیان ہو رہا ہے کہ باوجود مجلس میں شریک ہونے کے کلام الرسول سن لینے کے پاس بیٹھے ہونے کے ان کی سمجھ کچھ نہیں آتا۔ مجلس کے خاتمے کے بعد اہل علم صحابہؓ سے پوچھتے ہیں کہ اس وقت آپ ﷺ نے کیا کیا کہا؟ یہ ہیں جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور اپنے نفس کی خواہش کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے جو لوگ ہدایت کا قصد کرتے ہیں انہیں خود اللہ بھی توفیق دیتا ہے اور ہدایت نصیب فرماتا ہے پھر اس پر جم جانے کی ہمت بھی عطا فرماتا ہے اور ان کی ہدایت بڑھاتا رہتا ہے اور انہیں رشد و ہدایت الہام فرماتا رہتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

اور ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو آپ ﷺ کی بات کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ آپ ﷺ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ابھی کیا فرمایا!

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے چھاپ لگا دی ہے اور یہ اپنی نفسانی خواہشمند پر چلتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ج یہ لوگ منافق تھے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو سنتے تو تھے لیکن لاپرواہی اور تغافل برتتے تھے اس لئے نہ یاد رکھتے تھے نہ سمجھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے خیال میں اس کلام کو حق جانتے ہی نہ تھے۔ مَاذَاقَالَ یعنی محمد ﷺ نے کیا کہا؟

(تفسیر مظہری)

## خلاصہ تفسیر

اے نبی ﷺ! بعض آدمی ایسے ہیں مراد منافقین ہیں کہ وہ آپ کی تبلیغ و تعلیم کے وقت ظاہر میں تو آپ ﷺ کی طرف کان لگاتے ہیں لیکن دل سے بالکل متوجہ نہیں ہوتے یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے آٹھ کر مجلس سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم صحابہؓ سے کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے ابھی جب ہم مجلس میں تھے کیا بات فرمائی تھی۔ اُن کا یہ کہنا بھی ایک قسم کا استہزا ہی تھا کہ اس سے یہ جتلانا تھا کہ ہم آپ ﷺ کی گفتگو کو قابل التفات نہیں سمجھتے۔ یہ بھی ایک شعبہ نفاق ہی کا تھا یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مہر کردی ہے۔ ہدایت سے دور ہوگئے اور اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں اور انہی کی قوم میں سے جو لوگ راہ حق پر ہیں یعنی مسلمان ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو احکام سننے کے وقت اور زیادہ ہدایت دیتا ہے کہ وہ ہر آنے والے حکم پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ یعنی ان کی ایمانیات کی تعداد بڑھ گئی یا یہ کہ ان کے ایمان کو اور زیادہ قوی اور پختہ کر دیتے ہیں جو عمل صالح کا خاصۂ ہے کہ اس سے ایمان میں مزید پختگی پیدا ہوتی ہے اور ان کو ان کے تقوٰی کی توفیق دیدیتا ہے۔ ان منافقین کے لئے وعید ہے کہ یہ جو قرآن اور احکام الٰہیہ سن کر بھی متاثر نہیں ہوتے سو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بس قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ اُن پر دفعۃً آپڑے۔ فرمایا کہ یہ لوگ اب بھی متاثر نہیں ہوتے تو کیا قیامت میں ہدایت حاصل کریں گے سو یاد رکھو کہ قیامت بھی نزدیک ہے چنانچہ اسکی متعدد علامتیں تو آچکی ہیں۔

چنانچہ از روئے حدیث خود خاتم النبیین کی بعثت و نبوت بھی علامات قیامت میں سے ہے اور شقِ قمر نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہونے کے علاوہ قیامت کی علامات میں بھی ہے۔ یہ سب علامات زمانہ نزول قرآن میں موجود ہو چکی تھیں۔ ایمان لانے اور ہدایت پانے میں قیامت کا انتظار کرنا محض جہالت ہے کیونکہ وہ وقت سمجھنے اور عمل کرنے کا نہیں ہوگا۔ فرمایا تو جب قیامت اُن کے سامنے آکھڑی ہوگی اُس وقت اُن کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا۔

(یعنی مفید نہیں ہوگا)۔

(تفسیر معارف القرآن)

2:14 ۔ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمۡ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوۡبِھِمۡ فَھُمۡ لَا یَفۡقَھُوۡنَO

(المنافقون ۔63:3)

یہ اس لئے کہ یہ پہلے تو ایمان لائے پھر کافر ہو گئے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اس لئے اب یہ سمجھتے ہی نہیں۔

That is because they declared faith (in Islam apparently), then disbelieved (secretly), Therefore a seal has been set on their hearts, and thus they do not understand.

یہ بات اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ (اول ظاہر میں) ایمان لائے پھر (کلمات کفریہ کہہ کر) کافر ہو گئے تو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی اس سبب سے وہ (حق بات کو) نہیں سمجھتے۔

ذٰلِکَ یعنی یہ نفاق اور اسلام سے روگردانی، جھوٹی قسموں کو بچاؤ کا ذریعہ بنانا اس سبب سے ہے کہ وہ بظاہر مؤمنوں کی نظر میں مؤمن ہو گئے پھر اپنے ساتھیوں کے پاس تخلیہ میں پہنچ کر کافر ہو گئے۔ (کفریہ کلمات کہنے لگے) یا یہ مطلب ہے کہ کوئی نشانی یا معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئے، پھر شیطان (ان کے ساتھی) نے ان کے دلوں میں شبہات پیدا کر دیئے تو کافر ہو گئے۔

فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوۡبِھِمۡ یعنی اللہ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا کہ فہم حق ان کے دلوں سے چھین لیا گیا۔

فَھُمۡ لَا یَفۡقَھُوۡنَ سو اب وہ حقیقت ایمان کو سمجھتے ہی نہیں۔

(تفسیر مظہری)

ذٰلک بانھم یعنی گو زبان سے اظہار ایمان کیا مگر دل سے بدستور منکر رہے اور ایمان کے دعویدار ہو کر کافروں کے کام کئے۔ اس بے ایمانی اور فریب و دغا کا یہ اثر ہوا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی۔ اب اس حالت پر پہنچ کر ان کے سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے جب انسان کا دل برے کرتوتوں سے مسخ ہو جائے پھر نیک و بد سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ (کمالین ترجمہ و شرح تفسیر جلالین)

منافقین نے کہا کہ ہم دل سے گواہی دیتے ہیں حالانکہ وہ گواہی محض زبانی ہے اعتقاد قلب سے نہیں ان

لوگوں نے اپنی قسموں کو اپنی جان مال کو بچانے کے لئے ڈھال بنا رکھا ہے۔ کیونکہ اظہار کفر کرتے تو ان کی حالت بھی مثل دوسرے کفار کے ہوجاتی کہ ان سے جہاد کیا جاتا اور قتل و غارت ہوتا پھر اس لازمی خرابی کے ساتھ متعدی خرابی بھی ہے کہ یہ لوگ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ بے شک ان کے یہ اعمال بہت ہی بُرے ہیں اور اس کا سبب یہ سے ہے کہ یہ لوگ اول ظاہر میں ایمان لے آئے پھر اپنے شیاطین (ساتھی) کے پاس جا کر کلمات کفریہ (اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُ وْ نَ) کہہ کر کافر ہوگئے مطلب یہ کہ ان پر بُرے اعمال کا حکم کرنا ان کے نفاق کے سبب سے ہے کہ وہ بدترین عمل کفر ہے۔ اس نفاق کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر گئی۔ تو یہ (حق بات کو) نہیں سمجھتے۔ بوجہ عدم اخلاص وعدم ایمان کے ہر وقت ان کو اندیشہ رہتا ہے کہ کبھی مسلمانوں کو ہمارے حال کی اطلاع کسی قرینہ سے یا بذریعہ وحی کے نہ ہو جائے اور مثل دیگر کفار کے ہم پر بھی جہاد وغیرہ نہ ہونے لگے۔

یہ اس خیال سے ایسے خائف رہتے ہیں کہ ہر غل پکار کو خواہ کسی وجہ سے ہو اپنے ہی اوپر (پڑنے والی) خیال کرنے لگتے ہیں۔ یعنی جب کوئی شور وغل ہوتا ہے یہی سمجھتے ہیں کہ کہیں ہمارے اوپر بھی افتاد پڑنے والی نہ ہو۔ حقیقت میں یہی لوگ تمہارے پورے دشمن ہیں آپ ﷺ ان سے ہوشیار رہئے۔ یعنی اُن کی کسی بات پر اعتماد نہ کیجئے خدا اُن کو غارت کرے کہاں دین حق سے پھرے چلے جاتے ہیں یعنی روزانہ دور ہی ہوتے جاتے ہیں اور ان کے تکبر اور شرارت کی یہ کیفیت ہے کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آؤ کہ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ استغفار کردیں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ ﷺ ان کو دیکھیں گے کہ وہ اس خیر خواہی اور استغفار سے تکبر کرتے ہوئے بے رخی کرتے ہیں۔ جب اُن کے کفر کی یہ حالت ہے تو اُن کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ آپ ﷺ اُن کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو ہرگز نہ بخشے گا مطلب یہ کہ اگر وہ آپ ﷺ کے پاس آتے بھی اور آپ ﷺ ان کی ظاہری حالت کے اعتبار سے استغفار بھی فرماتے تب بھی ان کو کچھ نفع نہ ہوتا۔ یہ تو ماضی کے اعتبار سے اُن کی حالت ہوئی اور آئندہ کے لئے یہ ہوا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔ منافق جانتے نہیں اور فانی اشیاء کے گرد گھومتے ہیں۔

(تفسیر معارف القرآن)

# 3 ۔ نفاق زدہ دل

اللہ تعالیٰ نے نفاق زدہ دل کا تذکرہ قرآن کریم آٹھ مختلف مقامات پر کیا ہے۔

3.1 ۔ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّعۡجِبُکَ قَوۡلُهٗ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَیُشۡهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیۡ قَلۡبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ O

(البقرہ - 2:204)

اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی دنیا کی گفتگو تم کو دلکش معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر پر خدا کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔

Among men there is one whose speech, in this life, attracts you: he even makes Allah his witness on what is in his heart, while he is extremely quarrelsome.

## دل بھیڑیوں کے اور کھال انسانوں کی:

سدی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے . یہ منافق شخص تھا ظاہر میں مسلمان تھا اور لیکن باطن میں سخت مخالف اور مشرک تھا۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے حضرت خبیب ؓ اور ان کے ساتھیوں کی برائیاں کی تھیں جو رجیع میں شہید کئے گئے تھے۔

حضرت نوف بکلائی جو تو راہ وانجیل کے بھی عالم تھے فرماتے ہیں کہ میں اس امت کے بعض لوگوں کی برائیاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں پاتا ہوں۔ لکھا ہے کہ بعض لوگ دین کے بہانے سے دنیا کماتے ہیں ان کی زبانیں تو شہد سے زیادہ میٹھی ہیں لیکن دل ایلوے (مصبر ) سے زیادہ کڑوے ہیں۔ لوگوں کے لئے بکریوں کی کھالیں پہنتے ہیں لیکن ان کے دل بھیڑیوں جیسے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا وہ مجھ پر جرات کرتے ہیں اور میرے ساتھ دھوکہ بازیاں کرتے ہیں۔ مجھے اپنی ذات کی قسم کہ میں ان پر وہ فتنہ بھیجوں گا کہ بردبار لوگ بھی

حیران رہ جائیں گے۔ قرطبی کہتے ہیں میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ منافقوں کا وصف اور قرآن میں بھی موجود ہے۔

حضرت سعید نے بھی جب یہ بات کتابوں کے حوالے سے بیان کی تو حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا تھا کہ یہ قرآن شریف میں بھی ہے اور اسی آیت کی تلاوت کی تھی۔ سعید کہنے لگے میں جانتا ہوں کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا! سنئے آیت شان نزول کے اعتبار سے گو کسی کے بارے میں ہی ہو لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہوئی ہے۔ ابن محیصن کی قرات میں (یشداللہ) ہے۔ معنی یہ ہوں گے کہ گو وہ اپنی زبان سے کچھ ہی کہے لیکن اس کے دل کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے۔

جیسے اور جگہ آیت

اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ ج
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝

(63۔المنافقون:1)

منافق تمہارے پاس آ کر تمہاری نبوت کی گواہی دیتے ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ تم اس کا رسول ہو لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں۔

لوگوں کے سامنے تو اپنی خیانت چھپاتے ہیں لیکن اللہ کے سامنے ان کے دل کا کفر و نفاق ظاہر ہے۔

ایک اور جگہ آیت ہے:

(يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ
مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ)

(4۔ النساء:108)

یعنی لوگوں سے چھپتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپتے۔ حالانکہ جب وہ راتوں کو مشورے کرتے ہیں تو اس وقت بھی اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ لوگوں کے سامنے اسلام ظاہر کرتے ہیں اور ان کے سامنے قسمیں کھا کر باور کراتے ہی کہ جو ان کی زبان پر ہے وہی ان کے دل میں ہے۔

جیسے اور جگہ ہے آیت وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا O (19 مریم :97)

اور جھگڑالو قوم کو خود لائیں

یہی حالت منافق کی ہے کہ وہ اپنی حجت میں جھوٹ بولتا ہے اور حق سے ہٹ جاتا ہے سیدھی بات چھوڑ دیتا ہے اور افتراء اور بہتان بازی کرتا ہے اور گالیاں بکتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے بیوفائی کرے، جب جھگڑا کرے گالیاں بکے۔

ایک اور حدیث میں ہے سب سے زیادہ برا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو اس کی کئی ایک سندیں ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا کہ جس طرح یہ برے اقوال والا ہے۔ اسی طرح افعال بھی اس کے بدترین ہیں تو قول تو یہ ہے لیکن فعل میں اس کے سراسر خلاف ہے۔ عقیدہ بالکل فاسد ہے۔

## منافقوں کا مزید تعارف:

غرض کہ ان منافقوں کا قصد زمین میں فساد پھیلانا، کھیتی باڑی، زمین کی پیداوار اور حیوانوں کی نسل کو برباد کرنا ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی معنی مجاہد سے مروی ہیں کہ ان لوگوں کے نفاق اور ان کے بدکرداریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش کو روک لیتا ہے۔ جس سے کھیتیوں کو اور جانوروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو فساد کے بانی ہوں ناپسند کرتا ہے۔ ان بدکرداروں کو جب وعظ نصیحت کے ذریعہ سمجھایا جائے تو یہ بھڑک اٹھتے ہیں اور مخالفت کے جوش میں گناہوں پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ
يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ

اَلنَّارُ ط وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ O

(22۔الحج:72)

اللہ تعالیٰ کے کلام کی آیتیں جب ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کافروں کے منہ چڑھ جاتے ہیں اور پڑھنے والوں پر جھپٹتے ہیں۔ سنو اس سے بھی بڑھ کر ناگوار بات سنو، کافروں کے لئے ہمارا فرمان جہنم کا ہے جو بدترین جگہ ہے۔

یہاں بھی یہی فرمایا کہ انہیں جہنم کافی ہے بغیر سزا میں وہ بدترین اوڑھنا بچھونا ہے۔

## مومن کون؟

منافقوں کی مذموم خصلتیں بیان فرما کر اب مومنوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں یہ آیت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ یہ مکہ میں مسلمان ہوئے تھے جب مدینہ کی طرف ہجرت کرنی چاہی تو کافروں نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں مال لے کر نہیں جانے دیں گے اگر تم مال چھوڑ کر جانا چاہتے ہو تو تمہیں اختیار ہے۔ آپؓ نے سب مال سے علیحدگی کر لی اور کفار نے اس پر قبضہ کر لیا اور آپؓ نے ہجرت کی۔ جس پر یہ آیت اتری حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت آپؓ کے استقبال کے لئے حرہ تک آئی اور مبارکبادیاں دیں کہ آپؓ نے بڑا اچھا بیوپار کیا۔ بڑے نفع کی تجارت کی آپؓ یہ سن کر فرمانے لگے اللہ تعالیٰ آپؓ کی تجارتوں کو بھی نقصان والی نہ کرے۔ آخر بتاؤ تو یہ مبارکبادیاں کیا ہیں۔ ان بزرگوں نے فرمایا! آپؓ کے بارے میں حضور ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے جب حضور ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے یہ خوشخبری سنائی۔

جب حضرت صہیب رومیؓ مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے ارادے سے نکلے تو قریش نے ان سے کہا تھا کہ جب آپ مکہ میں آئے آپ کے پاس مال نہ تھا یہ سب مال یہیں کمایا اب اس مال کو لے کر ہم جانے نہ دیں گے۔ چنانچہ آپؓ نے مال کو چھوڑا اور دین لے کر رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپؓ ہجرت کے ارادے سے نکلے اور کفار مکہ کو علم ہوا تو سب نے آ کر گھیر لیا۔ آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکال لئے اور فرمایا مکہ والو! تم خوب جانتے ہو کہ میں کیسا تیرانداز ہوں۔ میرا ایک نشانہ بھی خطا نہیں جاتا جب

تک یہ تیر ختم نہ ہوں گے میں تم کو چھیدتا رہوں گا اس کے بعد تلوار سے تم سے لڑوں گا اور اس میں بھی تم میں سے کسی سے کم نہیں ہوں جب تلوار کے بھی ٹکڑے ہو جائیں گے۔ پھر تم میرے پاس آسکتے ہو پھر جو چاہو کرو اگر یہ تمہیں منظور ہے تو بسم اللہ۔ ورنہ سنو میں تمہیں اپنا کل مال دیئے دیتا ہوں سب لے لو اور مجھے جانے دو۔ وہ مال لینے پر رضا مند ہو گئے اور اس طرح آپؓ نے ہجرت کی۔ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے سے پہلے ہی وہاں بذریعہ وحی یہ آیت نازل ہو چکی تھی۔ آپؓ کو دیکھ کر حضور ﷺ نے مبارک باد دی۔ اکثر مفسرین کا یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت عام ہے ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی شان ہے۔ جیسے اور جگہ ہے آیت

(اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ ؕ)

(9۔التوبہ:111)

یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں اور ان کے بدلے جنت دے دی ہے۔

یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں مارتے بھی ہیں اور شہید بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ سچا عہد توراۃ، انجیل اور قرآن میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچے عہد والا اور کون ہوگا۔

تم اے ایماندارو! اس خرید و فروخت اور ادلے بدلے سے خوش ہو جاؤ یہی بڑی کامیابی ہے۔ حضرت ہشام بن عامرؓ نے جبکہ کفار کی دونوں صفوں میں گھس کر ان پر یکہ و تنہا بے پناہ حملہ کر دیا تو بعض لوگوں نے اسے خلاف شرع سمجھا۔ لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ نے ان کی تردید کی اور اسی آیت کی تلاوت کر کے سنا دی۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّعۡجِبُکَ قَوۡلُهٗ اور بعض آدمی ایسا ہے کہ تم کو پسند آتی ہے اس کی بات۔ یعنی ان کو اخنس کی بات اچھی معلوم ہوئی ہے۔ ابن جریرؒ نے سدیؒ سے اس آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک مختصر لشکر جناب رسول اللہ ﷺ نے کسی جگہ بھیجا تھا۔ اس میں عاصم اور مرثد رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ اتفاقاً اس لشکر نے شکست کھائی تو منافقین میں سے

دو شخصوں نے کہا کہ یہ لوگ بھی کیسے بدنصیب تھے نہ تو چین سے اپنے اہل وعیال میں رہے اور نہ اپنے سردار (جناب رسول اللہ ﷺ) کا پیغام ہی ادا کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔

**فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا** (دنیا کی زندگی میں) یا تو **یعجبک** کے متعلق ہے اس وقت یہ مطلب ہوگا کہ اس شخص کی بات آپ کو دنیا ہی میں پسند آتی ہے کیونکہ کلام فصیح اور شیریں ہوتا ہے اور آخرت کے اعتبار سے ناپسندیدہ ہے۔ کیونکہ **فصیحت** اور رسوائی اس کا انجام ہے اور یا قولہ کے متعلق ہے اس صورت میں یہ مطلب ہوگا یہ جو دنیا کی غرض سے دعویٰ محبت کرتا ہے اور اسلام ظاہر کرتا ہے یہ ہی آپ کو پسندیدہ ہے۔ (فصاحت اور شیرینی کی حیثیت سے)۔

**وَیُشْہِدُ اللّٰہَ** (اور وہ گواہ بناتا ہے اللہ کو) یعنی یہ منافق اللہ کی قسم کھاتا ہے اور اللہ کو گواہ بناتا ہے۔

**عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِہٖ** (اس بات پر جو اس کے دل میں ہے) یعنی اس پر قسمیں کھاتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے وہ زبان کے مطابق ہے اور کہتا ہے کہ قسم اللہ کی میں آپ پر ایمان لایا ہوں اور آپ سے محبت کرتا ہوں۔

**وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ** حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ یعنی حالانکہ یہ منافق مسلمانوں سے اشد درجہ کی عداوت اور خصومت رکھتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض وہ شخص ہے جو **الد خصم** ہو۔ قتادہ فرماتے ہیں یعنی جو معصیت کے اندر سخت قساوت والا باطل پر اڑنے والا ہو کلام تو حکمت کا کرے اور اعمال اچھے نہ ہوں۔

فی الحیوٰۃ الدنیا اس کا تعلق قول کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی یہ تمام خوشامدانہ گفتگو دنیاوی غرض سے ہوتی ہے۔

(تفسیر مظہری)

## باطل پرست اور اہل حق کا فرق:

دنیا پرستی کا غرور انسان کو خدا پرستی اور راست بازی سے روک دیتا ہے اور طاقت حاصل ہونے پر نفس پرستی

میں وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جو ظلم پسند انسان کرسکتا ہے۔ اس کے بالمقابل جو لوگ سچے خدا پرست اور اہل حق ہوتے ہیں ان کے پیش نظر نفس پرستی کی بجائے رضائے الٰہی ہوتی ہے۔ ایک دنیا پرست سب کچھ اپنے نفس پر قربان کردیتا ہے۔ لیکن رضائے الٰہی کے طالب راہِ مولیٰ میں خود اپنے نفس کو بھی قربان کردیتے ہیں۔ دنیاوی طاقت کے متوالوں سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو ان کا غرور گھمنڈ انہیں اور زیادہ ظلم و طغیان پر آمادہ کردیتا ہے۔ لیکن شراب الٰہی سے سرشار اور بادۂ الست کے مست سب کچھ لٹا کر مال و متاع کھو کر ایک کو پانے کی جستجو میں کامرانی حاصل کرلیتے ہیں۔ ''فلیتنا فس المتنا فسون''

(کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

3:2 ۔ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ O

(المائدہ -5:52)

تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے تم ان کو دیکھو گے کہ ان میں دَوڑ دَوڑ کر ملے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر زمانے کی گردش نہ آجائے۔ سوقریب ہے کہ خدا فتح بھیجے یا اپنے ہاں سے کوئی اور امر (نازل فرمائے) پھر یہ اپنے دل کی باتوں پر جو چھپایا کرتے تھے پشیمان ہوکر رہ جائیں گے۔

Now, you see those who have disease in their hearts race towards them saying,: We apprehend that some misfortune may overtake us So, it is likely that Allah may bring victory or something else from His own side, whereupon they will become regretful over what they concealed in their hearts.

اس کی تفسیر میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں۔

''سو آپ (ﷺ) دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے (۱) کہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرف دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں (۲) کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم پر کوئی گردش نہ آجائے (۳) وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ (تمہیں) فتح کامل دیدے (۴) کامیابی کی کوئی بات اپنی طرف سے ظاہر کردے (۵) تو پھر (۶) اس پر جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھا تھا نادم ہو جائیں گے (۷)''۔

(۱) اس سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھی ہیں۔

(۲) یہودیوں سے دوستی کرنے اور ان کی معاونت کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔ یہ " تری " کا مفعول ثانی ہے۔ اگر رؤیت علم کے معنی میں ہو ورنہ اس کے فاعل سے حال ہوگا۔

(۳) " یقولون یہ یسارعون " کی ضمیر سے حال ہے دائرہ سے مراد حادثات زمانہ ہیں مطلب یہ ہے معاملہ الٹ جائے اور حکومت کفار کی آجائے ابھی حضرت محمد ﷺ کو مکمل غلبہ حاصل ہی نہ ہو کہ ہم پھر مغلوب ہو جائیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہی کہا ہے، ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی آفت آجائے اور ہمیں ان کی مدد کی ضرورت ہو یا ہم پر خشک سالی آجائے اور یہ ہمیں غلہ نہ دیں۔

(۴) قتادہ اور مقاتل نے کہا یہاں فتح سے مراد حضور ﷺ کی مدد کا قطعی فیصلہ ہے۔ کلبی اور سدی نے کہا فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ ضحاک نے کہا فتح سے مراد فتح خیبر اور فدک کے علاقوں کی فتح ہے۔

(۵) اس سے مراد منافقین کے رازوں کو ظاہر کرنا انہیں ذلیل و رسوا کرنا، بنی قریظہ کو قتل کرنا، بنی نضیر کو جلاوطن کرنا اور جزیرہ عرب سے یہودیوں کا خاتمہ ہے۔

(۶) یہ منافق ہو جائیں۔

(۷) جو نفاق اور کفار کی دوستی اپنے اندر چھپائے ہوئے ہیں اس پر بھی شرمندہ ہوں گے چہ جائیکہ وہ ظاہری اعمال جو ان کے نفاق کا شعور دلاتے ہیں۔

(تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ نے یہود نصاریٰ سے دلی محبت اور دوستی کا تعلق قائم کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے اور اس پر سخت وعید فرمائی ہے کہ جو ان سے دلی دوستی کرے گا وہ انہی میں سمجھا جائے گا اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ غیر مسلمان کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی نہیں کرنی چاہیئے۔ غیر مسلموں سے رواداری ہمدردی، خیر خواہی عدل و انصاف اور احسان وسلوک سب کچھ کرنا چاہیئے اس لئے کہ اسلام کی یہی تعلیم ہے۔ اسلام تو جانوروں کے حقوق کی حفاظت کا بھی علم بردار ہے چہ جائیکہ انسان۔ البتہ ان سے ایسی گہری دوستی اور اختلاط جس سے اسلام کے امتیازی نشانات کو نقصان پہنچے اس کی اجازت نہیں۔ یہی وہ مسئلہ ہے جو ترک موالات کے نام سے مشہور ہے۔

## پہلا واقعہ:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ انصاری اور رئیس المنافقین عبداللہ ابی دونوں زمانۂ جاہلیت سے یہود کے قبیلے بنی قینقاع کے حلیف چلے آرہے تھے۔ اسلام کے ظاہر ہونے کے بعد عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے یہود کی دوستی سے بیزاری کا اظہار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہہ دیا کہ میرے لئے اللہ اور اس کے رسول کی دوستی کافی ہے۔ مگر عبداللہ بن ابی یہود کے ساتھ دوستی قائم رکھنے پر مصر رہا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ عبداللہ بن ابی کی اس مسئلہ میں ایک مرتبہ تلخ کلامی بھی ہوگئی۔ عبداللہ بن ابی یہود کے ساتھ دوستی قائم رکھنے پر مصر تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اسلام کا ابھی کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ نہ معلوم اونٹ کس کروٹ بیٹھے اور محمد ﷺ اپنے مشن میں کامیاب ہوں یا نہ ہوں۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہود کے ساتھ تعلقات و روابط قائم رکھے جائیں تاکہ آڑے وقت میں کام آئیں۔

## دوسرا واقعہ:

آنحضرت ﷺ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بنی قریظہ سے پوچھ گچھ کرنے کے لئے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ بنوقریظہ سے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے دیرینہ تعلقات تھے۔ بنوقریظہ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے معلوم کیا کہ اگر ہم لڑائی موقوف کر کے اپنے قلعہ سے اتر آئیں تو آخر ہمارا انجام کیا ہوگا؟ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اپنے گلے پر پھیر کر اشارہ کر دیا کہ تمہارا انجام

قتل ہوگا۔ حالانکہ یہ ایک رازداری کی بات تھی جس کا اظہار ابولبابہؓ کو نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مگر تعلقات اور دوستی کی بناپر خفیہ راز سے قریظہ کو آگاہ کردیا۔ اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (احسن التفاسیر ملخصاً)

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ (الآية)

یعنی ترک موالات کا حکم شرعی سنکر وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض نفاق ہے اپنے کافر دوستوں کی طرف دوڑنے لگے اور کہنے لگے کہ ان سے قطع تعلق کرنے میں تو ہمارے لئے خطرات ہیں۔ اگر کوئی حادثہ پیش آ گیا تو یہ لوگ آڑے وقت میں ہمارے کام آسکتے ہیں۔

(جمالین فی شرح جلالین)

اے ایمان والو! تم منافقوں کی طرح یہود و نصاری کو اپنا دوست مت بنانا۔ وہ خود ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں یعنی یہودی یہودی باہم اور نصرانی نصرانی باہم۔ مطلب یہ ہوا کہ دوستی ہوتی ہے مناسبت سے سو ان میں باہم تو مناسبت ہے۔ مگر تم میں اور ان میں کیا مناسبت ہے اور جب جملۂ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ دوستی ہوتی ہے تناسب سے تو جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بیشک وہ کسی خاص مناسبت کے اعتبار سے ان ہی میں سے ہوگا۔ ظاہر ہے لیکن یقیناً اللہ تعالیٰ اس امر کی سمجھ ہی نہیں دیتے ان لوگوں کو جو کفار سے دوستی کر کے اپنا نقصان کر رہے ہیں۔ یعنی دوستی میں منہمک ہونے کی وجہ سے یہ بات اُن کی سمجھ ہی میں نہیں آتی اور چونکہ ایسے لوگ اس امر کو نہیں سمجھتے۔ اسی لئے اے دیکھنے والے! تم ایسے لوگوں کو کہ جن کے دل میں نفاق کا مرض ہے دیکھتے ہو کہ دوڑ دوڑ کر ان کفار میں گھستے ہیں اور کوئی ملامت کرے تو حیلہ بازی اور سخن سازی کے لئے یوں کہتے ہیں کہ ہمارا ملنا ان کے ساتھ دل سے نہیں بلکہ دل سے تو تمہارے ساتھ ہیں صرف ایک مصلحت سے ان کے ساتھ ملتے ہیں۔ وہ یہ کہ ہم کو اندیشہ ہے کہ شاید انقلاب زمانہ سے ہم پر کوئی حادثہ پڑ جائے جیسے قحط ہر تنگی سے اور یہ یہودی ہمارے ساہوکار ہیں ان سے قرض ادھار مل جاتا ہے۔ اگر ظاہری میل جول قطع کر دیں گے تو وقت پر ہم کو تکلیف ہوگی۔

منافق یہ سمجھتے تھے کہ شاید آخر میں مسلمانوں پر کفار کے غالب آجانے سے پھر ہم کو ان کی ضرورت پڑے

اس لئے ان سے دوستی رکھنا چاہئے۔ سوقریب امید یعنی وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں کامل فتح عطا فرمادے گا جن سے یہ دوستی کررہے ہیں۔ جس میں مسلمانوں کی کوشش کا بھی دخل ہوگا یا کسی اور بات کا خاص اپنی طرف سے ظہور فرمادے۔ یعنی ان کے نفاق کا بذریعہ وحی کے عام اظہار فرمادیں۔ جس میں مسلمانوں کی تدبیر کا اصلاً دخل نہیں مطلب یہ کہ مسلمانوں کی فتح اوران کی پردہ داری دونوں امر قریب ہونے والے ہیں پھر اس وقت اپنے سابق پوشیدہ دلی خیالات پر نادم ہوں گے کہ ہم کیا سمجھتے تھے کہ کفار غالب آئیں گے اور یہ کیا برعکس ہوگیا ایک ندامت تو اپنے خیال کی غلطی پر کہ امر طبعی ہے۔ دوسری ندامت اپنے نفاق پر جس کی بدولت آج رسوا ہوئے ( مَـآ اَسَـرُّوْا ) میں یہ دونوں داخل ہیں اور یہ تیسری ندامت کہ کفار کے ساتھ دوستی کرنے پر رائگاں ہی گئی اور مسلمانوں سے بھی بُرے بنے۔ چونکہ دوستی ( مَآ اَسَرُّوْا) پر مبنی تھی لہٰذا ان دوندامتوں کے ذکر سے یہ تیسری بلا ذکر صریح خود مفہوم ہوگئی اور جب اس زمانۂ فتح میں ان لوگوں کا نفاق بھی کھل جائے گا تو آپس میں مسلمان لوگ تعجب سے کہیں گے۔ ارے! کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ بڑے مبالغہ سے ہمارے سامنے قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم دل سے تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ تو کچھ اور ہی ثابت ہوا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی ساری کاروائیاں اس لئے تھیں کہ وہ دونوں فریق سے بھلا رہنا چاہتے تھے، سب غارت ہوگئیں۔ جس سے وہ دونوں طرف سے ناکام رہے کیونکہ کفار تو مغلوب ہوگئے ان کا ساتھ دینا محض بیکار رہے اور مسلمانوں کے سامنے قلعی کھل گئی ان سے اب بھلا بننا دشوار ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

3:3 ۔ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِىْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ O

(التوبہ -9:64)

منافق ڈرتے رہتے ہیں کہ ان (کے پیغمبر ﷺ) پر کہیں کوئی ایسی سورۃ (نہ) اتر آئے کہ ان کے دل کی باتوں کو ان (مسلمانوں) پر ظاہر کردے، کہہ دو کہ ہنسی کیئے جاؤ جس بات سے تم ڈرتے ہو خدا اس کو ضرور ظاہر کردے گا۔

The hypocrites are afraid that a Surah (a chapter of the Holy Quran) may be sent down about them, which tells them what lies in their hearts. Say, :Go on mocking. Allah is surely to bring out what you are afraid of.

نبی اکرم ﷺ سے گھبراتے بھی ہیں:

آپس میں بیٹھ کر باتیں ملاتے ہیں لیکن پھر خوف زدہ رہتے کہ کہیں اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو بذریعہ وحی الٰہی خبر نہ ہو جائے۔ یہ اپنے جی میں اکڑتے ہیں کہ ہمارے اس عمل پر اللہ ہمیں کوئی سزا کیوں نہیں دیتا؟ ان کے لئے جہنم کی کافی سزا موجود ہے جو بدترین جگہ ہے۔ یہاں فرمایا ہے کہ دینی باتوں اور مسلمانوں کی حالت پر دل کھول کر مذاق اڑالو۔ اللہ بھی وہ راز افشاء کردے گا جو تمہارے دلوں میں ہے۔ یاد رکھو ایک دن رسوا اور ذلیل ہو کر رہو گے۔ چنانچہ فرمان ہے کہ یہ بیمار دل لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ان کے دلوں کی برائیاں ظاہر ہی نہ ہوں گی۔ ہم تو انہیں اس قدر فضیحت کریں گے اور ایسی نشانیاں تیرے سامنے رکھ دیں گے کہ تو ان کے لب و لہجے سے ہی انہیں پہچان لے گا۔ اس سورت کا نام ہی سورۃ الفاضحہ ہے اس لئے کہ اس نے منافقوں کی قلعی کھول دی۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

منافق لوگ (طبعًا) اس سے اندیشہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی سورت (مثلاً یہ آیت) نازل نہ ہو جائے جو ان کو ان منافقوں کے دل کے اندر پوشیدہ بات ظاہر کردے۔ مطلب یہ ہے کہ منافقوں کو اس بات کا ڈر

ہوتا تھا کہ مسلمانوں کی عداوت اور حسد جو ہمارے دلوں میں ہے کہیں کسی آیت کے ذریعہ سے اس کا پردہ فاش نہ کر دیا جائے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عَلَيْهِم کی ضمیر بھی منافقوں کی طرف راجع ہو کیونکہ منافقوں کے بارے میں کسی آیت کا نزول ان کے خلاف پڑے گا اور جب اس آیت کی تلاوت کی جائے تو مسلمانوں کی منافقوں کے خلاف دلیل مل جائے گی اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ منافقوں کو اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں ہمارے خلاف کوئی آیت نازل ہوکر ہمارے قلبی حسد وعداوت کا پردہ فاش نہ کر دیا جائے۔

بغوی ؒ نے لکھا ہے منافق آپس میں خفیہ باتیں کرتے تھے اور ڈرتے تھی کہ کوئی آیت نازل ہوکر ان کو رسوا نہ کردے۔ اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے معاملہ میں ان کو تردد تھا۔ (اگر کامل یقین نہ تھا تو محکم انکار بھی نہ تھا شک میں پڑے ہوئے تھے اسی لئے) ان کو اندیشہ تھا کہ اگر رسول سچے ہیں تو کہیں اللہ کی طرف سے ان کی رسوائی نہ ہو جائے۔ بعض علماء کے نزدیک يَحْذَرُ اگرچہ خبر کی صورت میں ہے مگر امر کے معنی منافقوں کو ڈرتے رہنا چاہیئے۔ بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ منافق یہ باتیں آپس میں بطور استہزاء کہتے تھے۔ آئندہ جملہ اس قول کی تائید ہوتی ہے فرمایا ہے۔

قُلِ اسْتَهْزِءُ وْا ج اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۞

آپ ﷺ کہہ دیجئے اچھا تم استہزاء کرتے رہو بیشک اللہ اس چیز کو ظاہر کر کے رہے گا جس (کے اظہار) کا تم اندیشہ کرتے ہو۔ یہ امر بطور تہدید ہے یعنی جس سورت کی نزول یا برائیوں کا پردہ فاش ہونے کا تم کو اندیشہ ہے وہ اللہ ضرور کرے گا۔ تمہاری خفیہ عداوت کو ضرور ظاہر کر دے گا۔

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا اللہ نے ستر منافقوں کے نام مع ولدیت کے ذکر کئے تھے۔ مگر مسلمانوں پر مہربانی فرمائی اور ان کو (ذہنوں سے اور تلاوت سے ہر طرح سے) منسوخ کر دیا کہ آئندہ کوئی ان مخلص مسلمانوں کو عار نہ دلائے اور طعن تشنیع نہ کرے کہ تمہارے باپ تو ایسے منافق تھے۔ بغوی نے لکھا ہے آیت کا نزول ان بارہ منافقوں کے بارے میں ہوا تھا جو گھاٹی کے اوپر جا کر اس غرض سے کھڑے ہو گئے تھے جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپسی پر اس گھاٹی پر چڑھیں گے تو اچانک ہم ان کو قتل کر دیں گے۔ حضرت جبرائیلؑ نے رسول اللہ ﷺ کی

خدمت میں یہ بات پیش کردی قصے کی پوری تفصیل حسب ذیل ہے۔

امام احمدؒ بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپسی پر ایک گھاٹی سے گزر رہے تھے کہ منافقوں میں سے کچھ لوگوں نے باہم مشورہ کر کے یہ طے کرلیا کہ گھاٹی کے اوپر سے رسول اللہ ﷺ کو گرا کر قتل کر دیں۔ مشورہ طے کرنے کے بعد موقع کی تلاش میں رہے چنانچہ (سفر مذکور میں) جب رسول اللہ ﷺ نے کسی گھاٹی پر چلنے کا ارادہ کیا تو منافق نے بھی ارادہ کیا کہ آپ ﷺ کو اونٹنی سے اٹھا کر وادی میں پھینک دیں۔ اللہ نے ان کی اس مکاری کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو دیدی چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ گھاٹی پر چڑھنے لگے تو آپ ﷺ کی طرف سے ایک مناوی نے ندا کردی کہ رسول اللہ ﷺ گھاٹی کے راستہ میں جارہے ہیں۔ خبردار کوئی بھی گھاٹی کے راستہ سے نہ جائے وادی کے اندر سے جائیں، تم لوگوں کے لئے وادی کے اندر سے جانا آسان بھی ہے (اوپر چڑھنے سے بچ جاؤ گے) حسب الحکم سب لوگوں نے بطن وادی کی راہ اختیار کی۔ مگر جن منافقوں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی تدبیر کی تھی۔ انہوں نے جب یہ حکم سنا تو (اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور اپنے منصوبہ کی تکمیل کے لئے) تیار ہوگئے اور چہروں پر کپڑا باندھ لیا (اور گھاٹی پر جا چھپے) رسول اللہ ﷺ نے جب گھاٹی پر اس شان سے چلنا شروع کیا کہ حسب الحکم آگے آگے حضرت عمار بن ؓ یاسر اونٹنی کی مہار پکڑے جارہے تھے اور پیچھے پیچھے حضرت حذیفہ بن یمانؓ ہنکا رہے تھے۔ اچانک (چھپے ہوئے لوگوں کی) کچھ آہٹ محسوس ہوئی ساتھیوں نے نیزے تان لئے اور اونٹنی کو زور سے بھگایا اونٹنی تیزی سے بھاگی کہ کچھ سامان بھی گر پڑا رات اندھیری تھی حضرت حمزہ بن عمرو اسلمیؓ بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گھاٹی میں پہنچ گئے۔ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمیؓ کا بیان ہے کہ گھاٹی میں میری مشعل کی طرح پانچوں انگلیاں روشن ہوگئیں جن کی روشنی میں ہم نے کوڑا، رسی اور دوسرا گرا پڑا سامان جمع کرلیا۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ ؓ کو حکم دیا کہ آنے والے لوگوں کو واپس لوٹا دیں۔ حضرت حذیفہؓ کے پاس ایک ٹیڑ ہی موٹھ کی برچھی دار لاٹھی تھی۔ آپ اس لاٹھی سے آنے والے لوگوں کی سواریوں کے رخ لوٹانے لگے اور فرمایا! اے اللہ کے دشمنوں! ادھر ہی جاؤ ادھر ہی رہو ان لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ کو ہمارے ارادے کی اطلاع مل گئی ہے۔ اس لئے فوراً تیزی کے ساتھ گھاٹی سے اتر کر دور جا کے اپنے لوگوں میں جا ملے۔

حضرت حذیفہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا! حذیفہؓ اونٹنی کو مارو اور عمارؓ تم پیدل چلو سب لوگ تیزی سے چلے۔ یہاں تک کہ یہ دونوں بزرگ گھاٹی کے اوپر پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ گھاٹی سے باہر نکل گئے اور لوگوں کا انتظار کرنے لگے۔ پھر حذیفہؓ سے فرمایا جن لوگوں کو تم نے لوٹایا تھا کیا ان میں سے کسی کو پہچانا بھی۔ حضرت حذیفہ نے عرض کیا! حضور ﷺ رات کی تاریکی تھی اور ان کے چہروں پر کپڑے بندھے تھے میں نے ان کو نہیں پہچانا۔ ہاں ان کی اونٹنیوں کو پہچان لیا۔ فرمایا تم سمجھے بھی ان کا ارادہ کیا تھا۔ حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا خدا کی قسم حضور ﷺ مجھے کچھ علم نہیں: فرمایا! انہوں نے ایک چال چلی تھی کہ میرے ساتھ چلیں اور میں جب گھاٹی پر چڑھوں تو پتھر مار مار کر مجھے گھاٹی سے نیچے پھینک دیں۔ اللہ نے مجھے ان کے نام اور ان کے باپوں کے نام بتا دیئے ہیں۔ ان شاء اللہ تم کو ان کی اطلاع دیدوں گا۔ حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! جب وہ لوگ آ جائیں تو آپ ﷺ حکم دید یجئے کہ ان بے ایمانوں کی گردنیں ماردی جائیں۔ فرمایا نہیں لوگ باتیں بنائیں گے اور کہیں گے کہ محمد ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

(بغوی کی روایت کے الفاظ میں کچھ اختلاف ہے مگر مطلب ایک ہی ہے) ہمارے لئے اللہ کافی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہؓ اور حضرت عمارؓ کو ان منافقوں کے نام بتا دیئے تھے۔ مگر فرما دیا تھا ان کو پوشیدہ رکھنا۔ غرض صبح ہوئی تو حضرت اسید بن حضیرؓ نے عرض کیا؛ یا رسول اللہ ﷺ! رات آپ ﷺ وادی کے اندر کی راہ سے کیوں نہ چلے یہ راستہ تو گھاٹی کے راستے سے آسان تھا۔ فرمایا ابو یحییٰ! کیا تم جانتے ہو کہ منافقوں کا میرے متعلق کیا ارادہ تھا اور انہوں نے کیا طے کیا تھا ان کا خیال تھا کہ میرے پیچھے پیچھے آئیں گے اور رات کی تاریکی میں میری اونٹنی کا سینہ بند اور تسمے کاٹ کر اونٹنی کے نیزا چھبو دیں گے۔ (چنانچہ ایسا ہی ہوا) قریب تھا کہ اونٹنی سے مجھے نیچے پھینک دیتے۔ حضرت اسیدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اب سب لوگ جمع ہیں اور اتر پڑے ہیں (یعنی فرد کش ہو گئے ہیں اور پڑاؤ ڈال لیا ہے)۔ آپ ﷺ ہر خاندان کو حکم دے دیں کہ اس خاندان کے جس شخص نے یہ ارادہ کیا ہے خاندان والے ہی اس کو قتل کر دیں اور اگر آپ ﷺ کی رائے میں مناسب ہو تو مجھے (ان کے نام) بتا دیجئے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں اس

جگہ سے ہٹوں گا بھی نہیں کہ ان کے سر آپ ﷺ کی خدمت میں لا کر حاضر کر دوگا۔ فرمایا! مجھے یہ بات پسند نہیں کہ لوگ باتیں بنائیں اور کہیں جب محمد ﷺ کی لڑائی مشرکوں سے ختم ہوگئی تو وہ اپنے ساتھیوں پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ حضرت اسیدؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ تو آپ کے ساتھی نہیں ہیں۔ فرمایا کیا وہ **لا الہ الا اللّٰہ** کی شہادت کا اظہار نہیں کرتے ہیں۔ حضرت اسیدؓ نے عرض کیا جی کرتے تو ہیں، فرمایا اسی وجہ سے میں ان کے قتل سے باز رہا۔

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہؓ کو حکم دیا کہ عبداللہ بن سعد بن ابی السرح اور ابو حاضر اعرابی اور ابو عامر اور حلاس بن سوید بن صامت اور مجمع بن حارثہ اور ملیح تمیمی اور حصیر بن نمیر اور طعمہ بن ابیرق اور عبداللہ بن عینیہ اور عامر بن ربیع کو بلا لاؤ۔ حلاس ہی وہ شخص تھا جس نے کہا تھا جب تک آج رات گھاٹی سے محمد (ﷺ) کو نیچے پھینک نہ دے گے باز نہ رہیں گے۔ اگر محمد ﷺ اور اس کی ساتھی ہم سے بہتر ہیں تو ہم پھر بکریاں ہوں گے اور وہ چرواہے ہم بے عقل ہوں گے اور وہ عقل والے۔ ملیح تمیمی وہ شخص تھا جس نے کعبہ کی خوشبو چرائی تھی اور مرتد ہو کر بھاگ گیا تھا مگر سمجھ میں نہ آتا کہ کہاں جائے ملک میں مارا مارا پھرتا رہا تھا۔ حصیر بن نمیر وہ ہے جس نے زکوٰۃ کی چیزیں چرائی ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کمبخت یہ حرکت تو نے کیوں کی کہنے لگا مجھے اس حرکت پر اس خیال نے آمادہ کیا کہ اللہ آپ ﷺ کو اس بات پر مطلع نہیں کرے گا (کیونکہ آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں) لیکن اب جبکہ اللہ نے آپ کو آگاہ کر دیا تو مجھے یقین ہوگیا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اب میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اس وقت سے پہلے میں آپ ﷺ پر نہ ایمان لایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سن کر اس سے درگزر فرمالیا اور معاف کر دیا۔ عبداللہ بن عینیہ وہی شخص تھا جس نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا آج رات جاگ لو ہمیشہ کے لئے نجات پالو گے۔ خدا کی قسم اس شخص کو قتل کر دینے کی سوا تمہارا کوئی کام نہیں (اس کے بغیر تمہارا کام نہ ہوگا) رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلوا کر فرمایا! کم بخت اگر میں مارا جاتا تو تجھے کیا فائدہ پہنچتا۔ دشمن خدا کہنے لگا اے اللہ کے نبی! خدا کی قسم! جب سے اللہ نے آپ (ﷺ) کو فتح عنایت کی ہے ہم برابر خیریت کے ساتھ ہیں۔ ہم تو بس اللہ اور آپ ﷺ کی ذات کے سبب سے (خیریت اور آسائش میں) ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو چھوڑ دیا۔ مرہ بن ربیع وہ شخص تھا جس

نے عبداللہ بن ابی کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا تھا اس رکاوٹ کو دور کر دو۔ اس ایک اکیلے شخص کے قتل کے بعد تو ہمارے لئے چین ہی چین ہے۔ عام لوگ اس کے قتل سے مطمئن ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلوا کر فرمایا! ارے تو نے ایسی باتیں کیوں کہی اس نے جواب دیا: یارسول اللہ! میں نے تو ان سے کوئی بات نہیں کی اگر کی ہوتی تو آپ کو معلوم ہی ہوتی۔ غرض ان بارہ منافقوں کو رسول اللہ ﷺ نے جمع کیا جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرنی چاہی تھی اور رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا تھا۔ سب کو ان کی کہی ہوئی باتیں ان کی گفتگو اور ان کے ظاہر و باطن کے حالت بتائی اور آپ ﷺ کو ان چیزوں کا علم وحی سے ہوا تھا۔

آیت ''وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا''

(سورۃ التوبہ ۔۷۴)

انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جس کو وہ نہ پا سکے

یہ اشارہ ہے ان بارہ آدمیوں کے بارے میں جو نفاق، اللہ اور اللہ کے رسول سے جنگ کے ارادہ ہی کی حالت میں مر گئے۔

بیہقی نے حضرت حذیفہ ؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے بدعا کی تھی اور فرمایا تھا الٰہی ان کو دبیل میں مبتلا کر یعنی آگ کی ایک چنگاری میں جو ان کے دلوں کی رگ پر لگے اور وہ ہلاک ہو جائیں۔ یہ لوگ چودہ ۱۴ یا ۱۵ پندرہ تھے۔ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس آ رہے تھے۔

مسلم کی روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا میرے ساتھیوں میں بارہ آدمی منافق ہیں یہ اس وقت تک جنت میں نہیں جائیں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل نہ ہو جائے (اور سوئی کے ناکہ میں اونٹ کا داخل ہونا محال ہے لہٰذا ان کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے)۔ آٹھ کا کام تمام تو دبیل کر دے گا۔ یعنی آگ کا ایک چراغ جو ان کے شانوں کے درمیان پیدا ہو گا اور سینوں سے پار ہو جائے گا۔

(تفسیر مظہری)

مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں۔

منافق لوگ اس سے اندیشہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر (بذریعہ وحی پیغمبر ﷺ) کوئی ایسی سورت مثلاً آیت نازل نہ ہوجائے جواُن منافقین کے مافی الضمیر پر اطلاع دیدے یعنی انہوں نے جواستہزاء کی باتیں خفیہ کی ہیں کہ مسلمانوں کے اعتبار سے وہ مثل ان اسرار کے ہیں جودلوں میں پوشیدہ ہیں ان کی خبر نہ جائے۔ آپ ﷺ فرمادیجئے کہ اچھاتم استہزاءکرتے رہو میں ان کے استہزاء پر مطلع ہوجانے کو جتلادیا۔

چنانچہ ارشاد ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اس چیز کوظاہر کرکے رہے گا جس کے اظہار سے تم اندیشہ کرتے تھے چنانچہ (اِسْتَهْـــــزِءُوْ) میں ظاہر کردیا کہ تم استہزاءکررہے تھےاورظاہر ہوجانے کے بعداگرآپ ان سے اس استہزاء کی وجہ پوچھیں تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض ہنسی اور خوش طبعی کررہے تھے۔ اس کلام کے حقیقی معنی مقصود نہ تھے محض خوش کرنے کوجس سے سفرآسانی سے قطع ہوایسی باتیں زبانی کررہے تھے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا اللہ کے ساتھ اوراس کی آیتوں کے ساتھ اوراس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے۔ یعنی خواہ غرض کچھ بھی ہومگر یہ تو دیکھو کہ تم استہزاءکس کا کررہے ہو۔ جن کے ساتھ استہزاء کسی غرض سے بھی درست نہیں۔ تم اب یہ بیہودہ عذرمت کرومطلب یہ ہوا کہ عذرمقبول نہیں اوراس عذر سے استہزاء جائز نہیں ہوجاتا۔ تم تو اپنے کومؤمن کہہ کرکفرکرنے لگے کیونکہ دین کے ساتھ استہزاء مطلقاً محض کفر ہے۔ گودل میں تو پہلے بھی ایمان نہ تھا البتہ اگرکوئی دل سے توبہ کرلے اورمؤمن مخلص بن جائے تو البتہ کفراور عذاب کفر سے چھوٹ جائے لیکن اس کی بھی سب کوتوفیق نہ ہوگی۔ ہاں بعض البتہ مسلمان ہوجائیں گے اوروہ معاف کردیئے جائیں گے۔ پس حاصل یہ ٹھہرا کہ اگرہم تم میں سے بعض کوچھوڑبھی دیں اس لئے کہ وہ مسلمان ہوگئے تو ہم بعض کوضرورہی سزادیں گے۔ سبب اس کے کہ وہ علم ازلی میں مجرم تھے یعنی وہ مسلمان نہیں ہوئے۔

3:4 ۔ فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ O

(التوبہ -9:77)

تو خدا نے اس کا انجام یہ کیا کہ اس روز تک کے لئے جس میں وہ خدا کے روبرو حاضر ہوں گے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اس لئے کہ انہوں نے خدا سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

So Allah, in turn, put hypocrisy in their hearts till the day they shall meet Him, because they broke their promise with Allah, and because they have been telling lies.

فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا میں ان کے دلوں کے اندر نفاق قائم کر دیا جو خدا کے پاس جانے کے دن تک رہے گا۔

یعنی اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اور بخل نے ان کے دلوں میں بداعتقادی پیدا کر دی انہوں نے اللہ کی ادائے زکوٰۃ کے حکم کی تعمیل واجب نہ سمجھی اور وجوب زکوٰۃ کا انکار کر دیا اور اس کو جزیہ کی طرح قرار دیا اور یہ بداعتقادی ان کے دلوں میں مرتے دم تک رہے گی یا قیامت کے دن تک رہے گی۔ جبکہ کرتوت کی سزا ان کے سامنے آئے گی یا قبر میں (عذاب سامنے) آنے تک رہے گی مقصد یہ ہے کہ اللہ نے توبہ سے ان کو محروم کر دیا ان کی موت نفاق پر ہوگی۔

بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ۞

کیونکہ انہوں نے اللہ سے جو (زکوٰۃ ادا کرنے اور نیک ہونے کا) وعدہ کیا تھا اس کی خلافت ورزی کی اور اس لئے بھی کہ وہ جھوٹے تھے۔ وعدہ خلافی جھوٹ پر مشتمل ہوتی ہے۔ (ایک تو وعدہ کے خلاف کرنا بجائے خود برا ہے دوسرے وعدہ خلافی کی اندر جھوٹ ہوتا ہے وہ بھی قبیح ہوتا ہے اس لئے وعدہ خلافی میں دوہری برائی ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! (عملی) منافق کی تین نشانیاں ہیں بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے، اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ (متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ)

مسلم کی روایت میں حدیث کے الفاظ اتنے زائد ہیں خواہ وہ روزے رکھتا اور نماز پڑھتا ہو اور مسلمان ہونے کا دعویدار ہو۔

حسن بصریؒ اور مجاہدؒ کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول ثعلبہ بن حاطب اور معتب بن قشیر کے حق میں ہوا یہ دونوں بنی عمرو بن عوف کے خاندان میں سے تھے۔ قبیلہ کے سرداروں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی یہ دونوں ادھر سے گزرے اور ان کے سامنے کہا خدا کی قسم! اللہ اگر ہم کو اپنے فضل سے مال عطا فرمائے گا تو ہم فرض و مستحب خیرات کریں گے لیکن جب اللہ نے ان کو عطا فرمایا یہ کنجوس ہو گئے (اور زکوٰۃ بھی نہیں دی)

(تفسیر مظہری)

ایک شخص ثعلبہ بن حاطب تھا اس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ سے دعا فرمائیے کہ مجھے مال عطا فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تھوڑا مال جس کا تو شکرادا کرے زیادہ مال سے بہتر ہے جس کی تجھے برداشت نہ ہو۔ اس نے پھر اسی دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا فرما دی۔ اس نے بکریاں پالنا شروع کر دیں اور ان میں بہت زیادہ ترقی ہوئی، وہ مدینہ سے باہر کسی وادی میں چلا گیا۔ صرف ظہر اور عصر کی نماز میں حاضر ہوتا۔ پھر ایک وقت آیا کہ اسے مدینہ شہر میں حاضر ہونے کی فرصت نہیں رہی۔ جمعہ کی نماز کی حاضری بھی ختم ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دو آدمی بھیجے تا کہ مویشیوں کی صدقات وصول کریں۔ جب یہ دونوں ثعلبہ کے پاس پہنچے تو اس نے کہا! یہ تو جزیہ ہے یا جزیہ کی بہن، اور یوں بھی کہا کہ ذرا میں غور کرلوں کہ مجھے کیا دینا ہے اور کتنا دینا ہے۔ یہ دونوں حضرات واپس آ گئے اور جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے ان کو دیکھ کر صورت حال کے بیان کرنے سے پہلے فرمایا کہ ثعلبہ پر افسوس ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی۔

(بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اپنے فضل سے ہمیں مال دے دے تو ہم ضرور ضرور صدقہ کریں گے اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جائیں گے) اس موقعہ پر ثعلبہ کے رشتہ دار بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ انہوں نے جا کر ثعلبہ کو خبر دی کہ تیرے بارے میں آیت نازل ہوئی

ہے۔ اس پر وہ صدقہ لے کر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے منع فرمایا ہے کہ تیرا صدقہ قبول کروں۔ اس پر وہ سر پر مٹی ڈالنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تجھ سے کہا تھا (کہ تھوڑا مال شکر کے ساتھ زیادہ مال سے بہتر ہے جس کی برداشت نہ ہو) تو نے میری بات پر عمل نہیں کیا۔ جب آپ ﷺ نے اس کا صدقہ قبول کرنے سے انکار کر دیا تو وہ اپنا مال لے کر واپس چلا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا۔ پھر یہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے دور خلافت میں ان کے پاس مال لے کر آیا لیکن انہوں نے بھی لینے سے انکار کر دیا۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت عثمان غنی ؓ کے پاس بھی وہ صدقہ لے کر آیا لیکن ان دونوں نے بھی منع کر دیا۔ حضرت عثمان غنی ؓ کے دور میں اس کا انتقال ہو گیا۔ مال کمانے میں وہ اتنا مصروف ہو گیا تھا کہ اس نے نمازوں میں آنا تک چھوڑ دیا تھا اور صدقہ دیتے وقت اس کا دل تنگ ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا! پھر جب ہم نے انہیں اپنے فضل سے مال عطا کیا تو انہوں نے کنجوسی اختیار کر لی اور اعراض کرتے ہوئے روگردانی کر گئے۔ سو اللہ نے اپنی ملاقات کے دن تک ان کے دلوں میں نفاق کا مرض ڈال دیا اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

(تفسیر انوار البیان)

## شان نزول:

اس آیت سے پہلے منافقوں کا حال اور ان کا انجام اور اس کے بعد مومنوں کے اوصاف اور آخرت میں ان کے لئے درجات عالیہ کا بیان تھا اب آپ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کفار اور منافقوں سے جہاد کرو۔ خطاب اگرچہ آپ ﷺ کو ہے مگر حکم پوری امت کو ہے اور یہ بھی حکم فرمایا کہ اپنی عادت کے خلاف ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے اطوار بیان فرمائے کہ ان کی عادت یہ ہے کہ ایک بات کہہ کر مکر جاتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ اور کافرانہ کلمے نکالے جب اس کی خبر آپ ﷺ کو پہنچی تو صاف انکار کر دیا اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مفسرین نے کئی سبب بیان کئے ہیں۔

**پہلا سبب:**

کہا گیا ہے کہ مذکورہ آیت جلاس بن سوید بن صامت اور ودیعہ بن ثابت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ غروۂ تبوک کے موقع پر منافقین کی مذمت کے بارے میں بکثرت آیات کا نزول ہونے لگا تو منافقوں نے کہا کہ اگر محمد ﷺ کا کہنا ہمارے بھائیوں کے بارے میں کہ جو غزوہ میں شریک نہیں ہوئے ہیں صحیح ہے۔ اگر وہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ محمد ﷺ کہتے ہیں تو پھر تو ہم گدھے ہیں۔ عامر بن قیسؓ نے کہا اس میں کیا شک ہے واللہ محمد ﷺ صادق و مصدوق ہیں اور تو گدھے سے بھی بدتر ہے اور عامر بن قیس نے اس کی اطلاع آپ ﷺ کو بھی کردی جب جلاس آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنی کہی ہوئی بات سے مکر گیا اور قسم کھا گیا کہ عامر بن قیس جھوٹا ہے اور عامر نے قسم کھائی کہ واللہ اس نے ایسا ہی کہا تھا اور دعاء کی

**( اللّٰھم انزل علی لبیک شَیئًا فنزلت)**

عامر بن قیس نے اللہ سے دعاء کی کہ یا اللہ تو اس بارے میں اپنے نبی پر کچھ نازل فرمادے چنانچہ مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس بات کے سننے والے عاصم بن عدی تھے اور بعض نے کہا ہے کہ حذیفہ بن یمانؓ تھے۔

**دوسرا سبب:**

کہا گیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی جبکہ اس نے غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی کے وقت یہ بات کہی تھی کہ ہماری مثال تو محمد ﷺ کے بارے میں ایسی ہے جیسی کہ کسی نے کہا **سمِّن کلبکَ** ( کہاوت مشہور ہے کہ کتے کو کھلا پلا کر موٹا کروتا کہ وہ تم کو ہی کاٹ کھائے )

**تیسرا سبب:**

ایک روایت میں ہے کہ ایک سفر میں آپ ﷺ کی اونٹنی گم ہوگئی مسلمان اس کو تلاش کررہے تھے اس پر منافقوں کے ایک گروہ نے اپنی مجلس میں بیٹھ کر خوب مذاق اڑایا اور کہا کہ یہ حضرت آسمان کی خبریں تو خوب سناتے ہیں مگر اپنی اونٹنی کی کچھ خبر نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟

## دوسری سازش

جس کا اس سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے یہ ہے کہ منافقوں کو رومیوں کے مقابلے سے نبی ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بخیریت بچ کر واپس آنے کی امید نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ جوں ہی اُدھر کوئی سانحہ پیش آئے ادھر مدینہ میں عبداللہ بن ابی کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ مذکورہ سازشیں جن مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے کی گئی تھیں ان میں سے ایک مقصد بھی ان کو حاصل نہیں ہوا؟ ارشاد ہوا کہ کفار و منافقین سے تلوار اور زبان سے جہاد کرو اور سختی سے پیش آؤ۔ یہ حکم مسلمانوں کو دیا جانا ضروری تھا اس کے بغیر اسلامی معاشرہ کو تنزل و انحطاط کے اندرونی اسباب سے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ کوئی جماعت جو اپنے اندر منافقوں اور غداروں کو پرورش کرتی ہو اور جس میں گھریلو سانپ عزت اور تحفظ کے ساتھ آستین میں بٹھائے جاتے ہوں وہ اخلاقی زوال اور بالآخر کامل تباہی سے دوچار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ نفاق کا حال طاعون کا سا ہے اور منافق وہ چوہا ہے جو اس وبا کے جراثیم لئے پھرتا ہے۔ اس کو آزادی سے چلنے پھرنے کا موقع دینا گویا پوری آبادی کو موت کے خطرہ میں ڈالنا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس گروہ کے ساتھ سختی کا معاملہ کر کے ان کو مخلصین سے بالکل الگ تھلک کر دیا جائے۔

(جمالین فی شرح جلالین)

ان منافقین میں بعضے آدمی ایسے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے عہد کرنا اور خدا سے عہد کرنا برابر ہے اور وہ عہد یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے بہت سا مال عطا فرما دے تو ہم اس میں سے خوب خیرات کریں اور ہم اس کے ذریعہ سے خوب نیک نیک کام کیا کریں۔ سو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے بہت دیدیا تو اس میں بخل کرنے لگے کہ زکوٰۃ نہ دی اور اطاعت سے روگردانی کرنے لگے اور وہ تو روگردانی کے پہلے ہی سے عادی تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق قائم کر دیا۔ جو اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کے دن تک یعنی مرتے دم تک رہا۔ اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے وعدہ میں خلاف کیا اور اس سبب سے کہ وہ اس وعدہ میں شروع ہی میں جھوٹ بولتے تھے۔ یعنی نیت ایفاء عہد کی اُس وقت

بھی نہ تھی۔ پس نفاق تو اس وقت بھی دل میں تھا جس کی شاخ یہ کذب و اخلاف ہے۔ پھر اس کذب و اخلاف کے وقوع سے اور زیادہ مستحق غضب ہوئے اور اس زیادہ غضب کا اثر ہوا کہ وہ نفاق سابق اب دائمی اور غیر زائل ہو گیا کہ توبہ بھی نصیب نہ ہوگی۔ اسی حالت پر مر کر جہنم میں نصیب ہوگا اور باوجود کفر و صبر کے جو اسلام اور طاعت کا اظہار کرتے ہیں تو کیا ان منافقین کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کا راز اور ان کی سرگوشی سب معلوم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام غیب کی باتوں کو خوب جانتے ہیں۔ اس لئے وہ ظاہری اسلام اور اطاعت ان کے کام نہیں آسکتے بالخصوص آخرت میں پس سزائے جہنم ضروری ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

3:5 ۔ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ج فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ لا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ط فَاَوْلٰى لَهُمْ O

(محمد۔47:20)

اور مومن لوگ کہتے ہیں کہ (جہاد کی) کوئی سورت کیوں نازل نہیں ہوتی لیکن جب کوئی صاف معنوں کی سورت نازل ہو اور اس میں جہاد کا بیان ہو تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق) مرض ہے تم ان کو دیکھو کہ تمہاری طرف اس طرح دیکھنے لگیں جس طرح کسی پر موت کی بیہوشی (طاری) ہو رہی ہو تو ان کے لئے خرابی ہے۔

And the believers say,: Why has a (new) Surah not been revealed? Then, once an operative Surah in sent down, and fighting (in Allah's way) is mentioned in it, you notice those who have disease in their hearts, looking to you like one who is faint because of death. So, destruction is very close to them.

## ایمان کی دلیل حکم جہاد کی تعمیل ہے:

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ مومن تو جہاد کے حکم تمنا کرتے ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ جہاد کو فرض کر دیتا ہے اس اس کا حکم نازل فرمادیتا ہے تو اس سے اکثر لوگ ہٹ جاتے ہیں۔

جیسے اور آیت میں ہے۔

(اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ قِیۡلَ لَهُمۡ کُفُّوۡۤا اَیۡدِیَکُمۡ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ج)

(4۔النسآء:77)

یعنی کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جن لوگوں سے کہا گیا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روک اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔

پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے ایک فریق لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جیسے اللہ کا ڈر ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور کہنے لگے اے ہمارے رب! ہم پر تو نے جہاد کیوں فرض کر دیا تو نے ہم کو قریب کی مدت تک ڈھیل کیوں نہ دی؟ آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کی متاع بہت ہی کم ہے اور پرہیز گاروں کے لئے آخرت بہت ہی بہتر ہے اور تم پر بالکل ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ پس یہاں فرمایا ہے کہ ایمان والے تو جہاد کے حکموں کی آیتوں کے نازل ہونے کی تمنا کرتے ہیں۔ لیکن منافق لوگ جب ان آیتوں کے سنتے ہیں تو بوجہ اپنی گھبراہٹ، بوکھلاہٹ اور نامردی کے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس طرح تجھے دیکھنے لگتے ہیں جیسے موت کی غشی والا۔ پھر انہیں مرد میدان بننے کی رغبت دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ ان کے حق میں بہتر یہ ہوتا کہ یہ سنتے مانتے اور جب موقعہ آجاتا اور معرکہ کارزار گرم ہوتا تو نیک نیتی کے ساتھ جہاد کر کے اپنے خلوص کا ثبوت دیتے۔ پھر فرمایا قریب ہے کہ تم جہاد سے رک جاؤ اور اس سے بچنے لگو تو زمین میں فساد کرنے لگو اور صلہ رحمی توڑنے لگو۔ یعنی زمانہ جاہلیت میں جو حالت تمہاری تھی وہی تم میں لوٹ آئے۔ پس فرمایا ایسے لوگوں پر اللہ کی پھٹکار ہے اور یہ رب کی طرف سے بہرے اندھے ہیں۔ اس میں زمین میں فساد کرنے کی عموماً اور قطع رحمی کی خصوصاً ممانعت ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں اصلاح اور صلہ رحمی کرنے کی ہدایت کی ہے اور ان کا حکم فرمایا ہے۔ صلہ رحمی کے معنی ہیں قرابت داروں سے بات چیت میں کام کاج میں سلوک و

احسان کرنا اوران کی مالی مشکلات میں ان کے کام آنا۔ اس بارے میں بہت سی صحیح اورحسن حدیثیں مروی ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو پیدا کر چکا تو رحم کھڑا ہوااور رحمٰن سے چمٹ گیا اس سے پوچھا گیا کیا بات ہے؟ اس نے کہا یہ مقام ہے ٹوٹنے سے تیری پناہ میں آنے کا۔ اس پر اللہ عزوجل نے فرمایا کیا تو اس سے راضی نہیں کہ تیرے ملانے والے کو میں ملاؤں اور تیرے کاٹنے والے کو میں کاٹ دوں۔ اس نے کہا اس پر میں بہت خوش ہوں اس حدیث کو بیان فرما کر پھر راوی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ☆

(47۔محمد:22)

(اے منافقو!) تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو ملک میں خرابی
کرنے لگو اور اپنے رشتہ داروں کو توڑ ڈالو۔

حضور ﷺ نے فرمایا! کوئی گناہ اتنا بڑا اور اتنا برا نہیں جس کی بہت جلدی سزا دنیا میں اور پھر اس کی برائی آخرت میں بھی پہنچتی ہو بہ نسبت سرکشی بغاوت اور قطع رحمی کے۔

(ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ)

مسند احمد میں ہے جو شخص چاہے کہ اس کی عمر بڑی ہو اور روزی کشادہ ہو وہ صلہ رحمی کرے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا میرے نزدیکی قرابت دار مجھ سے تعلق توڑتے رہتے ہیں اور میں انہیں معاف کرتا رہتا ہوں وہ مجھ پر ظلم کرتے ہیں اور میں ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ برائیاں کرتے رہتے ہیں تو کیا میں ان سے بدلہ نہ لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں اگر ایسا کرو گے تم سب کے سب (اپنے حال پر) چھوڑ دیئے جاؤ گے (تمہیں چاہئے کہ) صلہ رحم رہو اور یاد رکھو کہ جب تک اس پر باقی رہو گے اللہ کی طرف سے تمہارے ساتھ ہر وقت معاونت کرنے والا رہے گا۔ بخاری وغیرہ میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا! صلہ رحمی عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے حقیقتاً صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں کہ کسی احسان کے بدلے احسان کرے بلکہ صحیح معنی میں رشتے ناطے ملانے والا وہ ہے کہ کوئی تجھے کاٹتا جائے تو اسے جوڑتا جائے۔ مسند احمد میں یہ کہ صلہ رحمی کو قیامت

کے دن لایا جائے گا اس کی رانیں ہوں گی مثل ہرن کی رانوں کے وہ بہت اور تیز زبان بولے گی پس وہ کاٹ دیا جائے گا جو اسے کاٹتا تھا اور وہ ملایا جائے گا جو اسے ملاتا تھا۔ مسند کی ایک اور حدیث میں رحم کرنے والوں پر رحمٰن بھی رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمانوں والا تم پر رحم کرے گا۔ رحم رحمان کی طرف سے ہے اس کے ملانے والے کو اللہ ملاتا ہے اور اس کے توڑنے والے کو اللہ تعالیٰ خود توڑ دیتا ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی بیمار پرسی کے لئے کچھ لوگ گئے تو ان سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے صلہ رحمی کی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں! اللہ عزوجل نے فرمایا ہے میں رحمٰن ہوں اور رحم کا نام میں نے اپنے نام پر رکھا ہے اسے جوڑنے والے کو میں جوڑوں گا اور اس کے توڑنے والے کو میں توڑ دوں گا۔

حدیث میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں روحیں ملی جلی ہیں جو روز ازل میں میل کر چکی ہیں وہ یہاں یگانگت برتتی ہیں اور جن میں وہاں نفرت رہی ہے یہاں بھی دوری رہتی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جب زبانی دعوے بڑھ جائیں عملی کام گھٹ جائیں زبانی میل جول ہو دلی بغض وعدوات ہو رشتے دار سے بدسلوکی کرے۔ اس وقت ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت نازل ہوتی ہے اور ان کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی کر دی جاتی ہیں۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے کہ کوئی (نئی) سورت کیوں نہیں نازل ہوئی سو جس وقت کوئی (صاف صاف مضمون کی) کوئی سورت نازل ہوئی ہے اور اس میں جہاد بھی ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے (یعنی نفاق) آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہے۔ سو اصل بات یہ ہے کہ عقریب ان کی کم بختی آنے والی ہے ان کی اطاعت اور بات چیت معلوم ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی جہاد کی انتہائی خواہش کی وجہ سے مسلمان کہتے ہیں۔

لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ یعنی کوئی ایسی سورت کیوں نہیں نازل کی گئی جس میں جہاد کا حکم ہوتا ہے۔

**فَاِذَآ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ مُّحۡكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيۡهَا الۡقِتَالُ** ۙ

یعنی جس میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔

سورہ محکمة کا معنی بعض علماء کے نزدیک یہ ہے کہ سوا جہاد کی فرضیت کے کسی اور معنی کا اس میں احتمال ہی نہیں ہے۔ کسی صحیح توجیہ وتاویل سے سوا جہاد کے کوئی معنی مراد نہیں لئے جاسکتے۔ جہاد قیامت تک جاری رہے گا جہاد کا حکم جس صورت میں نازل ہوا منافقوں پر اس سورت کا نزول سارے قرآن سے زیادہ شاق اور دشوار ہوا۔

**فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ** مرض سے مراد نفاق، بزولی اور ضعف ۔ ڈرپوک لوگ۔

**فَاَوۡلٰى لَهُمۡ** ۚ پس ان کے لئے بہتر ہے۔

(تفسیر مظہری)

## خلاصہ تفسیر

جو لوگ ایمان والے ہیں وہ تو ہمیشہ اس بات کے مشتاق رہتے ہیں کہ کلام الٰہی اور نازل ہوتا کہ ایمان تازہ ہو اور احکام جدید آئیں تو اُن کا ثواب بھی حاصل کریں اور کہتے رہتے ہیں کہ کوئی (نئی) سورۃ کیوں نہ نازل ہوئی۔ اگر نازل ہو تو تمنا پوری ہو۔ سو جس وقت کوئی صاف صاف مضمون کی سورۃ نازل ہوتی ہے اور (اتفاق سے) اُس میں جہاد کا بھی (صاف صاف) ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح (بھیانک نگاہوں سے) دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو (اس طرح دیکھنے کا سبب خوف اور بزدلی ہے کہ اب اپنے ایمان کے دعویٰ کو نبھانے کے لئے جہاد میں جانا پڑا اور مصیبت آئی اور وہ جو اس طرح خدا کے حکم سے جی چُراتے ہیں)۔ سو عنقریب اُن کی کم بختی آنیوالی ہے۔ (خواہ دنیا میں بھی کسی وبال میں گرفتار ہوں ورنہ بعد موت کے تو ضروری ہی ہے اور فرصت میں یہ بہت باتیں اطاعت اور خوشامد کی بنایا کرتے ہیں لیکن) ان کی اطاعت اور بات چیت (کی حقیقت) معلوم ہے (جس کا اب نزول حکم قتال کے وقت ان کی حالت سے سب ہی پر ظہور ہوگیا) پھر (بعد نزول حکم جہاد کے) جب سارا کام اور سامان

لڑائی کا تیار ہی ہوجاتا ہے تو (اُسوقت بھی) اگر یہ لوگ (دعویٰ ایمان باللہ ہیں) اللہ سے سچے رہتے (یعنی دعویٰ ایمان کے مقتضا پر عمل کرتے جس میں تمام احکام شرعیہ عموماً اور حکم جہاد خصوصاً شامل ہے اور صدق دل سے جہاد کرتے) تو اُن کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا۔ یعنی ابتداء میں اگر منافق تھے تو اخیر ہی میں نفاق سے تائب ہوجاتے تب بھی ایمان مقبول ہوجاتا اور انتہا کو اس میں منحصر نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ وقت موت تک صدق دل سے توبہ مقبول ہے۔

جہاد کی تاکید اور اُس سے پیچھے رہنے والوں کو خطاب کر کے ترک جہاد پر بیان فرماتے ہیں کہ تم لوگ جو جہاد سے کراہت کرتے ہو۔ اس میں ایک دُنیوی مضرت بھی ہے چنانچہ اگر تم اور اسی طرح سب جہاد سے کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے (یعنی ہونا چاہیئے) کہ تم (یعنی تمام آدمی) دُنیا میں فساد مچا دو اور آپس میں قطع قرابت کردو۔ یعنی جہاد سے بڑا فائدہ اقامت عدل و اصلاح و امن کا ہے۔ اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو مفسدین کا غلبہ ہوجائے اور کوئی انتظام جس میں تمام لوگوں کے مصالح کی حفاظت ہو نہ رہے اور ایسے انتظام نہ ہونے کے لئے فساد عام اور اضافہ حقوق لازمی ہے۔ پس جس جہاد میں دُنیوی منفعت بھی ہو اُس سے پیچھے ہٹنا عجیب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے اپنی رحمت سے دور کردیا اس لئے اس کے احکام پر عمل کی توفیق نہ رہی پھر (رحمت سے بعید کرنے پر یہ امر مرتب ہوا کہ) اُن کو بہرا کردیا اور راہ حق کے دیکھنے سے ان کی باطنی آنکھوں کو اندھا کردیا۔ باوجودیکہ قرآن میں جہاد اور دیگر احکام کا وجوب مع دلائل حقانیت قرآن کے اور ان احکام کے مصالح و منافع اخرویہ لازماً اور دنیویہ بھی احیاناً اور ان احکام کی مخالفت پر وعیدیں مذکور ہیں پھر جو یہ لوگ اُس طرف التفات نہیں کرتے۔ تو کیا یہ لوگ قرآن کے اعجاز اور مضامین میں غور نہیں کرتے اس لئے ان کو انکشاف نہیں ہوتا۔

(تفسیر معارف القران)

3.6 . سَیَقُوْلُ لَکَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَ اَھْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْلَنَا ج یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِھِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ ط قُلْ فَمَنْ یَّمْلِکُ لَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا اِنْ اَرَادَ بِکُمْ ضَرًّا اَوْاَرَادَ بِکُمْ نَفْعًا ط بَلْ کَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا O

(الفتح -48:11)

جو اعراب پیچھے رہ گئے وہ تم سے کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال اور اہل وعیال نے روک رکھا۔ آپ ہمارے لئے (خدا سے) بخشش مانگیں۔ یہ لوگ اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہے۔ کہہ دو کہ اگر خدا تم (لوگوں) کو نقصان پہنچانا چاہے یا تمہیں فائدہ پہنچانے کا اردہ فرمائے تو کون ہے جو اس کے سامنے تمہارے لئے کسی بات کا کچھ اختیار رکھے؟ (کوئی نہیں) بلکہ جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے واقف ہے

Those of the Bedouins who remained behind will say to you,: Our possessions and our families kept us busy, (hence we could not accompany you in your journey to Hudaibiyah), So, pray to Allah for our forgiveness. They say with their tongues what is not in their hearts, Say,: Then, who has power to help you in any thing against Allah, if He intends to do you harm, or intends to do you good? Rather, Allah is fully aware of what you do.

## مجاہدین کی کامیاب واپسی:

جو اعراب لوگ جہاد سے جی چرا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ کر موت کے ڈر کے مارے گھر سے نہ نکلتے تھے اور جانتے تھے کہ کفر کی زبردست طاقت ہمیں چکنا چور کردے گی اور جو اتنی بڑی جماعت سے ٹکر لینے گئے ہیں یہ تباہ ہو جائیں گے۔ بال بچوں کو ترس جائیں گے اور وہیں کاٹ ڈالے جائیں گے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے پاکباز مجاہدین کی جماعت کے ہنسی خوشی واپس آرہے ہیں تو اپنے دل میں منصوبے بنانے لگے کہ اپنی مشیخت بنی رہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو پہلے ہی سے خبردار کردیا کہ یہ بد باطن لوگ آکر اپنے ضمیر کے خلاف اپنی زبان کو حرکت دیں گے اور عذر پیش کریں گے کہ حضور بال بچوں اور کام

کاج کی وجہ سے نکل نہ سکے ورنہ ہم تو ہر طرح تابع فرمان ہیں۔ ہماری جان تک حاضر ہے اپنی مزید ایمان داری کے اظہار کے لئے یہ بھی کہہ دیں گے کہ حضرت آپ ﷺ ہمارے لئے استغفار کیجئے تو آپ انہیں جواب دے دینا کہ تمہارا معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہ دلوں کے بھید سے واقف ہے۔ اگر وہ تمہیں نقصان پہنچائے تو کون ہے جو اسے دفع کر سکے؟ اور اگر وہ تمہیں نفع دینا چاہے تو کون ہے جو اسے روک سکے؟

تصنع اور بناوٹ سے تمہاری ایمانداری اور نفاق سے وہ بخوبی آ گاہ ہے ایک ایک عمل سے وہ باخبر ہے۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں دراصل تمہارا پیچھے رہ جانا کسی عذر کے باعث نہ تھا بلکہ بطور نافرمانی کے ہی تھا۔ صاف طور پر تمہارا نفاق اس کا باعث تھا۔ تمہارے دل ایمان سے خالی ہیں۔ اللہ پر بھروسہ نہیں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں بھلائی کا یقین نہیں۔ اس وجہ سے تمہاری جانیں تم پر گراں ہیں تم اپنی نسبت تو کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی نسبت بھی یہی خیال کرتے تھے کہ یہ قتل کر دیئے جائیں گے۔ ان کی بھوسی اڑا دی جائے گی ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکے گا جو ان کی خبر تو لا کر دے، ان بدخیالیوں نے تمہیں نامرد بنا رکھا تھا۔ تم دراصل بربادشدہ لوگ ہو کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ میں عذاب دے گا گو دنیا میں بہ خلاف اپنے باطن کو ظاہر کرتے رہے پھر اللہ تبارک وتعالی اپنے ملک اپنی شہنشاہی اور اپنی اختیارات کا بیان فرماتا ہے کہ مالک ومتصرف وہی ہے بخشش اور عذاب پر قادر وہ ہے۔ لیکن ہے غفور اور رحیم جو بھی اس کی طرف جھکے اور اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جو اس کا دروازہ کھٹکھٹائے وہ اس کے لئے اپنا دروازہ کھول دیتا ہے خواہ کتنے ہی گناہ کئے ہوں۔ جب توبہ کرے اللہ قبول فرمالیتا ہے اور گناہ بخش دیتا ہے۔ بلکہ رحم اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ج
يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ط

جو دیہاتی پیچھے رہ گئے وہ عنقریب آپ ﷺ سے کہیں گے کہ ہمارے مال وعیال (کی مشغولیت) نے فرصت نہیں لینے دی۔ اب ہمارے لئے (اس کوتاہی کی) معافی کے لئے دُعا کر دیجئے۔ یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہیں گے جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں۔

**من الا عراب** حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد نے فرمایا اعراب سے مراد قبائل غفار، مزینہ، جہینہ ، عجع اور اسلم کے بدوی ہیں۔ جب حدیبیہ کے سال رسول اللہ ﷺ نے ان کو ساتھ چلنے کی دعوت دی تو قریش سے لڑائی کا ڈر ان کے دلوں میں پیدا ہو گیا۔ کیونکہ ان کے خیال میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور مسلمان کمزور تھے (اور ان کی شکست لازم تھی)۔ اس لئے ساتھ جانے سے انہوں نے گریز کیا اور رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو ٹال دیا۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ اور مسلمان صحیح سالم لوٹ آئے تو انہوں نے ساتھ نہ جانے کی معذرت پیش کی۔

**شَغَلَتْنَا اَمْوَا لُنَا وَ اَهْلُوْ نَا** یعنی ہمارے پاس کوئی آدمی نہیں تھا جو ہمارے مال کی خبر گیری اور نگرانی رکھتا اس لئے ہم ساتھ نہ جا سکے۔ اب ہماری اس کوتاہی کو معاف کر دینے کی اللہ سے دُعا کر دیجئے۔ آیت کی پیشین گوئی ایک معجزہ ہے اللہ نے اپنے نبی کو پہلے ہی بتا دیا کہ اعراب یہ بات کہیں گے اس کے بعد ان کی معذرت کو غلط قرار دیا اور فرمایا۔

**یَقُوْلُوْ نَ بَالسِنَتِهِم** یہ بے وقوف جو معذرت کریں گے اور دُعا مغفرت کے طلب گار ہوں گے یہ ان کی زبانی بات ہو گی دل میں نہیں ہو گی دل سے ان کو پرواہ بھی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے لئے دعا مغفرت کریں یا نہ کریں۔

**قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ط بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝**

آپ (ﷺ) کہ دیجئے کہ کون خدا کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا (کچھ بھی) اختیار رکھتا ہوا گر اللہ تم کو کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے بلکہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

**فَمَنْ يَّمْلِكُ** یعنی اللہ کی خشیت اور فیصلے کے مقابلہ میں کوئی تمہاری حفاظت نہیں کر سکتا کوئی نہیں بچا سکتا۔

**ضَرًّا** اگر اللہ تم کو کوئی ضرر جیسے قتل یا شکست یا مال کی تباہی یا عیال کی ہلاکت یا عذاب آخرت پہنچانا چاہے۔

**بَلْ كَانَ اللّٰه** یعنی بات یوں نہیں ہے جس طرح تم معذرت کر رہے ہو بلکہ اللہ جانتا ہے کہ حدیبیہ کو نہ جانے اور پیچھے رہ جانے سے تمہارا مقصد کیا تھا۔ تم اہل مکہ کے ڈر کے مارے ان کی موافقت کرنی چاہتے تھے۔ ان سے لڑنا نہیں چاہتے تھے۔

3.7 . بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا
وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا ۢ بُوْرًا O

(الفتح -48:12)

بات یہ ہے کہ تم لوگ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ پیغمبر اور مومن اپنے اہل و عیال میں کبھی لوٹ کر نہیں آسکیں گے اور یہی بات تمہارے دلوں کو اچھی معلوم ہوئی اور (اسی وجہ سے) تم نے برے خیال کئے اور (آخر کار تم ہلاکت میں پڑ گئے)

But you thought that Messenger ﷺ and the believers would never ever return to their families, and it seemed good to your hearts, and you thought an evil thought and became people who are ruined (by their selfishness).

بلکہ تم نے یہ خیال کیا کہ رسول اللہ ﷺ اور (ان کے ہمراہی) مومن اپنے گھر والوں میں کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں میں اچھی بھی معلوم ہوئی تھی اور تم نے برے گمان کئے تھے اور تم برباد ہونے والے لوگ ہو گئے۔

اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ یعنی مکہ کے مشرک اللہ کے رسول اور تمام مومنوں کو ہلاک کردیں گے کوئی بھی گھر لوٹ کر نہیں آئے گا۔

وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ یعنی مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کی تباہی کی پسندیدگی تمہارے دلوں میں پیدا تو اللہ نے کی تھی مگر شیطان نے تمہارے دلوں میں یہ خیال دل پسند بنا دیا تھا۔

وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ یعنی تم نے خیال کیا تھا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی رض مشرکوں کا لقمہ بن جائیں گے اسی طرح کے اللہ اور اس کے رسول کے متعلق برے برے گمان تم رکھتے تھے۔

قَوْمًا بُوْرًا عنداللہ ہلاک ہونے والے تباہ بداعتقاد اور برے گمان رکھنے کی وجہ سے۔

## منافقین کے حیلے بہانے:

مدینہ طیبہ سے روانگی کے وقت آنحضرت ﷺ نے اہتمام سے صحابہؓ کوساتھ لیا ممکن ہے کہ لڑائی کا احتمال بھی پیش نظر ہو۔ اس پر کچھ سادہ لوح دیہاتی جن کے دلوں میں بھی ایمان رچا نہیں تھا آپس میں کہنے لگے کہ دیکھواب یہ جانے والے مسلمان زندہ بچ کر واپس آنے والے نہیں ہیں۔ حق تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے نفاق کا پردہ چاک کرتے ہوئے سفر سے واپسی میں آنحضرت ﷺ کوحقیقت حال سے مطلع فرما دیا اور فرمایا کہ ایسے لوگ اب آپ ﷺ کے سامنے غیر حاضری کے جھوٹے حیلے بہانے آ کر تراشیں گے اور کہیں گے کہ کیا بتلائیں ہمیں گھر بار کے دھندوں سے فرصت ہی نہ ملی، ہمارے یہاں کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں تھا۔ اس لئے حاضری نہ ہو سکی بہرحال یہ کوتاہی ہوئی اس کی ہم معافی چاہتے ہیں۔ حالانکہ کہتے وقت وہ خود بھی سمجھتے تھے کہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سراسر جھوٹ کا پلندہ ہے اور استغفار کی درخواست بھی محض دفع الوقتی کے لئے ہے سچے دل سے نہیں کیونکہ وہ دل میں اس کو گناہ ہی نہیں سمجھ رہے ہیں کہ حقیقتہً پشیمان ہوں۔

آپ ﷺ فرما دیجئے کہ سارا نفع نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے اس کے آگے کسی کا کچھ بس نہیں چلتا۔ چنانچہ اس کو نہ تم جیسے نالائقوں کا جانا منظور تھا اور نہ اب منظور ہے کہ تمہارے لئے استغفار کروں کیونکہ جھوٹ کا پول کھل چکا ہے تم خود ہی حدیبیہ کے گونا گوں فوائد و برکات سے محروم رہے۔ رہا گھر بار کے نقصان کا بہانہ، سوسب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ چاہے تو گھر میں رہ کر بھی نقصان ہوسکتا ہے اور وہ چاہے تو گھر سے باہر جا کر بھی نقصان نہیں ہوسکتا۔ پھر اللہ ورسول کی خوشنودی کے مقابلہ میں ان چیزوں کی پرواہ کرنا اہل ایمان کا شیوہ نہیں ہے۔ اور یہ نہ سمجھو کہ اللہ کو بھی ایسے بہانوں سے بہلا لوگے۔ گویا اس طرح دنیا بھی ہاتھ سے نہیں جائے گی اور اللہ بھی راضی رہے گا۔ اللہ کو تو سب کچھ پتہ ہے۔ تمہاری یہ چکمہ بازی نہیں چلے گی کہ نہ جانے کا سبب فی الواقع وہ نہیں تھا جو تم بیان کررہے ہو بلکہ تم سمجھ بیٹھے تھے کہ پیغمبر اور مسلمان اب صحیح سلامت واپس نہیں ہوسکیں گے اور یہی تمہاری دلی آرزو بھی تھی۔ اس اٹکل پچو گمان میں تم نے اپنے لئے نہ جانے میں عافیت سمجھی اور سراسر نفع سمجھا۔ حالانکہ یہ سراسر نقصان وخسران تھا اور اللہ جانتا تھا کہ یہ اس طرح تباہ و برباد ہورہے ہیں۔ اللہ ورسول پر جو ایمان نہیں رکھتا اس کے لئے تو دہکتی آگ تیار ہے۔ زمین وآسمان کی ساری خدائی اسی کی ہے وہی چاہے کسی کو بخشے یا نہ بخشے۔ میں اس کے

برخلاف نہیں کرسکتا ہوں؟ ہاں اس کی مہربانی ہوجائے تو تمہاری بخشش اور معافی ہوسکتی ہے کیونکہ اس کی رحمت بہرصورت غضب سے بڑھ کر ہے۔ (کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

## خُلاصہ تفسیر از تفسیر معارف القرآن

جو دیہاتی (اس سفر حُدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے اور شریک سفر نہیں ہوئے وہ عنقریب (جبکہ آپ مدینہ پہنچیں گے) آپ ﷺ سے بات بنانے کے طور پر کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال اور عیال نے فرصت نہ لینے دی یعنی اُن کی ضروریات میں مشغول رہے تو ہماری لئے اس کوتاہی کی معافی کی دُعا کر دیجئے۔ حق وتعالیٰ اُن کی تکذیب فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں ہیں آپ کو تلقین ہے کہ یہ لوگ جب آپ سے یہ عذر پیش کریں تو آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اوّل تو یہ عذر اگر سچا بھی ہوتا تو بمقابلہ اللہ ورسول کے حکم قطعی کے محض عذر لنگ اور باطل ہوتا۔ وہ کون ہے جو خدا کے سامنے تمہارے لئے نفع ونقصان میں کسی چیز کا اختیار رکھتا ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے۔ یعنی تمھارے ذات یا تمھارے مال اور عیال میں جو نفع یا نقصان تقدیر الٰہی میں مقدر ہو چکا ہے اسکے خلاف کرنیکا کسی کو اختیار نہیں۔

شریعت اسلام نے بہت سے مواقع پر اسطرح کے خطرات کا عذر قبول کر کے رخصت دی ہے بشیر طیکہ وہ عذر واقعی ہو اور جہاں شریعت نے اس عذر کو قبول نہیں کیا اور رخصت نہیں دی بلکہ حکم قطعی کر دیا جیسا کہ مسئلہ زیر بحث میں ہے کہ حدیبیہ کے لئے اللہ ورسول نے گھر بار کے مشاغل کو نا قابل قبول عذر قرار نہیں دیا اگر چہ وہ واقعی ہو۔ دوسرے یہ عذر جو تم کر رہے ہو سچا بھی نہیں جیسا کہ آگے آتا ہے اور تم سمجھتے ہو گے کہ مجھ کو اس جھوٹ کی خبر نہیں ہوئی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کہ تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے مجھ کو بذریعہ وحی اطلاع کر دی ہے کہ تمہاری غیر حاضری کی وجہ وہ نہیں جو تم بیان کر رہے ہو بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ تم نے یہ سمجھا کہ رسول اور مؤمنین اپنے گھر والوں میں کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے۔ مشرکین سب کی صفائی کر دیں گے اور یہ بات تمھارے دلوں میں اچھی بھی معلوم ہوتی تھی۔ اللہ و رسول کی عداوت کی وجہ سے تمھاری دلی تمنا بھی تھی اور تم نے بُرے بُرے گمان کئے اور تم ان بُرے گمانوں کی وجہ سے جو کہ خیالات کفر ہیں برباد ہونیوالے لوگ ہوگئے اور اگر ان وعیدوں کو سن کر تم اب بھی دل سے ایمان لے آؤ تو خیر

ورنہ جو شخص اللہ پر اور اسکے رسول پر ایمان نہیں لائے گا تو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور تمام آسمان وزمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے وہ جسکو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے سزا دے اور کافر اگر چہ مستحق عذاب ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے کہ وہ بھی سچے دل سے ایمان لے آئیں تو اُن کو بھی بخش دیتا ہے۔

3.8 لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْمِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ O

(الحشر . 59:14)

یہ سب جمع ہو کر بھی تم سے نہیں لڑ سکیں گے۔ بستیوں کے قلعوں میں پناہ لے کر یا دیواروں کی اوٹ میں (چھپ کر) ان کی آپس میں سخت لڑائی ہے۔ تم شاید خیال کرتے ہو کہ یہ اکھٹے (اور ایک جان) ہیں مگر ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔

They do not fight you, even assembled together, but in fortified towns, or from behind the walls. Their quarrelling between themselves is severe. You think that they are united, while their hearts are divided. That is because they are a people who have no sense.

اے مسلمانوں! بیشک تمہارے خوف ان منافقوں کے دلوں میں اللہ کے خوف سے بھی زیادہ ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں۔ یہ لوگ سب مل کر بھی تم سے نہیں لڑیں گے مگر حفاظت والی بستیوں میں یا قلعے اور شہر پناہ کی دیواروں کی آڑ میں ہو کر ان کی لڑائی آپس ہی میں بڑی تیز ہے۔ (اے مخاطب) تو ان کو باہم متفق خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے دل غیر متفق (متفرق) ہیں یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں۔

ذٰلِکَ بِاَ نَّھُمْ الخ .... یہ اللہ کی نسبت تم سے زیادہ خوف زدہ ہونا اس سبب سے ہے کہ اللہ کو نہیں

پہچانتے اس کی عظمت کو نہیں جانتے اتنا نہیں سمجھتے کہ نفع اور ضرر پہنچانے والا اللہ ہی ہے بندوں کے سارے اعمال وافعال اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اس لئے اسی سے ڈرنا چاہیے۔

**لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ** یعنی کفار اور منافق تم سے نہیں لڑیں گے۔

**جَمِيْعًا** یعنی کسی عزم اور متفقہ رائے پر جمع ہو کر۔

**اِلَّا فِىْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ** مگر ان بستیوں میں رہ کر جو محفوظ ہیں قلعہ بند ہیں یا ان کے ارد گرد خندق کھودی گئی ہوں مراد یہ ہے کہ تمہارے مقابلہ میں سامنے آ کر تم سے نہیں لڑیں گے کیونکہ وہ تم سے سخت خوف زدہ ہیں۔

**بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْد** یعنی تمہارے مقابلہ پر آ کر نہ لڑنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ فطرۃً اور تخلیقاً بزدل اور ڈرپوک ہیں کیونکہ جب وہ آپس میں لڑتے ہیں اور کافروں کی ایک جماعت دوسری کافر جماعت سے لڑتی ہے تو بڑی بہادری سے لڑتے ہیں بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں تمہارے خوف ڈال دیا ہے بڑے سے بڑا بہادر اور عزت والا جب اللہ اور اس کہ رسول کے مقابلے پر لڑتا ہے تو بزدل اور خوفزدہ ہو جاتا ہے۔

**تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا** یعنی تم خیال کرتے ہو کہ وہ تم سے لڑنے پر متفق ہیں۔

**وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى** ان کے دل متفرق ہیں اللہ نے ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیا ہے ایک بات پر ان کے دل نہیں جمتے دنیوی مصالح کے حصول کے پیش نظر کبھی لڑنا چاہتے ہیں اور تمہارے خوف کی وجہ سے کبھی بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہیں۔

**ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ** ...الخ یہ پراگندگی خیال اور ایک رائے پر نہ جمنا اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ بے عقل ہیں حق و باطل میں امتیاز نہیں کر سکتے نہ غور کرتے ہیں نہ اتنا سمجھتے ہیں کہ یہ خوف زدہ ہونا صرف اس وجہ سے ہے کہ ان کے دلوں پر کفر چھایا ہوا ہے اور نبی برحق کے مقابل وہ صف آرا ہیں۔

(تفسیر مظہری)

## خلاصہ تفسیر

کیا آپ نے ان منافقین یعنی عبداللہ بن ابی وغیرہ کی حالت نہیں دیکھی کہ اپنے (ہم مذہب) بھائیوں سے جو کفار واہل کتاب ہیں (یعنی بنی نضیر سے) کہتے ہیں (یعنی کہتے تھے کیونکہ یہ سورۃ جلا وطنی بنی نضیر کے واقعہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ (کمافی الروح مستدلاً بالحدیث والسّیر) کہ واللہ ہم ہر حال میں تمہارے ساتھ ہیں۔ لیکن اگر تم اپنے وطن سے جبراً نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ اپنے وطن سے نکل جائیں گے اور اس معاملہ میں ہم کبھی کسی کا کہنا نہیں مانیں گے۔ یعنی ہم کو خواہ کوئی کیسا ہی سمجھائے کہ خروج وقتال میں جو ہو تمہارے ساتھ نہ دیں لیکن ہم نہ مانیں گے۔ اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ واللہ اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ منافقین اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوتی تو ان کی مدد نہ کریں گے۔ اور اگر بلفرض محال ان کی مدد بھی کی اور لڑائی میں شریک ہوئے تو پیٹھ پھیر کو بھاگیں گے پھر ان کے بھاگ جانے کے بعد ان اہل کتاب کی کوئی مدد نہ ہوگی یعنی جو ناصر تھے وہ تو بھاگ گئے اور دوسرا کوئی ناصر نہ ہوگا۔ یہ مغلوب ومقہور ہوں گے۔ غرض منافقین کی جو غرض ہے کہ اپنے ان بھائیوں پر کوئی آفت نہ آنے دیں اس میں ہر طرح ناکامی رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب آخر میں بنی نضیر نکالے گئے تو منافقین ان کے ساتھ نکلے نہیں اور جب اول میں ان کا محاصرہ کیا گیا جس میں قتال کا خطرہ کا تھا تو اس میں انھوں نے نصرت نہیں کی۔

اس ساتھ نہ دینے کا سبب فرماتے ہیں کہ بیشک تم لوگوں کا خوف ان منافقین کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے۔ یعنی دعوی ایمان ہے جو یہ اپنا ڈرنا اللہ تعالیٰ سے بیان کرتے ہیں وہ تو خلاف واقع ہے۔ ورنہ کفر کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے اور تمہارا واقعی خوف ہے پس اس خوف کی وجہ سے یہ لوگ ان بنی نضیر کا ساتھ نہیں دے سکتے اور یہ ان کا تم سے ڈرنا اور خدا سے نہ ڈرنا اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ بوجہ کفر کے خدا تعالیٰ کی عظمت کو سمجھتے نہیں اور یہ یہود عام ہیں بنی نضیر وغیرہ۔ بنی نضیر سے اور منافقین الگ الگ تو تمہارے مقابلہ کا کیا حوصلہ کرتے۔ یہ لوگ تو سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر حفاظت والی بستیوں میں یا دیوار (قلعہ وشہر پناہ) کی آڑ میں۔ حفاظت سے مراد عام ہے، خندق سے ہو یا قلعہ وغیرہ سے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کبھی ایسا واقعہ پیش آیا ہو کہ منافقین نے مسلمانوں کا مقابلہ کسی قلعہ اور محفوظ مقام سے کیا ہو۔ کیونکہ مقصود یہ ہے کہ اگر کبھی یہود یا منافقین اکیلے اکیلے یا جمع

ہو کر تمھارے مقابلہ میں آئے بھی تو ان کا مقابلہ محفوظ قلعوں میں یا شہر پناہ کی دیوار کے پیچھے سے ہوگا۔

یہود بنی قریظہ و اہل خیبر اسی طرح مقابلہ میں پیش آئے اور منافقین نہ اُن کے ساتھ ہوئے اور نہ اُن کا کبھی اتنا حوصلہ ہوا کہ کُھل کر مسلمانوں کے مقابلہ پر آئیں۔ اس میں مسلمانوں کی ہمت افزائی بھی ہے کہ ان سے اندیشہ نہ رکھیں ان کے بعض قبائل جیسے اوس وخزرج کے واقعاتِ جنگ دیکھ کر یہ اندیشہ نہ کیا جائے کہ شاید اسی طرح اہل اسلام کے مقابلہ میں کسی وقت یہ بھی آسکیں۔ بات یہ ہے کہ ان کی لڑائی آپس ہی میں بڑی تیز ہے۔ مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ہیں اور اسی طرح یہ احتمال نہ کیا جائے کہ گو بمقابلہ اہل اسلام کے تنہا یہ ضعیف ہوں۔ مگر بہت سے ضعفا مل کر قوی ہو جاتے ہیں شاید اس طرح یہ سب جمع ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ احتمال اس لئے قابل التفات نہیں۔ حالانکہ ان کے قلوب غیر متفق ہیں۔ یعنی گو عداوت اہل حق ان سب میں ایک وجہ اشتراک کی ہے مگر خود بھی تو ان میں اختلاف عقائد کی وجہ سے فرقہ بازی اور عداوت ہے۔

ورنہ حق تعالیٰ کی مشیّت ان کی مغلوبی و مقہوری کے ساتھ ہو چکی ہے تو اگر اتفاق ہو بھی جاتا تو کیا کام آتا۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (دین کی) عقل نہیں رکھتے۔ اس لئے ہر ایک اپنے خیال کا تابع ہے اور جب نظریات اور اغراض مختلف ہوں تو اس کے لئے اختلاف قلوب لازم ہے اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بے دینوں میں بسا اوقات اتفاق دیکھا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ یہاں مقصود قائدہ کلیہ بیان کرنا نہیں بلکہ اُن میں جو نا اتفاقی تھی اس کا سبب بیان کرنا مقصود ہے کہ اُن کے لئے یہی امر سبب ہو گیا تھا۔ چنانچہ ظاہر ہے آگے بالخصوص بنی نضیر اور ان منافقین کی جنھوں نے وعدہ نصرت کر کے دھوکہ میں ڈالا اور عین وقت پر دغا دیا ان کی حالت کا بیان ہے کہ ان کے مجموعہ کی دو مثالیں ہیں۔ ایک مثال خالص بنی نضیر کی اور دوسری منافقین کی۔ بنی نضیر کی مثال تو ان لوگوں کی سی مثال ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہوئے ہیں جو دنیا میں بھی اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں اور آخرت میں بھی اُن کے لئے دردناک عذاب ہونے والا ہے۔ مراد ان سے یہود بنی قینقاع ہیں۔ جن کا قصہ یہ ہوا کہ واقعہ بدر کے بعد انھوں نے آپ ﷺ سے ۲ ھ ہجری میں عہد شکنی کر کے جنگ کی پھر مغلوب ہوئے اور قلعہ سے آپ ﷺ کے فیصلہ پر باہر نکلے، اور سب کی مشکیں باندھی گئیں پھر عبداللہ بن اُبی کی منت سماجت کرنے کی وجہ سے ان کو اس شرط پر جان بخشی گئی کہ مدینہ سے چلے جائیں۔ چنانچہ وہ اَذْرُعات شام کو نکل گئے اور اُن کے

اموال مالِ غنیمت کی طرح تقسیم کیئے گئے۔ ( کذافی زادالمعاد )

اوران منافقین کی مثال شیطان کی سی مثال ہے کہ اول تو انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے اور کفر کے وبال میں گرفتار ہوتا ہے خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں تو اس وقت صاف جواب دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو اللہ ربّ العالمین سے ڈرتا ہوں۔

سورۃ الانفال میں ارشاد ہے۔

**وَاِ ذَزَ یَّنَ لَھُمُ الشَّیۡطٰنُ اَعۡمَا لَھُم ....الخ**

(سورۃ الانفال ۔ ۴۸)

جب شیطان نے ان کوان کے اعمال خوش نما کر کے دکھائے

سوآخری انجام دونوں کا یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں گئے جہاں ہمیشہ رہیں گے۔ ایک ضلال کی وجہ سے دوسرا اضلال کی وجہ سے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ پس جس طرح اس شیطان نے اس انسان کو اول بہکایا پھر وقت پر ساتھ نہ دیا اور دونوں خسران میں پڑے۔ اسی طرح ان منافقین نے اول بنی نضیر کو بُری رائے دی کہ تم نکلو نہیں پھر عین وقت پر ان کو دھوکہ دیا اور دونوں بلا میں پھنسے۔ بنی نضیر تو جلاوطنی کی مصیبت میں اور منافقین ناکامیابی کی ذلت میں مبتلا ہوئے۔

(تفسیر معارف القرآن)

# 4 ۔ غلاف چڑھا ہوا دل

4:1 . وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ O

اور کہتے ہیں ہمارے دل پردے میں ہیں (نہیں) بلکہ خدا نے ان کفر کے
سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے پس یہ تھوڑے ہی پر ایمان لاتے ہیں۔

(البقرہ۔2:88)

And they said,: Our hearts are veiled, Rather, Allah has cast damnation upon them for their disbelief, So they believe just in very little things۔

قرآن کریم میں غلاف چڑھے ہوئے دل کا ذکر چھ مقامات پر آیا ہے۔ اس پہلی آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں!

یہودیوں کا ایک قول یہ بھی تھا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں۔ یعنی یہ علم سے بھرپور ہیں، اب انہیں نئے علم کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لئے جواب ملا کہ غلاف نہیں بلکہ لعنت الہیہ کی مہر لگ گئی ہے۔ ایمان نصیب ہی نہیں ہوتا غلف کو خلف بھی پڑھا گیا ہے یعنی یہ علم کے برتن ہیں۔

اور جگہ قرآن کریم میں آیت ہے۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا
وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَO

(41۔فصلت، حم السجدہ :5)

وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل اس بات سے پردے میں ہیں جس کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں
اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک پردہ حائل ہے
سو آپ اپنا کام کرتے رہیں ہم اپنا کام کرتے ہیں۔

یعنی جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو اس چیز سے ہمارے دل پردے اور آڑ میں ہیں اور ہمارے دلوں کے درمیان پردہ ہے آڑ ہے ان پر مہر لگی ہوئی ہے وہ اسے نہیں سمجھتے۔ اسی بنا پر وہ نہ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں نہ اسے یاد رکھتے ہیں۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ بعض دل غلاف والے ہوتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے۔ یہ کفار کے دل ہوتے ہیں۔ سورۃ النساء میں بھی ایک آیت اسی معنی کی ہے۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ‘ تھوڑا ایمان لانے کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ان میں سے بہت کم لوگ ایماندار ہیں۔ اور دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ ان کا ایمان بہت کم ہے۔ یعنی قیامت، ثواب، عذاب وغیرہ کا قائل ہیں۔ حضرت موسیٰؑ پر ایمان رکھنے والے توراۃ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانتے ہیں مگر اس پیغمبر آخر الزمان ﷺ کو مان کر اپنا ایمان پورا نہیں کرتے۔ بلکہ آپ کے ساتھ کفر کر کے اس تھوڑے ایمان کو بھی غارت اور برباد کر دیتے ہیں۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ یہ سرے سے بے ایمان ہیں۔ کیونکہ عربی زبان میں ایسے موقعہ پر بھی ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ مثلاً میں نے اس جیسا بہت ہی کم دیکھا مطلب یہ ہے کہ دیکھا ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔

غُلُفٌ جمع ہے اغلف کی۔ اس سے مراد وہ دل ہے جس پر ایسا پردہ ہو کہ وہ نہ تو حق بات کو سن سکے اور نہ اس کی حقیقت کا ادراک کر سکے جو وہ خود کہہ رہا ہو۔

اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِیٓ اَکِنَّةٍ

اسی طرح مجاہد اور قتادہ کا قول ہے، مطلب یہ ہوگا کہ ہمارے دل علم کے برتن ہیں ہمیں آپ ﷺ کے علم کی ضرورت نہیں ہے۔ ابن عباسؓ اور عطاء کا بھی یہی قول ہے۔ الکلبی فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ ہمارے دل علم کے برتن ہیں جو بات ہمارے دل سنتے ہیں اسے یاد کر لیتے ہیں۔ مگر تمہاری بات کو یہ قبول نہیں کرتے۔ اگر تمہاری بات میں بھی کوئی بھلائی ہوتی تو اسے بھی یہ ضرور یاد کرتے اور سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مفروضے کو رد فرمایا۔ حدیث شریف میں حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس کے والدین اسے یہودی نصرانی یا مجوس بنا دیتے ہیں۔

اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے اسی طرح ان کے دل علم کے برتن بھی نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر خیر اور بھلائی سے دور کر دیا ہے اور انہیں ذلیل و رسوا کیا ہے ان کے کفر

کی وجہ سے۔

**قـلیلاً** پر نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے ما مبالغہ کے لئے زیادہ ہے۔ مطلب یہ کہ ان میں سے بہت تھوڑے ایمان لاتے ہیں کیونکہ مشرکین سے جو ایمان لائے تھے وہ یہود کی نسبت بہت زیادہ تھے۔ یعنی جن چیزوں پر ایمان لانا ہے ان میں سے بہت کم چیزوں پر ایمان لاتے ہیں۔ جیسا کہ وہ بعض کتاب اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور بعض کو جھٹلاتے تھے۔

(تفسیر مظہری)

## خلاصہ تفسیر

وہ یہودی طنزیہ طور پر کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب (ایسے) محفوظ ہیں کہ اس میں مخالف مذہب کا (جو اسلام ہے) اثر ہی نہیں ہوتا تو مذہب پر ہم خوب پختہ ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حفاظت اور پختگی نہیں ہے بلکہ اُن کے کفر کے سبب ان پر خدا کی مار ہے کہ اسلام جو مذہب حق ہے اس سے فرار اور منسوخ مذہب پر مصر ہیں سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں اور تھوڑا ایمان مقبول نہیں پس وہ کافر ہی ٹھیرے۔

**فائدہ:۔** یہ تھوڑا سا ایمان ان امور کی بابت ہے جو اُن کے مذہب اور اسلام میں مشترک ہیں مثلاً خدا کا قائل ہونا، قیامت کا قائل ہونا کہ ان امور کے وہ بھی قائل تھے، لیکن خود نبوت محمدیہ (ﷺ) اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے منکر تھے، اس لئے پورا ایمان نہ تھا اور اس تھوڑے ایمان کو باعتبار لغت ایمان کہا جس کے معنی مطلق یقین کے ہیں، گو وہ بعض اشیاء کے ساتھ ہی متعلق ہے۔ شرعاً اس کو ایمان نہیں کہتے۔ شرعاً وہ ایمان معتبر ہے جو کل امور واردفی الشرع کے یقین کے ساتھ ہو۔

(تفسیر معارف القرآن)

4:2 ۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا O

(النساء -4:155)

(لیکن انہوں نے عہد کو توڑ ڈالا) تو ان کے عہد توڑ دینے اور خدا کی آیتوں سے کفر کرنے اور انبیاء کو ناحق مار ڈالنے اور یہ کہنے کے سبب کہ ہمارے دلوں پر پردے (پڑے ہوئے) ہیں (خدا نے ان کو مردود کر دیا اور ان کے دلوں پر پردے نہیں ہیں) بلکہ ان کے کفر کے سبب خدا نے ان پر مہر کر دی ہے تو یہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔

So, (they met their fate) for breaking their pledge, and for their disbelief in the verses of Allah, and for their slaying of the prophets unjustly, and for their saying,: Our hearts are sealed - rather, Allah has set a seal over them for their disbelief, so they do not believe but a little.

## اہل کتاب، قاتلانِ انبیاءؑ ، عیسٰی علیہ السلام کی روداد اور مراحل قیامت:

اہل کتاب کے ان گناہوں کا بیان ہو رہا ہے جن کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمتوں سے دور کر دیئے گئے اور ملعون وجلاوطن کر دیئے گئے۔ اولاً ان کی عہد شکنیاں تھیں کہ جو وعدے انہوں نے اللہ سے کئے ان پر قائم نہ رہے۔ دوسرے اللہ کی آیتوں یعنی حجت ودلیل اور نبیوں کے معجزوں سے انکار اور کفر، تیسرے ناحق انبیاء کرام کا قتل۔ ان کے رسولوں کی ایک بڑی جماعت ان کے ہاتھوں قتل ہوئی۔ چوتھی ان کا یہ خیال اور قول کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں یعنی پردے میں ہیں۔ جیسے مشرکین نے کہا تھا آیت

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْ م بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ O

(41۔فصلت:5)

یعنی "اے نبی تیری دعوت سے ہمارے دل پردے میں ہیں" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ "ہمارے دل علم کے ظروف ہیں وہ علم وعرفان سے پُر ہیں ''۔ اللہ ان کے اس قول کی تردید کرتا ہے کہ یوں نہیں بلکہ ان پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی ہے کیونکہ یہ کفر میں پختہ ہو چکے تھے۔

وہ عذر کرتے تھے کہ ہمارے دل بوجہ ان پر غلاف ہونے کے نبی کی باتوں کو یاد نہیں کر سکتے تو انہیں جواب دیا گیا کہ ایسا نہیں بلکہ تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے دل مسخ ہو گئے ہیں۔ فرمادیا کہ اب ان کے دل کفر و سرکشی اور کمی ایمان پر ہی رہیں گے۔ پھر ان کا پانچواں جرم عظیم بیان ہورہا ہے کہ انہوں نے سیدہ مریم علیہا السلام پر زنا کاری جیسی بدترین اور شرمناک تہمت لگائی اور اسی زنا کاری کے حمل سے حضرت عیسیٰؑ کو پیدا شدہ بتایا۔ بعض نے اس سے بھی ایک قدم آگے رکھا اور کہا کہ یہ بدکاری حیض کی حالت میں ہوئی تھی۔ اللہ کی ان پر پھٹکار ہو کہ ان کی بدزبانی سے اللہ کے مقبول بندے بھی نہ بچ سکے۔ پھر ان کا چھٹا گناہ بیان ہورہا ہے کہ یہ بطور تمسخر اور اپنی بڑائی کہ یہ ہانک بھی لگاتے ہیں کہ " ہم نے حضرت عیسیٰؑ کو مار ڈالا " جیسے کہ بطور تمسخر کے مشرکین حضور ﷺ سے کہتے ہیں کہ وہ جس پر قرآن اتارا گیا ہے وہ تو مجنون ہے۔ پورا واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت دے کر بھیجا اور آپ کے ہاتھ پر بڑے بڑے معجزے دکھائے مثلاً بچپن کے اندھوں کو بینا کرنا، کوڑھیوں کو اچھا کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، مٹی کے پرندہ بنا کر پھونک مارنا اور ان کا جاندار ہو کر اڑ جانا وغیرہ تو یہودیوں کو سخت طیش آیا اور مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور ہر طرح سے ایذاء رسانی شروع کردی، آپ کی زندگی تنگ کردی۔ کسی بستی میں چند سودن آرام کرنا بھی آپؑ کو نصیب نہ ہوا۔ ساری عمر جنگلوں اور بیابانوں میں اپنی والدہ کے ساتھ سیاحت میں گذاری پھر بھی انہیں چین نہ لینے دیا گیا۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

## خلاصہ تفسیر

ہم نے ان کی حرکتوں کی وجہ سے سزائے لعنت وغضب و ذلت ومسخ وغیرہ میں مبتلا کیا یعنی ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اور ان کے کفر وانکار کی وجہ سے احکام الٰہیہ کے ساتھ اور ان کے قتل کرنے کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کو جو ان کے نزدیک بھی ناحق تھا اور ران کے اس مقولہ کی وجہ سے کہ ہمارے قلوب ایسے محفوظ ہیں کہ ان میں مخالف مذہب یعنی

اسلام کا اثر نہیں ہوتا تو مذہب پر ہم خوب پختہ ہیں۔ حق تعالیٰ اس پر رد فرماتے ہیں کہ یہ مضبوطی اور پختگی نہیں ہے بلکہ ان کے کفر کے سبب ان کے قلوب پر اللہ تعالیٰ نے بند لگا دیا ہے کہ حق بات کی ان میں تاثیر نہیں ہوتی۔ سو ان میں ایمان نہیں مگر قدرے قلیل اور قدرے قلیل ایمان مقبول نہیں پس کافر ہی ٹھہرے اور ہم نے ان کو سزائے لعنت وغیرہ سے ان وجوہ سے بھی مبتلا کیا یعنی ان کے ایک خاص کفر کی وجہ سے۔ (تفسیر معارف القرآن)

4:3 ۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ج وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ط وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ط حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَO

(الانعام-6:25)

اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ تمہاری (باتوں کی) طرف کان رکھتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر تو پردے ڈال دیئے ہیں ان کو سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں ثقل پیدا کر دیا ہے (کہ سن نہ سکیں) اور اگر یہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی تو ان پر ایمان نہ لائیں۔ یہاں تک کہ جب تمہارے پاس تم سے بحث کرنے کو آتے ہیں تو جو کافر ہیں کہتے ہیں یہ (قرآن) اور کچھ بھی نہیں صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

There are those among them who (apparently) listen to you, but We have put covering on their hearts, so that they do not understand, and heaviness in their ears, If they were to see all the signs, they would still not believe in them, so much so that, when they come to quarrel with you, the disbelievers say (of the Quran), it is nothing but tales of the ancients.

جس طرح نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنیوالا سب سے بڑا ظالم ہے اسی طرح وہ بھی سب سے بڑا ظالم ہے جو اللہ کے سچے رسولوں اور اس کی آیتوں کی تکذیب کرے۔ پوری کائنات میں چاروں طرف پھیلی ہوئی نشانیاں ایک

ہی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور وہ یہ کہ موجودات عالم میں خدا صرف ایک ہی ہے باقی سب اس کے بندے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اس کائناتی مشاہدے اور تجربے کے بغیر محض قیاس وگمان یا آبائی تقلید کی بنا پر دوسروں کو الوہیت کی صفات سے متصف اور خداوندی حقوق کا مستحق ٹھہراتا ہے اس سے بڑھ کر ظالم اور کوئی نہیں ہوسکتا ایسا شخص حقیقت اور صداقت پر ظلم کرتا ہے اور کائنات کی ہر اس چیز پر ظلم کرتا ہے جس کے ساتھ وہ اس غلط نظریہ کی بنا پر کوئی معاملہ کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے ظالموں کی فلاح وکامرانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

کفار خدا کی پیشی کے وقت حیل وحجت اور معذرت کے ذریعہ چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہم تو مشرک نہ تھے اور یہ جھوٹ اس وقت بولیں گے کہ جب ان کے اعضاء خود ان کے خلاف گواہی دیں گے تو اس وقت وہ لاجواب اور تنگ ہوکر کذب بیانی اور دروغ گوئی کا سہارا لیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب مشرکین دیکھیں گے کہ اہل توحید جنت میں جارہے ہیں تو مشرکین آپس میں مشورہ کرکے اپنے شرک سے انکار کردیں گے تب اللہ ان کے مونہوں پر مہر لگادے گا اور ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی ہے۔

**ومنھم مَنْ یستَمِعُ اِلَیْکَ ... الخ** کلبی اور ابن جریر نے مجاہد کے قول کے مطابق اپنی تفسیر میں اس آیت کا جو شان نزول بیان کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ابوسفیان، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث، عتبہ بن شیبہ، ایک روز سب نے قرآن کی چند آیتیں سنیں، نضر بن حارث پچھلے زمانہ کے قصے بہت جانتا تھا اس لئے ان سب نے نضر بن حارث سے مخاطب ہوکر کہا تم نے سنا محمد ﷺ نے کیا پڑھا؟ نضر بن حارث نے کہا جس طرح تم کو پچھلی کہانیاں سناتا رہتا ہوں اسی طرح یہ بھی ایک کہانی ہے۔ ابوسفیان نے کہا باتیں اس کلام کی حق معلوم ہوتی ہیں۔ ابوجہل نے کہا ایسی باتوں کے ماننے سے ہم کو موت بہتر ہے۔ اس قصہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ابوجہل کے دل پر پردہ پڑ جانے کے سبب سے جو بات اس نے اپنے منہ سے نکالی کہ ایسی باتوں سے موت بہتر ہے چنانچہ ازلی شقاوت نے اس کے حق میں وہی کیا کہ بدر کی لڑائی میں مارا گیا اور ابوسفیان نے سعادت ازلی کے سبب جو بات منہ سے نکالی تھی آخر کار ان کو اسلام نصیب ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ ابوجہل اور نضر بن حارث جیسے لوگوں کی شان میں فرمایا کہ ایسے لوگوں کو ہزار ہا معجزے دکھلائے جائیں اور قرآن کی تمام آیات سنائی جائیں تب بھی

یہ سخت دل اور بہرے بنے رہیں گے نہ کسی معجزے کو دیکھ کر ان کے دل پر سے غفلت کا پردہ اٹھے گا نہ کسی آیت قرآن کو کان کھول کر سنیں گے۔

طبرانی اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب ابو طالب یوں تو آپ ﷺ کی ہمہ وقت حمایت کرتے رہتے تھے کہ قریش میں سے کوئی شخص آپؐ کو ایذاء نہ پہنچائے مگر آنحضرت ﷺ جب جناب ابو طالب کو کوئی ہدایات کی بات کہتے تو اس سے ابو طالب دور بھاگتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ طبرانی کی سند میں اگرچہ ایک راوی قمیس بن ربیع کو بعض علماء نے ضعیف کہا ہے لیکن شعبہ نے اس کو ثقہ کہا ہے اس لئے یہ روایت معتبر ہے۔

صحیح بخاری میں ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک روز آپ ﷺ کے روبرو جناب ابو طالب کا ذکر آیا آپ نے فرمایا شاید ابو طالب کو میری شفاعت کچھ عذاب میں کمی پہنچا دے۔ اسی طرح صحیح بخاری میں عروہؓ سے مرسلاً روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے ابولہب کو خواب میں دیکھا کہ بری حالت میں ہے۔ جب حضرت عباسؓ نے ابولہب سے حال پوچھا تو ابولہب نے کہا جب سے میں مرا ہوں ہمیشہ بری حالت میں رہتا ہوں لیکن پیر کے دن محمد ﷺ کی پیدائش کی خبر سنکر میں نے اس خوشی میں اپنی باندی ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا۔ اس لئے اس روز میرے اس عذاب میں ذرا تخفیف کر دی جاتی ہے اس اختلافی مسئلہ کی مزید تفصیل کے لئے کتب احادیث کی طرف رجوع کریں۔

(جمالین فی شرح جلالین)

**وَمِنْهُم مَّن يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ** اور ان مشرکین میں بعضے ایسے ہیں کہ آپ ﷺ کے قرآن پڑھنے کے وقت اس کے سننے کے لئے آپ ﷺ کی طرف کان لگاتے ہیں اور چونکہ یہ سننا طلبِ حق کیلئے نہیں محض تماشے یا تمسخر کی نیت سے ہوتا ہے اس لئے اس سے ان کو کچھ نفع نہیں ہوتا، چنانچہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں۔ اس سے کہ وہ اس (قرآن کے مقصود) کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ بھر دیا ہے کہ وہ اس کو ہدایت کے لئے نہیں سنتے۔ یہ تو ان کے دلوں اور کانوں کی حالت تھی، اب ان کی بصارت اور نگاہ کو دیکھو اگر وہ لوگ (آپ

ﷺ کی صدق نبوت کے ) تمام دلائل کو بھی دیکھ لیں ان پر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ ان کے عناد کی نوبت یہاں تک پہونچی ہے کہ جب یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس آتے ہیں تو آپ ﷺ سے خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں۔

یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پچھلے لوگوں سے (منقول) چلی آرہی ہیں۔ یعنی مذہبی لوگ پہلے سے ایسی باتیں کرتے چلے آئے ہیں کہ معبود ایک ہی ہے اور یہ کہ انسان خدا کا پیغمبر ہوسکتا ہے۔ قیامت میں پھر زندہ ہونا ہے۔ جس کا حاصل عناد اور تکذیب ہے۔ آگے اس سے ترّقی کر کے جدال اور دوسروں کو بھی ہدایت سے روکنے کا کام شروع کیا۔ پھر یہ لوگ اس قرآن سے اوروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی اس سے نفرت ظاہر کرنے کے لئے دور دور رہتے ہیں اور ان حرکتوں سے یہ لوگ اپنے ہی کو تباہ کررہے ہیں اور حماقت اور غایت درجہ بغض سے کچھ خبر نہیں رکھتے کہ ہم کس کا نقصان کررہے ہیں۔ تمہارے اس فعل سے رسول ﷺ اور قرآن کا تو اس سے کچھ بگڑتا نہیں۔ اللہ ربّ العالمین کسی قوم پر عذابِ عام دفعتہً نہیں بھیجتے بلکہ بطور تنبیہ کے تھوڑی سزائیں نازل فرماتے ہیں۔ جن کے ذریعہ سعید و نیک بخت لوگ اپنی غفلت سے باز آکر صحیح راستہ پر لگ سکیں اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو تکلیف اور مصیبت دنیا میں بطور سزا کے دی جاتی ہے اس کی صورت اگرچہ سزا کی ہوتی ہے لیکن حقیقت اس کی سزا نہیں ہوتی بلکہ غفلت سے چونکانے اور بیدار کرنے کے لئے ہوتی ہے جو عین تقاضائے رحمت ہے۔

قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ

یعنی ہم ان کو عذاب اکبر چکھانے سے پہلے ایک عذاب ادنیٰ چکھاتے ہیں تاکہ وہ اب بھی حقیقت کو سمجھ کر اپنے غلط راستہ سے باز آجائیں۔

انہی آیات سے یہ شبہ بھی دور ہوگیا کہ یہ دنیا تو دارالجزا نہیں بلکہ دارالعمل ہے۔ یہاں تو نیک و بد اور خیر و شر ایک ہی پلّے میں تُلتے ہیں۔ بلکہ بدکار نیکوں سے اچھے رہتے ہیں پھر اس دنیا میں سزا جاری ہونے کا کیا مطلب ہو؟ جواب واضح ہے کہ اصل جزا و سزا تو اسی روز قیامت میں ہوگئی۔ جس کا نام ہی یوم الدین یعنی روزِ جزا ہے۔ لیکن کچھ تکلیفیں بطور نمونہ عذاب کے اور کچھ راحتیں بطور نمونہ ثواب کے اس دنیا میں رحمت کے طور پر بھیج دی

جاتی ہیں اور بعض عارفین نے تو یہ فرمایا ہے کہ دنیا کی جتنی نعمتیں اور راحتیں ہیں وہ بھی سب نمونہ ہیں جنت کی راحتوں کا تا کہ انسان کو ان کی طرف رغبت پیدا ہو اور جتنی تکالیف پریشانیاں رنج وغم اس دنیا میں ہیں وہ بھی سب کے سب نمونہ ہیں عذاب آخرت کے تا کہ انسان کو ان سے بچنے کا اہتمام پیدا ہو ورنہ بغیر کسی نمونہ کے نہ کسی چیز کی طرف کسی کو رغبت دلائی جاسکتی ہے اور نہ کسی چیز سے ڈرایا جاسکتا ہے۔ الغرض دنیا کی راحت وتکلیف درحقیقت سزاوجزا نہیں۔ بلکہ سزاوجزا کے نمونے ہیں اور یہ پوری دنیا آخرت کا شوروم ہے جس میں تاجر اپنے مال کے نمونے دکھانے کے لئے دُکان کے سامنے لگا تا ہے کہ ان کو دیکھ کر خریدار کو رغبت پیدا ہو۔ معلوم ہوا کہ دنیا کی رنج وراحت حقیقت میں سزا وجزا نہیں بلکہ خالق سے کٹی ہوئی مخلوق کا رشتہ پھر اپنے خالق سے جوڑنے کی ایک تدبیر ہی ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

4:4 ۔ وَّ جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَھُوْہُ وَفِیْٓ اٰذَانِھِمْ وَقْرًا ط
وَاِذَا ذَکَرْتَ رَبَّکَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَہٗ وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِھِمْ نُفُوْرًا O

(الاسراء -17:46)

اوران کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں کہ اسے سمجھ نہ سکیں اور انکے کانوں میں ثقل پیدا کر دیتے ہیں۔
اور جب تم قرآن میں اپنے پروردگار یکتا کا ذکر کرتے ہو تو وہ بدک جاتے اور پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔

And We put covers on their hearts barring them from understanding it, and (We put) deafness in their ears; and when you refer to your Lord alone (without referring to their presumed deities,) in the Qurán, they turn their backs in aversion.

وَّ جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَھُوْہُ اوران کے دلوں پر قرآن فہمی سے روکنے والے پردے ڈال دیتے ہیں یعنی ایسے پردے جو دلوں کو چھپا لیتے ہیں اور حق کو سمجھنے اور قبول کرنے سے رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

وَفِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَقۡرًا ... اوران کے کانوں میں ڈاٹ لگادیتے ہیں تاکہ کان قبول سے نہ سن سکیں (معنی کا فہم دل سے ہوتا ہے اور الفاظ کانوں سے سنے جاتے ہیں) اور قرآن اپنی معنویت کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے اور لفظی ساخت کے اعتبار سے بھی۔ اس لئے مشرکوں کے دل پر بھی اللہ نے پردہ ڈال دیا کہ معنوی اعجاز کو سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں بھی گرانی پیدا کردی کہ لفظی اعجاز کو سن نہ سکیں۔

وَاِذَا ذَکَرۡتَ رَبَّکَ فِی الۡقُرۡاٰنِ وَحۡدَہٗ وَلَّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِہِمۡ نُفُوۡرًا ۝

اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ لوگ نفرت کرتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں یعنی اگر اللہ کے ساتھ ان کے معبودوں کا ذکر نہ ہو تو وہ محض توحید کا ذکر سن کر بدِ کتے اور بھاگتے اور نفرت کرتے ہیں۔ نُفُوۡرًا بھاگنا، نفرت کرنا۔

(تفسیر مظہری)

قرطبی نے سعید بن جبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ جب قرآن میں سورۃ تبت یدا ابی لھب نازل ہوئی جس میں ابولہب کی بیوی کی مذمت مذکور ہے تو اس کی بیوی آپ ﷺ کی مجلس میں گئی اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ مجلس میں موجود تھے اس کو آتے دیکھ کر آپ ﷺ سے صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ یہاں سے ہٹ جائیں تو بہتر ہے کیونکہ یہ عورت بڑی بدزبان ہے یہ ایسی باتیں کہے گی جس سے آپ کو تکلیف ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا! نہیں اس کے اور میرے درمیان اللہ تعالیٰ پردہ حائل کردیں گے۔ چنانچہ وہ آپ کی مجلس میں پہنچی مگر رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھ سکی تو صدیق اکبرؓ کو مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ آپؓ کے ساتھی نے ہماری ہجو کی ہے۔ صدیق اکبر نے کہا! واللہ وہ تو کوئی شعر ہی نہیں کہتے جس میں عادۃ ہجو کی جاتی ہے تو وہ یہ کہتی ہوئی چلی گئی کہ تم بھی اس کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو۔ اس کے چلے جانے کے بعد صدیق اکبرؓ نے عرض کیا! کیا اس نے آپ ﷺ کو دیکھا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا جب تک وہ یہاں رہی میرے اور اس کے درمیان ایک فرشتہ پردہ کرتا رہا۔

(معارف)

اَکِنَّة، کنان کی جمع ہے، ایسا پردہ جو دلوں پر پڑ جائے،

وَقْرٌ، گراں گوشی، ثقل سماعت، ڈاٹ، بہرا پن، جو قرآن سننے سے مانع ہو۔

مطلب یہ ہے کہ ان کے دل قرآن کے سمجھنے سے قاصر اور کان قرآن سن کر ہدایت قبول کرنے سے عاجز ہیں اور اللہ کی توحید سے تو ان کو اتنی نفرت ہے کہ توحید کا نام سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

(جمالین فی شرح جلالین)

جب آپ ﷺ (تبلیغ کے لئے) قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ ﷺ کے اور ان لوگوں کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ پردہ یہ ہے کہ ہم ان کے دلوں پر حجاب ڈال دیتے ہیں۔ اس سے کہ وہ اس قرآن کے مقصود کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ ڈال دیتے ہیں اس سے کہ وہ ان کو ہدایت حاصل کرنے کے لئے سنیں مطلب یہ ہے کہ وہ پردہ ان کی کم فہمی کا ہے اور اس کا ہے کہ وہ سمجھنے کا ارادہ ہی نہیں کرتے جس سے وہ آپ ﷺ کی شان نبوت کو پہچان سکیں اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے رب کے اوصاف و کمالات کا ذکر کرتے ہیں اور یہ لوگ جن معبودوں کی عبادت کرتے ہیں ان میں وہ اوصاف ہی نہیں تو وہ اپنی نافہمی بلکہ کج فہمی کے سبب اس سے نفرت کرتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں۔ جس وقت یہ لوگ آپ ﷺ کی طرف کان لگاتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے یہ قرآن کو سنتے ہیں کہ وہ غرض محض اعتراض اور طعن ونکتہ چینی کی ہے اور جس وقت یہ لوگ قرآن سننے کے بعد آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں تو ہم اس کو بھی خوب جانتے ہیں۔ جبکہ یہ ظالم یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ یعنی ان کی برادری میں سے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگ گئے ہیں محض ایسے شخص کا ساتھ دے رہے ہیں جس پر جادو کا خاص اثر ہے یعنی جنوں کا اثر ہو گیا ہے یہ جو عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں یہ سب مالیخولیا ہے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ذرا آپ ؐ دیکھئے تو یہ لوگ آپ ﷺ کے لئے کیسے کیسے القاب تجویز کرتے ہیں سو یہ لوگ بالکل ہی گمراہ ہو گئے تو اب حق کا راستہ نہیں پا سکتے کیونکہ ایسی ہٹ دھرمی اور ضد اور پھر اللہ کے رسول کے ساتھ ایسا معاملہ اس سے انسان کی استعداد فہم وہدایت سلب ہو جاتی ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

4:5 ۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ○

(الکہف -18:57)

اوراس سے ظالم کون جس کو اس کے پروردگار کے کلام سے سمجھایا گیا تو اس نے اس سے منہ پھیر لیا اور جو اعمال وہ آگے کر چکا اس کو بھول گیا۔ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ اسے سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں ثقل پیدا کر دیا ہے (کہ سن نہ سکیں)۔ اور اگر تم ان کو راستے کی طرف بلاؤ تو کبھی راستہ پر نہ آئیں گے

Who is more unjust than the one who was reminded through the sign of his Lord, but he turned away from them, and forgot what his own hands sent ahead. Indeed We have put covers on their hearts that bar them from understanding it, and (We have created) deafness in their ears. And if you call them to guidance, even then they will never adopt the right path.

## بدترین شخص کون ہے؟

فی الحقیقت اس سے بڑھ کر گناہگار کون ہے جس کے سامنے اس کے پالنے پوسنے والے کا کلام پڑھا جائے اور وہ اس کی طرف التفات تک نہ کرے اس سے مانوس نہ ہو بلکہ منہ پھیر کر انکار کر جائے اور بد اعمالیاں اور سیاہ کاریاں اس سے پہلے کی ہیں انہیں بھی فراموش کر جائے۔ اس ڈھٹائی کی سزا یہ ہوتی ہے کہ دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں پھر قرآن و بیان کا سمجھنا نصیب نہیں ہوتا۔ کانوں میں گرانی ہو جاتی ہے۔ بھلی بات کی طرف توجہ نہیں رہتی۔ اب لاکھ دعوت ہدایت دو لیکن ہدایت مشکل ومحال ہے۔ اے نبی! تیرا رب بڑا ہی مہربان بہت اعلیٰ رحمت والا ہے۔ اگر وہ گنہگار کی سزا جلدی کر ڈالا کرتا تو زمین پر کوئی جاندار باقی نہ بچتا۔ وہ لوگوں کے ظلم سے درگزر کر رہا ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ پکڑے گا ہی نہیں۔ یاد رکھو وہ سخت عذابوں والا ہے یہ تو اس کا حلم ہے پردہ پوشی ہے معافی ہے تا کہ گمراہی والے راہ راست پر آ جائیں۔ گناہوں والے توبہ کر لیں اور اس کے دامن رحمت

کو تھام لیں۔ لیکن جس نے اس حلم سے فائدہ نہ اُٹھایا اور اپنی سرکشی پر جما رہا تو اس کی پکڑ کا دن قریب ہے جو اتنا سخت دن ہوگا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے، حمل گر جائیں گے۔ اس دن کوئی جائے پناہ نہ ہوگی کوئی چھٹکارے کی صورت نہ ہوگی۔ یہ ہیں تم سے پہلے کی امتیں کہ وہ بھی تمہاری طرح کفر و انکار میں پڑ گئیں اور آخر کار مٹا دی گئیں۔ ان کی ہلاکت کا مقررہ وقت آ پہنچا اور وہ تباہ و برباد ہو گئیں۔ پس اے منکرو! تم بھی ڈرتے رہو تم اشرف الرسل اعظم ہی کو ستا رہے اور انہیں جھٹلا رہے ہو حالانکہ اگلے کفار سے تم قوت طاقت میں سامان اسباب میں بہت کم ہو میرے عذابوں سے ڈرو میری باتوں سے نصیحت پکڑو۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیات کے ذریعہ سے نصیحت کی گئی اور اس نے آیات سے منہ پھیر لیا اور جو کچھ وہ پہلے کر چکا ہے اس کے نتیجہ کو بھول گیا۔ یعنی اس شخص سے بڑھ کر اور کوئی ظالم نہیں جس کو قرآن کی آیات سے نصیحت کی گئی اور آیات کے الفاظ و معانی کا معجزہ ہونا اس پر واضح ہو گیا پھر بھی اس نے آیات پر غور نہیں کیا اور نصیحت پذیر نہ ہوا اور جو گناہ پہلے کر چکا ہے اس کے انجام کو نہیں سوچا۔
(سب کو بھولا بسرا کر دیا)

اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ

وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝

ہم نے اس حق بات کے سمجھنے سے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اور اس کے سننے سے ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر ان کو راہ راست کی طرف بلائیں تو ایسی حالت میں وہ ہرگز کبھی راہ راست پر نہیں آئیں گے۔

اِنَّا جَعَلْنَا یہ منہ موڑنے اور بھولنے کی علت وسبب کا بیان ہے کہ ان کے دلوں پر کفر کی تاریکیوں کے پردے ڈال دیئے گئے ہیں۔ ان کی تخلیق ہی کفر پر ہوئی ہے۔

اَنْ يَّفْقَهُوْهُ آیات رب کے سمجھنے سے کفر کے پردے ڈال دیئے گئے ہیں۔ یعنی تاریکی کے پردے ڈالنے کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ سمجھ نہیں پاتے، سمجھ نہیں سکتے آیات رب سے مراد چونکہ قرآن ہے۔

وَقْرًا بوجھ، گرانی مراد یہ ہے کہ ان کے کانوں میں پورے طور پر سننے کی صلاحیت ہی ہم نے نہیں عطا کی۔

اَذًا اس وقت یعنی جب دلوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں میں گرانی پیدا کر دی تو ایسے وقت میں وہ ہرگز ہدایت یاب نہیں ہو سکتے ہدایت یابی کی استعداد وصلاحیت ہی معدوم ہے۔ اس آیت میں وہ کافر مراد ہیں جن کا کبھی بھی ایمان نہ لانا اللہ کے علم میں تھا۔

(تفسیر مظہری)

ان کے حالات سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کو عذاب ہی کا انتظار ہے ورنہ اور سب حجتیں تو تمام ہو چکی ہیں اور رسولوں کو تو صرف بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا کرتے ہیں جس کے لئے معجزات وغیرہ کے ذریعہ کافی دلائل ان کے ساتھ کر دئے جاتے ہیں۔ اس سے زائد ان سے کوئی فرمائش کرنا جہالت ہے اور کافر لوگ ناحق کی باتیں پکڑ پکڑ کر جھگڑے نکالتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ حق بات کو جھٹلا دیں اور انہوں نے میری آیتوں کو اور جس عذاب سے ان کو ڈرایا گیا تھا اس کو دل لگی بنا رکھا ہے۔ اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے پھر وہ اس سے رد گردانی کرے اور جو کچھ اپنے ہاتھوں گناہ سمیٹ رہا ہے اس کے نتیجہ کو بھول جائے۔ ہم نے اس حق بات کے سمجھنے سے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اور اس کے سننے سے ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے اور ان اس وجہ سے ان کا حال یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ ان کو راہ راست کا طرف بلائیں تو ہرگز راہ پر نہ آئیں۔ کیونکہ کانوں سے دعوت حق سنتے نہیں دلوں سے سمجھتے نہیں۔ اس لئے آپ ﷺ غم نہ کریں اور تاخیر عذاب کی وجہ سے جو ان کو یہ خیال ہو رہا ہے کہ عذاب آئے گا ہی نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا رب بڑا مغفرت کرنے والا بڑا رحمت والا ہے۔ اس لئے مہلت رکھی ہے کہ اب ان کو ہوش آ جائے اور ایمان لے آئیں تو ان کی مغفرت کر دی جائے ورنہ ان کے اعمال تو ایسے ہیں کہ اگر ان کے اعمال پر گرفت کرنے لگتا تو ان پر فوراً ہی عذاب واقع کر دیتا۔ مگر ایسا نہیں کرتا ان کے عذاب کے واسطے ایک معین وقت ٹھہرا رکھا ہے یعنی روز قیامت۔ یعنی اس وقت کے آنے سے پہلے کسی پناہ کی جگہ میں جا چھپیں اور اس سے محفوظ رہیں اور یہی قاعدہ پہلے

کفار کے ساتھ برتا گیا۔ چنانچہ یہ بستیاں جن کے قصے مشہور و مذکور ہیں جب انہوں نے یعنی ان کے بستی والوں نے شرارت کی تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کے ہلاک ہونے کے لئے وقت معین کیا تھا۔ اسی طرح ان موجودہ لوگوں کے لئے بھی وقت معین ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

4:6 ۔ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِن م

بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْن O

[سورة فصلت (حم السجده) . 41:5]

اور کہنے لگے کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں۔
اور ہمارے کانوں میں رکاوٹ (یعنی بہرا پن ہے)۔ اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے تو تم
(اپنا) کام کرو ہم (اپنا) کام کرتے ہیں۔

And they Say, :Our hearts are (wrapped) in covers against that (faith) to which you invite us, and there is deafness in our ears, and there is a barrier between you and us. So, do (in your way) We too are doing (in our way)

( وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ ) اکنۃ کنان کی جمع ہے پردے۔ سرپوش

مِّـمَّـا تَدْعُوْنَآ یعنی جس توحید کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو اس کی طرف سے ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں۔ اس لئے دعوت ہم قبول نہیں کرتے۔ اس طرح جیسے کوئی بے عقل اور مکمل بہرا ہو جو نہ کچھ سمجھتا ہو نہ سنتا ہو۔

حجاب یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان دین کا اختلاف ہے۔ جو ہم کو تمہارے ساتھ جڑ جانے اور مل جانے سے روکتا ہے اور یہ حجاب بھی ایسا ہے جو ہم دونوں کی درمیانی مسافت کو پر کر دینے والا ہے۔ دونوں کے

درمیان کوئی خلاء نہیں ہے کہ ایک فریق دوسرے کی طرف بڑھ سکے اور مائل ہو سکے۔

**فاء عمل** سو آپ اپنے مذہب کے مطابق کام کریں یا یہ مطلب کہ آپ ہمارے افکار و اعمال کے خلاف کام کئے جائیں۔

**انــنـا عـمـلـون** ہم اپنے مذہب پر عمل کریں گے یا یہ مطلب کہ آپ کے دین کو باطل کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔

(تفسیر مظہری)

## ناسمجھی کے کرشمے:

یہی وجہ یہ کہ اس نسخہ کیمیا کی طرف ایسے نادان لوگ کبھی بھی دھیان بھی نہیں دیتے۔ سننا تو درکنار اور پھر سننا بھی دل کے اور قبولیت کے کانوں سے وہ تو بہت دور کی بات ہے اور صرف یہی نہیں کہ نصیحت پر کان دھرتے بلکہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ اس لئے تمہاری کوئی بات وہاں تک نہیں پہنچتی اور ہمارے کان اونچا سنتے ہیں۔ تمہاری باتیں پلے نہیں پڑتیں ہمارے تمہارے درمیان پردہ پڑا ہوا ہے اس لئے باہم مناسبت نہیں۔ بلکہ دشمنی کی جو دیواریں کھڑی ہوئی ہیں اور عداوات کی جو خلیج حائل ہے جب تک وہ نہیں ہٹے گی ایک دوسرے تک نہیں پہنچ سکیں گے اور یہ ناممکن ہے۔ پھر فضول کیوں اپنا سر کھپاتے ہو۔ ہر ایک کو اپنے اپنے کام میں لگنا چاہئے۔ ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دو اس کی امید نہ رکھو کہ ہم کبھی تمہاری نصیحت پر کان دھرنے والے ہیں۔

کفار کا منشاء تو یہ تھا کہ ہم میں بالکل استعداد نہیں ہے اور قطعاً صلاحیت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ کہنا غلط ہے۔ چنانچہ یہاں اسی کی تردید کی جا رہی ہے اور حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر غلاف اور کانوں پر ڈاٹ لگنے کو جو فرمایا ہے اس سے مراد قوی استعداد کا انکار ہے اور یہ صحیح ہے پس کفار کا بہانہ بازی کرنا غلط اور حق تعالیٰ کا فرمانا بجا و درست۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ ان باتوں کے کہنے سے کفار کی غرض تو کفر پر جمے رہنے کا اظہار تھا اور یہ بڑا مقصد

ہے۔ یہاں اسی معنی کا رد کیا گیا ہے اور حق تعالیٰ کے فرمانے کا مقصد ان سے ہدایت کی توفیق کا سلب کر لینا ہے۔ جو نتیجہ ہے خود ان کے اعمال بد کا۔ غرض یہ کہ کفار کے اقوال کی تردید بلحاظ غرض ہو رہی ہے۔

(کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

مفتی محمد شفیع عثمانیؒ فرماتے ہیں!

ان سے نفع وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں قرآن ایسے لوگوں کو بشارت دینے والا ہے اور نہ ماننے والوں کے لئے ڈرانے والا ہے۔ اس کا تقاضہ یہ تھا کہ سبھی اس پر ایمان لاتے مگر اکثر لوگوں نے روگردانی کی پھر وہ سنتے ہی نہیں اور جب آپ ان کو سناتے ہیں تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف آپ ہم کو بلاتے ہیں ہمارے دل اس سے پردوں میں ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوی ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب ہے۔ سو آپ ﷺ اپنا کام کئے جایئے ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔ یعنی ہم سے قبول کی امید نہ رکھئے ہم اپنے طریقہ کار کو نہ چھوڑیں گے آپ ﷺ فرمادیجئے کہ تمہیں ایمان پر مجبور کر دینا تو میرے بس کی بات نہیں۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ اس جگہ کفار قریش کے تین قول نقل کئے گئے اول یہ کہ آپ کے کلام سے ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ آپ کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ دوسرے یہ کہ آپ کے پیغام سے ہمارے کان بہرے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان پردے حائل ہیں۔ قرآن نے اس قول کو بطور مذمت کے نقل کیا ہے۔ جس سے ان کا کہنا غلط معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو مجبور نہیں قرار دیا بلکہ یہ کہ ان میں ایات الٰہیہ کو سننے اور سمجھنے کی پوری صلاحیت تھی۔ مگر جب انہوں نے کسی طرح ادھر کان بھی نہ لگائے اور سمجھنے کا ارادہ بھی نہ کیا تو سزا کے طور پر ان پر غفلت و جہالت مسلط کر دی گئی۔ مگر وہ بھی اس درجہ میں نہیں کہ یہ لوگ بے اختیار ہو جائیں۔ بلکہ اب بھی ارادہ کر لیں تو پھر سننے اور سمجھنے کی صلاحیت عود کر آئیں گی۔

## منکرین کے انکارواستہزاد کا پیغمبرانہ جواب:

کفار نے جو اپنے دلوں پر پردے کانوں میں بوجھ وغیرہ کا اقرار کیا۔ یہ تو ظاہر ہے اس سے مراد یہ نہ تھا کہ ان میں عقل نہیں یا بہرے ہیں۔ بلکہ ایک قسم کا استہزا اور مستخر تھا۔ مگر اس ظالمانہ جرأت واستہزاء کا جو جواب رسول اللہ ﷺ کو تلقین کیا گیا وہ یہ تھا کہ ان کے مقابلہ میں کوئی تشدد کی بات نہ کریں بلکہ اپنی تواضع کا اظہار کریں کہ اللہ ہی ہے جو ہر کام کا مالک ومختار ہے۔ بلکہ میں تو تم ہی جیسا ایک انسان ہوں فرق صرف اس کا ہے کہ مجھے میرے رب نے وحی بھیج کر ہدایت کی اس کی تائید کے لئے معجزات دیئے۔ جس کا اثر یہ ہونا چاہتے تھا کہ تم سب مجھ پر ایمان لاتے اور اب بھی تمہیں یہی وصیت کرتا ہوں کہ اپنا رخ عبادت واطاعت میں صرف ایک اللہ کی طرف کرلو اور پچھلے گناہوں سے توبہ کرلو۔

(تفسیر معارف القرآن)

# 5 ۔ ٹیڑھے دل

5:1۔ هُوَ الَّذِیَ أَنزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُّحْکَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْکِتَابِ
وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِیْنَ فیْ قُلُوبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاء
الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاء تَأْوِیْلِهِ وَمَا یَعْلَمُ تَأْوِیْلَهُ إِلاَّ اللّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِیْ الْعِلْمِ یَقُولُونَ
آمَنَّا بِهِ کُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الألْبَابِ o

(آلِ عمران -3:7)

وہی تو ہے جن نے تم پر کتاب نازل کی۔ جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں تو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں۔ تا کہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں۔ حالانکہ مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں کامل دسترس رکھتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں۔

He is the One who has revealed to you the Book (The Quran). Out of it there are versed that are Muhkamat (of established meaning), which are the principal verses of the Book, and some others are Mutashabihat (whose definite meaning are unknown). Now those who have perversity in their hearts go after such part of it as is mutashabih, seeking ( to create) discord and searching for its interpretation (that meets their desires), while no one knows its interpretation except Allah: and those well-grounded in knowledge say: We believe therein: all is form our Lord. Only the men of understanding observe the advice.

ٹیڑھے دل کا تذکرہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تین مقامات پر فرمایا۔
سورۃ آل عمران کی اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

قرآن میں ایسی آیتیں بھی ہیں. جن کا بیان بہت واضح بالکل صاف اور سیدھا ہے۔ ہر شخص اس کو سمجھ سکتا ہے انہیں آیات محکمات کہتے ہیں۔ اور بعض آیتیں ایسی بھی ہیں جن کے مطلب تک عام ذہنوں کی رسائی نہیں ہوسکتی انہیں متشابہات کہتے ہیں۔ اب جو لوگ نہ سمجھ میں آنے والی آیتوں کے مفہوم کو پہلی قسم کی آیتوں کی روشنی میں سمجھ لیں یعنی جس مسئلہ کی صراحت جس آیت میں پائیں لے لیں وہ تو راستی پر ہیں اور جو صاف اور صریح آیتوں کو چھوڑ کر ایسی آیتوں کو دلیل بنائیں جو ان کے فہم سے بالاتر ہیں ان میں الجھ جائیں تو منہ کے بل گر پڑیں۔ ام الکتاب یعنی کتاب اللہ اصل اصولوں کی وہ صاف اور واضح آیتیں ہیں۔ شک وشبہ میں نہ پڑو اور کھلے احکام پر عمل کرو۔ انہی کو فیصلہ کرنے والی مانو اور جو نہ سمجھ میں آئے اسے بھی ان سے ہی سمجھو۔ بعض اور آیتیں بھی ہیں کہ ایک معنی تو ان کا ایسا نکلتا ہے جو ظاہر آیتوں کے مطابق ہو اور اس کے سوا اور معانی بھی نکلتے ہیں گو وہ حرف لفظ اور ترکیب کے اعتبار سے واقعی طور پر نہ ہو تو ان غیر ظاہر معنوں میں نہ پھنسو۔ محکم متشابہ کے بہت سے معنی اسلاف سے منقول ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے ہیں کہ محکمات وہ ہیں جو ناسخ ہوں جن میں حلال وحرام احکام حکم ممنوعات حدیں اور اعمال کا بیان ہو۔

حضرت ابوفاختہؒ فرماتے ہیں اس سورت کے شروع میں فرائض اور احکام اور روک ٹوک اور حلال وحرام کی آیتیں ہیں۔ سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں انہیں اصل کتاب اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام کتابوں میں ہیں۔ حضرت مقاتل کہتے ہیں اس لئے کہ تمام مذہب والے انہیں مانتے ہیں۔ متشابہات ان آیتوں کو کہتے ہیں جو منسوخ ہیں، جو پہلے اور بعد کی ہیں اور جن میں مثالیں دی گئیں ہیں اور قسمیں کھائی گئی ہیں اور جن پر صرف ایمان لایا جاتا ہے اور عمل کیلئے وہ احکام نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی فرمان ہے حضرت مقاتل فرماتے ہیں اس سے مراد سورتوں کے شروع کے حروف مقطعات ہیں۔ حضرت مجاہد کا قول یہ ہے کہ ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والی ہیں۔

جیسے اور جگہ یہ آیت

( كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ ) (39۔الزمر 23)

[ایک کتاب ہے جس کی باتیں (نظم اور معنی میں) میں ایک دسرے سے ملتی جلتی ہیں]

متشابہ وہ ہے جہاں دو مقابل کی چیزوں ذکر ہو جیسے جنت ودوزخ کی صفت، نیکوں اور بدوں کا حال وغیرہ وغیرہ۔ حضرت محمد بن اسحاق بن یسارؒ فرماتے ہیں یہ رب کی حجت ہے ان میں بندوں کا بچاؤ ہے، جھگڑوں کا فیصلہ ہے، باطل کا خاتمہ ہے انہیں ان کے صحیح اور اصل مطلب سے کوئی گھما نہیں سکتا نہ ان کے معنی میں ہیر پھیر کر سکتا ہے۔ متشابہات کی سچائی میں کلام نہیں ان میں تصرف وتاویل نہیں کرنی چاہئے۔ ان سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ایمان کو آزماتا ہے جیسے حلال حرام سے آزماتا ہے۔ انہیں ان سے مطلب نکالنے میں باطل کی طرف لے جانا اور حق سے پھیرنا نہیں چاہئے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن کے دلوں میں کجی ٹیڑھ پن گمراہی اور حق سے باطل کی طرف ہی ہے وہ تو متشابہ آیتوں کو لے کر اپنے بدترین مقاصد کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور لفظی اختلاف سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے مذموم مقاصد کی طرف موڑ لیتے ہیں اور جو محکم آیتیں ہیں ان میں ان کا وہ مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کی طرف دیکھتے تک نہیں، کیونکہ ان کے الفاظ بالکل صاف اور کھلے ہوئے ہوتے ہیں نہ وہ انہیں ہٹا سکتے ہیں نہ ان سے اپنے لئے دلیل حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی لئے فرمان ہے کہ اس سے ان کا مقصد فتنہ کی تلاش ہوتی ہے تا کہ اپنے ماننے والوں کو بہکائیں اپنی بدعتوں کی مدافعت کریں۔ جیسا کہ عیسائیوں نے قرآن کے الفاظ روح اللہ اور کلمۃ اللہ سے حضرت عیسیٰؑ کے اللہ کا بیٹا ہونے کی دلیل لی ہے۔ پس اس متشابہ آیت کو لے کر صاف آیت جس میں یہ لفظ ہیں کہ (ان هوا لا عبد ..الخ) یعنی حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بندے ہیں جن پر اللہ کا انعام ہے۔ اور جگہ آیت ہے۔

(اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ط)

(3۔آل عمران:59)

یعنی حضرت عیسیٰؑ کو مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت آدمؑ کی طرح ہے کہ انہیں اللہ نے مٹی سے پیدا کیا پھر اسے کہا کہ ہوجا وہ ہوگیا۔ چنانچہ اسی طرح اور بھی بہت سی صریح آیتیں ہیں۔ ان سب کو چھوڑ دیا اور متشابہ آیتوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کا بیٹا ہونے پر دلیل لے لی۔ حالانکہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ان کی دوسری غرض آیت کی تحریف ہوتی ہے تا کہ اسے اپنی جگہ سے ہٹا کر مفہوم بدل لیں۔ حضور ﷺ نے یہ آیتِ مذکورہ پڑھ کر فرمایا! جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیتوں میں جھگڑتے ہیں تو

انہیں چھوڑ دو۔ صحیح بخاری میں مروی ہے ملاحظہ ہو کتاب القدر ایک اور حدیث میں ہے یہ لوگ خوارج ہیں (مسند احمد)۔ پس اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ موقوف سمجھ لیا جائے۔ مضمون صحیح ہے اس لئے کہ پہلی بدعت خوارج نے ہی پھیلائی ہے ۔ یہ فرقہ محض دنیاوی فکر کی وجہ سے مسلمانوں سے الگ ہوا۔

حضور ﷺ نے جس وقت جنگ حنین کی غنیمت کا مال تقسیم کیا اس وقت ان لوگوں نے اسے عدل کے خلاف سمجھا اوران میں سے ایک شخص نے (جس کا نام ذوالخویصرہ تھا) کہا جاتا ہے حضور ﷺ کے سامنے آ کر صاف کہا کہ حضرت عدل کیجئے۔ آپ ﷺ نے اس تقسیم میں انصاف نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! مجھے اللہ نے امین بنا کر بھیجا ہے، اگر میں بھی عدل نہیں کروں تو پھر کون کرے گا، جو شک کرے وہ برباد ہوا اور نقصان اٹھائے۔ جب وہ پلٹا تو حضرت عمر فاروقؓ نے درخواست کی کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں اسے مار ڈالوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا چھوڑ دو اس کے ہم خیال ایک ایسی قوم پیدا ہوگی کہ تم لوگ اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلہ اور اپنی قرآن خوانی کو ان کی قرآن خوانی کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے۔ لیکن دراصل وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ تم جہاں انہیں پاؤ گے قتل کرو گے۔ انہیں قتل کرنے والے کو بڑا ثواب ملے گا۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ میں ان کا ظہور ہوا اور آپؓ نے انہیں نہروان میں قتل کیا۔ پھر ان میں پھوٹ پڑی تو ان کے مختلف الخیال فرقے پیدا ہو گئے۔ نئی نئی بدعتیں دین میں جاری ہو گئیں اور اللہ کی راہ سے بہت دور چلے گئے۔ ان کے بعد قدریہ فرقے کا ظہور ہوا پھر معتزلہ پھر جہمیہ وغیرہ پیدا ہوئے اور حضور ﷺ کی پیشنگوئی پوری ہوئی کہ میری امت میں عنقریب تہتر فرقے ہوں گے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک جماعت کے۔ صحابہؓ نے پوچھا وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! **وہ جو اس چیز پر ہوں جس پر میں ہوں اور میرے اصحابؓ ہیں۔**

(مستدرک حاکم)

ابو یعلیٰ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ایک قوم پیدا ہوگی جو قرآن تو پڑھے گی لیکن اسے اس طرح پھینکے گی جیسے کوئی کھجور کی گٹھلیاں پھینکتا ہو۔ اس کے غلط مطالب بیان کرے گی، پھر فرمایا! اس کی حقیقی تاویل اور واقعی مطلب اللہ ہی جانتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ تو فرماتے ہیں تفسیر چار قسم کی

ہے، ایک وہ جس کے سمجھنے میں کسی کو مشکل نہیں، ایک وہ جسے عرب اپنے لغت سے سمجھتے ہیں، ایک وہ جسے جید علماء اور پورے علم والے ہی جانتے ہیں اور ایک وہ جسے بجز ذات الٰہی کے اور کوئی نہیں جانتا۔

معجم کبیر میں حدیث ہے کہ مجھے اپنی امت پر صرف تین باتوں کا ڈر ہے۔ مال کی کثرت کا جس سے حسد و بغض پیدا ہوگا اور آپس کی لڑائی ہوگی۔ دوسرا یہ کہ کتاب اللہ کی تاویل کا سلسلہ شروع ہوگا حالانکہ اصلی مطلب ان کا اللہ ہی جانتا ہے اور اہل علم والے کہیں گے کہ ہمارا اس پر ایمان ہے۔ تیسرے یہ کہ علم حاصل کرنے کے بعد اس سے بے پرواہی کر دیں گے۔

قرآن اس لئے نہیں اترا کہ ایک آیت دوسری آیت کی مخالف ہو جس کا تمہیں علم ہوا اور اس پر عمل کرو اور جو متشابہ ہوں ان پر ایمان لاؤ (ابن مردویہ)۔ ابن عباسؓ، عمر بن عبدالعزیز اور حضرت مالک بن انس سے بھی یہی مروی ہے کہ بڑے سے بڑے عالم بھی اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتے۔ ہاں اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ پختہ علم والے یہی کہتے ہیں اس کی تاویل کا علم اللہ ہی کو ہے کہ اس پر ہمارا ایمان ہے۔ ابی بن کعبؓ بھی یہی فرماتے ہیں امام ابن جریر بھی اسی سے اتفاق کرتے ہیں یہ تو تھی وہ جماعت جو الا اللہ پر وقف کرتی تھی اور بعد کے جملہ کو اس سے الگ کرتی تھی۔ کچھ لوگ یہاں نہیں ٹھہرتے اور فی العلم پر وقف کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے میں ان راسخ علماء میں ہوں جو تاویل جانتے ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں راسخ علم والے تفسیر جانتے ہیں۔ حضرت محمد بن جعفر بن زبیر فرماتے ہیں کہ اصل تفسیر اور مراد اللہ ہی جانتا ہے اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے پھر متشابہات آیتوں کی تفسیر محکمات کی روشنی میں کرتے ہیں جن میں کسی کو بات کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ قرآن کے مضامین ٹھیک ٹھاک سمجھ میں آتے ہیں۔ دلیل واضح ہوتی ہے عذر ظاہر ہو جاتا ہے باطل چھٹ جاتا ہے اور کفر دفع ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کیلئے دعا کی کہ اے اللہ! انہیں دین کی سمجھ دے اور تفسیر کا علم دے۔ بعض علماء نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا ہے، قرآن کریم میں تاویل دو معنی میں آئی ہے۔ ایک معنی جن سے مفہوم کی اصلی حقیقت اور اصلیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

جیسے قرآن میں ہے آیت

(وَقَالَ یٰٓاَبَتِ ھٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْ یَایَ مِنْ قَبْلُ ز قَدْ جَعَلَھَا رَبِّیْ حَقًّا ط)

(۱۲۔سورۃ یوسف۔۱۰۰)

یوسفؑ نے کہا کہ ابا جان یہ میرے اُس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے

(بچپن میں) دیکھا تھا میرے رب نے اُسے سچ کر دیا

اور جگہ آیت ہے

(ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَهٗ ط یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ

نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَ تْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ج )

(۷۔سورۃ اعراف ۔۵۳)

کیا یہ لوگ اس کے وعدہٴ عذاب کے منتظر ہیں؟ جس دن وہ وعدہ آ جائے گا تو جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے ہوں گے وہ بول اٹھیں گے کہ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق لے کر آئے تھے ۔

کافروں کے انتظار کی حد حقیقت کے ظاہر ہونے تک ہے اور یہ دن وہ ہوگا جب حقیقت سچائی کی گواہ بن کر نمودار ہوگی۔ پس ان دونوں جگہوں پر تاویل سے مراد حقیقت ہے۔

جیسے اور جگہ ہے آیت

(لِلْفُقَرَآءِ الْـمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ

اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ

وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط قف وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِکَ

هُـمُ الْمُفْلِحُوْن ۝ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآاِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ O )

(59۔الحشر: 10. 8)

ان مفلسانِ تارک الوطن کے لئے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جدا) کر دیئے گئے ہیں (اور) اللہ کے فضل اوراس کی خوشنودی کے طلبگار اور اللہ اوراس کے پیغمبر کے مددگار ہیں یہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں۔۸۔ اور (ان لوگوں کے لئے بھی) جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینے) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور) خلش نہیں پاتے اوران کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود ضرورت ہی ہو اور جو شخص حرصِ نفس سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔۹۔ اور (ان کے لئے بھی) جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔۱۰

دوسری جگہ ہے آیت

( وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا)

(89۔الفجر:22)

اور تمہارا پروردگار (جلوہ فرما ہوگا) اور فرشتے قطار باندھ کر آموجود ہوں گے۔

یعنی وجاء الملا ئکته صفو فا صفو ف۱ اوران کی طرف سے یہ خبر کہ ہم اس پر ایمان لائے اس کے یہ معنی ہوں گے متشابہ پر ایمان لائے پھر اقرار کرتے ہیں کہ یہ سب یعنی محکم اور متشابہ حق اور سچ اور یعنی ہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے اور گواہی دیتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالی کی طرف سے ہے۔ اس میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں۔

جیسے اور جگہ ہے آیت

اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا

فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا O

(4۔النسآء 82)

یعنی کیا یہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا اس میں بہت سا اختلاف ہوتا۔

اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ اسے صرف عقلمند ہی سمجھتے ہیں جو اس پر غور وتدبر کریں۔ جو صحیح سالم عقل والے ہوں جن کے دماغ درست ہوں۔ حضور ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ پختہ علم والے کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کی قسم سچی ہو، جن کی زبان راست گو ہو جس کا دل سلامت ہو۔ جس کا پیٹ حرام سے بچا ہو اور جس کی شرم گاہ زنا کاری سے محفوظ ہو۔ وہ مضبوط علم والے ہیں۔ (ابن ابی حاتم)

حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے چند لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن شریف کے بارے میں لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! سنو تم سے پہلے لوگ بھی اسی میں ہلاک ہوئے کہ انہوں نے کتاب اللہ کی آیتوں کو ایک دوسرے کیخلاف بنا کر اختلاف کیا حالانکہ کتاب اللہ کی ہر آیت ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے۔ تم ان میں اختلاف پیدا کر کے ایک کو دوسری کے متضاد نہ کہو جو جانو وہی کہو اور جو نہیں جانو اسے جاننے والوں کو سونپ دو۔ (مسند احمد)۔

حدیث میں ہے کہ قرآن سات قرأتوں میں اترا ہے، قرآن میں جھگڑنا کفر ہے۔ قرآن میں اختلاف اور تضاد پیدا کرنا کفر ہے جو جانو اس پر عمل کرو جو نہ جانو اسے جاننے والے کے سپرد کردو۔ (ابویعلیٰ)

## راسخ العلم کون؟

نافع بن یزید کہتے ہیں راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں جو متواضع ہوں جو عاجزی کرنے والے ہوں۔ رب کی

رضا کے طالب ہوں اپنے سے بڑوں سے مرعوب نہ ہوں۔ اپنے سے چھوٹے کو حقیر سمجھنے والے نہ ہوں۔ پھر فرمایا کہ یہ سب دعا کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں کو ہدایت پر جمانے کے بعد انہیں ان لوگوں کے دلوں کی طرح نہ کر جو متشابہ کے پیچھے پڑ کر برباد ہو جاتے ہیں۔ ہمیں اپنی صراطِ مستقیم پر قائم رکھ اور اپنے مضبوط دین پر قائم و دائم رکھ۔ ہم پر اپنی رحمت نازل فرما۔ ہمارے دلوں کو چین و قرار دے۔ ہم سے گندگی کو دور کر۔ ہمارے ایمان و یقین کو بڑھا۔ تو بہت بڑا دینے والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ دعا مانگا کرتے تھے۔

**ربنا لاتزغ** پڑھتے اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ بکثرت یہ دعا پڑھتے تھے۔

حدیث (**اللھم یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک**)۔

حضرت اسماءؓ نے ایک دن پوچھا کیا دل الٹ پلٹ ہو جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں۔ ہر انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے اگر چاہے قائم رکھے اگر چاہے پھیر دے۔ ہماری دعا ہے ہمارا رب دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے۔ اور ہمیں اپنے پاس سے رحمتیں عنایت فرمائے وہ بہت زیادہ دینے والا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسی دعا سکھائیے کہ میں اپنے لئے مانگا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ دعا مانگو

**اللھم رب محمد النبی اغفرلی ذنبی واذھب غیظ قلبی واجر نی من مضلات الفتن.**

اے اللہ! اے محمد نبی ﷺ کے رب! میرے گناہ معاف فرما ۔میرے دل کا غصہ اور رنج اور سختی دور کر اور مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے بچالے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی آپ کی دعا **یامقلب القلوب** سن کر حضرت اسماءؓ کی طرح یہی سوال کیا اور آپؐ نے وہی جواب دیا اور پھر یہ دعا سنائی۔

بخاری و مسلم میں بھی مروی ہے اور نسائی میں ہے کہ حضور ﷺ جب رات کو جاگتے تو یہ دعا پڑھتے

**لا الہ الاانت سبحانک استغفر ک لذ نبی واسئلک رحمۃ اللھم زدنی علما**

**ولا تزغ قلبی بعد اذھد یتنی وھب لی من لد نک رحمۃ انک انت الوھاب** (حدیث)

اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتا ہوں۔ اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں۔ اللہ میرے علم میں زیادتی فرما۔ اور میرے دل کو تونے جو ہدایت دے دی ہے اسے گمراہ نہ کرنا۔ اور مجھے اپنے پاس کی رحمت بخش۔ تو بہت زیادہ دینے والا ہے۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

''وہی ہے جس نے نازل فرمائی پر کتاب (۱) اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں (۲) وہی کتاب کی اصل ہیں (۳) اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں (۴) پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی (۵) سو وہ پیروی کرتے ہیں (صرف) ان آیتوں کی جو متشابہ ہیں قرآن سے (۶) ان کا مقصد فتنہ انگیزی (۷) اور (غلط) معنی کی تلاش ہے (۸) اور نہیں جانتا اس کے صحیح معنی (۹) بغیر اللہ تعالیٰ کے (۱۰) اور پختہ علم والے (۱۱) کہتے ہیں ہم ایمان لائے ساتھ اس کے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے (۱۲) اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر عقلمند۔۱۳''۔

(۱) کتاب سے مراد قرآن حکیم ہے۔

(۲) جن کی عبارات محکم ہیں جن کا مفہوم منطوق اور مقتضٰی کسی بھی ایسے سننے والے پر مشتبہ نہیں ہوتا جو لغت کو جاننے والا ہو یا تامل کے بغیر ہی جس طرح یہ فرمان ہے

قُلْ تَعَا لَوا اَتْلُ مَاحَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ

فرما دیجئے! آؤ میں تلاوت کروں وہ جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے۔

اور اس کا فرمان قضٰی رَبُّکَ اَلَّاتَعْبُدُوْٓا اِلَّآاِیَّا ہُ

تیرے رب نے فیصلہ کیا ہے کہ تم عبادت نہ کرو مگر اس کی۔

اور اس کا ارشاد ہے

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْر

اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع بصیر ہے۔

طلب اور تامل کے بعد اس کا مفہوم واضح ہوتا ہے جبکہ شارع کی طرف سے وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۳) قاموس میں ہے ام والدہ کو کہتے ہیں، ہر چیز کی اصل اس کے ستون، قوم کے رئیس اور وہ چیز جس کے ساتھ اور چیزیں ملی ہوں اس کو ام کہتے ہیں۔ یہاں کتاب بمعنی فرض ہے۔

جیسے آیات کریمہ میں ہے :

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (البقرہ:183)

تم پر روزے فرض کئے گئے۔

یہاں ام والدہ یا اصل کے معنی میں ہے۔ یعنی یہ آیات ہی ہمارے فرائض ومحرمات میں اصل ہیں۔ کتاب قرآن کے معنی میں ہے۔ یہ کتاب کے احکام کی اصل ہیں ان سے احکام حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ جبکہ ان میں شارع کے بیان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ معنی یہ ہوگا یہ قرآن کا ستون ہیں ان کی حیثیت وہی ہے جس طرح قوم کے رئیس کی ہوتی ہے اور تمام دوسری آیات ان کی محتاج ہوتی ہیں اور ان کے مراد کو جاننے کے لئے انہیں محکمات کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔

آخر کار کلمہ الاُخَر یا اُخرِمنُ سے معدول ہے۔ اس کی مراد ایسے سامع پر مشتبہ ہو جاتی ہے جو لغت سے واقف ہو۔ اس طرح کہ اسے طلب اور تامل سے بھی اس کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔ مگر اسی صورت میں جب شارع کی جانب سے محکم عبارت کی صورت میں بیان آجائے۔ اگر شارع کی طرف سے بیان آجائے اور اس کی مراد ظاہر ہو جائے تو اصولیین کی اصطلاح میں اسے مجمل کہتے ہیں جس طرح نماز، حج، زکوۃ، عمرہ والی آیات اور دوسری آیات۔ اگر شارع کی جانب سے بیان اور تعلیم نہ آئے تو اصولیین کی اصطلاح میں اسے متشابہات کہتے ہیں۔ یہ قسم صرف ان چیزوں کے متعلق ہوتی ہے جن کا اعمال سے تعلق نہیں ہوتا۔ یہ قرآن حکیم کے حروف مقطعات کی طرح ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (48۔فتح:10)

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (20.طہ:5)

اس قسم کی مراد اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے بذریعہ الہام بعض عرفاء کو معلوم ہوجاتی۔ یہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم دینا اور شرح صدر کے بعد نبوت کے انوار کا اخذ کرنا۔ اگر چہ اس کی مراد بعض اوقات اس حیثیت میں ہوتی ہے کہ زبان سے اس کی تعلیم و تعلم ممکن نہیں ہوتی کیونکہ عوام کا خزینہ علم اس کو شامل نہیں ہوتا اور نہ اس کے برابر کوئی لفظ وضع کیا گیا ہے۔ رہی وہ چیزیں جو مکلّف بنانے سے تعلق رکھتی ہیں تو ضرورت کے وقت اس کے بیان کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الٓرٰ کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُہٗ (11.ہود:1)

اور دوسری جگہ فرمایا: کِتٰباً مُّتَشَابِھًا (39.الزمر:23)

تو پھر یہاں ان دونوں میں فرق کیسے درست ہے

مِنۡہُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ اور اُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ

قرآن کو محکم بنانے کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی بھی اس کا مقابلہ کرنے اور اس پر طعن کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور جب اسے متشابہات فرمایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کا بعض حسن و کمال میں بعض کے مشابہ ہے۔ یہاں معنیٰ کی وضاحت اور اخفاء کے اعتبار سے فرق کیا ہے۔

(۴) زیغ کا معنیٰ حق سے اعراض کرنا ہے۔ ربیع نے کہا یہ نجران کا وفد تھا جنہوں نے حضور ﷺ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جھگڑا کیا۔ انہوں نے کہا تم یہ نہیں کہتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ''کلمۃ اللہ'' اور ''روح منہ'' ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا! جی ہاں؛ انہوں نے کہا یہی ہمارے لئے کافی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ کلبی نے کہا اس سے مراد یہودی ہیں۔ جنہوں نے حضرت محمد ﷺ سے اس امت کی مدت کے بارے میں دریافت کیا تھا اور حساب جمل سے اس کا استخراج کیا۔

ابن عباسؓ نے کہا یہودیوں کی ایک جماعت جن میں حیّ بن اخطب، کعب بن اشرف اور ان جیسے لوگ تھے حضور ﷺ کی خدمت میں آئی۔ حیّ نے کہا ہمیں خبر پہنچی ہے کہ آپ پر الـم کو نازل کیا گیا ہے۔ ہم آپ کو اللہ کا واسطہ دیتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو آپ پر نازل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں۔ تو کہنے لگا اگر یہ بات سچی ہے تو میں آپ ﷺ کو بتاتا ہوں کہ آپ ﷺ کی اس امت کی مدت اکہتر سال ہے۔ کیا اس

نے آپ ﷺ پر کچھ اور بھی نازل کیا ہے؟ فرمایا! ہاں۔ اس نے **المص** نازل فرمایا ہے۔ اس نے کہا یہ ایک صد اکسٹھ سال سے بڑھ کر ہے۔ کیا اس کے علاوہ بھی ہے؟ فرمایا! ہاں۔ **الر** کہنے لگا یہ دوسو اکتیس سال سے زائد ہے۔ کیا اس کے علاوہ بھی؟ فرمایا! ہاں۔ **المر** یہ دوسو اکہتر سال سے زائد ہے۔ آپ ﷺ نے ہم پر معاملے کو خلط ملط کر دیا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ کثیر کو اپنائیں یا قلیل کو اور کہا کہ ہم تو اس پر ایمان نہیں لاتے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

(۵) ابن جریج نے کہا اس سے مراد منافقین ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا اس سے مراد خارجی ہیں۔ اس کی مثل امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے محدثین نے ابی امامہ کے واسطہ سے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے۔ جب قتادہؓ اس آیت کریمہ کی تلاوت کرتے تو فرماتے اگر حروریہ اور سابیہ نہ ہوتے تو میں نہ جان سکتا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد تمام بدعتی فرقے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ لفظ عام ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے اور اس کے علاوہ بھی بدعتی کی جتنی بھی اقسام ہیں ان سب کو یہ شامل ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے **هُوَ الَّذِیٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ**.........**اُولُوا الْاَلْبَابِ** الآیۃ تلاوت فرمائی۔ فرمایا! جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو کہ وہ متشابہ کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ پس ان سے بچو

اسے امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے کہ ابو مالک اشعریؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: مجھے اپنی امت پر کسی چیز کا خوف نہیں مگر تین چیزوں کا۔ ان تین چیزوں میں سے ایک یہ بھی ذکر کیا کہ ان لوگوں کے لئے کتاب کھولی جائے گی۔ پس وہ اس کی تاویل نہ جانتے ہوئے شرع کرے گا جبکہ اس کی تاویل کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور راسخ العلم یہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے رب کی جانب سے نازل شدہ ہے اور اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتا مگر دانشمند۔

(۶) یعنی وہ متشابہات کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں۔ اس میں احتمال ہوتا کہ مبتدع خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ وہ انہیں محکم آیات اور احادیث کی طرف نہیں لوٹاتا اور نہ ہی ان کو

ایسے معانی پر محمول کرتا ہے جو محکمات کے معانی سے مطابقت رکھتے ہوں یا ایمان لانے کے ساتھ سکوت اختیار کریں اور اس کی مراد کو تسلیم کریں۔ جب تک ہو سکے متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹانا ضروری ہوتا ہے یہاں تک کہ مجمل کی مراد واضح ہو جائے۔ پس اس پر عمل کیا جائے جس طرح نماز، زکوٰۃ اور سود وغیرہ یا سکوت کرتے ہوئے اس پر ایمان لائے اور اس کی مراد کو تسلیم کرے۔ جب اجماع امت اور متواتر احادیث کی محکم نصوص سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آخرت میں مومن اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ جس طرح وہ چودھویں کی رات میں چاند کو دیکھتے ہیں تو ضروری ہے کہ ایمان رکھا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌO اِلىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌO میں روٗیت اور نظر کو آنکھ سے دیکھنے پر محمول کیا جائے۔

جس طرح رب العالمین کا فرمان ہے:

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ج ........ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى

اس پر ایمان رکھتے ہوئے خاموشی اختیار کی جائے اسے ظاہر پر محمول نہ کیا جائے اور محکم کی اتباع کی جائے۔

قولہ تعالیٰ (لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ) کیونکہ اللہ تعالیٰ ممکن کی صفات سے پاک ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مومن اپنے آپ کو حروف مقطعات کی تعبیر میں نہ تھکاتا پھرے کیونکہ اسے اس بات کی اجازت نہیں۔

(۷) یعنی وہ یہ کام اس لئے کرتے ہیں کہ لوگوں میں شک اور تلبیس پیدا کر کے دین سے آزمائش میں ڈال دیں اور متشابہ کو محکم کی ضد ثابت کریں یہ منافقوں کا طریقہ ہے۔ جس طرح بیان کیا گیا ہے جب یہودیوں نے اسلام کو روز بروز ترقی کرتے ہوئے دیکھا اس پر ضد کرنے لگے اور یقین ہو گیا کہ دنیا میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید حاصل ہے۔ انہوں نے نفاق سے کام لیا وہ ظاہر میں تو اسلام میں داخل ہو گئے لیکن غلط تاویلات کے ذریعے متشابہات کی پیروی کرنے لگے۔ مذاہب باطلہ پیش کرنے لگے پس ان میں سے کوئی حروری، کوئی معتزلی اور کوئی رافضی بن گیا۔

(۸) اس کا عطف ابتغاء الفتنة پر ہے یعنی انہوں نے اس کا ایسا معنی کرنے کی طلب کی جس کی وہ خواہش کرتے ہیں۔ بعض اوقات اس کے معنی کی طلب جہالت کی بناء پر ہوتی ہے۔ یہ بعض متاخرین بدعتوں کا

اندازتھامگر پہلے منافقین وہ عموماً دونوں طلبوں کی وجہ سے متشابہات کی پیروی کرتے تھے۔

(۹) اللہ تعالیٰ کے ہاں متشابہ آیات کا جو معنی ہے اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۱۰) اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کسی کے لئے اس کا جاننا جائز نہیں اور کسی کا عربی زبان سے آگاہ ہونا کافی نہیں۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبِ اِلَّا اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی غیب اس کو بتائے بغیر نہیں جان سکتا۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے کامل متبعین بھی متشابہات کے معانی نہیں جانتے۔ یہ ہوسکتا ہے۔

جبکہ اللہ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَه پھر ہمارے ذمہ کرم پر ہے اس کا بیان۔

یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ قرآن محکم ہو یا متشابہ۔ اس کا بیان حضور ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ضروری ہے۔ یہ جائز نہیں کہ قرآن میں سے کوئی ایسی چیز بھی ہو جس کی حضور ﷺ کے لئے وضاحت نہ کی گئی ہو ورنہ خطاب فائدہ سے خالی ہوگا اور وعدہ خلافی بھی ثابت ہوگی۔ صحیح بات یہی ہے کہ متشابہات اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان راز ہیں جسکو عام لوگوں کو ان سے آگاہ کرنے کا قصد نہیں کیا گیا۔ بلکہ صرف حضور ﷺ اور آپ کے متبعین میں سے کاملین کو آگاہ کرنے کا قصد کیا گیا ہے اور یہ ان چیزوں میں سے ہیں جن کا عام لوگوں کے لئے بیان ممکن ہی نہیں۔ ان کا ادراک خص الخواص ہی علم لدنی کے ذریعے کر سکتے ہیں۔ جو علم لدنی ہیئت ذاتیہ یا معیت صفاتیہ غیر متکیفہ سے حاصل ہوتا ہے۔

(۱۱) یعنی جو علم میں یوں راسخ ہوئے انہیں کوئی شبہ لاحق نہیں ہوسکتا۔ وہ اہل السنّت والجماعۃ ہیں۔ جنہوں نے کتاب وسنت کو محکمات کو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے اور جنہوں نے قرآن حکیم کی تفسیر میں سلف صالحین یعنی صحابہ اور تابعین جو ضیاء امت ہیں کے اجمع کی پیروی کی۔ انہوں نے متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹایا اور خواہشات وتلبیسات کو چھوڑ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ راسخ فی العلم سے مراد اہل کتاب میں مومنین ہیں۔ عظیم صوفیاء نے کہا کہ راسخ فی العلم سے مراد وہ لوگ ہیں جو دل، نفس اور عناصر کو فنا کرنے کے بعد خواہش نفس سے مطلقاً الگ تھلگ ہو چکے ہیں۔ تجلیات ذاتیہ سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ انہیں کسی قسم کا شبہ لاحق نہیں ہوتا۔ جس طرح ان

صوفیاء کا قول ہے اگر پردے اٹھا بھی دیئے جائیں تو میرے یقین میں کچھ اضافی نہ ہو۔

طبرانی اور ابو درداء نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے راسخ فی العلم کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے قسم پوری کی ہو۔ جس کی زبان نے سچ بولا ہو۔ اس کا دل مستقیم ہو جس کا بطن اور شرمگاہ عفت ماب ہو وہ راسخ فی العلم ہیں۔ یہی صوفیوں کی شان ہے۔

وَمَايَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ اس صورت میں الر اسخون فی العلم مبتدا ہوگا اور اس کا مابعد اس کی خبر ہوگی۔ یہ ابی بن کعبؓ، حضرت عائشہؓ اور عروہ بن زبیرؓ کا قول ہے۔ طاؤس بن کیسانؒ کی ابن عباسؓ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اور اکثر تابعین کا بھی یہی قول ہے۔ کسائی , فراء اور اخفش نے بھی اسے ہی پسند کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ وہ قرأت یہ ہے

اِنْ تَاوِيْلَهٗ اِلَّا عِنْدَ اللّٰهِ وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ

اور حضرت ابی بن کعبؓ کی قرأت وَيَقُوْلُ الرّٰاسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ اٰمَنَّا بِهٖ اسی لئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا راسخ فی العلم کے علم کی قرآن کی تاویل میں انتہاء یہ ہے کہ وہ کہے اٰمنا بہ یعنی محکم و متشابہ اور ناسخ و منسوخ اور جس کی مراد ہم جانتے ہیں اور جس کی مراد ہم نہیں جانتے وہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔

(۱۲) راسخ فی العلم کی حالت ان لوگوں کی حالت سے مختلف ہے، ان لوگوں کے مقابلہ میں جن کے دل خواہشات کی وجہ سے کجی کا شکار ہو چکے ہیں۔ وہ مختلف آراء کی پیروی کرتے ہیں۔ جب بھی ان کے لئے کوئی روشنی ہوتی ہے اور نصوص ان کی آراء کے موافق ہوتی ہیں وہ چلنا شروع کر دیتے ہیں اور اس پر ایمان لے آتے ہیں اور جب ان پر نصوص کی تاویلات مخفی ہو جاتی ہیں اور ان کی آراء کے موافق نہیں ہوتیں وہ ٹھہر جاتے ہیں اور اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اس قول کی توجیہ زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ نفی سے استثناء کرنا اثبات کا فائدہ دیتا ہے۔ اس پر اہل عرب کا اجماع ہے۔

(۱۳) اس کی اصل یتذکر ہے یعنی قرآن میں جو کچھ ہے اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر وہ لوگ جو عقل سلیم رکھتے ہیں کیونکہ عقل کی سلامتی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ جسے نہیں جانتے اسے ایسی ذات کے

سپرد کر دیں جو علیم و حکیم ہے اور جہل مرکب میں نہ پڑیں۔ جہل مرکب والے وہ ہوتے ہیں جو ہر وادی میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

دارمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت نقل کی ہے کہ تمہارے پاس ایسے لوگ بھی آئیں گے جو قرآن کی متشابہ آیات کے بارے میں تمہارے ساتھ جھگڑا کریں گے۔ جب ایسا ہو تو حدیث کو لازم پکڑو کیونکہ حضور ﷺ کی سنتوں سے آگاہ لوگ کتاب اللہ کو زیادہ جاننے والے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک آدمی آیا جو آپؓ سے یہ پوچھ رہا تھا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے۔ حضرت عمرؓ اٹھے اور سائل کو پکڑ لیا اور حضرت علیؓ شیر خدا کے پاس لے گئے۔ فرمایا اے ابوالحسنؓ! سنو یہ کیا کہتا ہے؟ آپؓ نے پوچھا یہ کیا کہتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا! یہ میرے پاس آیا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیا قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ حضرت علیؓ شیر خدا نے فرمایا یہ وہ بات ہے جس کا کوئی نہ کوئی فتنہ پیدا ہوگا۔ جس منصب پر آپؓ فائز ہیں اگر میں اس پر فائز ہوتا تو میں اس کر گردن اڑا دیتا۔

دارمیؒ نے سلیمان بن یسارؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی جسے صبیغ کہتے تھے، وہ مدینہ طیبہ آیا، وہ قرآن کی متشابہات کے بارے میں پوچھنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی طرف پیغام بھیجا جبکہ آپ کھجور کی لکڑیاں سیدھی کر رہے تھے۔ آپؓ نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا عبداللہ صبیغ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا! میں اللہ کا بندہ عمرؓ ہوں۔ آپؓ نے کھجور کی لکڑیوں میں سے ایک لکڑی پکڑی اسے مارا۔ یہاں تک کہ اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ کہنے لگا اے امیر المومنین! یہی کافی ہے میں اپنے سر میں جو فتور پاتا تھا وہ نکل چکا ہے۔

حضرت ابو عثمان نہدی سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے بصرہ کے لوگوں کی طرف خط لکھا کہ وہ صبیغ کے پاس نہ بیٹھا کریں۔ فرمایا اگر وہ آئے اور ہم سوئے ہوئے ہوں تو وہ ہمیں جدا جدا کر دے گا۔ محمد بن سیرینؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی طرف خط لکھا کہ تم صبیغ کے پاس نہ بیٹھا کرو اور نہ ہی اسے کوئی وظیفہ دیا کرو۔ حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا اہل کلام کے بارے میں میرا وہی فیصلہ ہے جو حضرت عمرؓ نے صبیغ کے بارے میں کیا تھا کہ انہیں مارا جائے اونٹ پر بٹھایا جائے اور قبائل میں گھمایا

جائے اور لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ جو آدمی کتاب اللہ اور سنت کو ترک کرے گا۔ اور علم کلام کی طرف متوجہ ہوگا اس کی یہ سزا ہے۔

(تفسیر مظہری)

## خلاصہ تفسیر از تفسیر معارف القرآن:

وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے نازل کیا تم پر کتاب کو جس میں کا ایک حصہ وہ آیتیں ہیں جو کہ اشتباہ المراد سے محفوظ ہیں۔ یعنی ان کا مطلب ظاہر ہے اور یہی آیتیں اصلی مدار ہیں اس کتاب یعنی قرآن کا۔ یعنی جن کے معنی ظاہر نہ ہوں ان کو بھی ظاہر المعنی کے موافق بنایا جاتا ہے۔ اور دوسری آیتیں ایسی ہیں جو کہ مشتبہ المراد ہیں یعنی ان کا مطلب خفی ہے۔ خواہ مجمل ہونے کی وجہ سے خواہ کسی نص ظاہر المراد کے ساتھ معارض ہونے کی وجہ سے۔ سو جن لوگوں میں کجی ہے وہ تو اس کے اسی حصہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو مشتبہ المراد ہے۔ دین میں شورش ڈھونڈنے کی غرض سے اور اس مشتبہ المراد کے غلط مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے تاکہ اپنے غلط عقیدہ میں اس سے مطلب حاصل کریں۔ حالانکہ اس کا صحیح مطلب بجز حق تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا یا اگر وہ خود قرآن یا حدیث کے ذریعہ سے صراحۃً اشارۃً بتلا دیں۔ جیسے لفظ صلوٰۃ کی مراد صراحۃً معلوم ہوگئی اور استواء علی العرش وغیرہ کی تاویل بعض کی رائے پر قواعد کلیہ سے معلوم ہوگئی۔ تو بس اسی قدر دوسروں کو بھی خبر ہوسکتی ہے زیادہ معلوم نہیں ہوسکتا۔

جیسے مقطعات قرآنیہ کے الف لام میں وغیرہ کے معنی کسی کو معلوم نہیں ہوئے اور بعض کی رائے پر **استواء علی العرش** کے معنی بھی معلوم نہیں ہوئے اور اسی واسطے جو لوگ علم دین میں پختہ کار اور فہیم ہیں وہ ایسی آیتوں کے متعلق یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر اجمالاً یقین رکھتے ہیں۔ سب آیتیں ظاہر المعنی بھی خفی المعنی بھی ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں۔ پس ان کے جو کچھ معنی اور مراد واقع میں ہوں وہ حق ہیں۔ اور نصیحت کی بات کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو کہ اہل عقل ہیں۔ یعنی عقل کا مقتضا بھی یہی ہے کہ مفید اور ضروری بات میں مشغول ہو مضر اور فضول قصہّ میں نہ لگے۔

## معارف ومسائل

قرآن مجید میں دوقسم کی آیات پائی جاتی ہیں ایک قسم کومحکمات کہتے ہیں اور دوسری کومتشابہات۔

محکمات ان آیات کو کہتے ہیں جن کی مراد ایسے شخص پر بالکل ظاہراور بین ہو جوقواعد عربیۃ کو اچھی طرح جاننے والا ہوااور جن آیات کی تفسیر اور معانی ایسے شخص پر ظاہر نہ ہوں ان کومتشابہات کہتے ہیں۔ (مظہری ج ۲)

پہلی قسم کی آیات کو اللہ تعالیٰ نے امّ الکتاب کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ ساری تعلیمات کا اصل اصول یہی آیات ہوتی ہیں جن کے معانی اور مفاہیم اشتباہ والتباس سے پاک ہوتے ہیں۔

دوسری قسم کی آیات میں چونکہ متکلم کی مراد مبہم اور غیر متعین ہوتی ہے۔ اس لئے ان آیات کے بارے میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو پہلی قسم کی طرف راجع کر کے دیکھنا چاہئے جو معنی اس کے خلاف پڑیں ان کی قطعاً نفی کی جائے۔ اور متکلم کی مراد وہ سمجھی جائے جو آیات ''محکمات'' کے مخالف نہ ہواور کوئی ایسی تاویل اور توجیہ صحیح نہ سمجھی جائے گی جو اصول مسلمہ اور آیات محکمہ کے خلاف ہو۔

مثلاً قرآن حکیم نے مسیح علیہ السلام کی نسبت تصریح کردی کہ

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْه (۵۹:۴۳)

وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا۔

ایسے ہی دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَهٗ مِنْ تُرَاب۔ (۵۹:۳)

عیسٰیؑ کا حال اللہ کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اُس نے (پہلے) مٹی سے اُن کا قالب بنایا

ان آیات اور انہی کی مثل دوسری بہت سی آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ لہٰذا نصاریٰ کا ان کے بارے میں الوہیت اور ابنیت کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں۔

اب اگر کوئی شخص ان سب محکمات سے آنکھیں بند کر کے صرف کلمۃ اللہ اور ''روح منہٗ وغیرہ متشابہات کو

لے دوڑے اور اس کے وہ معنی لینے لگے جو محکمات قرآنیہ اور متواتر بیانات کے منافی ہوں تو یہ اس کے کجر دی اور ہٹ دھرمی ہو جائے گی۔

کیونکہ متشابہات کی صحیح مراد صرف اللہ ہی کو معلوم ہے وہی اپنے کرم واحسان سے جس کو جس قدر حصہ پر آگاہ کرنا چاہتا ہے کر دیتا ہے لہٰذا ایسے متشابہات سے اپنی رائے کے مطابق کھینچ تان کر کوئی معنی نکالنا صحیح نہیں ہے۔

فَاَمَّا الَّذِ یْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ

اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جو لوگ سلیم الفطرت ہوتے ہیں وہ متشابہات کے بارے میں زیادہ تحقیق و تفتیش نہیں کرتے۔ بلکہ اجمالاً ایسی آیات پر ایمان لے آتے ہیں کہ یہ بھی اللہ کا برحق کلام ہے۔ اگرچہ اس نے کسی مصلحت کی وجہ سے ہم کو ان کے معانی پر مطلع نہیں فرمایا۔ درحقیقت یہی طریقہ سلامتی اور احتیاط کا ہے۔ اس کے برخلاف بعض ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ محکمات سے آنکھیں بند کر کے متشابہات کی کھوج کرید میں لگے رہتے ہیں۔ اور ان سے اپنی خواہش کی مطابق معانی نکال کر لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن وحدیث میں سخت وعید آئی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب آپ ایسے لوگوں کو دیکھیں جو متشابہات کی تفتیش میں لگے ہوئے ہیں تو آپ ان سے دور بھاگیں کیونکہ یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے۔ (بخاری ج۲)۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر تین باتوں کا خوف ہے۔ اول یہ کہ مال بہت مل جائے جس کی وجہ سے باہمی حسد میں مبتلا ہو جائیں اور کشت وخون کرنے لگیں، دوسری یہ کہ کتاب اللہ سامنے کھل جائے یعنی ترجمہ کے ذریعہ ہر عامی اور جاہل بھی اس کے سمجھنے کا مدعی ہو جائے اور اس میں جو باتیں سمجھنے کی نہیں ہیں یعنی متشابہات ان کے معنی سمجھنے کی کوشش کرنے لگیں۔ حالانکہ ان کا مطلب اللہ ہی جانتا ہے، تیسری یہ کہ ان کا علم بڑھ جائے تو اسے ضائع کر دیں اور علم کو بڑھانے کی جستجو چھوڑ دیں۔ ابن کثیرؒ بحوالۂ طبرانی

وَالـرّٰ اسِـخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ .. راسخون فی العلم سے کون لوگ مراد ہیں اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ راجح قول یہ ہے کہ ان سے مراد اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔ جو قرآن وسنت کی اسی تعبیر و تشریح کو صحیح سمجھتے ہیں جو صحابہ کرامؓ سلف صالحین ؒ اور اجماع امّت سے منقول ہو۔ اور قرآنی تعلیمات کا محور اور مرکز محکمات کو مانتے ہیں اور متشابہات کے جو معانی ان کے فہم اور ادراک سے باہر ہیں اپنی کوتاہ نظری اور قصور علمی کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ وہ اپنے کمال علمی اور قوت آسمانی پر مغرور نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ حق تعالیٰ سے استقامت اور مزید فضل وعنایت کے طلبگار رہتے ہیں۔ ان کی طبیعتیں فتنہ پسند نہیں ہوتیں کہ متشابہات ہی کے پیچھے لگی رہیں۔ وہ محکمات اور متشابہات سب کو حق سمجھتے ہیں۔ کیونکہ انہیں یقین ہے کہ دونوں قسم کی آیات ایک ہی سرچشمہ سے آتی ہیں۔ البتہ ایک قسم یعنی محکمات کے معانی ہمارے لئے معلوم کرنے مفید اور ضروری تھے تو اللہ تعالیٰ نے وہ پوشیدہ نہیں رکھے بلکہ کھول کھول کر بیان کر دیتے۔ اور دوسری قسم یعنی متشابہات کے معانی اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت سے بیان نہیں فرمائے لہٰذا ان کا معلوم کرنا بھی ہمارے لئے ضروری نہیں۔ ایسی آیات پر ایمان اجمالاً لے آنا ہی کافی ہے۔ (مظہری ملخصاً)

(تفسیر معارف القرآن)

5:2 ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً ج اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ o

(اٰلِ عمران -3:8)

اے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کر دیجیو اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما۔ تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

Our Lord, do not let our hearts deviate from the right path after You have given us guidance, and bestow upon us mercy from Your own. Surely, You, and You alone, are the One who bestows in abundance.

''اے ہمارے رب! نہ ٹیڑھے کر ہمارے دل(۱) بعداس کے کہ تو نے ہدایت دی ہمیں (۲) اور عطا فرما ہمیں اپنے پاس سے رحمت (۳) بے شک تو ہی سب کچھ بہت زیادہ دینے والا ہے (۴)''۔

(۱) ہمارے دلوں کو حق سے نہ پھیر دے جس طرح تو نے مائل کر دیا تھا ان لوگوں کے دلوں کو جن میں کجی تھی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ راسخ فی العلم کا قول ہو۔ پھر تقدیر کلام یوں ہوگی

**یقولون آمنا به و یقولون ربنا**

تاہم یہ بھی جائز ہے کہ جب کوئی قاری متشابہ پر پہنچے تو اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں سوال کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ پھر تقدیر کلام یوں ہوگی۔

**قُوْلُوْ ارَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْ بَنَا**

(۲) کتابیں نازل فرمائیں ہدایت عطا فرمائی اور محکم ومتشابہ پر ایمان لانے کی توفیق نصیب فرمائی۔

(۳) رحمت سے مراد توفیق اور تثبیت ہے۔

(۴) ہر سوال پر عطا فرمانے والا ہے۔ اس آیت میں اس پر دلیل موجود ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی توفیق اور گمراہی اس کی طرف سے رسوائی کی وجہ سے ہوتی ہے، وہ بندوں پر فضل واحسان فرماتا ہے اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔ نواس بن سمعان سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ہر دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ جب وہ اسے سیدھا کرنے کا ارادہ کرتا ہے سیدھا کر دیتا ہے اور اگر اسے ٹیڑھا کرنا چاہے تو ٹیڑھا کر دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے

**( یا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قُلُوْ بَنَا عَلیٰ دِیْنِکَ )**

اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دل اپنے دین پر مضبوط کر دے۔

میزان اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ایک قوم کے حق میں بلند فرماتا ہے دوسرے کے حق کو جھکا دیتا ہے۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہتا ہے۔ اسے امام بغوی ؒ نے روایت کیا ہے۔ اسی کی مثل امام احمدؒ اور امام ترمذیؒ نے ام سلمہؓ سے امام مسلمؒ نے عبداللہ بن عمرؓ سے ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے حضرت انسؓ کی حدیث سے اور صحیحین

میں حضرت عائشہ صدیقہ ؓ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! دل کی مثال اس پَر کی مانند ہے جو کھلی جگہ پڑا ہو جسے ہوائیں الٹ پلٹ کرتی ہیں۔ اسے امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

(تفسیر مظہری)

## خلاصۂ تفسیر

اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو کج نہ کیجئے بعد اس کے کہ آپ ہم کو حق کی طرف ہدایت کر چکے ہیں اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت (خاصہ) عطا فرمایئے وہ رحمت یہ ہے کہ راہ مستقیم پر قائم رہیں بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہم یہ دعا کجی سے بچنے کی اور حق پر قائم رہنے کی کسی دنیاوی غرض سے نہیں مانگتے بلکہ محض آخرت کی نجات کے واسطے ہے کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ بلاشبہ تمام انسانوں کو میدان حشر میں جمع کرنے والے ہیں۔ اس دن میں جس کے آنے میں ذرا شک نہیں یعنی قیامت کے دن میں اور شک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے آنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے۔ اس لئے قیامت کا آنا ضروری ہے اور اس واسطے ہم کو اس کی فکر ہے۔

ہدایت اور ضلالت اللہ ہی کی جانب سے ہے اللہ تعالیٰ جسکو ہدایت دینا چاہتے ہیں اس کے دل کو نیکی کی جانب مائل کر دیتے ہیں اور جس کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اس کے دل کو سیدھے راستہ سے پھیر دیتے ہیں۔

وہ قادر مطلق ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اس لئے جن لوگوں کو دین پر قائم رہنے کی فکر ہوتی ہے وہ ہمیشہ اپنے اللہ سے استقامت کی دعا مانگتے ہیں۔

(تفسیر مظہری ج ۲) (تفسیر معارف القرآن)

5:3 ۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ O

(الصف -61:5)

اور وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا (نبی) ہوں۔ تو جب ان لوگوں نے کجروی کی خدا نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دئے۔ اور خدا نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

And (remember) when Musa (AS) said to his people, :O my people, why do you hurt me, while you know that I am a messenger of Allah sent towards you. So, when they adopted deviation, Allah let their hearts become deviate. And Allah does not guide the sinful people.

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کلیم اللہ حضرت موسیٰ بن عمرانؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم میری رسالت کی سچائی جانتے ہو پھر کیوں میرے درپے آزار ہو رہے ہو؟ اس میں گویا ایک طرح سے آنحضور ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ بھی جب ستائے جاتے تو فرماتے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائے وہ اس سے زیادہ ستائے گئے پھر بھی صابر رہے اور ساتھ ہی اس میں مومنوں کو ادب سکھایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کے نبی ﷺ کو ایذا نہ پہنچائیں۔ ایسا نہ کریں جس سے آپ (ﷺ) کا دل دکھتا ہو۔

جیسے اور جگہ ہے۔ ایمان والو! تم ایسے نہ ہونا جیسے موسیٰؑ کو ایذاء دینے والے کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ذی عزت بندے کو اس کے بہتانوں سے پاک کیا۔ پس جبکہ یہ لوگ علم کے باوجود اتباع حق سے ہٹ گئے اور ٹیڑھے چلنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دل ہدایت سے ہٹا دیئے۔ شک و حیرت ان میں سما گئی۔ یعنی ہم ان کے دل اور آنکھیں الٹ دیں گے۔ جس طرح یہ ہماری آیتوں پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں ان کی سرکشی کی حالت میں چھوڑ دیں گے جس میں وہ سرگرداں رہیں گے۔

جو رسول ﷺ کے مخالفت کرے ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی دوسرے کی تابعداری کرے ہم اسے اسی طرف متوجہ کریں گے جس طرف وہ متوجہ ہوا ہے اور بالاخر اسے ہم جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا۔ اے میری قوم والو! مجھے تم دکھ کیوں دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں جو تمہارے پاس (بھیجا ہوا) آیا ہوں۔ اس کے باوجود وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا۔ اور اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت یاب نہیں کرتا۔

لِقَومِهٖ اپنی قوم سے یعنی بنی اسرائیل سے۔

لِمَ تُؤْ ذُوْنَنِیْ کیوں میری نافرمانی کرتے ہو اور اُدَرہ کے مرض یعنی ورم خصیہ کی تہمت لگاتے ہو۔

وَقَدْ تَعْلَمُوْن .. الخ یعنی میرے معجزات کو تم نے دیکھا اور دیکھ رہے ہو۔ فرعون سے جو تم کو سخت دُکھ اور عذاب دیتا تھا میں نے تم کو بچایا اور یہ سمندر پار کرایا۔ پس جب تم جانتے ہو کہ میں رسول ہوں تو پھر مجھے ایذا کیوں دیتے ہو۔ نبوت کا تو تقاضہ ہے کہ نبی کی تعظیم کی جائے اور اس کو دُکھ نہ دیا جائے۔

فَلَمَّا زَاغُوْ ا یعنی جب وہ حق سے مڑ گئے اور موسیٰؑ کو ایذاء دینے سے باز نہیں آئے تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو قبول حق سے پھیر دیا۔

لَاْ یَھْدِیْ یعنی ایسی ہدایت کی توفیق نہیں دیتا کہ وہ حق کو پہچان میں یا جنت تک پہنچا جائیں۔

زجاج نے لَاْ یَھْدِ ی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جن لوگوں کا فاسق رہنا پہلے سے اللہ کے علم ازلی میں ہے ان کو ہدایت نہیں کرتا۔

(تفسیر مظہری)

ارشاد ہے کہ وہ وقت قابل ذکر ہے جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ کو کیوں ایذاء پہنچاتے ہو۔ حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں وہ ایذائیں مختلف طور پر

تھیں۔ جن میں سے بعض بعض قرآن مجید میں بھی بالخصوص سورۂ البقرۃ میں مذکور ہیں اور حاصل ان سب کا سرکشی اور مخالفت ہے۔ پھر جب اس فہمائش پر بھی وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے اور راہ پر نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اور زیادہ ٹیڑھا کر دیا۔ یعنی مادہ مخالفت اور عصیان کا زیادہ بڑھ گیا جیسا کہ قاعدہ ہے کہ گناہ پر مداومت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف قلب کا میلان اور اس کی اطاعت کا جذبہ کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا معمول ہے کہ وہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔ اس طرح یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو مختلف طریقوں کی مخالفت سے ایذائیں پہنچاتے ہیں۔ اس لئے ان کا ٹیڑھا پن اور فسق زیادہ ہوتا جاتا ہے کہ امید اصلاح کی نہیں رہی پس ان کا فساد مٹانے کے لئے قتال کا حکم دیا۔

(تفسیر معارف القرآن)

# 6 - بیمار دل

6:1 ۔ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَہُمُ اللّٰہُ مَرَضًا ۚ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌۢ ۬ۙ بِمَا کَانُوۡا یَکۡذِبُوۡنَ O

(البقرہ -2:10)

ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا خدا نے ان کا مرض اور زیادہ کر دیا اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔

In their hearts there is a malady, so Allah has made them grow in their malady; and for them there is a greivous punishment, because they have been lying.

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیمار دل کا تذکرہ سات مختلف مقامات پر فرمایا ہے۔ تفسیر ابن کثیرؒ میں سورۃ البقرہ کی اس آیت کی تشریح یوں بیان ہوئی ہے۔

### شک وشبہ بیماری ہے:

بیماری سے مراد یہاں شک وشبہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور چند صحابہؓ سے یہی مروی ہے حضرت مجاہد، عکرمہ، حسن بصری، ابوالعالیہ، ربیع بن انس، قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عکرمہ اور طاؤس نے اس کی تفسیر ریا اور ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر نفاق بھی کی ہے۔ زید بن اسلم فرماتے ہیں یہاں دینی و روحانی بیماری مراد ہے نہ کہ جسمانی۔ انہیں اسلام میں شک کی بیماری تھی اور ان کی ناپاکی میں اللہ تعالیٰ نے اور اضافہ کر دیا۔

جیسے قرآن میں اس کا ذکر ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡہُمۡ اِیۡمَانًا وَّ ہُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ۝ وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ

مَّرَضٌ فَزَادَتۡهُمۡ رِجۡسًا اِلٰی رِجۡسِهِمۡ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ O

(9.التوبہ :125-124)

سوجوایمان والے ہیں ان کا تو ایمان زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں مرض ہے اُن کے حق میں خبث پر خبث زیادہ کیا اور وہ مرے بھی تو کافر کے کافر۔

یعنی ایمان والوں کے ایمان کو تقویت پہنچاتی اور وہ خوشیاں مناتے ہیں۔ لیکن بیماری والوں کی ناپاکی اور پلیدی کو اور زیادہ کر دیتی ہے یعنی اس کی ابدی اور گمراہی بڑھ جاتی ہے۔ یہ بدلہ بالکل ان کے عمل کے مطابق ہے۔ ٹھیک اسی کے مثل یہ فرمان باری تعالیٰ بھی ہے۔ آیت

(وَالَّذِيۡنَ اهۡتَدَوۡا زَادَهُمۡ هُدًى وَّاٰتٰهُمۡ تَقۡوٰٮهُمۡO)

(47۔محمد:17)

اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں ان کو وہ ہدایت مزید بخشتا اور پرہیز گاری عنایت کرتا ہے۔

یعنی ہدایات والوں کو ہدایت میں بڑھا دیتا ہے اور ان کو تقویٰ عطا فرماتا ہے۔ یہ دونوں خصلتیں ان میں تھیں وہ جھٹلاتے بھی تھے اور جھوٹے بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعض منافقوں کو اچھی طرح جاننے کے باوجود بھی قتل نہ کرنے کیوجہ وہی ہے جو بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ لوگوں میں یہ چرچے ہوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو اعرابی آس پاس ہیں انہیں یہ تو معلوم نہ ہوگا کہ ان منافقوں کے پوشیدہ کفر کی بنا پر انہیں قتل کیا گیا ہے۔ ان کی نظریں تو صرف ظاہر داری پر ہوں گی جب ان میں یہ بات مشہور ہو جائے گی کہ حضور ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں تو خوف ہے کہ کہیں وہ اسلام کے قبول کرنے سے رک نہ جائیں۔ قرطبی فرماتے ہیں ہمارے علماء وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ٹھیک اسی طرح آنحضرت ﷺ مولفۃ القلوب کو جن کے دل اسلام کی جانب مائل کئے جاتے تھے مال عطا فرمایا کرتے تھے حالانکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ ان کے اعتقاد بد ہیں۔

حضرت امام مالکؒ بھی منافقوں کو قتل نہ کرنے کی یہی وجہ بیان فرماتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ نے ایک وجہ یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ یہ اس لئے تھا کہ آپ کی امت کو معلوم ہو جائے کہ حاکم صرف اپنے علم کی بناء پر فیصلہ نہیں کرسکتا۔ قرطبی فرماتے ہیں گو علماء کا تمام مسائل میں اختلاف ہو لیکن اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ قاضی صرف اپنی ذاتی معلومات کی بناء پر کسی کو قتل نہیں کرسکتا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور وجہ بھی بیان کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا منافقین کو قتل کرنے سے رکنے کا سبب ان کا اپنی زبان سے اسلام کو ظاہر کرنا تھا۔ آپ ﷺ کو اس کا علم تھا کہ ان کے دل اس کے الٹ ہے لیکن ظاہری کلمہ اس پہلی بات کی تردید کرتا تھا۔ جس کی تائید میں بخاری مسلم وغیرہ کی یہ حدیث بھی پیش کی جاسکتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں۔ یہاں تک کہ وہ ( **لاالہ الا اللّٰہ** ) کہیں جب وہ اسے کہہ دیں تو وہ مجھ سے اپنی جان اور مال کی امان پالیں گے اور ان کا حساب اللہ عزوجل پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کلمہ شریف کے کہتے ہی ظاہری احکام اسلام ان پر جاری ہو جائیں گے۔

اب اگر ان کا عقیدہ بھی اس کے مطابق ہے تو آخرت والے دن نجات کا سبب ہوگا ورنہ وہاں کچھ بھی نفع نہ ہوگا لیکن دنیا میں تو مسلمانوں کے احکام ان پر جاری رہیں گے۔ گویا یہاں مسلمانوں کی صفوں میں اور ان کی فہرست میں نظر آئیں گے۔ لیکن آخرت میں عین پل صراط پر ان سے دور کر دیئے جائیں گے اور اندھیروں میں حیران و پریشان ہوتے ہوئے با آواز بلند مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ لیکن انہیں جواب ملے گا کہ تھے تو سہی مگر تم فتنوں میں پڑ گئے اور انتظار میں ہی رہ گئے اور اپنی من مانی خواہشوں کے چکر میں پڑ گئے۔ یہاں تک کہ حکم الٰہی آ پہنچا۔ غرض دار آخرت میں بھی مسلمانوں کے پیچھے پڑے لپٹے رہیں گے۔ لیکن بل آخر ان سے الگ کر دیئے جائیں گے اور ان کی امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔ وہ چاہیں گے کہ مسلمانوں کے ساتھ سجدے میں گر پڑیں لیکن سجدہ نہیں کرسکیں گے۔ جیسے کہ احادیث میں مفصل بیان آچکا ہے۔ محققین نے کہا کہ ان کے قتل نہ کئے جانے کی یہ وجہ تھی کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ان کی شرارتیں چل نہیں سکتی تھیں۔ مسلمانوں کو باری تعالیٰ اپنی وحی کے ذریعہ ان کی برائیوں سے محفوظ کرلیتا تھا۔ لیکن حضور ﷺ کے بعد اگر اللہ نہ کرے ایسے لوگ ہوں گے ان کا نفاق کھل جائے اور مسلمان بخوبی معلوم کرلیں تو وہ قتل کر دیئے جائیں گے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ نفاق حضور ﷺ کے زمانہ میں تھا لیکن آج کل وہ بے دینی اور زندیقیت ہے یہ بھی یاد رہے کہ زندیق جو لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہو اور وہ جو خود زندیق ہے لیکن لوگوں کا معلم نہ ہو۔ ان دونوں میں فرق کیا جائے گا یا نہیں؟ اور یہ ارتداد کئی کئی مرتبہ ہو تب یہ حکم ہے یا صرف ایک مرتبہ ہونے پر ہے؟ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اسلام لانا اور رجوع کرنا خود اس کی اپنی طرف سے ہے یا اس پر غلبہ پا لینے کے بعد یہی حکم ہے؟ غرض اس باتوں میں اختلاف ہے۔ لیکن اس کے بیان کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں نہ کہ تفسیریں۔

چودہ شخصوں کے نفاق کا تو آپ کو قطعی علم تھا۔ یہ وہ بد باطن لوگ تھے جنہوں نے غزوہ تبوک میں مشورہ کر کے یہ امر طے کر لیا تھا کہ حضور ﷺ کے ساتھ دغا بازی کریں اور آپ کے قتل کی پوری سازش کر چکے تھے۔ طے ہوا تھا کہ رات کے اندھیرے میں جب حضور ﷺ فلاں گھاٹی کے قریب پہنچیں تو آپ کی اونٹنی کو بدکا دیں اور جب وہ بھڑک کر بھاگے گی تو حضور ﷺ گھاٹی میں گر پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی طرف اسی وقت وحی بھیج کر ان کی اس ناپاک سازش کا علم عطا کر دیا۔ حضور ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر اس واقعہ کی خبر دی اور ان غداروں کے نام بھی بتلا دیئے پھر آپ نے ان کے قتل کے احکام صادر نہ فرمائے ان کے سوا اور منافقوں کے ناموں کا آپ (ﷺ) کا علم نہ تھا۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے

**وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ط وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ قف مَرَدُواْ عَلَى النِّفَاقِ قف لاَ تَعْلَمُهُمْ ط نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ط سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيمٍ o**

(9 ۔ التوبہ:101)

اور تمہارے گرد و نواح کے بعض دیہاتی منافق ہیں اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ تم انہیں نہیں جانتے، ہم جانتے ہیں، ہم انہیں دہرا عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

یعنی تمہارے آس پاس کے بعض اعرابی منافق ہیں اور بعض سرکش منافق مدینہ میں بھی ہیں۔ تم انہیں نہیں جانتے لیکن ہم جانتے ہیں۔ اور دوسری جگہ فرمایا !

**لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ**

فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّکَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَکَ فِیْهَآ اِلَّا قَلِیْلًا O

(33۔الاحزاب :60)

اگرچہ منافق گندے دل والے اور فساد تکبر والے اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو ہم بھی انہیں نہ چھوڑ دیں گے اور مدینہ میں بہت کم باقی رہ سکیں گے۔ بلکہ ان پر لعنت کی جائے گی جہاں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو ان منافقوں کا علم نہ تھا کہ کون کون ہے؟ ہاں ان کی مذموم خصلتیں جو بیان ہوئی تھیں یہ جس میں پائی جاتی تھیں اس پر نفاق صادق آتا تھا۔

جیسے اور جگہ ارشاد فرمایا۔ آیت

( وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰکَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ )

(47۔محمد:30)

اور تم ان کو ان کے چہروں ہی سے پہچان لیتے اور تم انہیں (ان کے) اندازِ گفتگو ہی سے پہچان لو گے

یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم تمہیں ان کو دکھا دیں لیکن تم ان کی نشانیوں اور ان کی دبی بچی زبان سے ہی انہیں پہچان لو گے۔ ان منافقوں میں سب سے زیادہ مشہور عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی منافقانہ خصلتوں پر حضور ﷺ کے سامنے گواہی بھی دی تھی باوجود اس کے جب وہ مر گیا تو حضور ﷺ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی اور اس کے دفن میں شرکت کی۔ ٹھیک اسی طرح اور مسلمان صحابیوں کے ساتھ بلکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور ﷺ کو ذرا زور سے یاد دلایا تو آپ ﷺ نے فرمایا! میں نہیں چاہتا کہ لوگ چہ میگوئیاں کریں کہ محمد ﷺ اپنے صحابیوں کو مار ڈالا کرتے ہیں۔ اور ایک صحیح روایت میں ہے استغفار کرنے یا نہ کرنے کا مجھے اختیار دیا گیا ہے۔ تو میں نے استغفار کو پسند کیا۔ ایک اور روایت میں ہے ”اگر ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے میں بھی اس کی بخشش جانتا تو یقیناً اس سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا“۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس کی تشریح فرمائی ہے۔

''ان کے دلوں میں بیماری (۱) پھر بڑھادی اللہ نے ان کی بیماری (۲) اوران کے لئے دردناک عذاب ہے بوجہ اس کے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے (۳)''

(۱) یہاں مرض سے مراد وہ مرض نہیں جو بدن کو لاحق ہوتی اور اسے اعتدال سے خارج کر دیتی ہے اور کمزور کر کے ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے اور مرض کا اطلاق مجازاً عوارض نفسانیہ پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے جہالت، حسد، کفر، بدعقیدگی وغیرہ کیونکہ یہ تمام امراض فضائل وکمالات کے حصول سے مانع ہیں اور ابدی ہلاکت تک پہنچانے والی ہیں۔ وہ ان امراض میں سے انتہائی اخبث مرض میں مبتلا تھے وہ اپنی ریاست وسیاست کا سورج ڈوبتا دیکھ کر اور مومنین کی شان کو بلند ہوتا دیکھ کر انتہائی کرب محسوس کرتے تھے۔

(۲) اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو سیاہ کرنے اور کانوں اور دلوں پر مہر لگانے اور قرآنی آیات کو نازل فرمانے کے ساتھ ان کے ان امراض خبیثہ کو بڑھاتا ہے۔ رسول ﷺ کی مدد کرنے اور منافقین کو رسوا کرنے کے ساتھ ان کے مرض میں اضافہ فرماتا ہے۔

(۳) یعنی علیحدگی میں رسول کریم ﷺ کو جھٹلانے کی وجہ سے دردناک عذاب کے حقدار ہیں۔

## خلاصہ تفسیر

لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں۔ بلکہ چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں اور اصل میں وہ کسی کے ساتھ بھی چالبازی نہیں کرتے بجز اپنی ذات کے اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ یعنی اس چالبازی کا برا انجام خود اپنے آپ ہی کو بھگتنا پڑے گا۔ اُن کے دلوں میں بڑا مرض ہے سو اللہ نے ان کا مرض اور بھی بڑھا دیا۔ اس مرض میں ان کی بداعتقادی اور اسلام اور مسلمانوں کی ترقی دیکھ کر حسد میں جلنا اور ہر وقت اپنا کفر ظاہر ہو جانے کی فکر وخلجان سب داخل ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی سے ان کا مرض حسد اور بڑھنا واضح ہے اور ان کے لئے دردناک سزا ہے۔ اس وجہ سے کہ جھوٹ وہ بولا کرتے تھے۔ (یعنی ایمان کا جھوٹا دعویٰ کیا کرتے تھے)۔ بیماری اس کیفیت کو کہتے ہیں جس سے

انسان اپنے اعتدال مناسب سے نکل جائے اور اس کے افعال میں خلل پیدا ہو جائے جس کا آخری نتیجہ ہلاکت اور موت ہوتا ہے۔

قرآن وحدیث کی اصطلاح میں ان نفسانی کیفیات کو بھی مرض کہا جاتا ہے جو نفس انسانی کے کمال میں خلل انداز ہوں اور جن کی وجہ سے انسان اپنے انسانی اعمال سے محروم ہوتا چلا جائے جس کا آخری نتیجہ روحانی موت وہلاکت ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دلوں کے امراض خواہشات نفسانی کے اتباع سے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے انسان کے بدن کے امراض انسان کی بے اعتدالی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اُن دلوں میں مخفی کفر کو مرض فرمایا گیا ہے جو روحانی اور جسمانی دونوں اعتبار سے بڑا مرض ہے۔ روحانی مرض ہونا تو ظاہر ہے کہ اوّل تو اپنے پیدا کرنے والے پالنے والے کی ناشکری اور اس کے احکام سے سرکشی جس کا نام کفر ہے۔ یہ خود روح انسانی کے لئے سب سے بڑا مرض اور شرافت انسانی کے لئے بدترین داغ ہے۔ دوسرے دنیا کی ذلیل اغراض کی خاطر اس کو چھپاتے رہنا اور اپنے دل کی بات کو ظاہر کرنے کی بھی جرأت نہ ہوتا ہے۔ دوسری وہ ندامت ہے جو روح کا بہت بڑا مرض ہے۔

نفاق کا جسمانی مرض ہونا اس بنا پر ہے کہ منافق کے دل میں ہمیشہ یہ خدشہ رہتا ہے کہ کہیں میرا اصلی حال نہ کھل جائے۔ شب و روز اس کی فکر میں رہنا خود ایک جسمانی مرض ہے۔ اس کے علاوہ اس مرض کا لازمی نتیجہ حسد ہے کہ مسلمانوں کی ترقی کو دیکھ کر منافق کو جلن ہوگی۔ مگر وہ مسکین اپنے دل کی سوزش کا اظہار بھی نہیں کر سکتا۔ یہ اسباب ان کے جسمانی مرض بھی بن جاتے ہیں۔ یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا مرض اور بھی بڑھا دیا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی سے جلتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو ترقی دیتا ہے اور ہر وقت اس کے مشاہدات ہوتے رہتے ہیں اس لئے اُن کا یہ مرض بڑھتا ہی رہتا ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

6:2 ۔ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ط وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ O

(الانفال۔ 8:49)

اس وقت منافق اور (کافر) جن کے دلوں میں مرض تھا کہتے ہیں کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے مغرور کر رکھا ہے اور جو شخص خدا پر بھروسہ رکھتا ہے تو خدا غالب حکمت والا ہے۔

When the hypocrites and those who have a malady in their hearts said,: The belief of these people has deluded them. And whoever places his trust in Allah (becomes victorious, because) Allah is Mighty, Wise.

اِذْ يَقُوْلُ الْـمُنٰفِقُوْنَ . یاد کرو جب مدینہ میں منافق کہہ رہے تھے۔ منافقوں نے دیکھا کہ کچھ اوپر تین سو دس مسلمان مدینہ سے گئے ہیں اور یہ بھی انہوں نے سنا کہ ابوجہل ایک ہزار کی تعداد کے ساتھ لے کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے مکہ سے روانہ ہو گیا ہے تو منافق کہنے لگے یہ مذہبی لوگ ایسے پھنسے کہ ان لوگوں سے لڑنے چلے ہیں جن سے مقابلہ کرنے کی ان میں طاقت نہیں۔

وَالَّـذِيْـنَ فِـىْ قُـلُـوْبِهِمْ مَّرَضٌ اور وہ لوگ بھی کہہ رہے تھے جن کے دلوں میں بیماری تھی۔ یعنی جن کا ایمان خالص اور پختہ نہ تھا دلوں میں شبہات باقی تھے۔ بعض لوگوں کے نزدیک (وَالَّـذِيْـنَ فِـىْ قُـلُـوْبِهِمْ مَّرَض) سے مشرک مراد ہیں۔ بعض نے کہا منافق ہی مراد ہیں لیکن چونکہ ان کے دونوں حال الگ تھے (منافقت بھی دلوں میں اسلام کی طرف سے شبہات بھی تھے)

بغویؒ نے لکھا ہے کہ بیمار دل والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمان ہونے کے بعد (ہجرت نہیں کر سکے تھے) کمزوری کی وجہ سے وہیں رہ گئے تھے۔ ان کے رشتہ داروں نے ہجرت نہیں کرنے دی تھی۔ جب قریش بدر کو گئے تو جبراً ان کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ بدر میں پہنچ کر ان لوگوں نے مسلمانوں کی تعداد کم دیکھی تو اسلام کی

صداقت کی طرف سے شک میں پڑ گئے اور مرتد ہو کر کہنے لگے۔

غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيۡنُهُمۡ . ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکا دیا۔

یہ سب کے سب جنگ بدر میں مارے گئے۔ قیس بن ولید بن مغیرہ مخزومی، قیس بن فا کہ بن مغیرہ مخزومی، حارث بن زمیہ بن اسود بن مطلب، علی بن امیہ بن خلف جمحی اور عاص بن منبہّ بن حجاج انہی لوگوں میں سے تھے۔ طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ ؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ بات عتبہ بن ربیعہ اور اس کے ساتھیوں نے کہی تھی جو مشرک تھے۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا۔

وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝

. اور جو شخص اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے (وہ ذلیل نہیں ہوتا) پس بلاشبہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

اپنی حکمت رسا کے زیر اثر ایسا کام کر دیتا ہے جس کو عقل بعید سمجھتی ہے۔ اسی وجہ سے اس نے کافروں کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو ان کے گمان میں بھی نہ تھا۔

(تفسیر مظہری)

اِز یقولُ المنا فقون وَالذین فی قلو بھم مرض ...الخ اس آیت میں منافقین مدینہ اور مشرکین نیز ان مسلمانوں کا جن کے دلوں میں بھی اسلام راسخ نہیں ہوا تھا کا ایک مشترکہ مقولہ نقل کیا گیا ہے جو بظاہر مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان پر ترس کھا کر کہا گیا ہے۔ (غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيۡنُهُمۡ ) ان بیچاروں کو دین کے جوش جنون نے دیوانہ کر دیا ہے کہ مٹھی بھر مسلمان قریش کے بھاری اور مسلح لشکر سے ٹکرانے کے لئے نکل پڑے ہیں ان بیچاروں کو دین کے جوش جنون نے موت کے منہ میں دھکیل دیا ہے۔ اس معرکہ میں ان کی تباہی یقینی ہے شاید کہ اس نبی (ﷺ) نے کچھ ایسا منتر ان پر پھونک دیا ہے کہ ان کی عقل خبط ہو گئی ہے۔

تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا قول ہے کہ جب مسلمانوں کی فوج کفار کی فوج سے قریب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافرں کی نظر میں اور کافروں کو مسلمانوں کی نظر میں کم کر کے دکھایا۔ تو مشرک کہنے لگے کہ یہ مسلمان اپنے دین پر مغرور ہو کر اپنی قلت تعداد کے باوجود لڑنے کے لئے نکل آئے ہیں۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں فرمایا!

''وَمَنْ یتَو کل علی اللّٰہ فَاِنَّ اللّٰہ عزیز حکیم'

یعنی جوشخص اللہ پرتوکل کرتا ہے یادرکھووہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا

کیونکہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے۔

''ذلک بان اللّٰہ لم یک مغیرًا نعمة انعمھا علی قوم ...الخ ''

(سورۃ الانفال ۔ ۵۳)

یعنی جب تک کوئی قوم اپنے آپ کو پوری طرح اللہ کی نعمتوں کا غیر مستحق نہ بنالے اللہ اس سے اپنی نعمت سلب نہیں کیا کرتا۔

(جمالین فی شرح جلالین)

جب منافقین مدینہ والوں میں سے اور جن کے دلوں میں شک کی بیماری تھی مکہ والوں میں سے مسلمانوں کا بے سروسامانی کے ساتھ مقابلہ کفار میں آجانا دیکھ کر یوں کہتے تھے کہ ان مسلمان لوگوں کو ان کے دین نے بھول میں ڈال رکھا ہے۔ یہ اپنے دین کے حق ہونے کے بھروسے پر ایسے خطرہ میں آپڑے۔ اللہ جواب دیتے ہیں اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اکثر غالب ہی رہتا ہے۔ کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے اس لئے اپنے اوپر بھروسہ کرنے والے کو غالب کردیتا ہیں اور اگر ایسا شخص مغلوب ہوجائے تو اس میں کچھ مصلحت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ حکمت والے بھی ہیں غرض ظاہری سامان وبے سامانی پر مدار نہیں قادر کوئی اور ہی ہے۔

(مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

## کامیابی کے لئے صرف اخلاص نیت ہی کافی نہیں اس سے پہلے راستہ سیدھا ہونا ضروری ہے:

یہ کہ جولوگ کفروشرک یا دوسرے ناجائز اعمال میں مبتلا ہوتے ہیں اس کا بیشتر سبب یہی ہوتا ہے کہ شیطان ان کے اعمال بد کو خوبصورت مستحسن اور نفع بخش ظاہر کرکے ان کے دل ودماغ کو حق وصدق اور صحیح نتائج کی طرف سے

پھیر دیتا ہے۔ وہ اپنے باطل ہی کو حق اور بُرے کو بھلا سمجھنے لگتے ہیں اور اہل حق کی طرح اپنے باطل پر جان دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے قریشی لشکر اور اس کے سردار جب بیت اللہ سے رخصت ہو رہے تھے تو بیت اللہ کے سامنے ان الفاظ سے دعاء کر کے چلے تھے کہ (**اللّٰھم انصر اھد ی الطائفتین**) یعنی اے اللہ! ہم دونوں جماعتوں میں سے جو زیادہ ہدایت پر ہے اس کی مدد فرمایئے اور فتح دیجئے۔ یہ بے خبر لوگ شیطانی فریب میں آ کر اپنے آپ ہی کو زیادہ ہدایت پر اور حق بجانب سمجھتے تھے اور پورے اخلاس کے ساتھ اپنے باطل کی حمایت و نصرت میں جان مال قربان کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ نرا اخلاص کافی نہیں جب تک کہ عمل کا رُخ درست نہ ہو۔ منافقین مدینہ اور مشرکین مکہ کا ایک مشترک مقولہ مسلمانوں کے بارے میں یہ نقل کیا گیا جو گویا ان پر ترس کھا کر کہا گیا ہے کہ

غَرَّ هٰٓؤُ لَآ ءِ دِيْنُهُمْ (سورۃ الانفال ۔ ۴۹)

[ترجمہ] ان لوگوں کو ان کے دین نے مغرور کر رکھا ہے۔

یعنی میدان بدر میں یہ مٹھی بھر مسلمان اتنے بھاری اور قوی لشکر سے ٹکرانے آ گئے۔ ان بے چاروں کو ان کے دین نے فریب میں ڈال کر موت کے منہ میں دے دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا! وَمَنْ يَّتَوَ كَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

یعنی جو شخص اللہ پر توکل اور بھروسہ کر لیتا ہے تو یاد رکھو کہ وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اس کی حکمت کے سامنے سب کی عقل و دانش رکھی رہ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم لوگ صرف مادہ اور مادیت کو جاننے والے اور اسی پر بھروسہ کرنے والے ہو۔ تمہیں اس مخفی طاقت کی خبر نہیں جو اس مادہ اور مادیت کے پیدا کرنے والے کے خزانوں میں ہے اور جو ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اعتماد رکھتے ہیں۔

آج بھی دیندار بھولے مسلمانوں کو دیکھ کر بہت سے عقل و دانش کے مدعی یوں ہی کہا کرتے ہیں کہ اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو۔ لیکن اگر ان میں اللہ پر ایمان اور اعتماد پورا ہو تو انہیں اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ (تفسیر معارف القرآن)

6:3 . وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْن O

(التوبه - 9:125)

اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے ان کے حق میں خبث پر خبث زیادہ کیا اور وہ مرے بھی کافر کے کافر۔

As for those who have malady in their hearts. it adds further impurity to their (initial) impurity, and they die infidels.

کفر کی حالت پر مرنے کی صراحت اس لئے فرمائی کہ ایمان ایک خداداد چیز ہے۔ آیات کا کام ایمان کا بخشنا نہیں بلکہ اللہ ایمان نہ دے تو آیات غیر مفید ہوتی ہیں۔ مجاہد نے کہا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے (یعنی ایمان مرکب ہے اس کے اجزاء میں کمی بیشی ہوتی ہے)۔ حضرت عمرؓ اپنے ساتھیوں میں سے کسی ایک یا دو آدمیوں کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے تھے۔ آؤ ہم اپنا ایمان بڑھائیں (یعنی اگر کوئی جدید آیت یا سورت نازل ہوئی ہو تو اس کو چل کر سنیں تا کہ ہمارے ایمان میں اضافہ ہو)۔ حضرت علیؓ نے فرمایا دل کے اندر ایمان ایک سفید نقطہ کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ جتنا ایمان بڑھتا ہے اتنی ہی سفیدی بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ پورا دل سفید ہو جاتا ہے اور نفاق دل میں سیاہ نقطہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے پھر جتنا نفاق بڑھتا ہے سیاہی بڑھتی ہے یہاں تک کہ پورا دل کالا ہو جاتا ہے۔ خدا کی قسم! اگر تم مومن کا دل چیر کر دیکھو گے تو اس کو سفید پاؤ گے اور اگر منافق کا دل چیر کر دیکھو گے تو اس کو سیاہ پاؤ گے۔ (تفسیر مظہری)

یہ انکار کرنے والے حالت کفر ہی میں مر گئے یعنی جو ان میں مر چکے ہیں وہ کافر مرے اور جو اسی اصرار پر رہیں گے وہ کافر مریں گے۔ قرآن میں ایمان کو ترقی دینے کی بیشک خاصیت ہے لیکن اس کو قبول کرنے کی قابلیت بھی تو ہو اور اگر پہلے سے خباثت مستحکمہ ہو تو اور بھی اس کو استحکام ہو جائے گا۔ کیا ان کو نہیں دکھائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں۔ مگر پھر بھی اپنی بُری حرکات سے باز نہیں آتے اور نہ وہ کچھ سمجھتے ہیں جس سے باز آنے کی آئندہ امید ہو۔ یعنی ان حوادث سے ان کو عبرت پکڑنا اور عبرت پکڑ کر اپنی

اصلاح کر لینا چاہئے تھا، یہ تو ان کے تمسخر کا بیان ہوا جو اپنی مجالس میں کرتے تھے۔ آگے تنفر کا بیان ہوا جو مجلس نبوی ﷺ میں ان سے صادر ہوتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا اور جب کوئی سورت جدید نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں اور اشارہ سے باتیں کرتے ہیں کہ تم کو کوئی مسلمان دیکھتا تو نہیں کہ اٹھتا ہوا دیکھ لے اور حضور ﷺ سے جا کر بتا دے۔ پھر اشاروں ہی اشاروں میں باتیں کر کے وہاں سے اٹھ کر چل دیتے ہیں۔ یہ لوگ مسجد نبوی ﷺ سے کیا پھرے خدا تعالیٰ نے ان کا دل ہی ایمان سے پھیر دیا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ محض بے سمجھ لوگ ہیں کہ اپنے نفع سے بھاگتے ہیں۔ (تفسیر معارف القرآن)

6:4 ۔ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِىْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍO

(الحج -22:53)

غرض اس میں یہ ہے کہ جو وسوسہ شیطان ڈالتا ہے اس کو ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں ذریعہ آزمائش ٹھہراتا ہے بیشک ظالم پرلے درجے کی مخالف میں ہیں۔

(All this is allowed to be done) so that He may make what Satan casts a trial for those in whose hearts there is a disease, and whose hearts are hard;- and surely the wrongdoers are in the utmost antagonism.

اور اے محمد (ﷺ)! یہ لوگ جو شیطان کے بہکانے سے آپ سے جھگڑا کرتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے کچھ پڑھا تب ہی شیطان نے اس کے پڑھنے میں کفار کے قلوب میں شبہ اور اعتراض ڈالا اور کفار انہی شبہات اور اعتراضات کو پیش کر کے انبیاء سے جھگڑے کیا کرتے تھے۔

جیسا دوسری آیت میں ارشاد ہے.

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ﴾

(۶۔الانعام۔۱۱۲)

اوراسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنادیا تھا وہ دھوکا دینے کیلئے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے ۔

﴿ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِيٰۤـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ﴾

(۶۔الانعام۔۱۲۱)

اورشیطان (لوگ) اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں

پھراللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو جوابات قاطعہ ودلائل واضحہ سے نیست ونابود کردیتا ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ جواب صحیح کے بعد اعتراض رفع ہوجاتا ہے پھراللہ تعالیٰ اپنی آیات کے مضامین کوزیادہ مضبوط کر دیتا ہے۔گووہ فی نفسہا بھی مستحکم تھیں لیکن اعتراضات کے جواب سے اس استحکام کا زیادہ ظہور ہوگیا۔ اوراللہ تعالیٰ خوب علم والا اور حکمت والا ہے۔

یہ سارا قصہ اس لئے بیان کیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ایسے لوگوں کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنادے۔ جن کے دل میں شک کا مرض ہے اور جن کے دل بالکل ہی سخت ہیں کہ وہ شک سے بڑھ کر باطل کا یقین کئے ہوئے ہیں سوان کی آزمائش ہوتی ہے کہ دیکھیں بعد جواب کے اب بھی شبہات کا اتباع کرتے ہیں یا جواب کو سمجھ کر حق کو قبول کرتے ہیں۔ واقعی یہ ظالم لوگ یعنی اہل شک بھی اور اہل یقین بالباطل بھی بڑی مخالفت میں ہیں کہ حق کے باوجود واضح ہونے کے محض عناد کے سبب قبول نہیں کرتے۔ شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا تصرف تو اس لئے دیا گیا تھا کہ آزمائش ہو۔

(تفسیر معارف القرآن)

تفسیر انوارالبیان میں مفتی محمد عاشق الٰہیؒ بیان فرماتے ہیں:

شیاطین اوران کے دوست اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے اسلام قبول نہیں کرتے اوراسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے جن کو ہدایت ملنا ہےاور ہدایت پر مستقیم رہنا ہے وہ لوگ شیطان کے ڈالے ہوئے شکوک وشبہات کے باوجود دین میں اور زیادہ مضبوط ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو اور زیادہ مضبوط اور محکم بنا دیتا ہےاور شیطانی شکوک وشبہات سے وہ لوگ متاثر ہوتے ہیں جن کے دلوں میں مرض ہے۔ یعنی نفاق ہےاور جن کے دل سخت ہیں۔ یعنی وہ کافر جنہوں نے جھوٹے منہ سے بھی اسلام قبول نہیں کیا۔ شیطان جو وسوسے ڈالتا ہے یہ ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بن جاتا ہےاور یہ ظالم لوگ یعنی شک میں پڑنے والے دور کی مخالفت میں جاپڑے ہیں کیونکہ حق واضح ہوجانے کے باوجود حق کو قبول نہیں کرتے۔ جن کی طبیعت میں عناد اور وساوس شیطانیہ ہےانہیں اس سے تقویت پہنچ جاتی ہےلیکن جس کی وجہ سے وہ شیطان ہی کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور جن حضرات کوعلم دیا گیا ہے وہ یقین کرتے ہیں۔

6.5 ۔ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا O

(الاحزاب -33:12)

اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے کہ خدا اور اس کے رسول (ﷺ) نے تو ہم سے محض دھوکے کا وعدہ کیا تھا۔

(Remember) when the hypocrities and those having malady in their hearts were saying,: Allah and His messenger (ﷺ) did not promise us but deceitfully

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ اور جب کہ منافق کہہ رہے تھے۔ یہ منافق معقب بن قسیر اور عبداللہ بن ابی وغیرہ تھے۔

وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اور وہ لوگ بھی جن کے دلوں میں مرض تھا (کہہ رہے تھے) یعنی اعتقاد کی کمزوری اور بزدلی تھی۔

مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو وعدہ کیا تھا وہ محض دھوکہ تھا۔

بغوی نے لکھا ہے یہ قول اہل نفاق کا تھا۔ منافقوں نے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) ہم کو ملک شام و فارس کے محلات کی فتح کا وعدہ دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود ہماری حالت یہ ہے کہ ڈر کے مارے ہم میں سے کوئی بھی اپنے پڑاؤ سے ہٹ نہیں سکتا۔ خدا کی قسم! یہ وعدہ محض فریب ہے۔ ابن ابی حاتم نے بھی سدی کی روایت سے یہ واقعہ نقل کیا ہے اس روایت میں یہ قول ایک انصاری منافق بشیر بن معتب کا بیان کیا گیا ہے۔

(تفسیر مظہری)

حضرت مولانا جلال الدین محلّی نے تفسیر جلالین میں اس آیت کی تفصیل یوں بیان کی ہے۔

**جنگ احزاب میں مسلمانوں کی مشکلات: ------ از جاؤ کم**

یعنی کچھ فوجیں مدینہ کے نشیبی حصہ میں آ کر خیمہ انداز ہوگئی تھی اور کچھ بالائی حصہ میں مدینہ کی مشرقی سمت اونچی اور مغربی سمت نیچی ہے۔ جنہیں معلیٰ اور مسفلہ کہا جاتا ہے۔ قبیلہ بنی اسد، قبیلہ غطفان معلیٰ سے اور قریش اور بنی کنانہ کی فوجیں مسفلہ سے آگئیں۔ حالات کی ناسازگاری کا حال یہ تھا کہ آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور لوگ طرح طرح کے خیالات میں تھے اور ایسے ناگفتہ بہ حالات میں ایسا ہونا نہ کچھ ناممکن ہے اور نہ منافی کمال، کچے اور کمزور مسلمان تو متذبذب ہو ہی رہے تھے اور اپنی جان کی خیر منا رہے تھے۔ منافقین نے طنز و استہزاء سے کہنا شروع کر دیا کہ لیجئے حالت تو یہ ہو رہی ہے کہ مسلمان قضاء حاجت کے لئے بھی نہیں نکل سکتے اور خواب دیکھ رہے ہیں قیصر و کسریٰ کے شاہی محالات کے۔ یہ وہ حالات تھے کہ مومن تو عشق الٰہی سے ثابت قدم اور دامن رسول ﷺ سے وابستہ رہے۔ مگر منافقین دل کی باتیں بولنے لگے اور دوستی جتانے والے آنکھیں چرانے لگے۔

منافقین ہر قدم پر مسلمانوں کے لئے سوہان روح ثابت ہوئے:

بعض بولے کہ اب مورچوں پر جمے رہنا صریحاً موت کے منہ میں جانا ہے۔ بعض خدمت اقدس ﷺ میں آ کر طرح طرح کے بہانے تراشنے لگے۔ کہنے لگے کہ ہم اپنے گھروں کو غیر محفوظ چھوڑ آئے ہیں۔ صرف عورتیں، بچے ہیں، چوروں، ڈاکوؤں کا ہر وقت خطرہ ہے۔ ایسے میں ہمیں یہاں رہنے کا ٹھکانہ کہاں؟ ایسی عام افراتفری میں اچھے اچھوں کے قدم بھی ڈگمگا جاتے ہیں۔ یہ لوگ تو پہلے ہی سے روحانی مریض تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایسے سب لوگوں کو چلے جانے کی اجازت دے دی جو دوسروں کے پاؤں اکھیڑنے کا باعث بن رہے تھے۔ صرف تین سو نفوس قدسیہ آپ ﷺ کے ساتھ باقی رہ گئے تھے۔ حالانکہ یہ سب بہانے جھوٹے تھے نہ گھر غیر محفوظ تھے اور نہ بیوی بچے خطرہ میں تھے۔

فرمایا کہ فرض کرو یہ لوگ شہر میں ہوں اور کوئی غنیم چڑھ آئے۔ پھر مطالبہ کرے کہ مسلمانوں سے لڑو اور فتنہ و فساد برپا کرو۔ اس وقت ان کے جھوٹ کا پول کھل جائے گا۔ فوراً ان کی آواز پر نکل کھڑے ہوں گے، نہ گھر کھلے رہنے کا کھٹکا ہوگا اور نہ لٹنے کا خطرہ۔ اسلام کے ظاہری دعویٰ سے دستبردار ہو کر فوراً فتنہ کی آگ میں کود پڑیں گے۔ حالانکہ جنگِ احد کے بعد انہوں نے اقرار کیا تھا کہ پھر ہم ایسی حرکت نہیں کریں گے۔ اللہ اس کی پوچھ گچھ کریں گے کہ اب کہاں گیا وہ قول وقرار۔

ڈر اور بزدلی موت سے نہیں بچا سکتی:

بات یہ ہے کہ جس کی قسمت میں موت مقدر ہے وہ کہیں بھی چلا جائے بچ نہیں سکتا۔ قضائے الٰہی ہر جگہ پہنچ کر رہے گی اور موت ابھی مقدر نہیں تو کچھ بھی کر لے بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ کیا میدان جنگ میں سب مارے جاتے ہیں اور کیا گھروں میں سب محفوظ رہتے ہیں۔ اس لئے میدان جنگ سے بھاگنے سے کیا فائدہ؟ اور فرض کرو بھاگنے سے بچاؤ ہو ہی گیا تو کتنے دن کے لئے؟ آخر موت تو آنی ہے اب نہیں تو چند روز بعد سہی اور نہ معلوم کہ کیسی سختی اور ذلت سے آئے۔ اللہ کے ارادہ کو کون روک سکتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں نہ کوئی حیلہ یا تدبیر چل سکتی ہے اور

نہ کوئی طاقت کارگر ہوسکتی ہے۔ دنیا کی برائی، بھلائی، سختی، نرمی یقیناً پہنچ کر رہے گی۔ پھراس کے راستہ میں بزولی کیوں دکھائی جائے۔ دنیا کی تکلیف تو ہٹ نہیں سکی مگر عاقبت خراب ہوجائے گی۔ اس لئے آدمی کو چاہے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھےاوراسی کی مرضی کا طلب گار رہے۔

**منافقین کے ڈھول کا پول کھل کر رہا:.................فلا یعلم اللّٰہ**

یعنی اپنی کم ہمتی اور برائے نام ایمان کی بناء پراول تو لڑائی میں شریک ہی کب ہوتے ہیں اوراگر محض نام کرنے کے لئے شریک بھی ہوگئے اور محض ظاہری وضعداری اور دکھلاوے لے لئے شرما شرمی کبھی میدان میں آ کھڑے بھی ہوئے تو انہیں یہ گوارا نہیں ہوتا ہے کہ مال غنیمت مسلمانوں ہی کو ملے۔ یہ چاہتے ہیں کہ کسی کو کچھ نہ ملے۔ سارا مال سمیٹ کر ہم ہی لے جائیں۔ اسی لالچ میں دبے دبائے چلے آتے ہیں ورنہ گھروں میں رہ کرعیش اڑانے سے انہیں فرصت ہی کہاں۔ وہ تو سچے مسلمانوں کو بھی روکتے رہتے ہیں اورآڑے وقت مسلمانوں کا ساتھ دینے سے جی چراتے ہیں۔ ڈر کے مارے جان نکلتی ہے۔ ہاں فتح کے بعدآ کرڈینگیں مارتے ہیں اورمردانگی جتاتے ہیں۔ مال غنیمت لینے کی خاطر گرے پڑتے ہیں۔ مسلمانوں کودل خراش باتیں کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔ کہتے ہیں کہ ہماری مدد سے تمہیں فتح میسرآئی۔ حالانکہ حقیقی ایمان توان میں پہلے ہی نہیں تھااوراسی لئے ان کے کسی ظاہری عمل اور طاقت کا اجر بھی نہیں۔

اللہ کی حکمت وعدل سے یہ بات اگر چہ بظاہر بعید نظرآتی ہے کہ وہ کسی کی ادنیٰ نیکی بھی ضائع کرے۔ لیکن جب اسی نیکی ہی میں اندرونی طور پرایسی خرابی چھپی ہوئی ہوجوگھن کے کیڑے کی طرح ہروقت اسے چاٹ کرختم کرتی رہے تو پھروہ نیکی کہاں رہ سکتی ہے۔ ایمان نہیں تو عمل کی روح بھی نہیں اور بے روح عمل تن مردہ ہے پھرقبولیت کہاں؟ اس لئے کافرکتنی ہی محنت کرے سب اکارت ہے۔

منافقین صرف زبان سے دعویٰ اسلام کرتے ہیں حقیقتِ اسلام سے خالی ہیں۔ اس لئے ان کی بزدلی کی یہ انتہاءتھی کہ فوج چلی گئی اور یہ اب تک اس کے ڈر سے دبے سہمے ہوئے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ کہیں دوردیہات میں چلے جائیں اوروہیں دوربیٹھے آنے جانے والوں سے پوچھ لیا کریں اوربس خبریں سن لیا کریں کہ مسلمانوں کا کیا حال

ہے اور نقشہ جنگ کیسا ہے؟ یہ محض گفتار کے غازی ہیں اور کردار کے چور، چکنی چپڑی باتیں بنا کر کام نکالنا چاہتے ہیں اور عمل میں صفر۔

## لطائف سلوک:

اس میں صحابہ کرام ؓ کی حیرت و دہشت اور وہام وساس کا تذکرہ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ طبعی غیر اختیاری احوال ایمان کے تو کیا کمال ایمان کے بھی منافی نہیں ہے۔ اس آیت میں آزمائش کے مختلف بلیات کا پیش آجانا معلوم ہوا۔ جن میں قبض وغیرہ باطنی مکارہ بھی داخل ہیں۔ جو صدق و یقین اور استعانۃ کے امتحان کے لئے ہو سکتے ہیں۔ اس لئے سالک کو ہر حال میں واجب ہے کہ صبر کرے اور اطاعات پر ثابت قدم رہے، کیونکہ کبھی کبھی یہ مکارہ معارف کی ترقی کا باعث بن جاتے ہیں۔

(کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جبکہ وہ دشمن لوگ تم پر ہر طرف سے نرغہ کر کے چڑ آئے تھے۔ اوپر کی طرف سے اور نیچے کی طرف سے بھی یعنی کوئی قبیلہ مدینہ کے نشیب کی طرف سے اور کوئی قبیلہ اس کی بلندی کی طرف سے اور جب کہ آنکھیں مارے دہشت کے کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے جیسا مواقع شدت میں طبعی طور پر مختلف وسوسے آیا کرتے ہیں اور یہ غیر اختیار ہونے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں اور نہ اس قول کے منافی ہو۔

اللہ تعالیٰ مختلف گروہوں کا اکٹھے ہو کر مسلمانوں پر چڑھ آنے کا ذکر کر رہا ہے۔ چونکہ اس کی خبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیدی گئی تھی اس لئے یہ تو یقینی تھا۔ لیکن انجام اس واقعہ کا نہیں بتلایا گیا تھا اس لئے اس میں مختلف احتمال یعنی فتح یا مغلوب ہونے کے پیدا ہوتے تھے۔ اس موقع پر مسلمانوں کا پورا پورا امتحان کیا گیا۔ جس میں وہ پورے اترے اور سخت آزمائش میں ڈالے گئے اور یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جب کہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق اور شک کا مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ نے اور اس کے رسول نے محض دھوکہ ہی کا وعدہ کر رکھا ہے۔

جیسا معتب بن قشیر اور اس کے ہمراہیوں نے کہا۔ یہ قول اس وقت کہا تھا کہ خندق کھودتے وقت کدال لگنے سے کئی بار آگ کا شرارہ نکلا اور حضور ﷺ نے ہر بار ارشاد فرمایا کہ مجھ کو فارس اور روم اور شام کے محل اس کی روشنی میں نظر آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی فتح کا وعدہ فرمایا ہے۔ جب احزاب کے اجتماع کے وقت پریشانی ہوئی تو یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو حالت ہے اور اس پر فتح روم وفارس کی بشارتیں سنا رہے ہیں۔ یہ محض دھوکہ ہے اور گو وہ اس کو اللہ کا وعدہ نہ سمجھتے تھے اور نہ آپ ﷺ کو رسول جانتے تھے۔

ان منافقین میں سے بعض لوگوں نے دوسرے حاضرین معرکہ سے کہا کہ یثرب یعنی مدینہ کے لوگوں یہاں ٹھہرنے کا موقع نہیں کیونکہ یہاں رہنا موت کے منہ میں جانا ہے۔ سو اپنے گھروں کو لوٹ چلو یہ قول اوس بن قبطی نے کہا تھا اور بھی کچھ لوگ اس میں شریک تھے اور بعضے لوگ ان منافقوں میں نبی ﷺ سے اپنے گھر واپس جانے کی اجازت مانگتے تھے۔ کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں یعنی صرف عورتیں بچے رہ گئے ہیں۔ دیواریں قابل اطمینان نہیں کبھی چور نہ آجائیں۔ یہ قول ابوعرابہ اور دوسرے بعض بنی حارثہ کا تھا۔ حالانکہ وہ ان کے خیال میں غیر محفوظ نہیں ہیں یعنی ان کو اندیشہ چوری وغیرہ کا ہرگز نہیں اور نہ واپس جانے سے یہ نیت ہے کہ ان کا انتظام قابل اطمینان کر کے چلے آئیں گے۔ یہ محض بھاگنا ہی چاہتے ہیں اور ان کی یہ حالت ہے کہ اگر مدینہ میں اس کے سب اطراف سے ان پر جب یہ اپنے گھروں میں ہوں کوئی لشکر کفار کا آگھسے۔ پھر ان سے فساد یعنی مسلمانوں سے لڑنے کی درخواست کی جائے تو یہ فوراً اس فساد کو منظور کرلیں۔ گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں یعنی اتنا توقف ہو کہ کوئی ان سے درخواست کرے اور یہ منظور کریں۔اس کے بعد وہ فوراً ہی تیار ہو جائیں اور مسلمانوں کے مقابلہ میں جا پہونچیں گے اور کچھ بھی گھروں کا خیال نہ کریں کہ ہم تو دوسروں کو لوٹ مار کرتے جاتے ہیں کبھی کوئی ہمارے گھر کو لوٹ لے تو اگر ان کا قصد واقعی حفاظت کا ہے تو اب گھروں میں کیوں نہیں رہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اصل میں ان کو مسلمانوں سے عداوت اور کفار سے محبت ہے۔ اس لئے مسلمانوں کی نصرت پسند نہیں کرتے۔ باقی گھروں کا تو بہانہ ہے حالانکہ یہ لوگ اس سے پہلے خدا سے عہد کر چکے تھے کہ دشمن کے مقابلہ میں پیٹھ نہ پھیریں گے۔ یہ عہد اس وقت کیا تھا جبکہ بدر میں بعض شرکت سے رہ گئے تھے تو بعض منافقین بھی کہنے لگے کہ افسوس ہم شریک نہ ہوئے ایسا کرتے ویسا کرتے جب وقت آیا ساری قلعی کھل گئی۔ (تفسیر معارف القرآن)

6:6 . لَئِنۡ لَّمۡ یَنۡتَہِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ وَّ الۡمُرۡجِفُوۡنَ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ لَنُغۡرِیَنَّکَ بِہِمۡ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوۡنَکَ فِیۡہَاۤ اِلَّا قَلِیۡلًا O

(الاحزاب -33:60)

اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو مدینے (کے شہر) میں بری بری خبریں
اڑایا کرتے ہیں (اپنے کردار) سے باز نہ آئیں گے تو ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دیں گے
وہاں تمہارے پڑوس میں نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دن

If the hypocrites and those having malady in their hearts and the ones who spread rumors in Madinah do not stop (their evil deeds). We will certainly stir you up against them, then they shall no longer live in it as your neighbors, but for a little while.

منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (ضعف ایمان کی) بیماری ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑایا کرتے ہیں منع کرنے کے باوجود باز نہ آئے یعنی اگر منافق اپنے نفاق سے اور عورتوں کو چھیڑنے سے باز نہ آئے اور جن کے دلوں میں ضعف ایمان کی بیماری ہے وہ اپنے مذہبی استقلال یا بدکاریوں سے باز نہ آئے اور مدینہ میں سنسنی پیدا کر دینے والے اپنی سنسنی خیز جھوٹی خبروں کو پھیلانے سے باز نہ آئے۔ جب رسول اللہ ﷺ فوجی دستوں کو (ادھر ادھر قبائل میں) بھیجتے تھے تو کچھ منافق مدینہ میں جھوٹی خبریں پھیلاتے تھے۔ کبھی کہتے جن لوگوں کو بھیجا گیا تھا وہ مارے گئے یا شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ کبھی کہتے عنقریب دشمن مسلمانوں پر مدینہ میں حملہ کرنے والا ہے۔ کلبی نے کہا وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں کوئی بری بات پھیل جائے وہ جھوٹی خبریں اڑاتے تھے۔

**لَنُغۡرِیَنَّکَ بِہِمۡ** تو ہم ضرور آپ کو ان کے خلاف برانگیختہ کر دیں گے

یعنی حکم دے دیں گے کہ آپ ان سے قتال کریں اور ان کو جلاوطن کر دیں یا ایسی بات کا حکم دے دیں گے جس کی وجہ سے وہ ملک بدر ہونے کی خواہش پر مجبور ہو جائیں یا یہ مطلب ہے کہ ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے۔

**ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوۡنَکَ فِیۡہَاۤ اِلَّا قَلِیۡلًا** پھر مدینہ میں وہ آپ کے ساتھ نہیں رہ سکیں گے مگر تھوڑے

وقت آخران کو شہر بدر ہونا پڑے گا یا مارے جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی جو کنیزوں کو چھیڑا کرتے تھے اوران لوگوں کو بھی جو ایک دوسری شرارت کے مرتکب تھے کہ مسلمانوں کے خلاف غلط افواہیں پھیلا کران کو پریشان کرنا چاہتے تھے۔ یہ خاص اصل منافقین اور عام منافقین سے فرمایا کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں شہوت پرستی کی خرابی ہے جس کی وجہ سے کنیزوں کو چھیڑتے اور پریشان کرتے ہیں۔ انہی منافقین میں وہ لوگ جو مدینہ میں جھوٹی اور پریشان کرنے والی افواہیں اڑایا کرتے ہیں۔ یہ لوگ اگر اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ کو انُ پر مسلط کر دیں گے۔ یعنی ان کو مدینہ سے اخراج کا حکم کر دیں گے پھراس حکم کے بعد یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہ پائیں گے۔ وہ بھی ہر طرف سے پھٹکارے ہوئے یعنی مدینہ سے نکل جانے کا سامان کرنے کے لئے جو کچھ قلیل مدت معین کی جائے گی اس مدت میں تو یہ یہاں رہ لیں گے اوراس مدت میں بھی ہر طرف سے ذلیل دخوار ہوں گے پھر نکال دیئے جائیں گے۔ نکالنے کے بعد اوراس مدت میں بھی کہیں امن نہ ہوگا بلکہ جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان منافقین کے کفر کا مقتضیٰ تو یہی تھا۔ لیکن نفاق کی آڑ میں ان کو پناہ ملی ہے۔ جب علی الاعلان ایسی مخالفتیں کرنے لگیں گے تو وہ رکاوٹ ہٹ گئی اس لئے ان کے ساتھ بھی کفر کے اصلی اقتضاء کے موافق معاملہ ہوگا کہ ان کے اخراج اور قید وقتل سب جائز ہے اور اگر خروج کے لئے کچھ مدت معین ہو جائے تو اس مدت کے اندر بوجہ معاہدہ کی اجازت ہوگی۔ منافقین کو جو یہ دھمکی دی گئی اس میں کنیزوں کو چھیڑنے کا بھی انتظام کیا تھا۔

یہ لوگ علی الاعلان مخالفت احکام اور مسلمانوں کے خلاف حرکتوں سے باز آ گئے گو اپنی در پردہ منافقانہ چالوں میں لگے رہیں تو یہ سزا جاری نہ ہوگی۔ ورنہ پھر عام کفار کے حکم میں داخل ہو کر سزا کے حقدار ہو جائیں گے اور فساد وشورش پر سزا جاری کرنا کچھ انہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان مفسد لوگوں میں بھی اپنا یہی دستور جاری رکھا ہے جو ان سے پہلے گذرے ہیں کہ ان کو آسمانی سزائیں دیں یا انبیاء کے ہاتھ سے جہاد کے ذریعے سزائیں دلوائی ہیں۔ پس اگر پہلے ایسا نہ ہو چکتا تو ایسی سزا میں کچھ شک ہوسکتا تھا اور اب تو اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں کسی شخص کی طرف سے ردو بدل نہ پائیں گے کہ خدا تو کوئی حکم جاری کرنا چاہے اور کون اس کو

روک سکتا ہے۔ لفظ سنۃ اللہ میں تو اس کا اظہار کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ سے پہلے کوئی کام نہیں کر سکتا اور

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِهِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً

جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ فرمالیں تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔

ایک ایذاء یہ تھی کہ یہ لوگ ہمیشہ ایسی جھوٹی خبریں اڑاتے تھے کہ اب فلاں غنیم مدینہ پر چڑھائی کرنے والا ہے وہ سب کو ختم کر دے گا۔ آزاد بیبیوں کو منافقین کی شرارتوں سے بچانے کا فوری ااور سہل انتظام یہ ہوسکتا تھا کہ ان کو یہ لوگ ان کے خاندان کی وجاہت اور حمایت کی وجہ سے بالقصد چھیڑنے کی جرأت نہ کرتے تھے۔ کبھی کنیزوں کے شبہ میں یہ بھی ان کو چھیڑ چھاڑ کی زد میں آجاتی تھیں۔ اگر ان کی پہچان ہوجاتی تو یہ نوبت نہ آتی اس لئے ضرورت پیش آئی کہ ان کا کوئی خاص امتیاز ہوجائے تاکہ آسانی کے ساتھ خود بخود ہی کم از کم مستورات تو ان شریروں کے فساد سے فوری طور پر محفوظ ہوجائیں اور کنیزوں کا دوسرا انتظام کیا جائے۔

(تفسیر معارف القرآن)

6:7 . اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ O

(محمد -47:29)

کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ خدا ان کے کینوں کو ظاہر نہیں کرے گا۔

Do those having malady in their hearts think that Allah will never expose their grudges (against Islam)?

## منافق کو اس کے چہرے کی زبان سے پہچانو:

یعنی کے منافقوں کا خیال ہے کہ ان کی مکاری اور عیاری کا اظہار اللہ مسلمانوں پر کرے گا ہی نہیں؟ یہ بالکل غلط خیال ہے اللہ تعالیٰ ان کا مکر اس طرح واضح کر دے گا کہ ہر عقلمند انہیں پہچان لے اور ان کی بد باطنی سے بچ

سکے۔ ان کے بہت احوال سورۃ براۃ میں بیان کئے گئے اور ان کے نفاق کی بہت سی خصلتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اس سورت کا دوسرا نام ہی فاضحہ رکھ دیا گیا۔ یعنی منافقوں کو فضیحت کرنے والی (اضغان) جمع ہے (ضغن) اور کہتے ہیں دلی حسد و بغض کو۔ اس کے بعد اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اے نبی! اگر ہم چاہیں تو ان کے وجود تمہیں دکھا دیں پس تم انہیں کھلم کھلا جان جاؤ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا ان تمام منافقوں کے بارے میں نہیں بتایا تا کہ ان پر پردہ پڑا رہے ان کے عیوب پوشیدہ ہیں اور باطنی حساب اسی ظاہر و باطن جاننے والے کے ہاتھ رہے۔ لیکن ہاں تم ان کی بات چیت کے طرز اور کلام کے ڈھنگ سے ہی انہیں پہچان لو گے۔

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ فرماتے ہیں جو شخص کسی پوشیدگی کو چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے چہرے پر اور اس کی زبان پر ظاہر کر دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی راز کو پردہ میں رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس پر عیاں کر دیتا ہے کہ وہ بہتر ہے اور تو بدتر ہے ۔ حدیث میں منافقوں کی ایک جماعت کی (تعیین) آ چکی ہے۔

مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا! تم میں بعض لوگ منافق ہیں پس جس کا میں نام لوں وہ کھڑا ہو جائے ۔ اے فلاں کھڑا ہو جا یہاں تک کہ چھتیس اشخاص کے نام لئے پھر فرمایا! تم یا تم میں سے منافق ہیں۔ پس اللہ سے ڈرو اس کے بعد ان لوگوں میں سے ایک کے سامنے سے حضرت عمرؓ گزرے وہ اس وقت کپڑے میں اپنا منہ لپیٹے ہوا تھا۔ آپ اسے خوب جانتے تھے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے حضور ﷺ کی اوپر والی حدیث بیان کی تو آپ نے فرمایا! اللہ تجھے غارت کرے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم حکم احکام دے کر روک ٹوک کر کے تمہیں خود آزما کر معلوم کر لیں گے کہ تم میں سے مجاہد کون ہیں؟ اور صبر کرنیوالے کون ہیں؟ اور ہم تمہارے احوال آزمائیں گے۔ یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ ظاہر ہونے سے پہلے ہی اس علام الغیوب کو ہر چیز ہر شخص اور اس کے اعمال معلوم ہیں تو یہاں مطلب یہ ہے کہ دنیا کے سامنے کھول دے اور اس حال کو دیکھ لے اور دکھا دے اسی لئے حضرت ابن عباسؓ اس جیسے مواقع (لنعلم) کے معنی کرتے تھے (لنریٰ) یعنی تا کہ ہم دیکھ لیں۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

کیا وہ لوگ جن کے دلوں مرض ہے یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ کبھی ان کی دلی عداوتوں کو ظاہر نہیں کرے گا اور اگر ہم چاہتے تو آپ کو ان کا پورا پتہ بتا دیتے۔ سو آپ ان کو حلیہ سے پہچان لیتے اور آپ ان کو طرز کلام سے ضرور پہچان لیں گے۔

مرض سے مراد ہے نفاق۔ یعنی منافق خیال کرتے ہیں۔

اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ. کہ اللہ اپنے رسول اور مسلمانوں پر ان (منافقوں) کے دلوں کے اندر چھپے ہوئے کینے ظاہر نہیں کر دے گا۔

(تفسیر مظہری)

جن لوگوں کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے (اور وہ اس کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں)۔ کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کی دلی عداوتوں کو ظاہر نہ کریگا۔ یعنی یہ ان کو کیسے اطمینان ہو گیا جبکہ حق تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا ثابت اور مسلم ہے۔ اور ہم تو اگر چاہتے تو آپ کو ان کا پورا پتہ بتلا دیتے۔ سو آپ ان کو ان کے حلیہ سے پہچان لیتے پورے پتہ کا مطلب یہی ہے کہ ہر ایک کا پورا حلیہ بتا دیتے اور گو بمصلحت ہم نے اس طرح نہیں بتلایا لیکن آپ ان کو طرز کلام سے اب بھی ضرور پہچان لیں گے۔ کیونکہ ان کا کلام صدق پر مبنی نہیں اور آپ کو نور فراست سے اللہ تعالیٰ نے صدق و کذب کی پہچان دی تھی کہ صدق کا اثر قلب پر اور ہوتا تھا اور کذب کا بھی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ صدق اطمینان بخش ہوتا ہے اور جھوٹ دل میں شک پیدا کرتا ہے۔ مومنین ومنافقین سب کو خطاب میں جمع کر کے بطور ترغیب ترہیب کے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال کو جانتا ہے پس مسلمانوں کو ان کے اخلاص پر جزا اور منافقین کو ان کے نفاق اور دھوکہ پر سزا دیگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم ایسے امور کا حکم دے کر ضرور تمہاری سب کی آزمائش کریں گے تا کہ ہم ظاہری طور پر بھی ان لوگوں کو معلوم اور ممیّز کر لیں جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور جو جہاد میں ثابت قدم رہنے والے ہیں تا کہ تمہاری حالتوں کی جانچ کر لیں یہ اسلئے بڑھا دیا کہ علاوہ حکم جہاد کے اور احکام بھی داخل ہو جاویں اور علاوہ مجاہدہ وصبر کے دوسرے حالات بھی داخل ہو جائیں۔

شیطان کی طرف دو کاموں کی نسبت کی گئی ایک بُری چیز یا بُرے عمل کو کسی کی نظروں میں اچھا اور مزین کردے۔ دوسرا یہ کہ شیطان نے اول تو ان کے برے اعمال کو ان کی نظروں میں اچھا اور مزین کے کر کے دکھلایا۔ پھر ان کو ایسی طویل آرزوئں اور امیدوں میں الجھا دیا جو پوری ہونے والی نہیں۔ ان کے بارے میں نازل ہوا کہ یہ لوگ اللہ رب العالمین کو عالم الغیب جانتے ہوئے اس بات سے کیوں بےفکر ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے باطنی راز اور مخفی عداوت کے لوگوں پر ظاہر کردیں۔

ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ برأت میں ان کے ایسے اعمال وافعال اور حرکتوں کا پتہ دیدیا جن سے منافقین کے نفاق کا پتہ چل جائے اور وہ پہچانے جائیں۔ اسی لئے سورۂ برأت کا فاضحہ بھی کہا جاتا ہے یعنی رسُوا کرنے والی کیونکہ اس منافقین کی خاص خاص علامتیں ظاہر کردی ہیں۔

(تفسیر معارف القرآن)

# 7 ۔ مشرک دل

7:1 ۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ط

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ط تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ط

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ O

(البقرہ -2:118 )

اور جو لوگ کچھ نہیں جانتے (یعنی مشرک) وہ کہتے ہیں کہ خدا ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا۔ یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی انہیں کی سی باتیں کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ جو لوگ صاحب یقین ہیں ان کے (سمجھانے کے) لیے ہم نے نشانیاں بیان کر دیں ہیں۔

Those who do not know say: :Why is it that Allah does not speak to us, nor does a sign come to us? So spoke those before them as these people do. Their hearts resemble each other. We have indeed made the signs clear for the people who have certitude.

طلب نظارہ ایک حماقت:

رافع بن حریملہ نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ خود ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ ہم بھی تو خدا سے اس کا کلام سنیں، اس پر یہ آیت اتری۔ مجاہد کہتے ہیں یہ بات نصرانیوں نے کہی تھی۔ ابن جریر فرماتے ہی یہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ آیت انہی سے متعلق بیان کے دوران میں ہے۔ لیکن یہ قول سوچنے کے قابل ہے۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ کی نبوت کی اطلاع خود جناب باری ہمیں کیوں نہیں دیتا؟ یہی بات ٹھیک ہے۔ واللہ اعلم۔

بعض اور مفسر کہتے ہیں یہ قول کفار عرب کا تھا۔ اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا تھا ان سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

قرآن کریم میں اور جگہ ہے۔

( وَاِذَا جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ حَتّٰى نُؤۡتٰى مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ

اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ)

(6۔الانعام:124)

ان کے پاس جب کبھی کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے تھے کہ نہیں مانیں گے
جب تک ہم کو بھی وہ نہ دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔

اور جگہ فرمایا آیت

وَقَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفۡجُرَ لَنَا مِنَ الۡاَرۡضِ يَنۡۢبُوۡعًاO

(17۔الاسرآء:90)

یعنی انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب کہ آپ ہمارے لئے
ان زمینوں میں چشمے جاری نہیں کردیں۔

اور جگہ فرمایا آیت

(وَقَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا الۡمَلٰۤئِكَةُ اَوۡ نَرٰى رَبَّنَا ؕ)

(25 .الفرقان:21)

یعنی ہماری ملاقات کے منکر کہتے ہیں ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے
سامنے کیوں نہیں آتا۔

اور جگہ فرمایا آیت

بَلۡ يُرِيۡدُ كُلُّ امۡرِیءٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّؤۡتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةًO

(74.المدثر:52)

ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ خود ان کو کوئی کتاب دی جائے۔

آیتیں جو صاف بتاتی ہیں کہ مشرکین عرب نے حضور ﷺ سے صرف تکبر و عناد کی بنا پر ایسی ہیں چیزیں طلب کیں۔ اسی طرح یہ مطالبہ بھی انہی مشرکین کا تھا۔ ان سے پہلے اہل کتاب نے بھی اپنے پیغمبروں ایسے ہی بے معنی سوالات کئے تھے۔

ارشاد ہوتا ہے آیت

﴿ یَسْئَلُکَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ ﴾

(4۔النساء:153)

اہل کتاب تم سے چاہتے ہیں کہ تم ان پر کوئی آسمانی کتاب اتارو اور حضرت موسیٰؑ سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا (ان سے تو کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو ہماری آنکھوں سے دکھاؤ)۔

اور جگہ فرمان ہے کہ جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک رب کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ پھر فرمایا ان کے اور ان کے دل یکساں اور مشابہ ہو گئے۔ یعنی ان مشرکین کے دل سابقہ کفار جیسے ہو گئے۔

اور جگہ فرمایا ہے کہ پہلے گزرنے والوں نے بھی اپنے انبیاء کو جادوگر اور دیوانہ کہا تھا۔ انہوں نے بھی ان ہی باتوں کو دہرایا تھا۔ پھر فرمایا ہم نے یقین والوں کے لئے اپنی آیتیں اسی طرح کر دیں ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق عیاں ہے۔ کسی اور چیز کی وضاحت باقی نہیں رہی یہی نشانیاں ایمان لانے کے لئے کافی ہیں۔ ہاں جن کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے انہیں کسی آیت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

جیسے فرمایا آیت

اِنَّ الَّذِیۡنَ حَقَّتۡ عَلَیۡهِمۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَO

(10۔یونس:96)

جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔

گو ان کے پاس تمام آیتیں آ جائیں۔ جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

''اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے کہ کیوں نہیں کلام کرتا ہمارے ساتھ (خود) اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی نشانی (۱) اسی طرح کہی تھی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے (گزرے) تھے ان کی سی (بے سروپا) بات (۲) ملتے جلتے ہیں ان سب کے دل (۳) بیشک ہم نے صاف بیان کر دی ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لئے جو یقین رکھتے ہیں'' (۴)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان سے مراد یہود ہیں (1) ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں رافع بن حرملہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا اگر آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں جیسا کہ آپ خود کہتے تو اللہ تعالیٰ سے کہو کہ وہ ہمارے ساتھ خود کلام کرے حتیٰ کہ ہم اس کی کلام کو سن لیں (2)۔ مجاہد کہتے ہیں ان سے مراد نصاریٰ ہیں (3)۔ ان دونوں فریقوں سے علم کی نفی ان کے تجاہل کی بناء پر کی گئی ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں ان بے علموں سے مراد مشرکین عرب میں سے امی اور ان پڑھ لوگ ہیں (4)۔

اخلاف و اسلاف کے دل عناد اور اندھے پن میں متشابہ ہیں۔ ہم نے صاف صاف بیان کر دی ہیں اپنی نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو چیز کا یقین طلب کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یقین والوں کو خاص فرمایا ہے کیونکہ آیات کا فائدہ صرف انہی کو حاصل ہوتا ہے نہ کہ ان لوگوں کو جو سرکشی اور عناد کی بنا پر جھگڑا کرتے ہیں۔

(تفسیر مظہری)

## خلاصہ تفسیر

بعضے جاہل یہودیوں، نصاری اور مشرکین رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں یوں کہتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں فرماتے خواہ فرشتوں کے بغیر۔ جیسے خود فرشتوں سے کلام فرماتے ہیں یا فرشتوں کے واسطے سے جیسے پیغمبروں سے بطور وحی بات کرتے ہیں۔ اس کلام میں یا تو خود ہم کو احکام بتا دیں کہ دوسرے رسول کی ہم کو ضرورت ہی نہ رہے یا کم از کم اتنا ہی کہہ دیں کہ محمد ﷺ ہمارے رسول ہیں تو ہم ان کی ہی رسالت کے قائل ہو کر ان کی اطاعت کرنے لگیں یا کلام نہیں کرتے تو ہمارے پاس کوئی اور ہی دلیل ثبوت رسالت آ جائے۔

حق تعالیٰ اولاً اس بات کا جاہلانہ رسم ہونا بتلاتے ہیں کہ اس طرح وہ جاہل لوگ بھی کہتے تھے جو ان سے پہلے گذرے ہیں ان ہی کا سا جاہلانہ قول یہ کرتے ہیں۔ سو معلوم ہوا کہ یہ قول کوئی باوقعت اور باریک بینی پر مبنی نہیں یوں ہی ہانک دیا جاتا ہے۔ ثانیاً اس قول کا منشاء اور سبب بیان فرماتے ہیں کہ ان سب اگلے پچھلے جاہلوں کے قلوب کج فہمی میں باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اس لئے سب سے بات بھی ایک ہی سی پیدا ہوئی۔ پھر ثالثاً اس قول کا جواب دیتے ہیں اور چونکہ اس قول کا جزو اول حماقت محض تھا کہ اپنے اس لیاقت پر ہم پلہ ملائکہ اور انبیاء کا بنانا چاہتے تھے جو بالکل ہی لایعنی ہے۔ اس لئے اس احمقانہ بات کو نظر انداز کر کے صرف دوسرے جز کا جواب ارشاد ہوتا ہے کہ تم تو ایک دلیل کو لئے پھرتے ہو ہم نے تو بہت سی دلیلیں رسالت محمدیہ ﷺ کے ثبوت میں صاف صاف بیان کر دی ہیں۔ مگر وہ ان لوگوں کے لئے نافع و کافی ہوسکتی ہیں جو یقین اور اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ معترضین کو محض ضد اور ہٹ دھرمی ہی مقصود ہے اس لئے حق طلبی کی نظر سے اُن کو تحقیق ہی منظور نہیں سو ایسوں کی تسلی و تشفی کا کون ذمہ دار بنے۔

فائدہ:۔ یہود و نصاریٰ تو اہل کتاب تھے ان میں اہل علم بھی تھے، اس کے باوجود جو اُن کو اللہ تعالیٰ نے جاہل فرمایا تو اس لئے کہ باوجودیکہ قطعی اور قوی دلائل کثرت سے قائم کر دیئے گئے تھے پھر بھی جو انکار کئے جا رہے تھے تو جہالت نہیں تو اور کیا تھا۔ اور یہ جاہلوں ہی کی سی بات کہلائے گی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کو جاہل فرمایا۔

(تفسیر معارف القرآن)

7:2 ۔ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ
وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ O

(الزمر . 39:45)

اور جب تنہا خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے اس کے دل تنگ ہو جاتے ہیں
اور جب ان کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔

When Allah is mentioned alone, the hearts of those who do not believe in the Hereafter are filled with disgust, and when those (whom they worship) other than Him are mentioned, they become happy forthwith.

جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے نفرت سے سکڑ جاتے ہیں اور ان کے سوا اوروں کا ذکر آتا ہے تو وہ خوشی سے کِھل جاتے ہیں۔ یعنی جھوٹے معبودوں اور بتوں کے تذکرے سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ یہ خوشی کافروں کو اُس وقت ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے سورۃ النجم پڑھی اور شیطان نے آپ ﷺ کی قرأت کے اندر **ومناۃ الثالثہ الاخریٰ** کے آگے یہ لفظ ملا دیئے **(تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی)**. بیضاوی نے لکھا ہے کہ اِشْمَأَزَّتَ اور يَسْتَبْشِرُنَ دونوں لفظ انتہائی کیفیت پر دلالت کرتے ہیں۔ استبشار (چہرہ کِھل جانا) اس وقت ہوتا ہے جب دل خوشی اور مسرت سے اتنا ہو جائے کہ اس کے آثار چہرے سے نمودار ہو جائیں اور اشمئزاز اس وقت ہوتا ہے جب دل غم وغصہ سے اتنا بھر جائے کہ چہرے کی کھال سکڑ جائے اور بل پڑ جائیں۔ (تفسیرِ مظہری)

حضرت مولانا جلال الدین سیوطیؒ اس آیت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

صرف اللہ کے ذکر سے مخالفین خوش نہیں ہوتے:

آیت **واذا ذکر اللہ** میں کفار کی اس خصلت اور فطرت کا بیان ہے کہ اگر چہ بعض وقت ان کی زبان پر

اللہ کا نام آ جاتا ہے۔ مگران کے دل اکیلے خدا کے ذکر سے خوش نہیں ہوتے۔ ہاں ان کے دیوتاؤں کی تعریف کر دی جائے تو مارے خوشی کے اچھلنے لگتے ہیں اور چہروں پر خوشی کے آثار محسوس ہونے لگتے ہیں۔ پس جب ایسی جھوٹی موٹی باتوں میں بھی جھگڑے ہونے لگیں اور اللہ کا اتنا وقار بھی دلوں میں نہ رہا تو دعا کیجیے کہ اے اللہ! اب آپ ہی سے فریاد ہے۔ آپ ہی ان جھگڑوں کا عملی فیصلہ فرما دیجیے۔ قیامت کے دن جب ان اختلافات کا فیصلہ سنایا جائے گا تو اس وقت ان ظالموں کا سخت بُرا حال ہوگا جو اللہ کی شان گھٹایا کرتے تھے۔ اس روز روئے زمین کے خزانے بھی ان کے پاس ہوں گے تو چاہیں گے کہ سب دے دلا کر کسی طرح اپنا پیچھا چھڑا لیں۔ جو بدمعاشیاں دنیا میں کی ہیں، سب ایک ایک کر کے ان کے سامنے ہوں گی اور ایسے ہولناک قسم کے عذاب کا مزا چکھیں گے جو کبھی ان کے وہم وگمان میں بھی نہ گزرے ہوں گے۔ غرض جس توحیدِ خالص اور دینِ حق کا مزاق کیا کرتے تھے اس کا وبال ان پر پڑ کر رہے گا اور جس عذاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان پر الٹ پڑے گا۔

**اور مصیبت کے وقت خدا یاد آتا ہے:**

جب ان پر کوئی آفت آتی ہے تو اس وقت انہیں وہی خدا یاد آتا ہے۔ جس کے ذکر سے ان کے دل تنگ ہوا کرتے تھے اور جن دیوتاؤں کے ذکر سے خوش ہوا کرتے تھے انہیں یک لخت بھول جاتے ہیں۔ لیکن جب انہیں کوئی نعمت وراحت پہنچتی ہے تو پھر ان کی نظر اپنی لیاقت پر جاتی ہے۔ مگر اللہ کے فضل وکرم پر دھیان نہیں جاتا۔ ایسے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہم میں لیاقت ہے اور حصول ذرائع کا ہمیں علم ہے اور خدا کو ہماری صلاحیت معلوم ہے اس لئے یہ نعمت ہمیں ہی ملنی چاہئے تھی۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ نعمت دراصل خدا کی طرف سے ایک آزمائش ہے کہ بندہ اسے لے کر کہاں تک منعم حقیقی کو پہچانتا ہے اور اس کا شکر گزار ہوتا ہے اگر ناشکری کی گئی تو یہ نعمت وبال بھی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ پہلے مجرمین پر ان کی شرارتوں کا وبال پڑا۔ موجودہ شریروں پر بھی پڑنے والا ہے۔ یہ کسی تدبیر سے اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور دنیا میں کسی کا دولت مند یا تنگدست ہو جانا ہرگز کسی کے مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

**( روزی کا ملنا کچھ عقل و ذھانت اور علم و لیاقت پر منحصر نھیں ھے)۔**

دیکھ لو کتنے بے وقوف ہوتے ہیں یا بدمعاش ہیں جو چین اور آسائشیں اڑا رہے ہیں اور کتنے عقلمند اور نیک ہیں جو فاقہ کشی کرتے ہیں۔ یہ تو رزق کے نظام تقسیم کی حکمت و مصلحت کے ماتحت اللہ ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دو آدمیوں کے پاس ایک ہی سا سرمایہ اور ایک ہی سلیقہ، تدبیر و تجربہ ہوتا ہے پھر ایک پر فراخی اور دوسرے پر تنگی رہتی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ وجہ فرق یہ ہے کہ ایک کو تدبیریں آتی ہیں تو وہ کامیاب ہو گیا اور دوسرے کی بن نہیں پڑی اس لئے وہ ناکام ہو گیا تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اگر وہ بن پڑنا دوسرے کے اختیار میں تھا تو اس نے کیوں نہیں اختیار کیا اور اگر اختیار میں نہیں ہے تو پھر ہمارا مدعا ثابت ہو گیا کہ انسان کی فارغ البالی اور تنگ حالی اختیاری نہیں ہے۔ کیونکہ جب اس کی بنیاد اختیاری نہیں تو اس کی فروع بھی اختیاری نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ نظام روزگار میں فاعل مختار کی مشیت کارفرما ہے۔

**لطائف سلوک:**............آیت **فمن اظلم .....الخ**

عام الفاظ سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ جھوٹی ولایت کا دعویٰ کرتے ہیں شریعت کو محض چھلکا سمجھ کر پس پشت ڈال دیتے ہیں وہ بھی اسی مفہوم میں داخل ہیں۔

اسی کے مشابہ جہلائے متصوفین کی یہ حالت بھی ہے کہ خدائے واحد کی قدرت و عظمت اور اس کی صفات کے لامحدود ہونے کا بیان ہو تو ان کے چہروں پر تنگی کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں مگر کسی پیر فقیر کا ذکر آ جائے اور اس کی جھوٹی کرامات اناپ شناپ بیان کر دی جائیں تو چہرے کھل پڑتے ہیں اور دلوں میں جذبات مسرت موجزن ہو جاتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات خالص توحید کا بیان کرنے والا ان کے نزدیک منکر اولیاء سمجھا جاتا ہے۔

ان لوگوں کی غلطی کو واضح کیا گیا ہے جو اعمال و مجاہدات کے مقابلہ میں کشف کو مقصود سمجھتے ہیں۔ کشف اگر کمال ہوتا تو کفار کو کیوں حاصل ہوتا۔ ایسے لوگوں کی برائی بتائی گئی ہیں جو ثمرات طریق کو انعام خداوندی سمجھنے کی بجائے محض اپنے عمل و مجاہدہ کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

(کمالین ترجمہ و شرح تفسیر جلالین)

بقول ان کے ان لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو معبود قرار دے رکھا ہے جو ان کی سفارش کریں گے۔ جیسا کہ مشرکین اپنے بتوں کے متعلق کہا کرتے تھے (هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَاللّٰهِ) آپ کہہ دیجئے کہ اگرچہ یہ تمہارے گھڑے ہوئے شُفَعَاء کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں اور کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں۔ کیا پھر بھی تم یہی سمجھتے چلے جاؤ گے کہ یہ تمہاری سفارش کریں گے۔ کیا اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ شفاعت کے لئے علم اور اس کے مناسب قدرت تو ضروری ہے۔ جو ان میں مفقود ہے یہاں بعض مشرک یہ کہہ سکتے تھے کہ یہ پتھر کے تراشے ہوئے بُت ہمارا مقصود نہیں بلکہ یہ مجسمے اور شکلیں فرشتوں کی یا جنات کی ہیں وہ تو ذی روح بھی ہیں۔ قدرت اور علم بھی رکھتے ہیں۔ اس لئے اس کے جواب کی یہ تعلیم دی گئی کہ آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ سفارش تو تمامتر خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کسی فرشتے یا بشر کی مجال نہیں کہ کسی کی سفارش کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کی اجازت شفاعت کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک شفاعت کرنے والے کا عنداللہ مقبول ہونا۔ دوسری جس کی شفاعت کی جائے اس کا قابل مغفرت ہونا۔ اب سمجھ لو کہ مشرکین نے بتوں کی جن کی شکلیں سمجھ کر اختیار کیا ہے اگر وہ جنات وشیاطین ہیں تو دونوں شرطیں مفقود ہیں نہ شفاعت کرنے والے مقبول عنداللہ ہیں نہ یہ مشرک قابل مغفرت ہیں۔ اور اگر ان شکلوں کو ملائکہ یا انبیاء کی شکلیں قرار دے رکھا ہے تو شفاعت کرنے والوں کے مقبول ہونے کی شرط تو موجود ہوئی۔ مگر دوسری شرط مفقود ہے کہ ان مشرکین میں صلاحیت مغفرت کی نہیں ہے۔

خدا تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ تمام آسمان وزمین کی سلطنت اسی کی ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ اسی لئے سب کو چھوڑ کر اسی سے ڈرو اسی کی عبادت کرو اور توحید کے دلائل واضحہ قائم ہونے کے باوجود کفار ومشرکین کا حال یہ ہے کہ جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ بلا شرکت غیرے تمام عالم کے سیاہ سفید کا مالک مختار اور متصرف ہے تو ان لوگوں کے دل تنگ ہو جاتے ہیں۔ جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر آتا ہے خواہ صرف انہیں کا ذکر ہو یا اللہ کے ذکر کے ساتھ ان کا بھی ذکر ہو تو اسی وقت وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔

(تفسیر معارف القرآن)

7:3 . قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O

(الحجرات -49:14)

اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے۔ (بلکہ) یوں کہو کہ ہم اسلام لائے اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ اور اگر تم خدا اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرماں برداری کرو گے تو خدا تمہارے اعمال میں کچھ کم نہیں کرے گا بیشک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

The Bedouins say,: We have come to believe. Say, You have not come to believe; instead, you (should) say, We have surrendered' and the belief has not entered your hearts so far. if you obey Allah and His Messenger (ﷺ), He will not curtail (the reward of) any of your deeds in the least. Surely Allah is Most-Forgiving, Very-Merciful.

**ایمان کا دعویٰ کرنے والے اپنا جائزہ تو لیں:**

کچھ اعرابی لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہی اپنے ایمان کا بڑھا چڑھا کر دعویٰ کرنے لگتے تھے حالانکہ دراصل ان کے دل میں اب تک ایمان کی جڑیں مضبوط نہیں ہوتی تھیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ اس دعوے سے روکتا ہے۔ یہ کہتے تھے ہم ایمان لائے۔ اللہ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ ان سے کہئے اب تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا تم یوں نہ کہو کہ ہم ایمان لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہوئے۔ یعنی اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے نبی ﷺ کی اطاعت میں آئے ہیں۔ ایمان اسلام سے مخصوص چیز ہے جیسے کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ جبرائیل علیہ السلام والی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ جبکہ انہوں نے اسلام کے بارے میں سوال کیا پھر ایمان کے بارے میں پھر احسان کے بارے میں پس وہ زینہ بہ زینہ چڑھتے گئے عام سے خاص کی طرف آئے اور پھر خاص سے

اخص کی طرف آئے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے چند لوگوں کو عطیہ اور انعام دیا اور ایک شخص کو کچھ بھی نہ دیا اس پر حضرت سعدؓ نے فرمایا! یارسول اللہ ﷺ آپ نے فلاں فلاں کو دیا اور فلاں کو بالکل چھوڑ دیا حالانکہ وہ مومن ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مسلمان؟ تین مرتبہ یکے بعد دیگرے۔ حضرت سعدؓ نے یہی کہا اور حضور ﷺ نے بھی یہی جواب دیا پھر فرمایا! اے سعدؓ میں لوگوں کو دیتا ہوں اور جوان میں مجھے بہت زیادہ محبوب ہوتا ہے اسے نہیں دیتا ہوں۔ اس ڈر سے کہ کہیں وہ اندھے منہ آگ میں نہ گر پڑیں۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے پس اس حدیث میں بھی حضور ﷺ نے مومن و مسلم میں فرق کیا اور معلوم ہو گیا کہ ایمان زیادہ خاص ہے بہ نسبت اسلام کے۔ اور اس حدیث میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ یہ شخص مسلمان تھے۔ منافق نہ تھے اس لئے کہ آپ نے انہیں کوئی عطیہ عطا نہیں فرمایا اور انہیں ان کے اسلام کے سپرد کر دیا۔

پس معلوم ہوا کہ یہ اعراب جن کا ذکر اس آیت میں ہے منافق نہ تھے۔ وہ تھے تو مسلمان لیکن اب تک ان کے دلوں میں ایمان صحیح طور پر مستحکم نہ ہوا تھا اور انہوں نے اس بلند مقام تک اپنی رسائی ہو جانے کا ابھی سے دعویٰ کر دیا تھا۔ اس لئے انہیں ادب سکھایا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ اور ابراہیم نخعی اور قتادہ کے قول کا یہی مطلب ہے اور اسی کو امام ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ ہمیں یہ سب یوں کہنا پڑا کہ حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ منافق تھے جو ایمان ظاہر کرتے تھے لیکن دراصل مومن نہ تھے۔ یہ یاد رہے ایمان و اسلام میں فرق اس وقت ہے جبکہ اسلام اپنی حقیقت پر نہ ہو جب اسلام حقیقی ہو تو وہی اسلام ایمان ہے اور اسوقت ایمان اسلام میں کوئی فرق نہیں اس کے بہت سے قوی دلائل امام الائمہ حضرت امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں کتاب الایمان میں بیان فرمائے ہیں اور ان لوگوں کا منافق ہونا اس کا ثبوت بھی موجود ہے۔ واللہ اعلم

حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاہد، حضرت ابن زید فرماتے ہیں یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلکہ تم (اسلمنا) کہو اس سے مراد یہ ہے کہ ہم قتل اور قید بند ہونے سے بچنے کے لئے تابع ہو گئے ہیں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت بنو اسد بن خزیمہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو ایمان لانے کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ اب تک وہاں پہنچے نہ تھے۔ پس انہیں ادب سکھایا

گیا بتایا گیا کہ یہ اب تک ایمان تک نہیں پہنچے۔ اگر یہ منافق ہوتے تو انہیں ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی اور ان کی رسوائی کی جاتی۔ جیسے کہ سورۃ برأت میں منافقوں کا ذکر کیا گیا لیکن یہاں تو انہیں صرف ادب سکھایا گیا۔ پھر فرماتا ہے اگر تم اللہ اور اسی رسول ﷺ کے فرماں بردار ہو گے تو تمہارے کسی عمل کا اجر مارا نہ جائے گا۔

جیسے فرمایا! آیت

وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ○

(52۔الطّور:21)

ہم نے ان کے اعمال میں کچھ بھی نہیں گھٹایا۔ پھر فرمایا جو اللہ کی طرف رجوع کرے برائی سے لوٹ آئے اللہ اس کے گناہ معاف فرمانے والا اور اس کی طرف رحم بھری نگاہوں سے دیکھنے والا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ کامل ایمان والے صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر دل سے یقین رکھتے ہیں پھر نہ شک کرتے ہیں نہ کبھی ان کے دل میں کوئی نکما خیال پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ اسی خیال تصدیق پر اور کامل یقین پر جم جاتے ہیں اور جمے ہی رہتے ہیں۔ اپنے نفس اور دل کی پسندیدہ دولت کو بلکہ اپنی جانوں کو بھی راہ اللہ کے جہاد میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ سچے لوگ ہیں۔ یعنی یہ ہیں جو کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، یہ ان لوگوں کی طرح نہیں جو صرف زبان سے ہی ایمان کا دعویٰ کر کے رہ جاتے ہیں۔

مسند احمد میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں دنیا میں مومن کی تین قسمیں ہیں

(۱) وہ جو اللہ پر اور کے رسول ﷺ پر ایمان لائے شک شبہ نہ کیا اور اپنی جان اور اپنے مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔

(۲) وہ جن لوگوں نے امن پایا نہ یہ کسی کا مال ماریں نہ کسی کی جان لیں۔

(۳) وہ جو طمع کی طرف جب جھانکتے ہیں اللہ عز وجل کی یاد کرتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ کیا تم اپنے دل کا یقین و دین اللہ کو دکھاتے ہو؟ وہ تو ایسا ہے کہ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ پھر فرمایا جو اعراب اپنے اسلام لانے کا بار احسان تم پر رکھتے ہیں ان سے کہہ

دو کہ مجھ پر اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ تم اگر اسلام قبول کرو گے میری فرماں برداری کرو گے میری مدد کرو گے تو اس کا نفع تمہیں کو ملے گا۔ بلکہ دراصل ایمان کی دولت تمہیں دینا یہ اللہ ہی کا احسان ہے۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ اب غور فرمایئے کہ کیا اسلام لانے کا احسان اللہ کے پیغمبر پر جتانے والے سچے مسلمان تھے؟ ان کا اسلام حقیقت پر مبنی نہ تھا اور یہی الفاظ بھی ہیں کہ ایمان اب تک ان کے ذہن نشین نہیں ہوا اور جب تک اسلام حقیقت پر مبنی نہ ہو تب تک بیشک وہ ایمان نہیں۔ لیکن جب وہ اپنی حقیقت پر صحیح معنی میں ہوتا پھر ایمان اسلام ایک ہی چیز ہے۔ حالانکہ دراصل ایمان کی ہدایت اللہ کا خود ان پر احسان ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کا کسی کو ایمان کی راہ دکھانا اس پر احسان کرنا ہے۔ جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین والے دن انصار سے فرمایا تھا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں نہیں پایا تھا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے تم میں اتفاق دیا تم مفلس تھے میری وجہ سے اللہ نے تمہیں مالدار کیا۔ جب کبھی حضور ﷺ کچھ فرماتے وہ کہتے بیشک اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس سے بھی زیادہ احسانوں والے ہیں۔ بزار میں ہے کہ بنو اسد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ہم مسلمان ہوئے۔ عرب آپ ﷺ سے لڑتے رہے لیکن ہم آپ ﷺ سے نہیں لڑے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان میں سمجھ بہت کم ہے شیطان ان کی زبانوں پر بول رہا ہے۔

اور یہ آیت نازل ہوئی۔

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَىَّ اِسْلَامَكُمْ ج
بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰئكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O
(49۔الحجرات:17)

یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے ہیں کہہ دو کہ اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا رستہ دکھایا بشرطیکہ تم سچے (مسلمان) ہو۔
(تفسیر ابن کثیرؒ)

یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے۔ تم ایمان ابھی نہیں لائے

لیکن یوں کہو کہ ہم مخالفت چھوڑ کر مطیع ہو گئے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مان لو تو اللہ تمہارے اعمال میں ذرا بھی کمی نہیں کرے گا، بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔

سدی نے کہا یہ آیت بدوؤں کے حق میں نازل ہوئی جن کا ذکر اللہ نے سورۃ الفتح میں کہا ہے۔ یہ دیہاتی قبائل جہنیہ، مزینہ، اسلم، شجع اور غفار کے تھے جو اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ رکھنے کے لئے زبانوں سے اٰمَنّا ہم ایمان لے آئے کہتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ لے جانا چاہا تو بچھڑ گئے۔

قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوْا اے محمد ﷺ! آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ ابھی ایمان نہیں لائے۔ ایمان تو دل کی ایک خاص کیفیت ہوتی ہے جس کو تصدیق قلبی کہا جاتا ہے۔ زبان سے اقرار تو ایمان کا ایک رکن زائد ہے جو اسلامی احکام جاری کرنے کے لئے ضروری ہے اور اقرار کی ضرورت بھی اس وقت ہے جب ایمان لانے والا انکار پر مجبور نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اور اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں کو اور روز قیامت کو مانو اور اچھی بری تقدیر کی تصدیق کرو یعنی اس بات کی دل سے تصدیق کرو کہ دنیا میں ہر خیر و شر اللہ کے مقرر اندازے کے مطابق ہوتی ہے۔ ہر اچھی بری چیز کا اللہ نے پہلی ہی اندازہ مقرر کر دیا ہے۔ سوال جبرائیلؑ کے جواب میں حضور ﷺ نے یہی فرمایا تھا۔

وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا ہم تابعدار ہو گئے۔ سلام سے مراد ہے ظاہری طور پر فرماں بردار ہو جاتا۔

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ اس کا عطف لَمْ تُؤْمِنُوْا پر ہے۔ ماضی میں ایمان نہ ہونے اور مستقبل میں ایمان دار ہو جانے کی امید کا اظہار اس جملہ سے ہو رہا ہے۔ لَمْ تُؤْمِنُوْا میں آئندہ ایمان دار ہو جانے کی کسی توقع کا اظہار نہیں تھا۔ صرف ماضی میں ایمان دار ہونے کی نفی تھی۔

(تفسیر مظہری)

## خلاصۂ تفسیر

بعضے گنوار جن کا تعلق بنی اسد وغیرہ سے تھا آپ کے پاس آ کر جو ایمان لانے کے مدعی ہوتے ہیں۔ یہ اس میں کئی گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں ایک تو جھوٹ کہ بلا تصدیق قلب محض زبان سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے

آئے۔ آپ (ﷺ) فرما دیجیے کہ تم ایمان تو نہیں لائے کیونکہ وہ موقوف ہے تصدیق قلبی پر اور وہ موجود نہیں جیسا عنقریب آتا ہے (وَلَمَّا یَدۡخُلِ الۡاِ یۡمَانُ) لیکن ہاں یوں کہو کہ ہم مخالفت چھوڑ کر مطیع ہو گئے اور اطاعت بمعنی ترک مخالفت محض ظاہری مواقف سے بھی مستحق ہو جاتی ہے اور باقی ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اس لئے ایمان کا دعویٰ مت کرو اور اب تک تم ایمان نہیں لائے۔ لیکن اب بھی اگر تم اللہ و رسول کا سب باتوں میں کہنا مان لو جس میں یہ بھی داخل ہے کہ دل سے ایمان لے آ ؤ تو اللہ تمہارے اعمال میں سے جو کہ بعد ایمان کے ہوں گے محض اسوقت کے کفر و کذب کی وجہ سے جو کہ اسوقت کے اعتبار سے گزشتہ ہوگا ذرا بھی کم نہ کریگا۔ بلکہ سب کا پورا پورا ثواب دے گا۔ کیونکہ بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔

کامل مومن کون ہیں۔ اگر تم کو مومن بننا ہے تو ویسے بنو سو پورے مومن وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر ایمان پر ہمیشہ قائم بھی رہے۔ یعنی عمر بھر کبھی شک نہیں کیا اور اپنے مال اور جان سے خدا کے راستہ میں یعنی دین کے لئے محنت اٹھائی۔ جس میں جہاد وغیرہ سب آ گیا سو یہ لوگ میں سچے یعنی پورے سچے اور یوں اگر صرف تصدیق ہی ہو تب بھی نفس صدق ہو جائیگا۔ بخلاف تمہارے کہ ادنیٰ درجہ کا ایمان کہ تصدیق ہے وہ تک حاصل نہیں اور دعویٰ کرتے ہیں ایمان کامل کا۔ پس ایک برا فعل تو ان سے یہ صادر ہوا یعنی کذب کما قال تعالیٰ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اٰمَنَّا الیٰ قولہٖ مَا ھُمۡ بِمُؤۡ مِنِیۡنَ اور دوسرا برا فعل یہ ہے کہ یہ دھوکہ دیتے ہیں۔

کما قال تعالیٰ یُخٰدِ عُوۡنَ اللّٰہ سو آپ ﷺ ان سے فرما دیجئے کہ کیا خدا تعالیٰ کو اپنے دین قبول کرنے کی خبر دیتے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ تو جانتے ہیں کہ تم نے ایمان قبول نہیں کیا باوجود اس کے جو تم دعویٰ قبول کرنے کا کرتے ہو تو لازم آتا ہے کہ خلاف علم خداوندی خدا تعالیٰ کو ایک بات بتلاتے ہو۔ حالانکہ یہ محال ہے کیونکہ اللہ تو آسمان اور زمین کی سب چیزوں کو جانتا ہے (تو اس کو کوئی کیا بتلا دیگا) اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو جو تمہارے متعلق علم ہے کہ تم ایمان نہیں لائے وہی صحیح ہے اور تیسرا امر قبیح جس کے یہ مرتکب ہوئے ہیں۔ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا احسان رکھتے ہیں جو نہایت درجہ گستاخی ہے کہ دیکھئے ہم نہ لڑے نہ بھڑے مسلمان ہو گئے اور دوسرے لوگ بہت پریشان کر کر کے مسلمان ہوئے۔

سو آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو۔ اگر تم سچے ہوتے تو تمہاری ہی

آخرت کا نفع تھا اور جھوٹے ہونے میں بھی تمہارا ہی دنیا کا نفع ہے کہ قتل وقید سے بچ گئے۔ سو مجھ پر احسان رکھنا محض جہل ہے بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اُس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی۔ بشیر طیکہ تم اس دعویٰ ایمان میں سچے ہو۔ کیونکہ ایمان بڑی نعمت ہے اور بدون تعلیم وتوفیق حق تعالےٰ کے نصیب نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ ایسی بڑی نعمت عطا فرما دی۔ پس دھوکہ اور احسان جتلانے سے باز آؤ۔ اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کی سب مخفی باتوں کو جانتا ہے اور اسی علم محیط کی وجہ سے تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے۔ اور ان ہی کے موافق تم کو جزا دے گا پھر اُسکے سامنے باتیں بنانے سے کیا فائدہ۔

وَلٰكِنْ قُوْلُوْآ اَسْلَمْنَا　چونکہ ان کے دلوں میں ایمان نہ تھا، جھوٹا دعویٰ صرف ظاہری افعال کی بناء پر کر رہے تھے اسلئے قرآن نے ان کے ایمان کی نفی اور دعوائے ایمان کے غلط ہونے کو بیان کر کے یہ فرمایا کہ تمہارا آمنّا کہنا تو جھوٹ ہے تم زیادہ سے زیادہ اسلمنا کہہ سکتے ہو۔ کیونکہ اسلام کے لفظی معنی ظاہری افعال میں اطاعت کرنے کے ہیں اور ان لوگوں کا اپنے دعوائے ایمان کو سچا ثابت کرنے کے لُغوی معنی کے اعتبار سے اسلمنا کہنا صحیح ہوسکتا ہے۔

## اسلام اور ایمان ایک ہیں یا کچھ فرق ہے؟

اس آیت میں اسلام کے لغوی معنی مراد ہیں اصطلاحی معنی مراد ہی نہیں ہیں۔ اس لئے آیت سے اسلام اور ایمان میں اصطلاحی فرق پر کوئی استدلال نہیں ہوسکتا اور اصطلاحی ایمان اور اصطلاحی اسلام اگر چہ مفہوم ومعنی کے اعتبار سے الگ الگ ہیں کہ ایمان اصطلاح شرع میں تصدیق قلبی کا نام ہے۔ یعنی اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول کی رسالت کو سچا ماننا اور اسلام نام ہے اعمال ظاہرہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے کا۔ لیکن شریعت میں تصدیق قلبی اس وقت تک قابل اعتبار نہیں جب تک اس کا اثر جوارح کے اعمال وافعال تک نہ پہنچ جائے۔ جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ زبان سے کلمہ اسلام کا اقرار کرے۔ اسی طرح اسلام اگر چہ اعمال ظاہرہ کا نام ہے لیکن شریعت میں وہ اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ دل میں تصدیق نہ آجائے ورنہ وہ نفاق ہے۔ اس طرح اسلام وایمان مبتدا اور منتہیٰ کے اعتبار سے تو الگ الگ ہیں کہ ایمان باطن اور قلب سے شروع ہو کر ظاہر اعمال تک

پہنچتا ہے اور اسلام افعال ظاہرہ سے شروع ہو کر باطن کی تصدیق تک پہنچتا ہے۔ مگر مصداق کے اعتبار سے ان دونوں لازم وملزوم ہیں کہ ایمان اسلام کے بغیر معتبر نہیں اور اسلام ایمان کے بغیر شرعاً معتبر نہیں۔ شریعت میں یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص مسلم تو ہو مؤمن نہ ہو یا مؤمن ہو مسلم نہ ہو۔ مگر یہ کلام اصطلاحی ایمان واسلام میں ہے۔ لغوی معنی کے اعتبار سے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص مسلم ہو مؤمن نہ ہو۔ جیسے تمام منافقین کا یہی حال تھا کہ ظاہری اطاعت احکام بناپر مسلم کہلاتے تھے۔ مگر دل میں ایمان نہ ہونے کے سبب مؤمن نہ تھے۔ واللہ سبحان وتعالیٰ اعلم۔

(تفسیر معارف القرآن)

## 7:4 ۔ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّعۡجِبُکَ قَوۡلُهٗ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَیُشۡهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیۡ قَلۡبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ O

(البقرہ - 2:204)

اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی دنیا کی گفتگو تم کو دلکش معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر پر خدا کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔

Among men there is one whose speech, in this life, attracts you: he even makes Allah his witness on what is in his heart, while is extremely quarrelsome.

### دل بھڑیوں کے اور کھال انسانوں کی:

سدی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔ یہ منافق شخص تھا ظاہر میں مسلمان تھا اور لیکن باطن میں مخالف تھا ۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے حضرت خبیبؓ اور ان کے ساتھیوں کی برائیاں کی تھیں جو رجیع میں شہید کئے گئے تھے تو ان شہداء کی تعریف میں من بشری والی آیت اتری اور ان منافقین کی مذمت کے بارے میں ایت (من یعجبک) الخ والی آیت نازل

ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے تمام منافقوں کے بارے میں پہلی اور دوسری آیت ہے اور تمام مومنوں کی تعریف کے بارے میں تیسری آیت ہے ۔ قتادہ غیرہ کا قول یہی ہے اور یہی صحیح ہے حضرت نوف بکلائی جو تو راہ و انجیل کے بھی علم تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں اس امت کے بعض لوگوں کی برائیاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں پاتا ہوں۔ لکھا ہے کہ بعض لوگ دین کے بہانے سے دنیا کماتے ہیں ان کی زبانیں تو شہد سے زیادہ میٹھی ہیں لیکن دل ایلوے (مصبر ) سے زیادہ کڑوے ہیں۔ لوگوں کے لئے بکریوں کی کھالیں پہنتے ہیں لیکن ان کے دل بھیڑیوں جیسے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا وہ مجھ پر جرات کرتے ہیں اور میرے ساتھ دھوکہ بازیاں کرتے ہیں۔ مجھے اپنی ذات کی قسم کہ میں ان پر وہ فتنہ بھیجوں گا کہ بردبار لوگ بھی حیران رہ جائیں گے۔ قرطبی کہتے ہیں میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ منافقوں کا وصف اور قرآن میں بھی موجود ہے۔ پڑھئے آیت

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُکَ قَوْلُهٗ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ
عَلٰى مَا فِیْ قَلْبِهٖ لا وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ O

(2۔البقرۃ:204)

اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں تمہیں دلکش معلوم ہوتی ہے
اور جو اُس کے دل میں ہے اس اللہ کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔۲۰۴

حضرت سعید نے بھی جب یہ بات کتابوں کے حوالے سے بیان کی تو حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا تھا کہ یہ قرآن شریف میں بھی ہے اور اسی آیت کی تلاوت کی تھی۔ سعید کہنے لگے میں جانتا ہوں کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا! سنئے آیت شان نزول کے اعتبار سے گو کسی کے بارے میں ہی ہو لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہوئی ہے۔ابن محیصن کی قرات میں (یشہد اللہ) ہے۔ معنی یہ ہوں گے کہ گو وہ اپنی زبان سے کچھ ہی کہے لیکن اس کے دل کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے۔

جیسے اور جگہ آیت

(اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ م)

(63۔المنافقون:1)

یعنی منافق تمہارے پاس آ کر تمہاری نبوت کی گواہی دیتے ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ تم اس کا رسول ہو لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں۔ لیکن جمہور کی قرات یشہد ہے تو معنی یہ ہوئے کہ لوگوں کے سامنے تو اپنی خیانت چھپاتے ہیں لیکن اللہ کے سامنے ان کے دل کا کفر و نفاق ظاہر ہے۔

جیسے اور جگہ آیت

(يَّسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمۡ اِذۡ يُبَيِّتُوۡنَ مَا لَا يَرۡضٰى مِنَ الۡقَوۡلِ ؕ)

(4۔ النساء:108)

یہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں اور خدا سے نہیں چھپتے حالانکہ جب وہ راتوں کو ایسی باتوں کے مشورے کیا کرتے ہیں جن کو وہ پسند نہیں کرتا ان کے ساتھ ہوا کرتا ہے

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ لوگوں کے سامنے اسلام ظاہر کرتے ہیں اور ان کے سامنے قسمیں کھا کر باور کراتے ہی کہ جو ان کی زبان پر ہے وہی ان کے دل میں ہے۔

جیسے اور جگہ ہے آیت وَتُنۡذِرَ بِهٖ قَوۡمًا لُّدًّا ○

(19مریم :97)

یہی حالت منافق کی ہے کہ وہ اپنی حجت میں جھوٹ بولتا ہے اور حق سے ہٹ جاتا ہے سیدھی بات چھوڑ دیتا ہے اور افتراء اور بہتان بازی کرتا ہے اور گالیاں بکتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے جب وعدہ کرے بیوفائی کرے جب جھگڑا کرے گالیاں بکے۔

ایک اور حدیث میں ہے سب سے زیادہ برا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو اس کی کئی ایک سندیں ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا کہ جس طرح یہ برے اقوال والا ہے۔ اسی طرح افعال بھی اس کے بدترین ہیں تو قول تو یہ ہے لیکن فعل میں اس کے سراسر خلاف ہے۔ عقیدہ بالکل فاسد ہے۔

## منافقوں کا مزید تعارف:

غرض کہ ان منافقوں کا قصد زمین میں فساد پھیلانا، کھیتی باڑی، زمین کی پیداوار اور حیوانوں کی نسل کو برباد کرنا ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی معنی مجاہد سے مروی ہیں کہ ان لوگوں کے نفاق اور ان کے بدکرداریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش کو روک لیتا ہے۔ جس سے کھیتیوں کو اور جانوروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو بانی فساد ہوں ناپسند کرتا ہے۔ ان بدکرداروں کو جب وعظ نصیحت کے ذریعہ سمجھایا جائے تو یہ بھڑک اٹھتے ہیں اور مخالفت کے جوش میں گناہوں پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ O

(22۔الحج:72)

یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کی آیتیں جب ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کافروں کے منہ چڑھ جاتے ہیں اور پڑھنے والوں پر جھپٹتے ہیں۔ سنو اس سے بھی بڑھ کر سنو، کافروں کے لئے ہمارا فرمان جہنم کا ہے جو بدترین جگہ ہے۔

یہاں بھی یہی فرمایا کہ انہیں جہنم کافی ہے بغیر سزا میں وہ بدترین اوڑھنا بچھونا ہے۔

## مومن کون؟

منافقوں کی مذموم خصلتیں بیان فرما کر اب مومنوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں یہ آیت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ یہ مکہ میں مسلمان ہوئے تھے جب مدینہ کی طرف ہجرت کرنی چاہی تو کافروں نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں مال لے کر نہیں جانے دیں گے اگر تم مال چھوڑ کر جانا چاہتے ہو تو تمہیں اختیار

ہے۔ آپؓ نے سب مال سے علیحدگی کر لی اور کفار نے اس پر قبضہ کر لیا اور آپؓ نے ہجرت کی۔ جس پر یہ آیت اتری حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت آپؓ کے استقبال کے لئے حرہ تک آئی اور مبارکبادیاں دیں کہ آپؓ نے بڑا اچھا بیوپار کیا۔ بڑے نفع کی تجارت کی آپؓ یہ سن کر فرمانے لگے اللہ تعالیٰ آپؓ کی تجارتوں کو بھی نقصان والی نہ کرے۔ آخر بتاؤ تو یہ مبارکبادیاں کیا ہیں۔ ان بزرگوں نے فرمایا آپؓ کے بارے میں حضور ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے جب حضور ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے یہ خوشخبری سنائی۔ قریش نے ان سے کہا تھا کہ جب آپ مکہ میں آئے آپ کے پاس مال نہ تھا یہ سب مال یہیں کمایا اب اس مال کو لے کر ہم جانے نہ دیں گے۔ چنانچہ آپؓ نے مال کو چھوڑا اور دین لے کر رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپؓ ہجرت کے ارادے سے نکلے اور کفار مکہ کو علم ہوا تو سب نے آ کر گھیر لیا۔ آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکال لئے اور فرمایا مکہ والو تم خوب جانتے ہو کہ میں کیسا تیر انداز ہوں۔ میرا ایک نشانہ بھی خطا نہیں جاتا جب تک یہ تیر ختم نہ ہوں گے میں تم کو چھیدتا رہوں گا اس کے بعد تلوار سے تم سے لڑوں گا۔ اور اس میں بھی تم میں سے کسی سے کم نہیں ہوں جب تلوار کے بھی ٹکڑے ہو جائیں گے۔ پھر تم میرے پاس آ سکتے ہو پھر جو چاہو کر و اگر یہ تمہیں منظور ہے تو بسم اللہ۔ ورنہ سنو میں تمہیں اپنا کل مال دیئے دیتا ہوں سب لے لو اور مجھے جانے دو۔ وہ مال لینے پر رضامند ہو گئے اور اس طرح آپؓ نے ہجرت کی۔ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے سے پہلے ہی وہاں بذریعہ وحی یہ آیت نازل ہو چکی تھی۔ آپؓ کو دیکھ کر حضور ﷺ نے مبارک باد دی۔ اکثر مفسرین کا یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت عام ہے ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی شان ہے۔

جیسے اور جگہ ہے آیت

(اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَـنَّةَ ؕ)

(9۔التوبہ:111)

یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں اور ان کے بدلے جنت دے دی ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں مارتے بھی ہیں اور شہید بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ سچا عہد توراہ، انجیل اور قرآن میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچے عہد والا اور کون ہوگا۔ تم اے ایماندارو! اس خرید و فروخت اور ادلے بدلے

سے خوش ہو جاؤ یہی بڑی کامیابی ہے۔ حضرت ہشام بن عامر نے جبکہ کفار کی دونوں صفوں میں گھس کر ان پر یکہ و تنہا بے پناہ حملہ کر دیا تو بعض لوگوں نے اسے خلاف شرع سمجھا۔ لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت ابو ہریرۃؓ وغیرہ نے ان کی تردید کی اور اسی آیت (من بشری) کی تلاوت کر کے سنا دی۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

**وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ** اور بعض آدمی ایسا ہے کہ تم کو پسند آتی ہے اس کی بات۔ یعنی ان کو اخنس کی بات اچھی معلوم ہوئی ہے۔ ابن جریرؒ نے سدیؒ سے اس آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے اور ابن ابی حاتم اور ابن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک مختصر لشکر جناب رسول اللہ ﷺ نے کسی جگہ بھیجا تھا۔ اس میں عاصم اور مرثد رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ اتفاقاً اس لشکر نے شکست کھائی تو منافقین میں سے دو شخصوں نے کہا کہ یہ لوگ بھی کیسے بدنصیب تھے نہ تو چین سے اپنے اہل و عیال میں رہے اور نہ اپنے سردار (جناب رسول اللہ ﷺ) کا پیغام ہی ادا کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت **وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ** ... الخ نازل فرمائی۔

**فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** (دنیا کی زندگی میں) یا تو یعجبک کے متعلق ہے اس وقت یہ مطلب ہوگا کہ اس شخص کی بات آپ کو دنیا ہی میں پسند آتی ہے۔ کیونکہ کلام فصیح اور شیریں ہوتا ہے اور آخرت کے اعتبار سے ناپسندیدہ ہے۔ کیونکہ **فضیحت** اور رسوائی اس کا انجام ہے اور یا قولہ کے متعلق ہے اس صورت میں یہ مطلب ہوگا یہ جو دنیا کی غرض سے دعویٰ محبت کرتا ہے اور اسلام ظاہر کرتا ہے یہ ہی آپ کو پسندیدہ ہے (فصاحت اور شیرینی کی حیثیت سے)۔

**وَيُشْهِدُ اللّٰهَ** (اور وہ گواہ بناتا ہے اللہ کو) یعنی یہ منافق اللہ کی قسم کھاتا ہے اور اللہ کو گواہ بناتا ہے۔

**عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ** (اس بات پر جو اس کے دل میں ہے) یعنی اس پر قسمیں کھاتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے وہ زبان کے مطابق ہے اور کہتا ہے کہ قسم اللہ کی میں آپ پر ایمان لانے والا ہوں اور آپ سے محبت کرتا ہوں۔

**وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَام** حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ یعنی حالانکہ یہ منافق مسلمانوں سے اشد درجہ کی عداوت اور خصومت رکھا ہے **خصام، خاصمت** کا مصدر ہے۔ زجاج نے کہا کہ **خصام، خصم** کی جمع ہے جیسے **بحار** جمع **بحر** کی ہے اور وھوالدالخصام۔ **یشھد** کے فاعل سے حال ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض وہ شخص ہے جو **الد خصم** ہو۔ قتادہ فرماتے ہیں یعنی جو معصیت کے اندر سخت قساوت والا باطل پر اڑنے والا ہو کلام تو حکمت کا کرے اور اعمال اچھے نہ ہوں۔

(تفسیر مظہری)

**فی الحیوٰۃ الد نیا** اس کا تعلق قول کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی یہ تمام خوشامدانہ گفتگو دنیاوی غرض سے ہوتی ہے۔

## باطل پرست اور اہل حق کا فرق:

دنیا پرستی کا غرور انسان کو خدا پرستی اور راست بازی سے روک دیتا ہے اور طاقت حاصل ہونے پر نفس پرستی میں وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جو ظلم پسند انسان کرسکتا ہے۔ اس کے بالمقابل جو لوگ سچے خدا پرست اور اہل حق ہوتے ہیں ان کے پیش نظر نفس پرستی کی بجائے رضائے الٰہی ہوتی ہے۔ ایک دنیا پرست سب کچھ اپنے نفس پر قربان کردیتا ہے۔ لیکن رضائے الٰہی کے طالب راہِ مولیٰ میں خود اپنے نفس کو بھی قربان کردیتے ہیں۔ دنیاوی طاقت کے متوالوں سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو ان کا غرور گھمنڈ انہیں اور زیادہ ظلم وطغیان پر آمادہ کردیتا ہے۔ لیکن شراب الٰہی سے سرشار اور بادۂ الست کے مست سب کچھ لٹا کر مال ومتاع کھو کر ایک کو پانے کی جستجو میں کامرانی حاصل کرلیتے ہیں۔ **"فلیتنا فس المتنا فسون"**

(کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

# 8 ۔ بے حس دل

بے حس دل کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سودۃ الاعراف اور سورۃ البقرہ میں فرمایا ہے۔

8:1 ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْن O

(البقرہ -2:6)

جو لوگ کافر ہیں انہیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو ان کے لئے برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

Surely for those who have disbelieved, it is all the same whether you warn them or you warn them not, they do not believe.

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

**بدقسمت لوگ:**

یعنی جو لوگ حق کو پوشیدہ کرنے یا چھپا لینے کے عادی ہیں اور ان کی قسمت میں یہی ہے کہ انہیں آپ کا ڈرانا سودمند نہیں ہے۔ یہ کبھی اللہ تعالیٰ کی اس وحی کی تصدیق نہیں کریں گے جو آپ پر نازل ہوئی ہے۔

جیسے اور جگہ فرمایا آیت

اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْھِمْ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ O

وَلَوْجَآءَتْھُمْ کُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ O

(10۔ یونس 96-97)

یعنی جن لوگوں پر اللہ کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ اگر چہ تمام آیتیں دیکھ لیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھیں۔

ایسے سرکش اہل کتاب کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

(وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ بِکُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَکَ ج)

(2۔البقرۃ:145)

اہل کتاب کے پاس اگر چہ تمام دلائل لے آ ؤ تا ہم وہ تمہارے قبلہ کو نہیں مانیں گے۔

یعنی ان بدنصیبوں کو سعادت حاصل ہی نہیں ہوگی۔ ان گمراہوں کو ہدایت کہاں؟ تو اے نبی! ان پر افسوس نہ کرو، تمہارا کام صرف رسالت کا حق ادا کر دینا اور پہنچا دینا ہے۔ ماننے والے بانصیب ہیں وہ مالا مال ہو جائیں گے اور اگر کوئی نہ مانے تو نہ سہی تمہارا فرض ادا ہو گیا ہم خود ان سے حساب لے لیں گے۔ تم صرف ڈرانے والے ہو۔ ہر چیز پر اللہ تعالیٰ ہی وکیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کی بڑی ہی حرص تھی کہ تمام لوگ ایمان دار ہو جائیں اور ہدایت قبول کر لیں لیکن پروردگار نے فرمایا کہ یہ سعادت ہر ایک کے حصہ میں نہیں۔ یہ نعمت بٹ چکی ہے جس کے حصے میں آتی ہے وہ آپ ﷺ کی مانے گا اور جو بدقسمت ہیں وہ ہرگز ہرگز اطاعت کی طرف نہیں جھکیں گے۔ پس مطلب یہ ہے کہ جو قرآن کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم اگلی کتابوں کو مانتے ہیں انہیں ڈرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے کہ وہ تو خود اپنی کتاب کو بھی حقیقتاً نہیں مانتے کیونکہ اس میں تمہارے ماننے کا عہد موجود ہے تو جب وہ اس کتاب کو اور اس نبی کی نصیحت کو نہیں مانتے جس کے ماننے کا اقرار کر چکے تو بھلا وہ تمہاری باتوں کو کیا مانیں گے؟ ابوالعالیہ کا قول ہے کہ یہ آیت جنگ احزاب کے ان سرداروں کے بارے میں اتری ہے جن کی نسبت فرمان باری تعالیٰ ہے۔ آیت

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ کُفۡرًا وَّ اَحَلُّوۡا قَوۡمَهُمۡ دَارَ الۡبَوَارِ O

(14۔ابراہیم:28)

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا

تفسیر مظہری میں میں قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں۔

''بے شک جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے یکساں ہے ان کے لئے چاہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں

وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ لغت میں کفر نعمت کے چھپانے کو بھی کہتے ہیں اور شریعت میں ایمان کی ضد اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو چھپانے کو کہتے ہیں۔

8:2 ۔ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ O

(سورۃ الاعراف -7:179)

اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں پر وہ ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ (بالکل) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے یہی وہ لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

Surely We have created for Hell a lot of people from among jinn and mankind. They have hearts wherewith they do not understand, eyes wherewith they do not see, and ears wherewith they do not hear. They are like cattle. Rather, they are much more astray, They are the headless.

### اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے:

بہت سے انسان اور جن جہنمی ہونے والے ہیں اور ان سے ویسے ہی اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ مخلوق میں سے کون کیسے عمل کرے گا؟ علام الغیوب کو ان کی پیدائش سے پہلے ہی معلوم ہوتا ہے پس اپنے علم کے مطابق اپنی کتاب میں آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے ہی لکھ لیا جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور ایک انصاری نابالغ بچے کے جنازے پر بلوائے گئے تو آپؐ نے فرمایا! مبارک

ہو یہ تو جنت کی چڑیا ہے نہ برائی کی نہ برائی کا وقت پایا۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کو اور جنت والوں کو پیدا کیا ہے اور انہیں جنتی مقرر کر دیا ہے۔ حالانکہ ابھی تو وہ اپنے باپوں کی پیٹھوں میں ہی تھے۔ اسی طرح اس نے جہنم بنائی ہے اور اس کے رہنے والے پیدا کئے ہیں۔ حالانکہ اب تک وہ اپنے باپوں کی پشت میں ہی ہیں۔

یہاں مقصد یہ ہے کہ ایسے خالی از خیر محروم قسمت لوگ کسی چیز سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ تمام اعضاء ہوتے ہیں لیکن قوتیں سب سے چھن جاتی ہیں۔ اندھے بہرے گونگے بن کر زندگی گڑھے میں ہی گذار دیتے ہیں۔ اگر ان میں خیر باقی ہوتی تو اللہ اپنی باتیں انہیں سناتا، یہ تو خیر سے بالکل خالی ہیں، سنتے ہیں اور ان سنی کر جاتے ہیں۔ آنکھیں ہی نہیں بلکہ دل کی آنکھیں اندھی ہوگئی ہیں۔ رحمان کے ذکر سے منہ موڑنے کی سزا یہ ملی ہے کہ شیطان کے بھائی بن گئے ہیں اور راہ حق سے دور جا پڑے ہیں۔ مگر سمجھ یہی رہے ہیں کہ ہم سچے راستے پر ہیں۔ ان میں اور چوپائے جانوروں میں کوئی فرق نہیں۔ نہ یہ حق کو دیکھیں نہ ہدایت کو دیکھیں نہ اللہ کی باتوں کو سوچیں۔ چوپائے بھی تو اپنے کو دنیا کے کام میں لاتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی فکر عقبیٰ سے ذکر رب سے راہ مولا سے غافل گونگے اور اندھے ہیں۔

جیسے فرمان ہے۔ آیت

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ط

صُمٌّ م بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَO

( 2 .البقرہ : 171)

جو لوگ کافر ہیں ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ سن نہ سکے (یہ) بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے کہ (کچھ) سمجھ ہی نہیں سکتے۔

یعنی ان کافروں کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو اس کے پیچھے چلتا جا رہا ہے جو درحقیقت سنتی ونتی خاک بھی نہیں ہاں صرف شور وغل تو اس کے کان میں پڑتا ہے۔ چوپائے آواز تو سنتے ہیں لیکن کیا کہا؟ اسے سمجھے ان کی

بلا سے۔ پھر ترقی کر کے فرماتا ہے کہ یہ ظالم تو چوپایوں سے بھی بدترین ہیں کہ چوپائے گو نہ سمجھیں لیکن آواز پر کان تو کھڑے کر دیتے ہیں۔ اشاروں پر حرکت تو کرتے ہیں۔ یہ تو اپنے مالک کو اتنا بھی نہیں سمجھتے اپنی پیدائش کی غایت کو آج تک معلوم ہی نہیں کیا۔ جب ہی تو اللہ سے کفر کرتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف جو اللہ کا مطیع انسان ہو وہ اللہ کے طاعت گذار فرشتے سے بہتر ہے اور کافر انسان سے چوپائے جانور بہتر ہیں ایسے لوگ پورے غافل ہیں۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

''اور بے شک ہم نے پیدا کیے جہنم کے لئے بہت سے جن اور انسان (۱) ان کے دل (تو) ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں سے اور ان کے آنکھیں تو ہیں لیکن وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان تو ہیں لیکن وہ ان سے سنتے نہیں (۲) وہ حیوانات کی طرح ہیں (۳) بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ (۴) یہی لوگ گو غافل (بے خبر) ہیں ۵''

(۱) یعنی ہم نے جن وانس میں سے اکثر کو جہنم کے لئے پیدا کیا۔ جو اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق کفر پر اصرار کرنے والے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرمایا اور جنت کے اہل کو پیدا فرمایا جبکہ وہ اپنے آباء کی صلبوں میں تھے اور دوزخ کو پیدا فرمایا اور دوزخ کے اہل کو پیدا فرمایا جبکہ وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے۔ (مسلم)

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ کے ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ فرمایا تم جانتے ہو یہ کیا کتابیں ہیں؟ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمیں تو علم نہیں مگر یہ کہ آپ ﷺ ہمیں بتا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو میرے دائیں ہاتھ ہے یہ رب العالمین کی طرف سے وہ کتاب ہے جس میں جنتیوں کے اسماء ہیں۔ اور ان کے آباؤ اجداد کے اسماء اور ان کے قبائل کے اسماء ہیں پھر ان کے آخر ٹوٹل لگا دیا گیا ہے۔ اب ان میں کبھی کمی بیشی واقع نہ ہوگی۔ پھر فرمایا جو میرے بائیں ہاتھ میں ہے وہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے جس میں دوزخیوں کے نام ان کے آباء کے نام اور ان کے قبائل کے نام درج ہیں پھر آخر میں حساب لگا دیا گیا ہے اب ان میں کوئی کمی بیشی نہ ہوگی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر اس امر سے فراغت ہو چکی ہے تو عمل کا کیا فائدہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اچھے عمل کرو۔ کیونکہ جنتی شخص کا خاتمہ

اہل جنت کے عمل پر ہوگا اگر چہ پہلے جو عمل بھی کرتا رہا اور دوزخی آدمی کا خاتمہ دوزخیوں کے عمل پر ہوا اگر چہ جو عمل بھی کرتا رہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ہاتھوں کے ساتھ اشارہ فرمایا اور ان کو جھاڑ دیا۔ اور فرمایا تمہارا رب بندوں کے فیصلہ سے فارغ ہو چکا ہے۔ ایک فریق جنت میں ہے اور ایک فریق دوزخ میں ہے۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اس آیت کریمہ اور اس کے درمیان ظاہراً تضاد ہے۔

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ

کیونکہ اس آیت میں ہے کہ اکثریت کی تخلیق جہنم کا ایندھن بنانے کے لئے ہے اور دوسری آیت میں جن وانس کی غایت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ عبادت کریں۔ نفس تخلیق اور عالم کی تخلیق میں اصل حکمت کی حیثیت سے جن وانس عبادت کے لئے ہیں لیکن ان کے کفر کے اختیار کرنے کا اعتبار کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور بہت سے جن و انس کو جہنم کے لیے پیدا فرمایا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ وہ کفر اختیار کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول حق ہے۔

لَاَ مْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

پس اس طرح دونوں حیثیتوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ

میں اگر چہ صیغہ عام ہے لیکن مراد خاص ہے۔ یعنی جو طاعت وایمان قبول کریں گے علم الٰہی کے مطابق ان کو اس نے عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

(۲) یعنی ان کے دل تو ہیں لیکن ان میں حق کے دلائل میں غور فکر کرنے کی صلاحیت اور معرفت حق کی استعداد نہیں ہے۔ ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن ان کے ساتھ حق کے روشن دلائل میں عبرت کی نگاہ سے دیکھتے نہیں ہیں۔ ان کے کان تو ہیں لیکن ان کے ساتھ آیات قرآنیہ اور مواعظ نصائح کو غور سے سنتے نہیں ہیں۔

(۳) بے سمجھی عدم بصیرت اور عدم سماع میں جانوروں کی طرح ہیں اور ان کی ساری قوتیں اور صلاحیتیں صرف کھانے، پینے، جماع کرنے اور دوسرے اسباب تعیش کے حصول پر وقف ہیں۔

(۴) بلکہ یہ جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں کیونکہ جانور بھی نفع بخش اور نقصان دہ چیز میں کسی اعتبار سے

تمیز کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ منافع کے حصول اور دفع ضرر میں اپنی ساری کوششیں صرف کرتے ہیں۔ لیکن بعض کفار وہ ہیں جو دائمی آگ کی طرف بڑھنے میں مگن ہیں۔ حالانکہ انہیں ہلاکت وتباہی کا علم بھی ہے۔

بعض کفار اپنی عقل کے دشمن بن جاتے ہیں اور لایعنی افعال کا ارتکاب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو عقل وشعور کی صلاحیت عطا فرمائی ہے ان کو ضائع کر دیتے ہیں۔ پس مکلّف مامور اور عقل سے عاری اور معذور شخص کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔

(تفسیر مظہری)

ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ ہی میں رہنے کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے نام کو تو دل ہیں مگر ایسے ہیں جن سے حق بات کو نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ہیں مگر ایسی ہیں جن سے نظر استدال کے طور پر کسی چیز کو نہیں دیکھتے اور جن کے نام کو تو کان ہیں مگر ایسے ہیں جس سے متوجہ ہو کر حق بات کو نہیں سنتے غرض یہ لوگ آخرت کی طرف سے بے توجہ ہونے میں چوپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ اس حیثیت سے کہ چوپایوں کو آخرت کی طرف متوجہ ہونے کا مکلّف تو نہیں بنایا گیا سو ان کا متوجہ نہ ہونا مذموم نہیں۔ اور ان کو تو اس کا حکم ہے پھر بھی بے توجہی کرتے ہیں سو اس اعتبار سے یہ لوگ ان چوپایوں سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ باوجود توجہ دلانے کے آخرت سے غافل ہیں۔ اس لئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ"
لَا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا

یعنی ہم نے جہنم کے لئے پیدا کیا ہے بہت سے جنات اور انسانوں کو جن کی علامات یہ ہیں کہ ان کے پاس سمجھنے کے لئے قلوب اور دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سننے کے لئے کان سب کچھ موجود ہیں۔ جن کو وہ صحیح استعمال کریں تو صراطِ مستقیم کو پالیں اور نفع نقصان کو سمجھ لیں۔ لیکن ان کا یہ حال ہے کہ نہ وہ قلوب سے بات سمجھتے ہیں، نہ آنکھوں سے دیکھنے کی چیزوں کو دیکھتے ہیں اور نہ کانوں سے سننے کی چیزوں کو سنتے ہیں۔

اس میں یہ بتلا دیا کہ اگر چہ تقدیر الٰہی ایک راز سر بستہ ہے جس کا کسی کو اس دنیا میں علم نہیں ہوتا۔ لیکن اس کی علامات سے کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اہل جہنم کی علامت یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں کو ان کے صحیح کاموں میں نہیں لگائیں۔ صحیح علم و معرفت کے لئے جو اللہ جل شانہ نے عقل اور آنکھ کان عطا فرمائے ہیں۔ ان کو وہ بے مصرف چیزوں میں لگاتے ہیں اور اصل مقصد جس کے ذریعہ دائمی اور لازوال راحت و دولت مل سکتی تھی اس کی طرف دھیان نہیں دیتے۔

آیت میں کافروں سے سمجھنے دیکھنے سننے کی نفی جو بظاہر مشاہدہ کے خلاف ہے کس حقیقت پر مبنی ہے:

ان لوگوں کی سمجھ بوجھ اور بینائی و شنوائی سب چیزوں کی بالکل نفی کی گئی ہے کہ یہ نہ کچھ سمجھتے ہیں، نہ کوئی چیز دیکھتے ہیں، نہ کوئی کلام سنتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ یہ لوگ پاگل و دیوانے نہیں ہوتے ہیں جو کچھ نہ سنیں اور نہ سمجھیں، بلکہ مشاہدہ یہ ہے کہ دنیا کے کاموں میں یہ اکثر لوگوں سے زیادہ چالاک اور ہوشیار نظر آتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے ہر مخلوق کے اندر اس کی ضرورت کے مطابق اور اس کے مقصد حیات کے مناسب عقل و شعور رکھا ہے جن چیزوں کو ہم بے عقل اور بے حس و بے شعور کہتے اور سمجھتے ہیں۔ درحقیقت وہ بھی حس و ادراک اور عقل و شعور سے خالی نہیں البتہ یہ چیزیں ان میں اسی مقدار سے ہیں جو مقدار ان کے مقصد وجود کو پورا کرنے کے لئے کافی ہو۔ سب سے کم عقل و شعور اور حسِ جمادات یعنی مٹی اور پتھر وغیرہ میں ہے جن کو نہ کچھ بڑھنا ہے نہ اپنی جگہ سے نکلنا اور چلنا پھرنا وہ اتنی قلیل ہے کہ ان میں حیات کے آثار کا پہچاننا بھی بہت دشوار ہے۔ اس سے کچھ زائد نباتات میں ہے جن کے مقصد وجود میں بڑھنا پھلنا پھولنا داخل ہے۔ اسی کے مناسب عقل و ادراک ان کو دے دیا گیا۔ اس کے بعد حیوان کا نمبر ہے جن کے مقصد وجود میں بڑھنا بھی داخل ہے۔ چلنا پھرنا بھی اور چل پھر کر اپنی غذا حاصل کرنا بھی اور مضر و مہلک چیزوں سے بچنا بھاگنا بھی اور نسل پیدا کرنا بھی۔ اس لئے ان کو جو عقل و شعور مادہ اوروں سے زیادہ ملا مگر اتنا ہی جس سے وہ اپنے کھانے پینے پیٹ بھرنے سونے جاگنے وغیرہ کا انتظام کرلیں اور دشمن سے اپنی جان بچالیں۔ سب کے بعد انسان کا نمبر ہے جس کا مقصد وجود سب چیزوں سے آگے یہ ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے پالنے والے کو پہنچانے۔ اس کی مرضی کے مطابق چلے۔

اس کی ناپسند چیزوں سے پرہیز کرے۔ ساری مخلوقات کے حقائق پر نظر ڈالے اوران سے کام لے۔ اور ہر چیز کے نتائج اورعواقب کو سمجھے۔ کھرے کھوٹے اچھے برے کو پرکھے۔ برائیوں سے بچے اچھائیوں کو اختیار کرے۔

بنی نوع انسانی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کو ترقی کرنے کا بڑا امیدان ملا ہے جو دوسری نوع کو حاصل نہیں۔ یہ جب ترقی کرتا ہے تو فرشتوں کے صف سے آگے مقام پاتا ہے۔ اسی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے اعمال وافعال پر جزاء وسزا ہے۔ اسی لئے اس کو عقل وشعور رتمام انواع مخلوقات سے زائد ملا ہے تاکہ وہ عام حیوانات کی سطح سے بلند ہوکر اپنے مقصد وجود کے مناسب کاموں میں لگے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مخصوص عقل وشعور اوراس کے بخشی ہوئی بینائی وشنوائی کو اسی کام میں صرف کرے۔ جب یہ حقیقت سامنے آگئی تو ایک انسان کا سمجھنا دیکھنا سننا دوسرے جانوروں کے سمجھنے، دیکھنے، سننے سے مختلف ہونا چاہیئے۔ اگراس نے بھی صرف انہی چیزوں میں اپنی عقل اور بینائی وشنوائی کی طاقتوں لگا دیا جن میں دوسرے جانور لگاتے ہیں اور جو کام انسان کے لئے مخصوص تھا کہ ہر چیز کے نتائج وعواقب پر نظر رکھے اور برائیوں سے بچے بھلائیوں کو اختیار کرے ان پر دھیان نہ دیا اس کو باوجود عقل رکھنے کے بے عقل، باوجود بینا ہونے نابینا، باوجود سننے والا ہونے کے بہرا ہی کہا جائے گا۔

اسی لئے قرآن کریم نے دوسرے جگہ ایسے لوگوں کو (صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ) یعنی بہرے، گونگے، اندھے فرمایا ہے۔

اس میں اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنے کھانے پینے رہنے سہنے اورسونے جاگنے کی ضروریات کو سمجھتے نہیں، یا یہ کہ ان کے متعلق چیزوں کو دیکھتے سنتے نہیں بلکہ خود قرآن کریم نے ان لوگوں کے بارے میں ایک جگہ فرمایا۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ،

یعنی یہ لوگ ظاہر حیات دنیا کو خوب جانتے ہیں۔ مگر آخرت سے غافل وجاہل ہیں

فرعون وہامان اوران کی قوموں کے بارے میں فرمایا! یہ لوگ بڑے روشن خیال تھے۔ مگر چونکہ ان کی دانائی کا سارا مصرف اُتنا ہی رہا جتنا عام جانورں کا ہوتا ہے کہ اپنے تن بدن کی خدمت کرلیں۔ روح کی خدمت اور اس کی راحت کے متعلق کچھ نہ سوچا نہ دیکھا اس لئے وہ ان معاشیات اور عمرانیات میں کتنی ہی ترقی کرلیں چاند اور

مریخ کو فتح کرلیں۔ مصنوعی سیاروں سے دنیا کی فضا کو بھر دیں۔ لیکن یہ سب خدمت صرف تن بدن کے ڈھانچہ اور پیٹ ہی کی ہے اس سے آگے نہیں جو روح کے لئے دائمی چین وراحت کا سامان بنے۔ اس لئے قرآن کریم ان کو اندھا بہرا کہتا ہے اور اس آیت میں ان کے سمجھنے دیکھنے سننے کی نفی کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو جو سمجھنا چاہئے تھا وہ نہیں سمجھے جو دیکھنا چاہئے تھا وہ نہیں دیکھا جو سننا چاہئے تھا وہ نہیں سنا۔ اور جو کچھ سمجھا اور دیکھا اور سنا وہ عام حیوانات کی سطح کی چیزیں تھیں جن میں گدھا، گھوڑا، بیل بکری سب شریک ہیں۔

اسی لئے آیت مذکورہ کے آخر میں ان لوگوں کے متعلق فرمایا! اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ کہ یہ لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں کہ بدن کے صرف موجودہ ڈھانچہ کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، روٹی اور پیٹ ان کے فکر کی آخری معراج ہے۔ پھر فرمایا بَلْ هُمْ اَضَلُّ بلکہ یہ لوگ چوپاؤں اور جانوروں سے بھی زیادہ بےوقوف ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جانور احکام شرعیہ کے مکلّف نہیں۔ ان کے لئے جزاء وسزا نہیں۔
ان کا مقصد اگر صرف موجودہ زندگی اور اس کے ڈھانچہ کی درستی تک رہے تو صحیح ہے۔ مگر انسان کو تو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اور اس پر جزا وسزا ہونے والی ہے۔ اس لئے اس کا ان کاموں کو اپنا مقصد سمجھ بیٹھنا جانوروں سے زیادہ بےوقوفی ہے۔ اس کے علاوہ اپنے آقا و مالک کی خدمت پوری بجالاتے ہیں اور نافرمان انسان اپنے رب اور مالک کی خدمت میں قصور کرتا ہے اس لئے جانوروں سے زیادہ بےوقوف اور غافل ٹھہرا۔

اسی لئے فرمایا! اُولٰٓئِکَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ.

(تفسیر معارف القرآن)

# 9 ۔ نافرمان دل

نافرمان دل کا تذکرہ قرآن کریم میں چھ مختلف مقامات پر آیا ہے

**9:1 ۔ اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ وَقَدۡ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ o**

(البقرہ - 2:75)

پھر کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہ تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے، حالانکہ ان میں سے ایسے گروہ بھی ہوئے ہیں جو اللہ کا کلام سنتے تھے پھر اسے سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر اس میں تحریف کر دیتے تھے۔

(O Muslims) do you still fancy that they will believe you, although a group of them used to hear the word of Allah, and then, having understood it, used to distort it knowingly?

## یہودی کردار کا تجربہ:

اس گمراہ قوم یہود کے ایمان سے اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کو ناامید کر رہے ہیں جب ان لوگوں نے اتنی بڑی نشانیاں دیکھ کر بھی دل سخت پتھر جیسے بنا لئے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سن کر سمجھ کر پھر بھی اس کی تحریف اور تبدیلی کر ڈالی تو ان سے تم کیا امید رکھتے ہو؟

ٹھیک اس آیت کی طرح اور جگہ فرمایا

**(فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّیۡثَاقَهُمۡ لَعَنّٰهُمۡ وَجَعَلۡنَا قُلُوۡبَهُمۡ قٰسِیَةً ج)**

(5۔المائدہ:13)

یعنی ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دئے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ سننے کو فرمایا اس سے مراد حضرت موسیٰؑ کے ساتھ جو لوگ طور پہاڑ پر پہنچ کر سجدے میں گر پڑے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا کلام سنایا۔ جب یہ واپس آئے اور اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بنی اسرائیل میں بیان کرنا شروع کیا تو ان لوگوں نے اس کی تحریف اور تبدیلی شروع کردی۔ سدی فرماتے ہیں ان لوگوں نے تورات میں تحریف کی تھی یہی عام معنیٰ ٹھیک ہیں۔ جس میں وہ لوگ بھی شامل ہو جائیں گے اور بدخصلت دوسرے یہودی بھی۔

قرآن میں ارشاد ہے کہ یعنی مشرکوں میں سے کوئی اگر تم سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے دو۔ یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے تو اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ کا کلام قرآن اپنے کانوں سے سنے۔ ان یہودیوں نے یہ تحریف کر دی کہ یہاں بھی کلام اللہ سے مراد توارۃ ہے۔ یہ تحریف کرنے والے اور چھپانے والے ان کے علماء تھے۔ آنحضرت ﷺ کے جو اوصاف ان کی کتاب میں تھے ان سب میں انہوں نے تاویلیں کر کے اصل مطلب دور کر دیا تھا۔ اسی طرح حلال کو حرام، حرام کو حلال حق کو باطل، باطل کو حق لکھ دیا کرتے تھے۔

قرآن میں آیت ہے

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ O

(3۔آل عمران:72)

اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے یہ بھی کہا تھا کہ مسلمانوں پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے، دن کے ابتدائی حصے میں اس پر ایمان لے آؤ اور دن کے آخری حصے میں اس کا انکار کر دو تا کہ تمہارے ساتھ مسلمان بھی دین سے پھر جائیں۔

یہ لوگ اس فریب سے یہاں کے راز معلوم کرتے اور انہیں اپنے والوں کو بتانا چاہتے تھے اور مسلمانوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے تھے مگر ان کی یہ چالا کی نہ چلی اور یہ راز اللہ نے کھول دیا۔ جب یہ یہاں ہوتے اور اپنا ایمان و اسلام وظاہر کرتے تو صحابہؓ ان سے پوچھتے کیا تمہاری کتاب میں حضور ﷺ کی بشارت وغیرہ نہیں؟ وہ اقرار کرتے۔ جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے وہ انہیں ڈانٹتے اور کہتے اپنی باتیں ان سے کہہ کر کیوں ان کے ہاتھوں

میں اپنی مخالفت کے ہتھیار دے رہے ہو؟

مجاہد فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قریظہ والے دن یہودیوں کے قلعہ تلے کھڑے ہو کر فرمایا! اے بندر اور خنزیر اور طاغوت کے عابدوں کے بھائیوں! تو وہ آپس میں کہنے لگے یہ ہمارے گھر کی باتیں انہیں کس نے بتا دیں۔ خبردار! اپنی آپس کی خبریں انہیں نہ دو ورنہ انہیں اللہ کے سامنے تمہارے خلاف دلائل میسر آ جائیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گو تم چھپاؤ لیکن مجھ سے تو کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔ تم جو چپکے چپکے اپنوں سے کہتے ہو کہ اپنی باتیں ان تک نہ پہنچاؤ اور اپنی کتاب کی باتیں کو چھپاتے ہو۔ تو تمہارے اس برے کام سے بخوبی آگاہ ہوں۔ تم جو اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہو۔ تمہارے اس اعلان کی حقیقت کا علم بھی مجھے اچھی طرح ہے۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

تفسیر مظہری میں اس آیت کی تفصیل کچھ اس طرح بیان ہوئی ہے۔

''اے مسلمانو! کیا تم یہ امید رکھتے ہو کہ (یہ یہودی) ایمان لائیں گے تمہارے کہنے سے حالانکہ ایک گروہ ان میں ایسا تھا جو سنتا تھا کلام الٰہی کو پھر بدل دیتے تھے اسے خوب سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر''۔

مومنین اور رسول کریم ﷺ کو خطاب ہے یعنی کیا تم امید رکھے ہو کہ یہود تمہاری دعوت پر ایمان لائیں گے یا تمہاری تصدیق کریں گے۔ حالانکہ ان کا ایک گروہ اللہ کے کلام تورات کو سنتا ہے پھر وہ جان بوجھ کر بغیر کسی شک وشبہ کے اس کلام کو بدل دیتا ہے۔ جیسے انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کے کمالات واوصاف کو چھپایا اور آیت رجم میں تحریف کی۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ ہم جھوٹے ہیں۔ یہ مجاہد قتادہ ،عکرمہ، سدی اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے۔

قَدْ كَانَ فَرِيْق سے مراد ان کے اسلاف کا گروہ تھا جنہوں نے کلام الٰہی کو سنا تھا پھر اس میں تحریف کی تھی۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان ستر آدمیوں کے حق میں نازل ہوئی جنہیں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے وعدہ نبھانے کے لئے چنا تھا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو جو ان میں سے سچے تھے انہوں نے تو جو سنا تھا وہی بیان کر دیا۔ مگر ان کا ایک گروہ کہنے لگا ہم

نے اللہ تعالیٰ سے آخر میں یہ بھی سنا تھا کہ اگر تمہیں ان احکام پر عمل کی استطاعت ہو تو کر لینا اگر عمل کرنا نہ چاہو تو نہ کرنا۔ یہی ان کی تحریف ہے حالانکہ وہ حق کو جانتے تھے۔

(تفسیر مظہری)

## خلاصۂ تفسیر

مسلمان یہودیوں کو مومن بنانے کی جو کوشش کر رہے تھے اور اس میں مشقت کرتے تھے تو یہود کے حالات و واقعات بتا اور سنا کر مسلمانوں کی امید کا خاتمہ کر دیا۔ اس آیت کے ذریعہ دفع فرماتے ہیں۔

اے مسلمانو! کیا یہ سارے قصے سن کر اب بھی تم توقع رکھتے ہو کہ یہ یہودی تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے۔ حالانکہ ان سب مذکورہ قصوں سے بڑھ کر یہ سنتے تھے اور پھر اس کو کچھ کا کچھ کر ڈالتے تھے اور اس کو سمجھنے کے بعد ایسا کرتے اور لطف یہ کہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہم برا کر رہے ہیں محض اغراض نفسانیہ اس کاروائی کا باعث ہوتیں۔

فائدہ: مطلب یہ کہ جو لوگ ایسے بیباک اور اغراض نفسانی کے اسیر ہوں وہ کسی کے کہنے سننے سے کب باز آنے والے اور کسی کی کب سننے والے ہیں۔ اور کلام اللہ سے مراد یا تو توریت ہے اور سماع سے مراد بواسطہ انبیاء علیہم السلام کے ہیں اور تحریف سے مراد اس کے بعض کلمات یا تفاسیر یا دونوں بدل ڈالنا ہیں اور یا کلام سے مراد وہ کلام ہو جو ان ستّر آدمیوں نے بطور تصدیق موسیٰ علیہ السلام کو وہ طور پر سنا تھا اور سماع سے مراد بلا واسطہ اور تحریف سے مراد قوم سے یہ نقل کر دینا کہ اخیر میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا تھا کہ جو حکم تم سے ادا نہ ہو سکے وہ معاف ہے"۔

امور مذکورہ بالا میں سے کسی امر کا صدور گو ان یہودیوں سے نہ ہوا ہو جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں موجود تھے۔ لیکن چونکہ یہ لوگ بھی اپنے اسلاف کے اُن اعمال پر انکار و نفرت نہ رکھتے تھے۔ اس لئے حکماً یہ بھی ویسے ہی ہوئے۔

(تفسیر معارف القرآن)

9:2 ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَعْلَمُ اللّٰہ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ ق فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ وَعِظْھُمْ وَقُلْ لَّھُمْ فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَوْلًام بَلِیْغًا O

(النسآء -4:63)

ان لوگوں کے دلوں میں جو کچھ ہے خدا اس کو خوب جانتا ہے تم ان کی باتوں کا کچھ خیال نہ کرو اور انہیں نصیحت کرو۔ اوران سے ایسی باتیں کہو جوان کے دلوں پر اثر کر جائیں۔

Those are the ones Allah knows what is in their hearts. So, ignore them, and give them good counsel, and speak to them about themselves in appealing words.

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَعْلَمُ اللّٰہُ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ .

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کے اندرونی خیال (نفاق) کو اللہ جانتا ہے۔ ان کی پختہ قسمیں سوائے دوزخی بنانے کے اور کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔

فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ ۔ سو آپ (ﷺ) ان سے تغافل کرلیا کریں۔

وَعِظْھُمْ ۔ اوران کو نصیحت کیجئے کہ نفاق سے باز آجائیں اور سچے دل سے مسلمان ہو جائیں۔

وَقُلْ لَّھُمْ فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَوْلًام بَلِیْغًا.

اوران سے خاص ان کی ذات کے متعلق موثر بات کہہ دیں یعنی ایسی بات کہ دیجئے جوان کے دلوں کے اندر اتر جائے۔

حسنؒ بصری نے کہا کہ قول بلیغ یہ ہے کہ منافقوں سے کہا جائے تم اسی نفاق پر مارے جاؤ گے۔ اس بات کا ان کے دلوں پر پورا اثر ہوگا۔ بعض علماء نے کہا کہ قول بلیغ سے مراد ہے اللہ کے عذاب سے ڈرانا۔ آیت کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ چونکہ منافقوں کو باقی رکھنے میں مصلحت ہے۔ کم از کم مدعیان اسلام کی ظاہری تعداد میں ہی اضافہ ہوتا ہے جس کا اثر کافروں پر پڑتا ہے۔ اس لئے ان کو سزا دینے کی طرف توجہ نہ کرو، زبان سے ان کو

نصیحت کردو اوراثر آفریں ہدایت تنہائی میں کرو۔ تنہائی کی نصیحت زیادہ کارگر ہوتی ہے۔
(تفسیر مظہری)

تفسیر جلالین میں اس کی تفصیل اس طرح بیان ہوئی ہے۔

بشر نامی ایک منافق کا جھگڑا کسی بات پر ایک یہودی سے ہوا چونکہ منافق ناحق پر تھا اس لئے فیصلہ کے لئے کعب بن اشرف کے پاس مقدمہ لے جانا چاہا۔ لیکن یہود کو انصاف ملنے کی امید تھی اس لئے اس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واقعہ پیش کرنا چاہا۔ چنانچہ یہودی کی سعی کامیاب رہی اور مقدمہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا جس کا نتیجہ یہودی کے حق میں رہا۔ منافق نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ حضرت عمرؓ کفار کے حق میں نہایت سخت اور مسلمانوں کے حق میں بہت رحم دل ہیں۔ میرا مقدمہ وہاں سرخرو ہو جائے گا اور میرا کام بن جائے گا۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ کے ہاں جا کر اپیل کر دی۔ یہودی اس لئے مطمئن تھا کہ حضرت عمرؓ اگر چہ متشدد ہیں لیکن ساتھ ہی حق پرست بھی ہیں۔ اسی لئے یہودی آمادہ ہو گیا اور روئداد مقدمہ کے ساتھ یہ بھی عرض کر دیا کہ اول یہ مقدمہ سرکار نبوی ﷺ میں پیش تھا اور میرے حق میں فیصلہ ہو چکا لیکن بشر مطمئن نہیں ہوا۔ اس لئے یہ آپؓ کے پاس آ کر اپیل کر رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے منافق سے تصدیق چاہی تو اس نے تصدیق کر دی۔ فرمایا ٹھہرو! میں ابھی آتا ہوں یہ کہہ کر فاروق اعظمؓ اندر تشریف لے گئے اور تلوار لے کر آئے اور منافق کا کام تمام کر دیا اور فرمایا کہ جو اللہ کے رسول ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اس کا فیصلہ یہی ہے۔

فاروق اعظم کے فیصلہ پر احتجاج اوران پر دعویٰ خون بہا:

اس پر منافق کے ورثاء میں بڑی شورش ہوئی اور انہوں نے منافق کے قول وفعل کے تاویلات پیش کر کے فاروق اعظمؓ پر قصاص اور خون بہا کا دعوی کرنا چاہا۔ لیکن حق تعالیٰ نے ان آیات میں ان کی قلعی کھول کر رکھ دی جس سے ان کا مطالبہ خون بہا رد کر دیا گیا۔

**فاعرض عنهم** سے چشم پوشی کا حکم اس مصلحت سے دیا گیا ہے کہ منافقین کا کفر چونکہ بالکل عریاں اور عیاں نہیں ہوا تھا ایسی حالت میں اگر ان پر جہاد کے ذریعہ بزن بول دیا جاتا تو دور رہنے والے ان کی مخفی سازشوں اور شرارتوں سے تو ناواقف ہوتے اور ان کا قتل کھلم کھلا ہوتا تو نتیجہ یہ نکلتا کہ رائے عامۃ اسلام کے برخلاف اور شدید ہوجاتی اور لوگ یہ سمجھنے پر مجبور ہوجاتے کہ اسلام میں خانہ جنگی، انتشار ہے اور بدنظمی ہے اور اس میں پناہ ڈھونڈنے والے اسی طرح بدامنیوں کا شکار رہتے ہیں جس سے اسلام کو سخت دھچکا لگتا اور اس کی تمام تر ترقی رک جاتی۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ سے اس مصلحت پر روشنی پڑتی ہے۔

**دعه فان الناس يتحد ثون ان محمد ايقتل اصحابه**

جانے دو! لوگ یہ کہیں گے کہ محمد ﷺ نے اپنے دوستوں کو قتل کرنا شروع کردیا۔

## ایک اور شبہ کا ازالہ:

رہا یہ شبہ کہ اس میں بھی تو اسلام کی بدنامی ہے؟

جواب یہ ہے کہ اس میں ایک دوسری بڑی مصلحت پیش نظر تھی کہ ظاہر طور پر منافق چونکہ مسلمان سمجھا جاتا تھا اور دوسری طرف کافر مجاہر تھا۔ تو اس بے لاگ اور غیر جانبدارانہ معاملہ میں جب اس نے دیکھا ہوگا کہ اسلام کے نزدیک انصاف کے مقابلہ میں اپنوں کی بھی رعایت نہیں کی جاتی اور اس حق پرستی کا اظہار اپنے ہم مشرب اور ہم قوم لوگوں کے سامنے کیا ہوگا۔ جس سے اسلامی عدل وانصاف کا سکہ ان کے قلوب پر بیٹھ گیا ہوگا کہ اسلام میں انصاف کا خون کرکے جان بچانے کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ غرض کہ اس خاص مصلحت کی وجہ سے اس عام ضابطہ سے اس کو مخصوص کرلیا گیا ہے۔

(کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

9.3 ۔ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ
يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ O

(التوبه -9:8)

(بھلاان سے عہد) کیونکر پورا کیا جائے جب انکا حال یہ کہ اگر تم پر غلبہ پالیں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں
نہ عہد کا؟ یہ منہ سے تو تمہیں خوش کر دیتے ہیں لیکن ان کے دل (ان باتوں کو قبول نہیں کرتے)
اوران میں سے اکثر نافرمان ہیں۔

How (can they have a treaty) while if they overcome you, they will not observe any bond or treaty with you. they want to please you with (words of) their mouths, but their hearts refuse. Most of them are sinners.

## کافروں کی دشمنی:

اللہ تعالیٰ کافروں کے مکروفریب اوران کی دلی عداوت سے مسلمانوں کو آگاہ کرتا ہے تاکہ وہ ان کی دوستی اپنے دل میں نہ رکھیں نہ ان کے قول وقرار پر مطمئن رہیں۔ ان کا کفر شرک انہیں وعدوں کی پابندی پر رہنے نہیں دیتا۔ یہ تو وقت کے منتظر ہیں ان کا بس چلے تو یہ تمہیں کچے چبا ڈالیں۔ نہ قرابت داری کو دیکھیں نہ وعدوں کی پاسداری کریں۔ ان سے جو ہو سکے وہ تکلیف تم پر توڑیں اور خوش ہوں۔

ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے اور حضرت حسانؓ کے شعر میں بھی یہی معنی کئے گئے ہیں کہ وہ اپنے غلبہ کے وقت اللہ کا بھی لحاظ نہ کریں گے نہ کسی اور کا۔ یہی لفظ ال ایل بن کر جبرائیل، میکائیل اوراسرافیل میں آیا ہے یعنی اس کا معنی اللہ ہے لیکن پہلا قول ہی ظاہر اور مشہور ہے اور اکثر مفسرین کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد کہتے ہیں مراد عہد ہے قتادہ کا قول ہے مراد قسم ہے۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

**کَیْفَ** کیسے تعجب کا مکرر اظہار کیا اس سے مقصود علت تعجب کا اظہار ہے یعنی یہ لوگ عہد پر کیسے قائم رہ سکتے ہیں یا ان لوگوں سے عہد کو پورا کرنے کا کیسے حکم دیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ ان کی یہ حالت ہے کہ

**وَاِنْ یَّظْهَرُوْا عَلَیْكُمْ لَا یَرْقُبُوْا فِیْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ**

اگر وہ تم پر کہیں غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں نہ قول قرار کا۔

**یُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ**

یہ لوگ تم کو اپنی زبانی باتوں سے راضی کررہے ہیں اوران کے دل ان باتوں کو نہیں مانتے اور ان میں زیادہ آدمی شریر ہیں۔

یعنی بطور نفاق وفریب، ایمان، اطاعت اوروفاء عہد کی باتیں کرتے ہیں تاکہ تم راضی ہوجاؤ اور دلوں میں کفر وعداوت کو پوشیدہ رکھتے ہیں کہ اگران کو کامیابی ہوجائے اور قابو مل جائے تو زبانوں سے کہے ہوئے اقوال کے خلاف کرنے لگیں۔ ان میں اکثر عہد شکن ہیں۔ آیت بالا فسق سے مراد ہے عہد شکنی۔ بعض مشرک وعدے کے پکے اور معاہدہ کے پختہ تھے۔ عہد شکنی سے نفرت کرتے تھے۔ سب ہی غدار نہ تھے۔ اس لئے اکثر کو فاسق فرمایا۔ کل کو عہد شکن نہیں قرار دیا۔

(تفسیر مظہری)

ان کا عہد کیسے قابل رعایت رہے گا یعنی وہ لوگ عہد پر کب قائم رہیں گے حالانکہ ان کی یہ حالت ہے کہ اگر وہ تم پر کہیں غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول واقرار کا۔ کیونکہ ان کی یہ صلح مجبوری اور خوف جہاد سے ہے دل سے نہیں۔ پس یہ لوگ تم کو صرف اپنی زبانی باتوں سے راضی کررہے ہیں اوران کے دل ان باتوں کو نہیں مانتے۔ پس جب دل سے اس عہد کے پورا کرنے کا عزم نہیں ہے تو کیا پورا ہوگا اوران میں زیادہ آدمی شریر ہیں کہ عہد پورا کرنا نہیں چاہتے۔ اوراگر ایک آدھ پورا کرنا بھی چاہتا ہو تو زیادہ کے سامنے ایک دو کی

کب چلتی ہے اور وجہ ان کے شریر ہونے کی یہ ہے کہ انہوں نے احکام الہٰیہ کے عوض دنیا کی متاع ناپائدار کو اختیار کر رکھا ہے۔ جیسا کہ کفار کی حالت ہوتی ہے کہ دین کو چھوڑ کر دنیا کو اس پر ترجیح دیتے ہیں جب دنیا زیادہ محبوب ہوگی تو جب عہد شکنی میں دنیوی غرض حاصل ہوتی نظر آئے گی اس میں کچھ باک نہ ہوگا۔
(تفسیر معارف القرآن)

9:4 . اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ O

(النحل - 16:22)

تمہارا معبود تو اکیلا خدا ہے تو جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل انکار کر رہے ہیں اور وہ سرکش ہو رہے ہیں۔

Your God is One God (Allah). As for those who do not believe in the Hereafter, their hearts are defiant and they are arrogant.

اللہ ہی معبود حق ہے، اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہ واحد ہے، احد ہے، فرد ہے، صمد ہے، کافروں کے دل بھلی بات سے انکار کرتے ہیں وہ اس حق کلمے کو سن کر سخت حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ واحد کا ذکر سن کر ان کے دل مرجھا جاتے ہیں۔ ہاں اوروں کا ذکر ہو تو کھل جاتے ہیں یہ اللہ کی عبادت سے مغرور ہیں۔ نہ ان کے دل میں ایمان ہے اور نہ عبادت کے عادی ہیں۔ ایسے لوگ ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چھپے کھلے کا عالم ہے ہر عمل پر جزا اور سزا دے گا وہ مغرور لوگوں سے بے زار ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ تمہارا معبود ہے یعنی دلائل سے ثابت ہو گیا کہ تمہارا معبود ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ پس جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان کے

دل (اللہ کی ان گنت نعمتوں کا) انکار کرتے ہیں باوجودیکہ خداداد نعمتیں بالکل ظاہر ہیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں کو نور معرفت سے محروم کردیا ہے اسی وجہ سے وہ بصیرت سے خالی اور نابینا ہوگئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ اللہ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنا نور یعنی اس کا ایک چھینٹا ڈال دیا۔ جس شخص پر نور کا کچھ حصہ (کوئی چھینٹا) پڑ گیا اس کو راستہ مل گیا وہ ہدایت یاب ہوگیا اور جس پر نہ پڑا وہ بھٹکتا رہا ہدایت یاب نہ ہوا۔ اسی لئے کہ قلم (الٰہی) علم خداوندی پر خشک ہوگیا۔ یعنی اللہ کے علم میں جس کا ہدایت یاب ہونا تھا وہ ہدایت یاب ہوگیا اور اللہ کے علم میں جس کا گمراہ ہونا تھا وہ گمراہ ہوگیا اس فیصلہ کی تحریر ہوچکی فیصلہ لکھنے والا قلم خشک ہوگیا اب تحریر کردہ فیصلہ میں تغیر ممکن نہیں۔ (رواہ احمد و الترمذی)

**وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ** اور وہ قبول حق سے تکبر کرتے ہیں یعنی اللہ کی عبادت سے غرور کرتے ہیں اللہ کی نعمتوں ہی کا انکار کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ کو مستحق عبادت نہیں جانتے اور اتباع رسول سے بھی غرور کرتے ہیں۔ اگر ان کو اللہ کی نعمتوں کا اقرار ہوتا اور اللہ کو مستحق عبادت جانتے تو آخرت پر ایمان رکھتے اور آخرت کی جزا و سزا کو مانتے اور رسول اللہ ﷺ کے اتباع سے سرتابی نہ کرتے۔ (تفسیر مظہری)

**اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** ج (الآیۃ) یعنی الٰہ کا تسلیم کرنا منکرین و مشرکین کے لئے بہت مشکل ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ ''اَجَعَلَ الآ لِهَةَ اِلهًا واحِدً اِنَّ هذا لشَئ عُجابٌ'' اس نے تمام معبودوں کا ایک ہی معبود کردیا ہے یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ سورۂ زمر میں فرمایا!

**وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ** ج

**وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ۔**

جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو منکرین کے دل تنگ ہوجاتے ہیں اور جب اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہوتے ہیں۔

(جمالین فی شرح جلالین)

جب اللہ تعالیٰ کا خالق اشیاء مذکورہ ہونا اور اس میں اس کا منفرد ہونا ثابت ہو چکا تو کیا جو پیدا کرتا ہو یعنی اللہ تعالیٰ وہ اس جیسا ہو جائے گا جو پیدا نہیں کرسکتا کہ تم دونوں کو معبود سمجھنے لگے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی اہانت ہے کہ اس کو بتوں کے برابر کر دیا پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو گننے لگے تو کبھی نہ گن سکو مگر مشرکین شکر اور قدر نہیں کرتے۔ یہ جرم اتنا عظیم تھا کہ نہ معاف کرانے سے معاف ہوتا اور نہ اصرار پر آگے کو یہ نعمتیں ملتیں۔ لیکن واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں کہ کوئی شرک سے توبہ کرے تو مغفرت ہو جاتی ہے اور نہ کرے جب بھی تمام نعمتیں حیات تک منقطع نہیں ہوتیں۔ وہاں نعمتوں کے فائض ہونے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ کبھی سزا نہ ہوگی بلکہ آخرت میں ضرور سزا ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے پوشیدہ اور ظاہری احوال سب جانتے ہیں۔ پس ان کے موافق سزا دیں گے یہ تو حق تعالیٰ کے خالق اور منعم ہونے کا بیان تھا۔

جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں۔ قاعدہ کلیہ ثابت ہو چکا ہے کہ غیر خالق اور خالق مساوی نہیں پس یہ معبودین کیسے مستحق عبادت ہوسکتے ہیں اور وہ معبودین مردے بے جان ہیں۔ پس خالق تو کیا ہوتے اور ان معبودین کو اتنی بھی خبر نہیں کہ قیامت میں مردے کب اٹھائے جائیں گے۔ یعنی بعض کو تو علم ہی نہیں اور بعض کو تعین معلوم نہیں اور معبود کے لئے علم تو لازمی چاہئے۔ خصوصاً قیامت کا کہ اس پر جزا ہوگی۔ عبادت و عدم عبادت کی تو اس کا علم تو معبود کے لئے بہت ہی مناسب ہے۔ پس خدا کے برابر تو علم میں کیا ہوں گے اس تقریر سے ثابت ہوا کہ تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اسی لئے ان کو ڈر نہیں کہ توحید کو قبول کریں۔ معلوم ہوا کہ ان کے دل ہی ایسے نااہل ہیں کہ معقول بات کے منکر ہو رہے ہیں اور معلوم ہوا کہ وہ قبول حق سے تکبر کرتے ہیں اور ضروری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے احوال پوشیدہ و ظاہر جانتے ہیں اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ پس جب ان کا تکبر معلوم ہو تو ان کو بھی ناپسند کریں گے اور سزا دیں گے۔

(تفسیر معارف القرآن)

9.5 ۔ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ○

(الحدید - 57:16)

کیا ابھی تک مومنوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد کرنے کے وقت اور (قرآن) جو خدائے برحق (کی طرف) سے نازل ہوا ہے اس کے سننے کے وقت ان کے دل نرم ہو جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو (ان سے) پہلے کتابیں دی گئی تھیں پھر ان پر طویل زمانہ گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔

Has the time not yet come for those who believe that their hearts should be humble for the remembrance of Allah and for the truth that has descended (through revelation)? They must not be like those to whom the Book was given before, but a long period passed on them (in which they did not repent), therefore their hearts became hard, and (thus) many of them are sinners.

## ایمان والوں سے سوال:

پروردگار عالم فرماتا ہے کیا مومنوں کے لئے اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ذکر اللہ وعظ نصیحت آیات قرآنی اور احادیث نبوی سن کر ان کے دل موم ہو جائیں؟ سنیں اور مانیں احکام بجا لائیں ممنوعات سے پرہیز کریں۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں قرآن نازل ہوتے ہی تیرہ سال کا عرصہ نہ گذرا تھا کہ مسلمانوں کے دلوں کو اس طرف جھکنے کی دیر کی شکایت کی گئی۔ ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں چار ہی سال گذرے تھے جو ہمیں یہ عتاب ہوا۔ (مسلم)
اصحاب رسول پر ملال ہوا کہ حضور ﷺ سے کہتے ہیں حضرت کچھ بات تو بیان فرمائے پس یہ آیت نازل ہوئی۔

**( نحن نقص علیک احسن القصص)**

پھر کچھ دنوں بعد یہی عرض کرتے ہیں تو آیت ترتی ہے۔ **(اللّٰہ نزل احسن الحدیث)** پھر ایک عرصہ بعد یہی کہتے ہیں تو آیت **(الم یان)** اترتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے پہلے خیر جو میری امت سے اٹھ جائے گی وہ خشوع ہوگا۔ پھر فرمایا تم یہود و نصاریٰ کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کتاب اللہ کو بدل دیا تھوڑے تھوڑے مول پر اسے فروخت کر دیا۔ پس کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر رائے و قیاس کے پیچھے پڑھ گئے اور ازخود ایجاد کردہ اقوال کو ماننے لگ گئے اور اللہ کے دین میں دوسروں کی تقلید کرنے لگے۔ اپنے علماء اور درویشوں کی بے سند باتیں دین میں داخل کرلیں۔

ان بداعمالیوں کی سزا میں اللہ نے ان کے دل سخت کر دیئے۔ کتنی ہی اللہ کی باتیں کیوں نہ سناؤ ان کے دل نرم نہیں ہوتے کوئی وعظ و نصیحت ان پر اثر نہیں کرتا۔ کوئی وعدہ وعید ان کے دل اللہ کی طرف موڑ نہیں سکتا بلکہ ان میں کے اکثر و بیشتر فاسق اور کھلے بدکار بن گئے۔ دل کے کھوٹے اور اعمال کے بھی کچے ہیں۔

جیسے اور آیت میں ہے

**(فھما لقصھم میثا قھم لعنھم)**

(سورۃ المائدہ ۔۱۳)

پھر ہم نے ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی

ان کی بدعہدی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت نازل کی اور ان کے دل سخت کر دیئے۔ یہ کلمات کو اپنی جگہ سے تحریف کر دیتے ہیں اور ہماری نصیحت کو بھلا دیتے ہیں۔ یعنی ان کے دل فاسد ہو گئے اللہ کی باتیں بدلنے لگ گئے نیکیاں چھوڑ دیں برائیوں میں منہمک ہو گئے۔ اسی لئے رب العالمین اس امت کو متنبہ کر رہا ہے کہ جان رکھو مردہ زمین کو اللہ زندہ کر دیتا ہے۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ سخت دلوں کے بعد اللہ انہیں نرم کرنے پر قادر ہے۔ گمراہوں کی تہہ میں اتر جانے کے بعد بھی اللہ راہ راست پر لاتا ہے جس طرح بارش خشک زمین کو تر کر دیتی ہے اسی طرح کتاب اللہ مردہ لوگوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ دلوں میں جبکہ گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا ہو تو کتاب اللہ کی روشنی اسے دفعتاً منور کر دیتی ہے۔ اللہ کی وحی ہر قفل کی کنجی ہے۔ سچا ہادی وہی ہے جو گمراہی کے بعد راہ پر لانے والا جو

چاہے کرنے والا، حکمت وعدل والا، لطیف و خیر والا، کبر وجلال والا، بلندی وعلو والا وہی ہے۔
(تفسیر ابن کثیرؒ)

کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت اور اس دین حق کے سامنے جھک جائیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ان پر زمانہ گزر گیا۔ ان کے دل خوب ہی سخت ہو گئے اور (آج) ان میں سے بہت لوگ کافر ہیں۔

ابن ابی شیبہ نے المصنف میں عبدالعزیز بن رواد کی روایت سے اور ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حبان کے حوالہ سے بیان کیا کہ بعض صحابہؓ ہنسی اور مذاق کے زیادہ عادی تھے اور بہت مزاح کرتے تھے اس پر یہ آیت اَلَمْ يَاْنِ ......الخ نازل ہوئی۔

بغویؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہمارے مسلمان ہونے اور اس آیت کے نازل ہونے کے درمیان صرف چار سال کی مدت گزری تھی کہ اللہ نے ہم پر اس آیت میں عتاب فرمایا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مسلمانوں کے دل سخت پڑ گئے تھے کہ نزول قرآن کے تیرھویں سال کے خاتمہ پر اللہ نے یہ عتاب فرمایا۔ مبارک نے الزہد میں بروایت سفیان بیان کیا کہ اعمشؒ نے کہا صحابہؓ پر ہجرت سے پہلے اپنی جگہ بڑی تنگ حالی اور تکلیف تھی۔ جب مدینہ میں ہجرت کر کے آ گئے تو یہاں سکھ اور آرام ملا اس وجہ سے بعض کاموں میں سستی کرنے لگے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے بحوالہ سدی قاسم کا بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کچھ صحابی کسی قدر سست پڑ گئے تھے تو اللہ نے آیت اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ ...الخ نازل فرمائی پھر کچھ مدت کے بعد سستی پیدا ہو گئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ کوئی حدیث فرمایئے تا کہ ہمارے دلوں کی سستی کیفیت دور ہو جائے اس وقت آیت اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...الخ نازل ہوئی۔

بغوی نے کلبی اور مقاتل کا بیان نقل کیا ہے کہ ہجرت سے ایک سال بعد آیت منافقوں کے حق میں نازل ہوئی وجہ نزول یہ ہوئی کہ کچھ لوگوں نے ایک روز حضرت سلمانؓ فارسی سے درخواست کی کہ توریت میں عجیب عجیب

باتیں ہیں آپ ہم سے توریت کی کوئی بات بیان کیجیے۔ اس پر آیات نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ ...الخ نازل ہوئیں یہ جواب سن کر ایک مدت تک سائل مکرر سوال کرنے سے رکے رہے۔ کچھ مدت کے بعد منافقوں نے دوبارہ حضرت سلمان فارسیؓ سے یہی سوال کیا اس پر آیت اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ ...الخ نازل ہوئی۔ یہ سن کر سائل مدت تک مزید سوال سے رُکے رہے۔ ایک مدت کے بعد پھر وہی سوال کیا کہ توریت میں عجیب عجیب واقعات ہیں اس میں سے ہم کو کچھ سنایئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس وجہ نزول کی بنا پر آیت کی تفسیر اس طرح ہوگی جو لوگ بظاہر زبان سے ایمان لے آئے ہیں۔ کیا ابھی ان کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے سامنے جھک جائیں۔ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَق ِّما نزل سے مراد قرآن مجید ہے اس کا عطف ذکر اللہ پر ہے اور ذکر اللہ سے مراد بھی قرآن ہی ہے۔ گویا قرآن کے یہ دونوں وصف ہیں ذکر اللہ بھی ہے اور حق منجانب اللہ بھی ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ذکر سے مراد قرآن کے علاوہ ذکر خدا ہو۔

كَا لَّذِيۡنَ اُوتوُاالۡكِتٰبَ یعنی یہودی اور عیسائی

فَطَالَ عَلَيۡهِمُ الۡاَ مَدُ یعنی اہل ایمان سابق اہل کتاب کے مثل اس بات میں نہ جائیں اور طولِ امد سے مراد ہے وہ طویل مدت جو انبیاء اور ان کی امتوں کے درمیان گزر گئی

یا اَلۡاَ مَدُ سے مراد ہے کفر و معاصی میں بیتی ہوئی طویل عمر

فٰسِقُوۡنَ یعنی دین سے خارج ہیں اپنی کتاب کے احکام کے چھوڑ دینے والے ہیں۔

(تفسیر مظہری)

مسلمانوں کو حکم فرماتے ہیں کہ کیا ایمان والوں میں سے جو لوگ طاعات ضروریہ میں کمی کرتے ہیں جیسے گناہگار مسلمانوں کی حالت ہوتی ہے تو کیا ان کے لئے اب بھی اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق منجانب اللہ نازل ہوا ہے (کہ وہی نصیحت خداوندی ہے) اس کے سامنے جُھک جائیں۔ یعنی دل سے عزم پابندی طاعاتِ ضروریہ و ترک معاصی کا کرلیں اور اس کو خشوع بمعنی سکون اس لئے کہا کہ دل کا حالت مطلوبہ پر رہنا سکون ہے اور معصیت کی طرف جانا مشابہ حرکت کے ہے اور خشوع بالمعنی المذکور میں دیر کرنے سے

جس کا حاصل توبہ میں دیر کرنا ہے وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان کے قبل کتاب آسمانی ملی تھی۔

یعنی یہود و نصاری کہ انہوں نے بھی اپنی کتابوں پر عمل کے بجائے شہوات و معاصی میں انہماک شروع کیا۔ پھر اسی حالت میں ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا اور توبہ نہ کی پھر اس توبہ نہ کرنے سے ان کے دل خوب ہی سخت ہو گئے کہ ندامت و ملامت اضطراری بھی نہ ہوتی تھی۔ اس کی نوبت یہاں تک پہونچی کہ اس قساوت کی بدولت بہت سے آدمی ان میں سے آج کافر ہیں۔ کیونکہ معصیت پر اصرار اور اس کو اچھا سمجھنا اور نبی برحق کی عداوت اکثر سبب کفر بن جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ مسلمان کو جلدی توبہ کر لینا چاہتے کیونکہ بعض اوقات پھر توبہ کی توفیق نہیں رہتی اور بعض اوقات کفر تک نوبت پہونچ جاتی ہے۔ اگر تم لوگوں کے دلوں میں معاصی سے کوئی خرابی کم وبیش پیدا ہو گئی ہو تو اس کو اس وہم کی بناء پر توبہ سے مانع نہ سمجھو کہ اب توبہ سے کیا اصطلاح ہو گی۔

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُھُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ

یعنی کیا اب بھی وقت نہیں آیا ایمان والوں کے لئے کہ ان کے قلوب اللہ کے ذکر کے لئے جھک جائیں اور نرم ہو جائیں اور اس قرآن کے لئے جو ان پر نازل کیا گیا۔

خشوع قلب سے مراد دل کا نرم ہونا اور وعظ و نصیحت کو قبول کرنا اور اس کی اطاعت کرنا ہے۔ (ابن کثیرؒ)

قرآن کے لئے خشوع یہ ہے کہ اس کے احکام اور امر و نواہی کی مکمل اطاعت کے لئے تیار ہو جائے اور اس پر عمل کرنے میں کسی سستی اور کمزوری کو راہ نہ دے۔ (روح المعانی)

یہ عتاب و تنبیہ مؤمنین کو ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض مؤمنین کے قلوب میں عمل کے اعتبار سے کچھ سستی معلوم کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیرؒ)۔

امام اعمشؒ نے فرمایا مدینہ طیّبہ پہونچنے کے بعد صحابہ کرامؓ کو کچھ معاشی سہولتیں اور آرام ملا تو بعض حضرات میں عمل کی جد و جہد جو ان کی عادت تھی اس میں کچھ کمی اور سستی پائی گئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی)

حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ آیت عتاب نزول قرآن سے تیرہ سال بعد نازل ہوئی۔ (رواہ عنہ ابن ابی حاتم)

صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ ہمارے اسلام لانے کے چار سال بعد اس آیت کے ذریعہ ہم پر عتاب وتنبیہ نازل کی گئی۔ واللہ اعلم

بہتر حاصل اس عتاب وتنبیہ کا مؤمنین کو مکمل خشوع اور عمل صالح کے لئے مستعد رہنے کی تعلیم ہے اور خشوع قلب ہی پر تمام اعمال کا مدار ہے۔ حضرت شداد بن اوسؓ کی روایت ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز لوگوں سے اٹھالی جائے گی وہ خشوع ہے۔ (ابن کثیرؒ)

(تفسیر معارف القرآن)

9.6 ۔ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ○

(الحدید -57:27)

پھر ان کے پیچھے انہی کے قدموں پر (اور) پیغمبر بھیجے اور ان کے پیچھے مریم کے بیٹے عیسٰی کو بھیجا اور ان کو انجیل عنایت کی اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ان کے دلوں میں شفقت اور مہربانی ڈال دی اور لذات سے کنارہ کشی تو انہوں نے خود ایک نئی بات نکال لی تھی ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ مگر (انہوں نے اپنے خیال میں) خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (خود سے ہی ایسا کرلیا تھا) پھر جیسا اس کو نباہنا چاہیے تھا نباہ بھی نہ سکے۔ پس جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا اور ان میں بہت سے نافرمان ہیں۔

Then We made Our messengers follow them one after the other, then We sent after them Isa (AS), the son of Maryam

(Jesus, son of Mary) and gave him the Injil, and placed compassion and mercy in the hearts of his followers. As for monasticism, it was invented by them; We did not ordain it for them, but (they adopted it) to seek Allah's pleasure, then could not observe it as was due. So We gave the believers from among them their reward, And many of them are sinners.

فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مراد ہیں وہ لوگ جو صحیح طور پر ایمان لائے اور رہبانیت کے تقاضوں کو پورا کیا اور حضرت عیسیٰ کی وصیت کے مطابق رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے۔

مِنْھُمْ یعنی ان لوگوں میں سے جو اتباع عیسیٰ ؑ کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اَجْرَھُمْ یعنی وہ ثواب اللہ ان کو عطا فرمائے گا۔ جس کا ان سے ان کے اعمال کے مطابق اللہ نے وعدہ کرلیا۔ جو شخص ایمان کے ساتھ رہبانیت کے تقاضوں کو کامل طور پر پورا کرے گا اس کو اس کے عمل کے مطابق اور جس نے رہبانیت کی پورے طور پر نگہداشت نہیں کی اس کو اس کے عمل کے موافق اللہ اجر دے گا۔

وَکَثِیْرٌ مِّنْھُمْ فٰسِقُوْن یعنی ان میں سے بکثرت لوگ اتباع عیسیٰ ؑ سے باہر ہیں۔ کسی نے تثلیث کو مان رکھا۔ کسی نے اپنے علماء و مشائخ کو ارباب بنا رکھا ہے۔ کوئی شاہی مذہب میں داخل ہو گیا اور کوئی دین عیسیٰ ؑ پر قائم رہا۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو ماننے سے انکار کر دیا۔

بغوی نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور نے فرمایا! ابن مسعودؓ جو لوگ یعنی اہل کتاب تم سے پہلے گزر گئے وہ بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے۔ جن میں سے تین فرقوں نے (دوزخ سے) نجات پائی اور باقی ہلاک ہو گئے یعنی دوزخی ہو گئے۔ ایک فرقہ نے تو بد دین بادشاہوں سے مقابلہ کیا اور ان سے لڑے اور دین عیسیٰ ؑ پر قائم رہے۔ بادشاہوں نے ان کو پکڑ لیا اور قتل کر دیا یہ فرقہ جنتی ہوا۔ ایک فرقہ وہ تھا جس میں بادشاہوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں تھی اور نہ یہ قوت تھی کہ بادشاہوں کے سامنے کھڑے ہو کر دین الٰہی اور دین عیسوی کی دعوت دیں یہ فرقہ ملک سیاحت کو نکل گیا وہ راہب بن

گئے، انہیں کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔

وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ

حضور نے فرمایا! اب جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی اور میرا اتباع کیا اس نے حقیقت میں رہبانیت کی پوری نگہداشت کی۔ یہی تیسرا نجات یافتہ فرقہ ہے اور جو مجھ پر ایمان نہیں لایا وہ ہلاک ہونے والا (یعنی دوزخی) ہے۔

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے امّ عبد کے بیٹے! کیا تم جانتے ہو کہ بنی اسرائیل نے رہبانیت کیسے اختیار کی۔ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ فرمایا! عیسیٰ ؑ کے بعد کچھ طاقتور بادشاہ جو گناہوں کے کام کرتے تھے بنی اسرائیل پر غالب آ گئے۔ اہل ایمان کو ان پر غصہ آیا اور ان سے لڑنے لگے۔ مؤمنوں کو تین بار شکست ہوئی اور ان کی تعداد بہت کم رہ گئی۔ آپس میں کہنے لگے اگر یہ لوگ ہم پر غالب آ گئے تو ہم کو فنا کر دیں گے اور دین کی دعوت دینے کے لئے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔ اس لئے آؤ اس وقت تک ہم ملک میں منتشر ہو جائیں جب وہ نبی مبعوث ہو جائے جس کی بعثت کا وعدہ حضرت عیسیٰ ؑ نے کیا تھا یعنی محمد ﷺ کی بعثت تک۔ چنانچہ وہ لوگ آبادی سے نکل کر پہاڑوں کے غاروں میں چلے گئے اور رہبانیت کی ایجاد کی۔ ان میں سے بعض لوگ تو اپنے دین کو پکڑے رہے اور کچھ کافر ہو گئے۔ اس کے بعد حضور نے آیت

وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ ...الخ تلاوت فرمائی اور

فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ

معنی بیان کئے کہ جو لوگ رہبانیت پر قائم رہے ہم نے ان کو ان کا اجر عطا کیا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا! اے ام عبد کے بیٹے! جانتے ہو کہ میری امت کی رہبانیت کیا ہے۔ میں نے عرض کیا اللہ اور رسول اللہ ﷺ کو بخوبی علم ہے فرمایا میری امت کی رہبانیت ہے ہجرت، جہاد، نماز، روزہ، حج، عمرہ اور اونچے مقاموں پر تکبیر کہنی۔

بغوی نے حضرت انس ؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر امت کی ایک رہبانیت ہے اور اس امت کی رہبانیت ہے راہ خدا میں جہاد کرنا۔

سعید بن جبیر ؒ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا عیسیٰؑ کے بعد (بنی اسرائیل کے) بادشاہوں نے توریت وانجیل میں کچھ تغیر وتبدل کر دیا۔ بنی اسرائیل میں ایسے ایمان دار بھی تھے جو اصل توریت وانجیل کو پڑھتے اور لوگوں کو دین خدا کی دعوت دیتے تھے۔

(تفسیر مظہری)

**اسلام نری رہبانیت سے روکتا ہے:......ثم قفینا علیٰ اثارھم۔**

پچھلے پیغمبر اگلے پیغمبروں کے نقش قدم پر چلے، کیونکہ اصولی حیثیت سے سب کی تعلیم ایک تھی پھر آخر میں انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل مقدس دے کر بھیجا گیا۔ ان کے حواری تو واقعی ان کے طریقہ پر چلتے رہے۔ ان کے دلوں میں اللہ نے نرمی رکھی تھی۔ وہ لوگوں کے ساتھ محبت وشفقت کا برتاؤ کرتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے رہتے تھے۔ مگر آگے چل کر بے دین بادشاہوں سے تنگ آ کر ادھر دنیا کے مخمصوں سے گھبرا کر رہبانیت کی راہ لی۔ اور شہروں کے چھوڑ کر جنگلوں پہاڑوں کی سکونت اختیار کر لی۔ حالانکہ اللہ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا مگر ان کی نیت بخیر تھی۔ تاہم اس خود ساختہ طریقہ کو نبھا نہ سکے۔

بلاشبہ تارک الدنیا ہونا مستحسن ہے مگر متروک الدنیا بن جانا کوئی نیکی نہیں ہے۔ اختیاری فقر یقیناً اہل عزیمت کا شیوہ رہا ہے۔ مگر فقر اضطراری تباہی وہلاکت کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ اللہ کا حکم کبھی نہیں رہا کہ اس طرح دنیا کو چھوڑ کر بیٹھے رہیں اور حقوق ترک کر کے مصروف عبادت ہو جائیں۔ تاہم عیسائی راہیوں نے جب ترک دنیا کا نام اپنے اوپر رکھا پھر اس پردہ میں دنیا کمانا بڑا کمال ہے۔ یہ رہبانیت بدعت لغوی تھی بدعت شرعیہ نہیں تھی۔ چونکہ کسی شریعت کے اہل حق کبھی اہل بدعت نہیں ہوتے۔ چنانچہ آیت میں اس بدعت پر نہیں بلکہ اس کی رعایت نہ کرنے پر ملامت ہو رہی ہے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ بدعت شرعیہ نہیں تھی اور ایسی رہبانیت سے شریعت اسلامیہ میں بھی ممانعت نہیں ہے۔ حلال چیزوں کو قربت کے اعتقاد سے چھوڑ دینا بدعت اور رہبانیت ممنوعہ ہے اور بغیر اس

اعتقاد کے کسی مصلحت کے پیش نظر جائز ہے۔

**بدعات ورسوم میں فرق ہے:**......اسلام نے فطری اعتدال سے ہٹ کر رہبانیت کی اجازت نہیں دی۔ تاہم اس جذبہ رہبانیت کو پورا کرنے کے لئے جہاد فی سبیل اللہ رکھا ہے۔ ایک مجاہد سب عیش ولذات سے واقعی الگ ہوکر اللہ کے راستہ میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔

**بدعت ایسے کام کو کہتے ہیں جس کو اصل کتاب وسنت اور صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے دور میں نہ ہوا ہو اوراس کو دین و ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔**

اہل حق اور اہل اللہ میں سے اگر کسی سے ایسا کوئی فعل سرزد ہو جائے تو خود ان سے بدگمان نہیں ہونا چاہیے۔ ممکن ہے وہ صورۃ رہبانیت ہو حقیقۃ نہ ہو۔ بدعت کا تعلق چونکہ فسادِ اعتقاد سے ہے اس لئے بہت بچنا چاہئے اس کے برخلاف رسوم کے جن کا تعلق فساد عمل سے ہے اس لئے ان سے بھی احتراز ہونا چاہئے۔ البتہ رسوم کا معاملہ بدعات سے کم ہے۔ اکثر مطلق رہبانیت ناجائز صورت پر بولی جاتی ہے اور بعض روایات سے مطلق رہبانیت کی ممانعت اسی اصطلاح کے مطابق ہوتی ہے۔ البتہ بعض روایات میں خاص اسلام سے جو رہبانیت کی نفی معلوم ہو رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلی شریعتوں میں وہ جائز تھی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ پچھلے مذہبی لوگوں میں وہ زیادہ پائی جاتی تھی مسلمانوں میں ان کے متمدن مذہب کی وجہ کم ہوگئی۔

(کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

## خلاصہ تفسیر

ہم نے مخلوق کی اسی اصلاحِ آخرت کے لئے نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی۔ یعنی ان کی اولاد میں بھی بعضے پیغمبر اور ان میں سے بعضے صاحب کتاب بنائے۔ سو جن جن لوگوں کے پاس یہ پیغمبر آئے ان لوگوں میں بعضے تو ہدایت یافتہ ہوئے اور بہت سے ان میں نافرمان تھے۔ اور یہ پیغمبر تو صاحب شریعت مستقلہ تھے ان میں بعضے صاحب کتاب بھی تھے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام جو حضرت نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام دونوں کی اولاد میں تھے۔ بعض اگر چہ صاحب کتاب نہیں

تھے جیسے حضرت ہود اور صالح علیہ السلام کہ ان کا صاحب کتاب ہونا منقول نہیں ۔ مگر شریعت ان کی مستقل تھی بہر حال بہت سے نبی تو صاحب شریعت مستقلہ بھیجے پھر ان کے بعد اور رسولوں کو جو کہ صاحب شریعت مستقلہ نہ تھے یکے بعد دیگر بھیجتے رہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے بعد تورات کے احکام کی تعمیل کرانے کے لئے بہت سے پیغمبر آئے اور ان کے بعد پھر ایک صاحب شریعت مستقلہ کو یعنی عیسیٰ ؑ بن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل دی ۔ ان کے امت میں دو قسم کے لوگ ہوئے ایک ان کا اتباع کرنے والے یعنی ان پر ایمان لانے والے اور دوسرے انکار کرنے والے۔ جن لوگوں نے ان کا اتباع کیا تھا یعنی قسم اول ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور ترحم ایک دوسرے کے ساتھ جو کہ اخلاق حمیدہ میں سے ہے پیدا کر دیا۔

لیکن ان متبعین میں بعضے وہ ہوئے کہ انہوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا۔ رہبانیت کا حاصل نکاح اور جائز لذتوں اور اختلاط کا چھوڑنا ہے۔ اس کے ایجاد کا سبب یہ ہوا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب لوگوں نے احکام الٰہیہ کو چھوڑنا شروع کیا تو بعضے اہل حق بھی تھے جو اظہار حق کرتے رہتے تھے۔ یہ بات خواہش نفسانی والوں کو مشکل معلوم ہوئی اور انہوں نے اپنے بادشاہوں سے درخواست کی کہ ان لوگوں کو مجبور کیا جائے کہ ہمارے ہم مشرب بن کر رہیں۔ جب ان کو مجبور کیا گیا تو انہوں نے درخواست کی کہ ہم کو اجازت دی جائے کہ ہم ان لوگوں سے کوئی تعلق وغرض نہ رکھیں اور آزادنہ زندگی بسر کریں خواہ گوشہ میں بیٹھ کر یا سفر وسیاحت میں عمر گذار کر۔ چنانچہ اسی پر وہ چھوڑ دیئے گئے۔　　　　　　　(کذافی الدرالمنثور)

اس مقام پر یہی ذکر ہے کہ انہوں نے رہبانیت کو ایجاد کر لیا۔ ہم نے ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا لیکن انہوں نے حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے اپنے دین کو محفوظ رکھنے کے لئے اس کو اختیار کر لیا تھا۔ پھر ان راہبوں میں زیادہ وہ ہوئے کہ انہوں نے اس رہبانیت کی پوری رعایت نہ کی ۔ یعنی جس غرض سے اس کو اختیار کیا تھا اور وہ غرض اللہ کی رضا جوئی تھی اس کا اہتمام نہیں کیا۔ یعنی اصل احکام کی بجا آوری نہ کی گو صورت رہبان اور احکام کی بجا آوری کا اظہار کرتے رہے۔ اس طرح رہبانیوں میں دو قسم کے لوگ ہو گئے احکام کی رعایت کرنے والے اور رعایت نہ کرنے والے۔ اور ان میں جو رسول اللہ ﷺ کے معاصر تھے ان کے حق میں رعایت احکام کی ایک شرط یہ بھی تھی

کہ حضور ﷺ پر ایمان لائیں گے۔ اس لئے عہد مبارک نبی کریم ﷺ میں احکام کی رعایت کرنے والے وہ لوگ ہوئے جو حضور ﷺ پر ایمان لائے ہم نے ان کو ان کا اجر دیا جس کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ مگر ایسے کم تھے اور زیادہ ان میں نافرمان تھے یعنی آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائے اور چونکہ اکثریت نافرمانوں کی تھی اس لئے سب ہی کی طرف رعایت نہ کرنا منسوب کر دیا گیا کہ فَمَا رَعَوْهَا فرمایا معلوم ہوا کہ یہ نفی رعایت اکثر کے اعتبار سے ہے اور قلیل جو ایمان لائے تھے ان کا بیان آخر آیت میں فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ میں بیان فرمایا۔

یہاں تک عیسائیوں میں سے ایمان لانے والوں اور نہ لانے والوں کی دو قسموں کا ذکر تھا۔ ایمان والوں کا حکم ہے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنے والو! تم اللہ سے ڈرو اور اس ڈر کے مقتضیٰ پر عمل کرو۔ یعنی اس کے آخری رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے ثواب کے دو حصے عطا کرے گا۔

جیسے سورۂ قصص میں ہے۔ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ . الآیۃ۔

اللہ تم کو ایسا نور عنایت کرے گا کہ تم اس کو لئے ہوئے چلتے پھرتے ہو گے یعنی ایسا ایمان دے گا جو ہر وقت ساتھی رہے گا۔ یہاں سے پل صراط تک اور تم کو بخش دے گا کیونکہ اسلام سے زمانہ کفر کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اللہ غفور رحیم ہے۔ ان نعمتوں کا ظہور قیامت کے روز ہوگا۔ اس وقت اہل کتاب کو یعنی جو ایمان نہیں لائے ان کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ان لوگوں کو اللہ کے فضل کے کسی جزو پر بھی بغیر ایمان لائے دسترس نہیں حاصل ہو سکتی اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے دیدے۔ چنانچہ اس کی مشیت اس کے فضل کے ساتھ مسلمانوں سے متعلق ہوئی تو انہی کو عنایت فرما دیا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ مطلب یہ کہ ان کا غرور اور زعم ٹوٹ جائے کہ وہ حالت موجودہ میں بھی اپنے کو فضل کا مورد اور مغفرت کا محل سمجھتے ہیں۔

(تفسیر معارف القرآن)

## معارف ومسائل

(وَجَعَلْنَا فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً)

یعنی جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا انجیل کا اتباع کیا ہم نے ان کے دلوں میں اعلیٰ ظرفی اور رحمت

پیدا کر دی یعنی یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے پر مہربان و رحیم ہیں یا پوری خلق خدا کے ساتھ ان کو شفقت و رحمت کا تعلق ہے۔ رافت و رحمت کے دونوں لفظ ایک دوسرے کے ہم معنی اور مترادف سمجھے جاتے ہیں۔ یہاں مقابلہ کی وجہ سے بعض حضرات نے فرمایا کہ رافت شدت رحمت کو کہا جاتا ہے۔ گویا عام رحمت سے اس میں زیادہ مبالغہ ہے اور بعض نے فرمایا کسی شخص پر رحمت کو کہا جاتا ہے گویا عام رحمت سے اس میں زیادہ مبالغہ ہے۔ بعض نے فرمایا کسی شخص پر رحمت و شفقت کے دو تقاضے عادۃً ہوتے ہیں ایک یہ کہ اگر کوئی کسی تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہے تو اس کی تکلیف کو دور کر دیا جائے اس کو رأفت کہا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ دیدی جائے یہ رحمت ہے۔ غرض رأفت کا تعلق رفع مَضَرَّتُ کے ساتھ ہے اور رحمت کا جَلُب مَـنْـفَـعَـتُ کے ساتھ۔ اور چونکہ دفع مضرت ہر اعتبار سے مقدم سمجھی جاتی ہے اس لئے عموماً جب یہ دونوں لفظ یک جا بولے جاتے ہیں تو رأفت کو رحمت پر مقدم بولا جاتا ہے۔

یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب جن کو حوارین کہا جاتا ہے اُن کے خصوصی صفت رأفت و رحمت بیان فرمائی گئی ہے۔ جیسا کہ رسول کریم ﷺ کے صحابہ کرام کی چند صفات سورۃ الفتح میں بیان فرمائی ہیں۔ جن میں ایک صفت رُحَـمَآ ءُ بَیْنَهُمْ بھی ہے۔ مگر وہاں اس صفت سے پہلے صحابہ کرام ؓ کی خاص صفت اَشِدَّآءُ عَـلَـی الْکُفّارِ بھی بیان فرمائی ہے۔ وجہ فرق کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں کفار سے جہاد وقتال کے احکام نہ تھے۔ اس لئے کفار کے مقابلہ میں شدت ظاہر کرنے کا وہاں کوئی موقع نہ تھا۔

## رہبانیت کا مفہوم اور ضروری تشریح:

وَرَهْبَانِيَّةَ اِبْتَدَعُوْهَا رہبانیت رہبان کی طرف منسوب ہے۔ راہب اور رہبان کے معنی میں ڈرنے والا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل میں فسق و فجور عام ہو گیا خصوصاً ملوک اور روساء نے احکام انجیل سے کھلی بغاوت شروع کر دی۔ ان میں جو کچھ علما و صلحا تھے انہوں نے اس بدعملی رو کا تو ان کو قتل کر دیا گیا جو کچھ بچے رہے انہوں نے دیکھا کہ اب منع کرنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں اگر ہم ان لوگوں میں مل جل کر رہے تو ہمارا دین بھی برباد ہوگا۔ اس لئے ان لوگوں نے اپنے اوپر یہ بات لازم کر لی کہ اب دنیا کی سب جائز لذتیں اور

آرام بھی چھوڑ دیں نکاح نہ کریں کھانے پینے کے سامان جمع کرنے کی فکر نہ کریں رہنےسہنے کے لئے مکان اور گھر کا اہتمام نہ کریں لوگوں سے دور کسی جنگل پہاڑوں میں زندگی بسر کریں یا پھر خانہ بدوشوں کی طرح زندگی سیاحت میں گزار دیں تا کہ دین کے احکام پر آزادی سے پورا پورا عمل کرسکیں ان کا یہ عمل چونکہ خدا کے خوف سے تھا۔ اس لئے ایسے لوگوں کو راہب یا رہبان کہا جانے لگا ان کی طرف نسبت کر کے ان کے طریقہ کو رہبانیت سے تعبیر کیا جانے لگا۔

ان کا طریقہ چونکہ حالات سے مجبور ہو کر اپنے دین کی حفاظت کے لئے تھا اس لئے اصلاً کوئی مذموم چیز نہ تھی۔ البتہ ایک چیز کو اللہ کے لئے اپنے اوپر لازم کر لینے کے بعد اس میں کوتاہی اور خلاف ورزی بڑا گناہ ہے۔ جیسے نذر اور منت کا حکم ہے کہ وہ اصل سے تو کسی پر لازم اور واجب نہیں ہوتی۔ خود کوئی شخص اپنے اوپر کسی چیز کو نذر کر کے حرام یا واجب کر لیتا ہے تو پھر شرعاً اس کی پابندی واجب اور خلاف ورزی گناہ ہو جاتی ہے۔ مگر ان میں سے بعض لوگوں نے رہبانیت کا نام رکھ کر دنیا طلبی اور عیش وعشرت کا ذریعہ بنالیا۔ کیونکہ عام آدمی ایسے لوگوں کے معتقد ہوئے تحفے تحائف اور نذرانے آنے لگے لوگوں کا ان کی طرف رجوع ہوا تو فواحش کی نوبت آنے لگی۔

قرآن کریم نے ان کی اسی بات پر نکیر فرمائی کہ انہوں نے اپنے اوپر ترک لذات کو لازم کیا تھا جو منجانب اللہ ان پر لازم نہ کیا گیا تھا اور جب لازم کرلیا تو پھر اس کی پابندی ان کو کرنا چاہئے تھی لیکن اس کی خلاف ورزی کی۔

ان لوگوں کا یہ طریقہ اصل سے مذموم نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی حدیث اس پر شاہد ہے۔ ابن کثیرؒ نے بروایت ابن ابی حاتم وابن جریر ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے جن میں سے صرف تین فرقوں کو عذاب سے نجات ملی۔ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ظالم و جابر بادشاہوں اور دولت وقوت والے فاسق و فاجر لوگوں کو ان کے فسق و فجور سے روکا اور ان کے مقابلہ میں حق کا کلمہ بلند کیا اور دین عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دعوت دی۔ ان میں سے پہلے فرقہ نے قوت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا مگر ان کے مقابلہ میں مغلوب ہو کر قتل کر دیئے گئے تو پھر ان کی جگہ ایک دوسری جماعت کھڑی ہوئی جن کو مقابلہ کی اتنی بھی قوت وطاقت نہیں تھی مگر کلمہ حق پہنچانے کے لئے اپنی جانوں کی پرواکئے بغیر ان کو حق کی طرف بلایا ان سب کو بھی قتل کر دیا گیا۔ بعض کو آروں سے چیرا گیا بعض کو زندہ آگ میں جلایا گیا مگر

انہوں نے اللہ کی رضا کے لئے ان سب مصائب پر صبر کیا یہ بھی نجات پا گئے۔ پھر ایک تیسری جماعت ان کی جگہ کھڑی ہوئی جن میں نہ مقابلہ کی قوت نہ ان کے ساتھ رہ کر خود اپنے دین پر عمل کرنے کی صورت بنتی تھی۔ اس لئے ان لوگوں نے جنگلوں اور پہاڑوں کا راستہ لیا اور راہب بن گئے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے:

وَرَهْبَا نِيَّةَ ابْتَدَ عُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ .

بنی اسرائیل میں سے اصل رہبانیت اختیار کرنے والے جنہوں نے رہبانیت کے لوازم کی رعایت کی اور مصائب پر صبر کیا وہ بھی نجات یافتہ لوگوں میں سے ہیں۔

جس طرح کی رہبانیت ابتداً اختیار کرنے والوں نے اختیار کی تھی وہ اپنی ذات سے مذموم اور بُری چیز نہ تھی البتہ وہ کوئی حکم شرعی بھی نہیں تھا ان لوگوں نے اپنی مرضی وخوشی سے اس کو اپنے اوپر لازم کرلیا تھا۔ برائی اور مذمت کا پہلو یہاں سے شروع ہوا کہ اس الزام کے بعد بعض لوگوں نے اس کو نبھایا نہیں اور چونکہ تعداد ایسے ہی لوگوں کی زیادہ ہوگئی تھی۔ اس لئے لِلْاَكْثَرِ حُكْمُ الْكُل یعنی اکثریت کے عمل کو کل (تمام) کی طرف منسوب کر دینا عرف عام ہے۔ اس قاعدہ کے موافق قرآن نے عام بنی اسرائیل کی طرف یہ منسوب کیا کہ انہوں نے جن رہبانیت کو اپنے اوپر لازم کرلیا تھا اس کو نبھایا نہیں اور اس کی شرائط کی رعایت نہیں کی۔

اسی کو فرمایا! فَمَا رَعَوْهَا حَقُّ رِعَايَتِهَا

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس رہبانیت کے متعلق جو قرآن نے فرمایا اِبْتَدَ عُوْ هَا یعنی اس کو انہوں نے ایجاد کرلیا اس میں لفظ ابتداع جو بدعت سے مشتق ہے وہ اس جگہ اپنے لغوی معنی یعنی اختراع وایجاد کے لئے بولا گیا ہے۔ شریعت کی اصطلاحی بدعت مراد نہیں ہے۔ جس کے بارے میں حدیث میں ارشاد ہے

كُلُّ بِدْ عَةٍ ضَلَا لَةٌ یعنی ہر بدعت گمراہی ہے۔ قرآن کریم کے نسق ونظم میں غور کریں تو یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے سب سے پہلے تو اس جملے پر نظر ڈالتے

وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ

جس میں حق تعالیٰ نے اپنی نعمت کے اظہار کے سلسلے میں فرمایا کہ ہم نے ان کے دلوں میں رحمت،

رہبانیت پیدا کردی۔ جس طرح اعلیٰ ظرفی ورحمت مذموم نہیں اسی طرح ان کی اختیاری کردہ رہبانیت بھی اپنی ذات سے کوئی مذموم چیز نہ تھی ورنہ مقام احسان میں رافت ورحمت کے ساتھ رہبانیت کا ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ قرآن کریم نے ان کے اس ابتداع پر کوئی نکیر اور رد نہیں فرمایا بلکہ نکیر اس پر کی گئی کہ انہوں نے اس اختیار کردہ رہبانیت کو نبھایا نہیں۔ اس کے حقوق وشرائط کی رعایت نہیں کی یہ بھی جب ہی ہوسکتا ہے کہ ابتداع کو لغوی معنی میں لیا جائے شرعی اور اصطلاحی معنی ہوتے تو قرآن خود اس پر بھی نکیر کرتا کیونکہ بدعت اصطلاحی خود ایک گمراہی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مذکورہ حدیث سے اور بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ تقویٰ اختیار کرنے والی جماعت کو نجات یافتہ جماعتوں میں شمار فرمایا۔ اگر یہ بدعت اصطلاحی کے مجرم ہوتے تو نجات یافتہ میں شمار نہ ہوتے بلکہ گمراہوں میں شمار کئے جاتے۔

## کیا رہبانیت مطلقاً مذموم وناجائز ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

صحیح بات یہ ہے کہ لفظ رہبانیت کا عام اطلاق ترک لذات وترک مباحات کے لئے ہوتا ہے اس کے چند درجے ہیں ایک یہ کسی مباح حلال چیز کو اعتقاداً یا عملاً حرام قرار دے دے یہ تو دین کی تحریف وتغیّر ہے اس معنی کے اعتبار سے رہبانیت قطعاً حرام ہے۔ اور آیت قرآن ہے:

**يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ الَا تُحَرِّ مُوْ اطَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ**

اس کی مثال میں اسی کی ممانعت وحرمت کا بیان ہے۔ **لَاتُحَرِّ مُوْا** خود یہ بتلا رہا ہے کہ اس ممانعت اس لئے ہے کہ یہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اعتقاداً یا عملاً حرام قرار دے رہا ہے۔ جو احکام الٰہیہ میں تبدیل وتحریف کے مترادف ہے۔

دوسرا درجہ ہے کہ مباح کے کرنے کو اعتقاداً یا عملاً قرار نہیں دیتا۔ مگر کسی دنیوی یا دینی ضرورت کی وجہ سے اس کو چھوڑنے کی پابندی کرتا ہے۔ دنیوی ضرورت جیسے کسی بیماری کے خطرہ سے کسی مباح چیز سے پرہیز کرے اور دینی ضرورت یہ کہ یہ محسوس کرے کہ میں نے اس مباح کو اختیار کیا تو انجام کار میں کسی گناہ میں مبتلا ہوجاؤں گا۔ جیسے جھوٹ، غیبت وغیرہ سے بچنے کے لئے کوئی آدمی لوگوں سے اختلاط ہی چھوڑ دے یا کسی نفسانی رذیلہ کے علاج کے

لئے چند روز بعض مباحات کو ترک کردے اور اس حرکت کی پابندی بطور علاج و دوا کے اس وقت تک کرے جب تک یہ رذیلہ دور نہ ہو جائے۔ جیسے صوفیائے کرام مبتدی کو کم کھانے کم سونے کم اختلاط کی تاکید کرتے ہیں کہ یہ ایک مجاہدہ ہوتا ہر نفس کو اعتدال پر لانے کا جب نفس پر قابو ہو جاتا ہے اور ناجائز تک پہنچنے کا خطرہ نہ رہے تو یہ پرہیز چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت رہبانیت نہیں تقویٰ ہے جو مطلوب فی الدین اور اسلاف کرام صحابہ و تابعین اور ائمہ دین سے ثابت ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہو کہ کسی مباح کو حرام تو قرار نہیں دیتا مگر اس کا استعمال جس طرح سنت سے ثابت ہو اس طرح کے استعمال کو بھی چھوڑنا ثواب اور افضل جان کر اس سے پرہیز کرتا ہے۔ یہ ایک قسم کا غلو ہے جس سے احادیث کثیرہ میں رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ اور جس حدیث میں لَارَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ آیا ہے۔ یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں اس سے مراد ایسا ہی ترک مباحات ہے کہ ان کے ترک کو افضل و ثواب سمجھے۔ بنی اسرائیل میں جو رہبانیت اول شروع ہوئی وہ اگرچہ حفاظت دین کی ضرورت سے تھی تو دوسری قسم یعنی تقویٰ میں داخل پہنچے تو حرام کے مرتکب ہوئے اور تیسرے درجہ تک رہے تو بھی ایک مذموم فعل کے مجرم بنے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(تفسیر معارف القرآن)

# 10 ۔ شکی مزاج دل

شکی مزاج دل کا ذکر قرآن کریم میں چار جگہوں پر آیا ہے

10:1 . اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُھُمْ فَھُمْ فِیْ رَیْبِھِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ O

(التوبہ -9:45)

اجازت وہی لوگ مانگتے ہیں جو خدا پر اور یومِ اخر پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے شک میں ڈانواڈول ہو رہے ہیں۔

Only those people ask you to be excused who do not believe in Allah and in the Last Day and whose hearts are in doubt; so they are wavering in their doubt.

جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کے بارے میں آپ سے رخصت نہ مانگیں گے اور اللہ ان متقیوں کو خوب جانتا ہے۔ یعنی جہاد سے رہ جانے کی اجازت نہیں مانگیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ایماندار لوگ جہاد میں شریک ہونے کی بھی اجازت نہیں مانگیں گے۔ حکم سنتے ہی فوراً دوڑ پڑیں گے۔ اجازت ملنے کا انتظار بھی نہیں کریں گے جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت طلب کرنے کا تو ذکر ہی کیا ۔ ان لوگوں کے متقی ہونے کی شہادت اور (درپردہ) ثواب کا وعدہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

## منافقوں کی حالت کا بیان:

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا حال بیان فرمایا ہے کہ ان لوگوں کا ارادہ اس لڑائی میں شریک ہونے کا پہلے ہی سے بالکل نہیں تھا۔ اگر ان کا ارادہ ہوتا تو دیگر لوگوں کی طرح یہ بھی کچھ نہ کچھ تیاری کرتے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو بھی ان لوگوں کا شریک ہونا پسند نہیں تھا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر بزدلی اور سستی پیدا

فرمادی۔ ان لوگوں کے جہاد میں شریک نہ ہونے میں بڑی مصلحت تھی۔ اسلئے کہ اگر یہ لوگ لڑائی میں شریک ہوتے تو مدد کے بجائے فتنہ برپا کرتے مسلمانوں کوخوف دلاتے ایسی ایسی باتیں اور حرکتیں کرتے کہ مسلمانوں کے دل ٹوٹنے لگتے۔ ان میں بزدلی اور پست ہمتی پیدا ہوتی۔ اس لئے کہ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو تمہاری جاسوسی کرتے ہیں اور تمہاری پوشیدہ خبریں دشمن کو پہنچاتے ہیں۔ (تفسیر معارف القرآن)

## معارف ومسائل

قرآن میں ایک لطیف انداز سے رسالت مآب ﷺ سے اس بات کی شکایت ہے کہ ان منافقین نے جھوٹ بول کر اپنے آپ کو معذور ظاہر کیا اور آپ ﷺ نے قبل اس کے کہ ان کے حال کی تحقیق کر کے جھوٹ سچ کا پتہ لگاتے ان کو رخصت دیدی۔ جس کی بنا پر یہ لوگ خوشیاں مناتے اور یہ کہتے پھرتے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو خوب دھوکہ دیا۔ اگرچہ حق تعالیٰ نے اس کا بھی اظہار فرمادیا کہ یہ لوگ محض حیلہ جوئی کے تو عذر پیش کر رہے تھے، ورنہ اگر ان کو اجازت نہ دی جاتی جب بھی یہ لوگ جانے والے نہ تھے۔ اس کا بھی اظہار فرمایا کہ اگر بالفرض یہ لوگ اس جہاد میں جاتے بھی تو ان سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچتا بلکہ ان کی سازش اور فتنہ پروازی سے اور خطرہ ہوتا۔
لیکن منشاء یہ ہے کہ ان کو اگر اجازت نہ دی جاتی تو پھر بھی یہ جانے والے تو نہ تھے مگر ان کا نفاق کھل جاتا۔ اوران کو مسلمانوں پر یہ طعنے کسنے کا موقع نہ ملتا کہ ہم نے ان کو خوب بیوقوف بنایا اور مقصد درحقیقت عتاب نہیں بلکہ یہ بات ہو کہ آئندہ ان لوگوں کی چالوں سے باخبر رہیں اور سورۃ جو ایک قسم کا عتاب بھی ہے تو کس لطف وعنایت کے ساتھ کہ عتاب کی بات جو لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ سے شروع ہوتی ہے۔ یعنی آپ ﷺ نے ان لوگوں کو کیوں اجازت دیدی اس کے ذکر کرنے سے پہلے ہی عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ ذکر فرمادیا جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف فرمادیا۔

رسول کریم ﷺ کے منصب ومقام اور آپ ﷺ کے تعلق اللہ پر نظر رکھنے والے حضرات نے فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جو تعلق حضرت حق جل شانہ کے ساتھ تھا اس کے پیش نظر آپ ﷺ کا قلب مبارک اس کا تحمل ہی نہ کر سکتا تھا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے کسی معاملہ میں آپ ﷺ سے جواب طلب کیا جائے۔ اگر شروع میں

لِمَ اِذِنتَ لَھُمْ کے الفاظ ذکر فرما دیئے جاتے جن میں صورت جواب طلبی کا عنوان ہے تو آنحضرت ﷺ کا قلب مبارک اس کا تحمل نہ کرسکتا۔ اس لئے اس سے پہلے عَفَا اللّٰہُ عَنکَ فرما کر ایک طرف تو اس پر مطلع کر دیا کہ کوئی ایسا کام ہو گیا ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہ تھا۔ دوسری طرف اس کی معافی کی اطلاع پہلے دیدی تا کہ اگلا کلام قلب مبارک پر زیادہ شاق نہ ہو۔

لفظ معافی سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ معافی تو جرم و گناہ کی ہوا کرتی ہے اور رسول کریم ﷺ گناہ سے معصوم ہیں تو پھر معافی کے یہاں کیا معانی ہو سکتے ہیں۔ وجہ یہ ہو کہ معافی جیسے گناہ کی ہوتی ہے ایسے ہی خلاف اَدنیٰ اور ناپسندیدہ چیز کے لئے بھی معافی کا استعمال کیا جا سکتا ہے اور وہ عصمت کے منافی نہیں۔

مؤمنین اور منافقین کا یہ فرق بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ پر صحیح ایمان رکھنے والے ایسے موقع پر کبھی اپنی جان و مال کی محبت میں جہاد سے جان چرانے کے لئے آپ ﷺ سے رخصت نہیں مانگا کرتے۔ بلکہ یہ کام صرف انہی لوگوں کا کام ہے جن کا اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان صحیح نہیں اور اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو خوب جانتے ہیں۔

اگر واقعی یہ لوگ جہاد کے لئے نکلنے کا ارادہ رکھتے تو اس کے لئے ضروری تھا کہ کچھ تیاری بھی تو کرتے۔ لیکن انہوں نے کوئی تیاری نہیں کی جس سے معلوم ہوا کہ عذر ضروری کہ کچھ تیاری بھی تو کرتے لیکن انہوں نے کوئی تیاری نہیں کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ عذر کا بہانہ غلط تھا درحقیقت ان کا ارادہ ہی جہاد کے لئے نکلنے کا نہیں تھا۔

## عذر معقول اور نامعقول میں امتیاز:

عذر انہی لوگوں کا قابل قبول ہو سکتا ہے جو تعمیل حکم کے لئے تیار ہوں پھر کسی اتفاقی حادثہ کے سبب معذور ہو گئے۔ معذوروں کے تمام معاملات کا یہی حکم ہے۔ جس نے تعمیل حکم کے لئے کوئی تیاری ہی نہیں کی اور ارادہ ہی نہیں کیا پھر کوئی عذر بھی پیش آ گیا تو یہ عذر گناہ بدتر از گناہ کی ایک مثال ہو گی۔ صحیح عذر نہ سمجھا جائے گا جو شخص نماز جمعہ کی حاضری کے لئے تیاری مکمل کر چکا ہے اور جانے کا رادہ کر رہا ہے کہ دفعۃً کوئی ایسا عذر پیش آ گیا جس کی وجہ سے نہ جا سکا تو اس کا عذر معقول ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اس کی عبادت کا پورا اجر عطا فرماتے ہیں اور جس نے کوئی تیاری کی ہی نہیں پھر اتفاقاً کوئی عذر بھی سامنے آ گیا ہو تو وہ محض ایک بہانہ ہے۔

صبح کو سویرے نماز کے لئے اٹھنے کی تیاری پوری کی گھڑی میں الارم لگایا یا کسی کو مقرر کیا جو وقت پر جگائے پھر اتفاق سے یہ تدبیریں غلط ہوگئیں جس کی وجہ سے نماز قضا ہوگئی۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کو لیلۃ التعریس میں پیش آیا کہ وقت پر جاگنے کے لئے یہ انتظام فرمایا کہ حضرت بلال ؓ کو بٹھادیا کہ وہ صبح ہوتے ہی سب کو جگادیں مگر اتفاق سے اُن پر بھی نیند غالب آگئی اور آفتاب نکل آنے کے بعد سب کی آنکھ کھلی تو یہ عذر صحیح اور معقول ہے۔ یعنی نیند میں آدمی معذور ہے۔ کوتاہی وہ ہے جو جاگتے ہوئے کرے۔ وجہ یہ تھی کہ اپنی طرف سے وقت پر جاگنے کا انتظام مکمل کرلیا گیا تھا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ تعمیل حکم کے لئے تیاری کرنے یا نہ کرنے ہی سے کسی عذر کے معقول یا نامعقول ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے محض زبانی جمع خرچ سے کچھ نہیں ہوتا۔ دھوکہ سے اجازت لینے والے منافقین کا یہ حال بھی بتلا دیا گیا کہ ان کا جہاد میں نہ جانا ہی بہتر تھا۔ اگر یہ جاتے تو سازشوں اور جھوٹی خبروں سے فساد پھیلاتے۔

(حضرت مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع صاحب ؒ)

10:2 . لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِىْ بَنَوْا رِيْبَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

(التوبه - 9:110)

یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں (موجب) خلجان رہے گی
(اور ان کو متردد رکھے گی) مگر یہ کہ ان کے دل پاش پاش ہوجائیں اور خدا جاننے والا حکمت والا ہے۔

The building they had built shall always remain a source of unrest in their hearts, unless their hearts are cut into pieces. Allah is All-Knowing. All -Wise.

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِىْ بَنَوْا رِيْبَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ . وہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہمیشہ ان

کے دلوں میں ( کانٹا بن کر ) کھٹکتی رہے گی۔ ریبة سے مراد شک ونفاق ہے۔ یعنی عمارت ان کے دلوں میں شک ونفاق کے ترقی کرنے کا سبب بنی رہے گی اور وہ برابر یہی خیال کرتے رہیں گے کہ ہم نے یہ بھلائی کا کام کیا۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کی قوم کے دلوں میں بچھڑے کی محبت رچ گئی تھی۔ (اس طرح اس مسجد ضرار کی محبت ان منافقوں کے دلوں میں جم گئی ہے)۔ حضرت ابن عباسؓ نے ریبة کا معنی کیا غیظا یعنی اس عمارت کو ڈھا دینا ہمیشہ ان کے دلوں کے اندر غصہ اور غضب کو بھڑکاتا رہے گا۔

اِلَّآ اَنۡ تَقَطَّعَ قُلُوۡبُهُمۡ . ہاں ان کے دل پارہ پارہ ہو جائیں تو شک ونفاق ان کے دلوں سے ختم ہو جائے گا۔ یعنی نفاق برابر ہر وقت ان کے دلوں پر جما رہے گا۔ مگر اس وقت ختم ہوگا کہ ان کے دل ہی پھٹ جائیں اور ایسا وقت آجائے گا کہ ان کے دلوں میں جاننے کی صلاحیت ہی نہ رہے گی۔ بعض علماء نے کہا دلوں کے پارہ پارہ ہونے سے مراد ہے منافقوں کا قتل ہونا یا قبر میں چلا جاتا یا دوزخ میں پہنچ جاتا۔ ضحاک اور قتادہ نے کہا مرتے دم تک یہ شک میں پڑے رہیں گے اور مر جائیں گے تو شک دور ہوگا اور حقیقت کا یقین ہوگا۔

وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۔ اور اللہ ان کی نیتوں کو جاننے والا ہے اور مسجد ضرار کو گرا دینے کا جو حکم اس نے دیا وہ اس کی مصلحت سے واقف ہے۔

(تفسیر مظہری)

مدینہ طیبہ میں ایک شخص ابو عامر تھا جو زمانۂ جاہلیت میں عیسائی ہو گیا تھا اور ابو عامر راہب کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ یہ وہی شخص ہے جس کا بیٹا حضرت حنظلہؓ مشہور صحابی ہیں جن کی لاش کو فرشتوں نے غسل دیا تھا اور وہ غسیل ملائکہ کے لقب سے پہچانے جاتے ہیں۔ مگر ان کا باپ ابو عامر اپنی گمراہی اور عیسائیت پر قائم رہا۔

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ابو عامر راہب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام پر اعتراضات کیے، رسول اللہ ﷺ کے جوابات پر بھی اس بدنصیب کا اطمینان نہیں ہوا، بلکہ اس نے یہ کہا کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہو وہ مردود ہو اور اپنے عزیز و اقارب سے دور ہو کر مرے اور یہ بھی کہا کہ آپ (ﷺ) کے مقابلہ میں جو بھی دشمن آئے گا میں اس کی مدد کروں گا۔ چنانچہ جنگ حنین تک تمام غزوات میں اس نے مسلمانوں کے

دشمنوں کے ساتھ قتال میں شرکت کی۔ جب ہوازن کا بڑا اور قوی قبیلہ بھی شکست کھا گیا تو یہ مایوس ہو کر ملک شام بھاگ گیا۔ کیونکہ یہ ملک اس وقت عیسائیوں کا مرکز تھا اور وہیں جا کے اپنے عزیز واقارب سے دور جا کر مرا۔ جو دعا اس نے خود کی تھی اس کے سامنے آ گئی۔ جب کسی شخص کی رسوائی مقدر ہوتی ہے تو وہ ایسے ہی کام کرتا ہے، خود ہی اپنی دعا کی وجہ سے ذلیل وخوار ہوا۔ مگر جب تک زندہ رہا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں لگا رہا۔ اس نے قیصر روم کو بھی اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنی فوج لے کر مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دے اور مسلمانوں کو ختم کر دے۔

اسی سازش کا ایک معاملہ یہ پیش آیا کہ اس نے مدینہ کے منافقین کو جن کے ساتھ اس نے ساز باز کر رکھی تھی یہ خط لکھا کہ میں ایک کی کوشش کر رہا ہوں کہ قیصر روم مدینہ پر چڑھائی کرے۔ تم لوگوں کی کوئی اجتمائی طاقت ہونی چاہئے جو اس وقت قیصر کی مدد کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تم مدینہ میں ہی ایک مکان بناؤ اور یہ ظاہر کرو کہ ہم مسجد بنا رہے ہیں تا کہ مسلمانوں کو شبہ نہ ہو پھر اس مکان میں تم اپنے لوگوں کو جمع کرو اور جس قدر اسلحہ اور سامانِ جنگ جمع کر سکتے ہو کر لو۔ یہاں بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف آپس کے صلح مشورے کیا کرو۔

اس کے مشورے پر بارہ منافقین نے مدینہ طیبہ کے محلّہ قباء میں جہاں رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کرنے کے بعد سب سے پہلے قیام کیا تھا اور ایک مسجد (مسجد قباء) بنائی تھی۔ ایک دوسری مسجد کی بنیاد رکھی، ان منافقین کے نام ابن اسحاق ؒ نے اپنی تاریخ کی کتاب میں نقل کئے ہیں۔ پھر مسلمانوں کو فریب دینے اور دھوکے میں رکھنے کے لئے یہ ارادہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک نماز پڑھوائیں تا کہ سب مسلمان مطمئن ہو جائیں کہ یہ بھی ایک مسجد ہے جیسا کہ اس سے پہلے ایک مسجد یہاں بن چکی ہے۔

ان کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ قباء کی موجودہ مسجد بہت سے لوگوں سے دور ہے، ضعیف اور بیمار لوگوں کا وہاں تک پہنچنا مشکل ہوتا ہے اور مسجد بھی اتنی وسیع نہیں ہے کہ کہ پوری بستی کے لوگ اس میں سما سکیں اس لئے ہم نے ایک دوسری مسجد اس کام کے لئے بنائی ہے تا کہ ضعیف مسلمانوں کو آسانی ہو جائے۔ آپ ﷺ اس مسجد میں ایک نماز پڑھ لیں تا کہ برکت ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت غزوۃ تبوک کی تیاری میں مشغول تھے۔ آپ ﷺ نے یہ وعدہ کر لیا کہ اس وقت تو ہمیں سفر درپیش ہے واپسی پر ہم اس میں

نماز پڑھ لیں گے۔

جب رسول اللہ ﷺ غزوۃ تبوک سے فارغ ہوکر واپس آ رہے تھے اور مدینہ طیبہ کے قریب ایک مقام پر قیام کیا تو اللہ کی طرف سے آیات نازل ہوئیں جس میں منافقین کی تمام سازش کھول دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے چند اصحاب جن میں عامر بن سکنؓ اور حضرت وحشیؓ شریک تھے۔ ان کو حکم دیا کہ ابھی جا کر اس مسجد کے نام سے بنائی گئی عمارت کو ڈھا اور اس میں آگ لگا دیں۔ یہ حضرات اسی وقت گئے اور حکم کی تعمیل کر کے اس عمارت کو ڈھا کر زمین برابر کر دی۔

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ انسان تو کیا کوئی مرغی بھی اس جگہ انڈے بچے دینے کے قابل نہیں رہی، کوئی کبوتر اور جانور بھی اس میں پھلا پھولا نہیں۔ اس کے بعد سے یہ جگہ آج تک مسجد قباء سے کچھ فاصلہ پر ویران پڑی ہے۔ (تفسیر معارف القرآن)

10.3۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ ۖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ O

(الحج - 22:11)

اور لوگوں میں بعض ایسا بھی ہے جو کنارے (پر کھڑا ہو کر) خدا کی عبادت کرتا ہے۔ اگر اس کو کوئی (دنیاوی) فائدہ پہنچے تو اس سبب مطمئن ہو جائے اور اگر کوئی آفت پڑے تو منہ کے بل لوٹ جائے (یعنی پھر کافر ہو جائے) اس نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی یہی نقصان صریح ہے۔

And among men there is one who worships Allah (standing) on the verge: so if some good thing happens to him, he is satisfied with it, and if a trial befalls him, he turns his face back. He loses both this world and the Hereafter. That is the manifest loss.

## شک کے مارے لوگ:

''حرف'' کے معنی شک کی وجہ سے ایک طرف ہو کر کھڑے رہنے کے ہیں گویا وہ دین کے ایک کنارے کھڑے ہو جاتے ہیں فائدہ ہوا تو پھولے نہیں سماتے۔ نقصان دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ صحیح بخاری شریف میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عرب ہجرت کر کے مدینہ پہنچتے تھے۔ اب اگر بال بچے ہوئے جانوروں میں برکت ہوئی تو کہتے یہ دین بڑا اچھا ہے اور اگر نہ ہوئے تو کہتے یہ دین تو نہایت برا ہے۔ ابن حاتم میں آپ سے مروی ہے کہ اعراب حضور ﷺ کے پاس آتے اسلام قبول کرتے واپس جا کر اگر اپنے ہاں بارش پانی پاتے، جانوروں میں، گھر بار میں برکت دیکھتے تو اطمینان سے کہتے بڑا اچھا دین ہے اور اگر اس کے خلاف دیکھتے تو جھٹ سے بک دیتے کہ اس دین میں سوائے نقصان کے اور کچھ نہیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔

بروایت عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایسے لوگ بھی تھے جو مدینہ پہنچتے ہی اگر ان کے ہاں لڑکا ہوتا یا ان کی اونٹنی بچہ دیتی تو انہیں راحت ہوتی تو خوش ہو جاتے اور ان کی تعریفیں کرنے لگتے اور اگر کوئی بلا، مصیبت آ گئی مدینے کی ہوا موافق نہ آئی، گھر میں لڑکی پیدا ہوگئی، صدقے کا مال میسر نہ ہوا تو شیطانی وسوسے میں آ جاتے اور صاف کہہ دیتے کہ اس دین میں تو مشکل ہی مشکل ہے۔ عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ یہ حالت منافقوں کی ہے کہ دنیا اگر مل گئی تو دین سے خوش ہیں اور جہاں نہ ملی یا امتحان آ گیا فوراً پلہ جھاڑ لیا کرتے ہیں اور مرتد اور کافر ہو جاتے ہیں۔ یہ پورے بدنصیب ہیں دنیا آخرت دونوں برباد کر لیتے ہیں۔ اس سے زیادہ اور بربادی کیا ہوگی؟ جن ٹھاکروں، بتوں اور بزرگوں سے یہ مدد مانگتے ہیں۔ جن سے فریاد کرتے ہیں، جن کے پاس اپنی حاجتیں لے کر جاتے ہیں جن سے روزیاں مانگتے ہیں وہ تو محض عاجز ہیں نفع نقصان ان کے ہاتھ ہیں نہیں۔ سب سے بڑی گمراہی یہی ہے۔ دنیا میں بھی ان کی عبادت سے نقصان نفع سے پیشتر ہی ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان سے جو نقصان پہنچے گا اس کا کہنا ہی کیا ہے؟ یہ بت تو ان کے نہایت برے ولی اور نہایت برے ساتھی ثابت ہوں گے۔ یا یہ مطلب کہ ایسا کرنے والے خود بہت ہی بد اور بڑے ہی برے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّعۡبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرۡفٍ

اور بعض آدمی اللہ کی عبادت (ایسے طور پر) کرتا ہے (جیسے) کنارہ پر کھڑا ہو۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے حرف کا معنی ہے کنارہ مراد ہے شک۔ شک کرنے والا منافق دونوں گردہوں کے کنارے پر ہوتا۔ یہ مومنوں کے گروہ کے بھی کنارے پر اور کافروں کے گروہ کے بھی کنارے پر۔ کبھی ادھر اور کبھی ادھر، اگر فتح محسوس کرتا ہے تو ٹھہرا رہتا ہے اگر شکست محسوس کرتا ہے تو بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

ابن ابی حاتم اور بغوی نے بیان کیا ہے اس آیت کا نزول ان بدوی دیہاتیوں کے متعلق ہوا جو صحرا کو چھوڑ کر مدینے میں آ کر مسلمان ہو جاتے وہیں رہ پڑتے تھے۔ اگر قیام مدینہ کے زمانے میں ان کی صحت درست رہتی بیویوں کے لڑکے پیدا ہوتے اور گھوڑیوں کے خوبصورت بچھڑے ہوتے تو کہتے کہ یہ اچھا مذہب ہے۔ اس سے مجھے بڑا فائدہ ہوا اور اگر اس کے خلاف ہوتا یعنی ان کی صحت بگڑ جاتی عورتوں کے لڑکیاں پیدا ہوتیں اور گھوڑیاں حاملہ نہ ہوتیں اور مال کم ہو جاتا تو کہتے جب سے ہم اس مذہب میں داخل ہوئے ہیں ہم کو کوئی بھلائی حاصل نہیں ہوتی۔ یہ کہہ کر اسلام سے مرتد ہو جاتے اور ایمان سے منہ موڑ لیتے۔ آیت مذکورہ میں علی حرف کا یہی مطلب ہے اور ذیل کی آیت میں اسی کی تشریح فرمائی۔

فَاِنۡ اَصَابَهٗ خَيۡرُ اۨطۡمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنۡ اَصَابَتۡهُ فِتۡنَةُ اۨنۡقَلَبَ عَلٰى وَجۡهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِيۡنُ ☆

اب اگر اس کو کوئی دنیوی نفع پہنچ گیا تو اس کی وجہ سے (ظاہری) قرار پا لیا اور اگر اس پر کوئی آزمائشی مصیبت آ گئی تو منہ اٹھا کر کفر کی طرف چل دیا۔ دنیا اور آخرت دونوں کھو بیٹھا یہی کھلا ہوا نقصان ہے۔

یعنی اگر اس کو کوئی بھلائی (دنیوی منفعت) پہنچتی ہے تو وہ اللہ کی عبادت اور اسلام پر مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اس کو کچھ دکھ پہنچ جاتا ہے اور کوئی تکلیف اور سختی آ جاتی ہے تو وہ دین سے پھر کر کفر کی جانب ایڑیوں کے بل پلٹ پڑتا ہے۔ ابن مردویہ نے بوساطت عطیہ حضرت ابوسعیدؓ کی روایت نقل کی ہے کہ ایک یہودی مسلمان ہو گیا اسلام لانے کے بعد اس کی آنکھیں جاتی رہیں اور مال و اولاد کا بھی نقصان ہو گیا اور اس نے اسلام سے برا شگون لیا

اورخیال کیا کہ یہ ساری مصیبت مجھ پر مسلمان ہونے کی وجہ سے آئی ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکرعرض کیا (میری بیعت) مجھے واپس کر دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسلام واپس نہیں کیا جاتا۔ کہنے لگا میں نے تو اس مذہب میں کوئی بھلائی نہیں پائی میری نظر جاتی رہی اور مال بھی جاتا رہا اور بچہ بھی مرگیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا! اے یہودی! اسلام لوگوں کا میل صاف کرتا ہے جیسے آگ سے لوہے سونے اور چاندی کا میل صاف ہوتا ہے۔

خَسِرَ الدنیا ..الخ یعنی دنیوی مصائب کی وجہ سے دین سے مرتد ہونے والے کی دنیا بھی تباہ ہوگئی مال اور اولاد کا نقصان ہوگیا اور جو امیدیں اس نے باندھی تھیں وہ پوری نہ ہوئیں اور آخرت میں خسران نصیب ہوا کہ سارے اعمال برباد ہوگئے اور ہمیشہ دوزخ میں جلنا پڑے گا یہ ایسا کھلا ہوا نقصان ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی گھاٹا نہیں۔ (تفسیر مظہری)

## تحقیق وترکیب:......من یعبد اللہ علی حرف:

علی حرف حال واقع ہے یعبد کے فاعل سے۔

یعنی اسلام اس نے قبول تو کرلیا ہے لیکن بے دلی کے ساتھ۔ منافق کو اس شخص سے مشابہت دی گئی ہے جیسے کوئی شخص کسی کنارے پر کھڑا ہوا اور موقع پاتے ہیں اسے چھوڑ کر بھاگ پڑے گو یا ایمان کے اوپر جماؤ و استقرار نہیں ہے۔ بلکہ بے یقینی اور بددلی کی کیفیت میں مبتلا ہے۔

منافقین کے متعلق ارشاد ہے کہ ان کے نزدیک مذہب کی صداقت وحقانیت کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ انہیں تو دنیوی منافع چاہئیں۔ اگر مسلمان رہنے میں کچھ دنیوی فائدے ہوں تو ٹھیک ہے۔ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے رہیں گے اور اگر کچھ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تو اس دین سے بیزاری ظاہر کرنے لگتے ہیں۔ آج مسلمانوں میں بھی یہ مرض عام ہوتا جارہا ہے کہ اسلام کی قدر بس منافع دنیوی کے لحاظ سے کی جارہی ہے۔

غرض یہ کہ اگر دنیا مل جاتی تو خوش ہوتے اور کسی امتحان میں مبتلا ہوجاتے تو فوراً مرتد ہوجاتے۔ یہ ان کی بدنصیبی ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کرلیتے ہیں۔ جن کے پاس یہ اپنی ضرورتیں لے کر جاتے اور جسے یہ اپنا

رزق رساں اور مشکل کشا سمجھتے۔ ان کا حال یہ ہے کہ نہ وہ نفع پہنچانے پر قادر اور نہ کسی طرح کے نقصان کی قدرت رکھتے ہیں۔ بلکہ وہ تو خود عاجز اور ضرورت مند ہیں۔ یہ انہیں نہ دنیا میں نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں اور آخرت میں تو سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے؟ یہ معبود تو نہایت برے ولی اور نہایت برے ساتھی ہوں گے۔ نہ یہ بڑے ہونے کے اعتبار سے کچھ کام آئیں گے اور نہ رفیق وساتھی ہونے کی حیثیت سے کچھ پہنچا سکیں گے۔

ان کے بالمقابل دوسرا گروہ مومنین کا ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا ہی قادر مطلق ہے۔ وہی سب پر غالب اور نفع ونقصان سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ خدا پر ایمان لائے اور اسی کے ساتھ اعمال صالحہ بھی کئے۔ انہیں بہترین بدلہ ملے گا اور قیام کے لئے عالیشان محلات ہوں گے۔ جنہیں یہ کفار اور منافقین حسرت بھری نظروں سے دیکھیں گے۔ (کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

10.4۔ اِذْ جَآءُ وْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا○

(الاحزاب - 33:10)

جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل
(مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے

(Recall) When they come upon you from above you and from below you, and when the eyes were distracted and the hearts reached the throats, and you were thinking about Allah all sorts of thoughts.

اِذْ جَآءُ وْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ ۔ جب کہ وہ (غزوہ احزاب میں) تمہارے بالائی جانب سے تم پر آ گئے یعنی مشرق کی طرف سے وادی کے بالائی جانب سے یہ آنے والے بنی اسد، بنی غطفان اور بنی قریظہ تھے۔

مالک بن عوف نظری اور عیینیہ بن حصین فزاری ایک ہزار غطفانیوں کو لے کر مشرق کی طرف سے چڑھ آئے تھے۔ طلیحہ بن خویلد اسدی بھی قبیلہ ٔبنی اسد کو لے کر ان کے ساتھ موجود تھا۔ بنی قریظہ کا لیڈر حیی بن اخطب بھی تھا۔

وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ . اور تمہارے نشیبی جانب سے یعنی بطن وادی سے مغرب کی طرف سے بنی کنانہ اور قریش اور ان کے ساتھی آئے تھے۔ ابوسفیان ان کا کمانڈر تھا اور ابواعور عمرو بن سفیان سلمی خندق کی جانب تھا۔

وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ اور جب کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔

وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے۔

خوف کی وجہ سے پھیپھڑے پھول جاتے اور پھیپھڑوں کے پھولنے کی وجہ سے دل اوپر کو حلق کی طرف اٹھنے لگتا ہے۔ کلیجے منہ کو آنا ایک مثل ہے شدت خوف کو ظاہر کرتی ہے۔

وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا اور تم لوگ اللہ کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے۔ منافق گمان کرنے لگے تھے کہ اب محمد ﷺ کی اور مسلمانوں کی جڑ اکھڑ جائے گی اور پختہ ایمان والے اللہ کے وعدہ کو سچا جانتے تھے اور فتح ظفر کا یقین تھا اور ضعیف الایمان لوگ تذبذب میں مبتلا ہوگئے تھے کہ جانے کیا ہوگا۔

(تفسیر مظہری)

حضرت مولانا جلال الدین محلیؒ نے تفسیر جلالین میں اس آیت کی تفصیل یوں بیان کی ہے۔

بلغت القلوب یا توحقیقۃً غصہ کے وقت دل مدافعت کے لئے اوپر کو اچھلتا ہے اور خوف کے وقت نرخرہ اور گلے کی طرف نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے بعض دفعہ سانس بھی رک جاتا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ شدت خوف، گھبراہٹ اور انتہائی غم میں پھیپھڑا پھول جاتا ہے اور گلے کی طرف ابھرآتا ہے اور اسی کے ساتھ دل بھی پھول کر اوپر بھرآتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ مجازاً مبالغہ پر محمول کیا جائے۔

## جنگ احزاب میں مسلمانوں کی مشکلات:....... ازجاؤکم

یعنی کچھ دشمن قبیلے مدینہ کے نشیبی حصہ میں آ کر خیمہ انداز ہوگئے تھے اور کچھ بالائی حصہ میں، مدینہ کی مشرقی سمت اونچی اور مغربی سمت نیچی ہے جنہیں معلیٰ اور مسفلہ کہا جاتا ہے۔ قبیلہ بنی اسد، قبیلہ غطفان معلیٰ سے اور قریش اور بنی کنانہ کی فوجیں مسفلہ سے آگئیں، حالت کی ناسازگاری کا حال یہ تھا کہ آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور لوگ طرح طرح کے خیالات میں تھے اور ایسے ناگفتہ بہ حالات میں ایسا ہونا نہ کچھ مستبعد ہے اور نہ منافی کمال ہے کچے اور کمزور مسلمان تو دو دلے ہو ہی رہے تھے اور اپنی جان کی خیر منا رہے تھے۔ منافقین نے طنز و استہزاء سے کہنا شروع کر دیا کہ لیجئے حالت یہ ہو رہی ہے کہ مسلمانوں قضاء حاجت کے لئے بھی نہیں نکل سکتے اور خواب دیکھ رہے ہیں قیصر و کسریٰ کے شاہی محالات کے۔ یہ وہ حالات تھے کہ مومن تو عشق الٰہی سے ثابت قدم اور دامن رسول اللہ ﷺ سے وابستہ رہے مگر منافقین دل کی باتیں بولنے لگے اور دوستی جتانے والے آنکھیں چرانے لگے۔

## منافقین ہر قدم پر مسلمانوں کے لئے سوہان روح ثابت ہوئے

بعض بولے کہ اب مورچوں پر جمے رہنا صریحاً موت کے منہ میں جانا ہے۔ بعض خدمت اقدس ﷺ میں آ کر طرح طرح کے بہانے تراشنے لگے۔ کہنے لگے کہ ہم اپنے گھروں کو غیر محفوظ چھوڑ آئے ہیں۔ صرف عورتیں، بچے ہیں چوروں ڈاکوؤں کا ہر وقت خطرہ ہے ایسے میں ہمیں یہاں رہنے کا ٹھکانہ کہاں؟ ایسی عام افراتفری میں اچھے اچھوں کے قدم بھی ڈگمگا جاتے ہیں۔ یہ لوگ تو پہلے ہی سے روگی تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایسے سب لوگوں کو چلے جانے کی اجازت دے دی جو دوسروں کے پاؤں اکھیڑنے کا باعث بن رہے تھے۔ حالانکہ یہ سب بہانے جھوٹے تھے ورنہ نہ گھر غیر محفوظ تھے اور نہ بیوی بچے خطرہ میں تھے۔

بات یہ ہے کہ جس کی قسمت میں موت مقدر ہے وہ کہیں بھی چلا جائے بچ نہیں سکتا۔ قضائے الٰہی ہر جگہ پہنچ کر رہے گی اور موت ابھی مقدر نہیں تو کچھ بھی کر لے بال بیکا نہیں ہوسکتا ہے۔ کیا میدان جنگ میں سب مارے جاتے ہیں اور کیا گھروں میں سب محفوظ رہتے ہیں۔ اس لئے میدان جنگ سے بھاگنے سے کیا فائدہ؟ اور فرض کرو

بھاگنے سے بچاؤ ہو ہی گیا تو کتنے دن کے لئے؟ آخر موت تو آنی ہے اب نہیں تو چند روز بعد سہی اور نہ معلوم کہ کیسی سختی اور ذلت سے آئے۔ اللہ کے ارادہ کو کون روک سکتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں نہ کوئی حیلہ یا تدبیر چل سکتی ہے اور نہ کوئی طاقت کارگر ہو سکتی ہے۔ دنیا کی برائی، بھلائی، سختی، نرمی یقیناً پہنچ کر رہے گی۔ پھر اس کے راستہ میں بزدلی کیوں دکھائی جائے اور وقت پر کیوں جان چرائی جائے۔ دنیا کی تکلیف تو ہٹ نہیں سکی مگر عاقبت خراب ہو جائے۔ اس لیے آدمی کو چاہئے کہ اللہ پر بھروسہ رکھے اور اسی کی مرضی کا طلب گار رہے۔

اللہ کی حکمت وعدل سے یہ بات اگر چہ بظاہر سے بعید نظر آتی ہے کہ وہ کسی کی ادنیٰ نیکی بھی ضائع کرے۔ لیکن جب اس نیکی ہی میں اندرونی طور پر ایسی خرابی چھپی ہوئی ہو جو گھن کے کیڑے کی طرح ہر وقت اسے چاٹ کر ختم کرتی رہے تو پھر وہ نیکی کہاں رہ سکتی ہے۔ ایمان نہیں تو عمل کی روح بھی نہیں اور بے روح عمل تن مردہ ہے پھر قبولیت کہاں؟ اس لئے کافر کتنی ہی محنت کرلے سب اکارت ہے۔

منافقین صرف زبان سے جو دعویٰ اسلام کرتے ہیں حقیقتاً اسلام سے خالی ہیں۔ اسی لئے ان کی بزدلی کی یہ انتہاء ہے کہ فوج چلی گئی اور یہ اب تک اس کے ڈر سے دبے سہمے ہوئے ہیں۔ ان ڈرپوکوں کو ان کے چلے جانے کا یقین ہی نہیں آتا۔ ان میں اتنی بھی ہمت نہیں کہ ان خطرناک معرکوں کے دیکھنے کی تاب لاسکیں۔ چاہتے ہیں کہ کہیں دور دیہات میں چلے جائیں اور وہیں وہ بیٹھے آنے جانے والوں سے پوچھ لیا کریں اور بس خبریں سن لیا کریں کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے اور نقشہ جنگ کیسا ہے؟ یہ محض گفتار کے غازی ہیں اور کردار کے پاجی، چکنی چپڑی باتیں بنا کر کام نکالنا چاہتے ہیں اور عمل میں صفر۔

**لطائف سلوک:**......................**مازاغت الا بصار:**

اس آیت میں صحابہ کرام ؓ کی حیرت و دہشت اور ابہام و وساوس کا تذکرہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ طبعی غیر اختیاری کیفیت ایمان کے تو کیا کمال ایمان کے بھی منافی نہیں ہے۔

(کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

# 11 ۔ غافل دل

غافل دل کا ذکر سورۃ انبیاء اور سورۃ مؤمنون میں آیا ہے

**11:1۔ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ط وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ج اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ O**

(الانبیاء ۔ 21:3)

ان کے دل غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ظالم لوگ (آپس میں) چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں کہ یہ (شخص کچھ بھی) نہیں مگر تمہارے جیسا آدمی ہے تو تم آنکھوں دیکھتے جادو (کی لپیٹ) میں کیوں آتے ہو؟

Their hearts paying no heed. And the wrongdoers whisper in secret,: This one is nothing but a mortal like you. Would you then go along with sorcery while you can see (the reality)?

**لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ط** (قرآن میں غور کرنے اور انجام کو سوچنے سے) ان کے دل بے فکر ہیں۔ ابوبکر دراق نے لَاهِيَةً کا مطلب بیان کیا کہ ان کے دل دنیوی سجاوٹ و بناوٹ میں مشغول ہیں آخرت اور اس کی ہولناکیوں سے غافل ہیں۔

**وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ** اور چھپا کر سرگرشیاں کیں ظالموں نے (سرگوشی تو خود پوشیدہ ہی ہوتی ہے)۔ کانوں میں بات کرنے کو نجوی کہتے ہیں۔ پھر اســـروا کیوں فرمایا تو اس اضافہ سے پوشیدہ رکھنے میں مبالغہ کو ظاہر کرنا مقصود ہے یا یہ مطلب ہے کہ ایسی جگہ سرگوشی کرتے ہیں کہ وہ مقام بھی پوشیدہ ہے کسی کو معلوم نہ ہو۔

**هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** . نہیں ہے یہ مگر تم ہی جیسا انسان ہے۔ کافروں کا خیال تھا کہ پیغمبر کا

فرشتہ ہونا ضروری ہے اور یہ ہم جیسا انسان ہے اس لئے پیغمبر نہیں ہوسکتا۔ غالباً ان کا خیال تھا کہ پیغمبر بنا کر بھیجنے والے کا ہم جنس ہونا چاہئے اوران کے گمان تھا کہ ملائکہ اللہ کے ہم جنس ہیں۔ اسی لئے فرشتوں کو وہ خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ پس پیغمبر کا فرشتہ ہونا لازم ہے۔ حق بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کوان کا ہم جنس ہونا چاہیئے۔ جن کے پاس رسول کو بھیجا گیا ہوتا کہ اس کی ہدایت سے کچھ فائدہ حاصل ہو سکے۔ اللہ تو کسی کا ہم جنس نہیں اس کی مثل تو کوئی نہیں اور فرشتے انسان کے ہم جنس نہیں۔ اس سے لوگوں کو کیسے فائدہ پہنچنا ممکن ہے۔ اگر بالفرض فرشتہ کو بھی پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا تو اس کی اصل شکل کو کوئی پہچان نہ سکتا تھا نہ اس سے فائدہ حاصل کرسکتا۔ لامحالہ فرشتے بشکل بشری بھیجا جاتا لیکن کسی کو کیا معلوم ہوتا کہ یہ فرشتہ ہے یا آدمی۔ اللہ کے پیغمبر نے جب دعویٰ رسالت کے ثبوت کے لئے معجزات پیش کئے اور کافروں سے اس کا جواب نہ بن پڑا تو کہنے لگے۔

اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ . کیا تم پھر بھی دیدہ دانستہ جادو کی بات سننے جاؤ گے۔

یعنی یہ شخص رسول نہیں ہے انسان ہے اور یہ جو کچھ غیر معمولی عاجز کرنے والی چیزیں یعنی قرآن جیسی پیش کر رہا ہے تو یہ جادو ہے۔ پس آنکھوں سے جادو دیکھتے ہوئے کیا تم جادو کی پیروی کرنے لگو گے۔ رسول اللہ ﷺ کے معجزات کو جادو قرار دینے کی ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔ نہ کوئی ثبوت پیش کرسکتے تھے اس لئے مجبوراً وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ کہا یعنی ہدایت کا دعویٰ کیا اور ایسا جادو قرار دیا جس کو ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ باہم مشورہ کو پوشیدہ رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ ہم باہم متفق طور پر ایک ایسے فیصلہ پر پہنچنے کے خواستگار تھے اور ایسے قول پر اتفاق کرنا چاہتے تھے جس سے نبوت کا مقابلہ کرسکیں اور قصر نبوت کو ڈھا دیں۔ جس کو سن کر سننے والے نبوت کا انکار کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ وہ چاہتے تھے کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ مگر اللہ تو اپنا نور پورا پورا پھیلانے والا تھا خواہ کافروں کو ناگوار ہو۔

(تفسیر مظہری)

خدا تعالیٰ منکرین قیامت کو متنبہ کر رہے ہیں کہ قیامت قریب آ گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اس کی تیاری کیا کرتے، اس خبر کا یقین ہی نہیں کرتے۔ بلکہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ غفلت اس وجہ سے اور

بھی مذموم ہے کہ اس میں اعراض بھی پایا جاتا ہے ورنہ مطلق غفلت سے تو کوئی بھی انسان خالی نہیں۔ انہی منکرین اور کفار کے بارے میں ارشاد ہے کہ یہ لوگ خدا کے کلام اور وحی الٰہی کو غور سے سننے کے بجائے ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے کان سے اڑا دیتے ہیں بلکہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ خدا کے کلام کے ساتھ یہ معاملہ بھی اسی آخرت فراموشی کا نتیجہ ہے۔ یہ لوگ اسلام اور رسول ﷺ کے خلاف سازش کرتے ہیں اور چونکہ سازش کے لئے اخفاء ضروری ہے اس وجہ سے قرآن نے نقل کیا کہ وہ اپنی سرگوشیوں کو چھپاتے ہیں۔ وہ خفیہ مشورے کرتے اور لوگوں کو بہکاتے کہ یہ شخص جو رسالت کا مدعی ہے یہ کوئی مافوق البشر شخصیت نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہم ہی جیسا ایک انسان ہے اسے نبوت اور رسالت کہاں سے مل سکتی ہے اور یہ قرآن میں جو اثر دیکھتے ہو۔ یہ تو تمام تر اس کے جادو کا نتیجہ ہے۔ تو کیا تم لوگ ہوش وحواس رکھتے ہوئے بھی اس کے جادو میں آکر اپنے جیسا ایک انسان کی ماتحتی کو قبول کرلو گے۔

اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، وہ عالم الغیب ہے۔ دوسرے مذاہب کے دیوتاؤں کی طرح ناقص العلم نہیں۔ خفیہ سے خفیہ سازش بھی اس سے چھپانا ممکن نہیں۔ چنانچہ وہ تمہاری باتوں سے بھی باخبر ہے اور سازشوں پر مطلع ہے۔ تمام حالات کا اسے پوری طرح علم ہے لہٰذا تمہیں ڈرنا چاہئے۔

## کفار کی بدحواسی:

یہ کفار پریشانی اور حیرانی کے عالم میں کلام خداوندی کو کبھی جادو، کبھی شاعری، کبھی پریشان خیالی اور کبھی آنحضور ﷺ کا خود گھڑا ہوا کلام بتاتے تھے۔ کسی ایک بات پر نہیں جمتے تھے بلکہ مختلف انداز پر لوگوں کو بہکانے کی کوشش کرتے اور اسی کوشش میں کہتے کہ اگر یہ سچا نبی ہے تو حضرت صالحؑ کی طرح کوئی اونٹنی یا حضرت موسیٰؑ کی طرح کا کوئی معجزہ دکھائے۔ جس پر خدا تعالیٰ کا جواب ہے کہ ان معجزات سے کیا فائدہ ہوا۔ پچھلی قوموں میں بارہا اس کا تجربہ ہو چکا ہے کہ انہوں نے سب کچھ دیکھا لیکن پھر بھی وہ اپنے کفر پر جمے رہے۔ جس کے نتیجہ میں ان پر عذاب آکر رہا تو ان سے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ یہ معجزات دیکھ کر ایمان لے آئیں گے۔ اس لئے انہیں کوئی معجزہ وغیرہ دکھانا لاحاصل ہے۔ نیز کفار کہا کرتے تھے کہ یہ تو ہم ہی جیسا ایک انسان ہے۔ ہم کس طرح اس کی بندگی قبول کرسکتے ہیں اور کیا انسان بھی رسول ہوسکتا ہے۔ (کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

## خلاصۂ تفسیر

ان کافروں کی غفلت یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو تازہ نصیحت حسب حال آتی ہیں بجائے اس کے کہ ان کو تنبیہ ہوتی۔ یہ اس کو ایسے طور سے سنتے ہیں کہ اس کے ساتھ ہنسی کرتے ہیں اور ان کے دل اصلاً ادھر متوجہ نہیں ہوتے۔ یہ لوگ یعنی ظالم اور کافر لوگ آپس میں چپکے چپکے سرگوشی کرتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ ان کو اہل اسلام کا خوف تھا۔ کیونکہ مکہ میں کفار ضعیف نہ تھے۔ اس لئے کہ اسلام کے خلاف خفیہ سازش کر کے اس کو مٹائیں کہ یہ یعنی محمد ﷺ محض تم جیسے ایک معمولی آدمی ہے یعنی نبی نہیں اور یہ جو ایک دلکش ودلربا کلام سناتے ہیں اس پر اعجاز کا شبہ ہوتا ہے اور اس اعجاز سے نبوت کا خیال نہ کرنا ہے۔ کیونکہ وہ حقیقت میں سحر آمیز کلام ہے تو کیا باوجود اس بات کے پھر بھی جادو کی بات سننے کو ان کے پاس جاؤ گے۔ حالانکہ تم اس بات کو خوب جانتے بوجھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر ﷺ کو جواب دینے کا حکم ہوا اور انہوں نے موافق حکم کے جواب میں فرمایا کہ میرا رب ہر بات کو خواہ آسمان میں ہو اور خواہ زمین میں ہو اور خواہ ظاہر ہو یا خفی ہو خوب جانتا ہے اور وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ تمہارے ان اقوال کفریہ کو بھی جانتا ہے اور تم کو خوب سزا دیگا۔ انہوں نے کلام حق کو صرف جادو کہنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یوں بھی کہا کہ یہ قرآن پریشان خیالات ہیں کہ واقع میں دلکش بھی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے کہا کہ پیغمبر نے اس کو اپنے دل سے تراش لیا ہے۔

جو لوگ آخرت اور قبر کے عذاب سے غفلت اور اس کے لئے تیاری سے اعراض کرنے والے ہیں۔ یہ اُن کے حال کا مزید بیان ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن کی کوئی نئی آیت آتی اور پڑھی جاتی ہے تو وہ اس کو اس حالت میں سنتے ہیں کہ کھیل اور ہنسی مذاق کرتے ہیں۔ ان کے دل اللہ سے اور آخرت سے بالکل غافل ہوتے ہیں۔ اس کی یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ قرآن کی آیات سننے کے وقت یہ اپنے کھیل اور شغل میں اسی طرح لگے رہتے ہیں۔ قرآن کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے اور یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ خود آیات قرآن ہی سے کھیل اور ہنسی مذاق کا معاملہ کرنے لگتے ہیں۔

یعنی یہ لوگ آپس میں آہستہ آہستہ سرگوشی کر کے یہ کہتے ہیں کہ یہ جو اپنے کو نبی اور رسول کہتے ہیں یہ تو ہم جیسے ہی انسان ہیں۔ چونکہ یہ فرشتہ تو ہیں نہیں کہ ہم ان کی بات مان لیں اور پھر اس کلام الٰہی کو جو ان کے سامنے پڑھا

جاتا تھا اس کی حلاوت دبلاغت اور دلوں میں تاثیر کا کوئی کافر بھی انکار نہیں کرسکتا۔ اس سے لوگوں کو ہٹانے کی صورت یہ نکالی کہ اس کو سحر وجادو قرار دیں اور پھر لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے کہیں کہ جب تم سمجھ گئے کہ یہ جادو ہے تو پھر ان کے پاس جانا اور یہ کلام سننا دانشمندی کے خلاف ہے۔ شاید گفتگو آپس میں آہستہ اسلئے کرتے تھے کہ مسلمان سن لیں گے تو ان کی احمقانہ باتوں کا پول کھول دیں گے۔

(تفسیر معارف القرآن)

11:2۔ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِیْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِکَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْن O

(المؤمنون - 23:63)

مگران کے دل ان (باتوں) کی طرف سے غفلت میں (پڑے ہوئے) ہیں

اوراس کے سوااوراعمال بھی ہیں جو یہ کرتے رہتے ہیں

But their hearts are in ignorance about this, and they have deeds, other than that, which they are continously doing.

وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِکَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْن ۔

اوراس کے علاوہ ان کے اور بھی (برے) اعمال ہیں جن کو وہ کرتے رہتے ہیں۔

مـــن دون ذلک اس کے دو مطلب ہیں ایک تو یہی جو ترجمہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ شرک اور کفر کے سوا ان کی بداعمالیاں اور بھی ہیں۔ دوسرا مطلب یہ کہ مومنوں کے جو اوصاف و اعمال ہیں کافروں کے اعمال ان کے علاوہ اور ان سے ہٹ کر ہیں۔

عٰمِلُوْن کرتے رہتے ہیں ان اعمال کے عادی ہیں۔

(تفسیر مظہری)

مشرکین جو آیات قرآنی کا انکار کرتے تھے اس سلسلہ میں ارشاد ہے کہ کیا یہ لوگ آیات کے منکر صرف اس وجہ سے تھے کہ وحی و رسالت کا تخیل ان کے لئے نامانوس تھا اور یہ دعوت پہلی مرتبہ ان تک پہنچی تھی۔ کیونکہ ان کے آباء واجداد زمانہ جاہلیت میں مرے تھے جن کے پاس نہ کوئی خدا کی طرف سے نازل شدہ کتاب تھی اور نہ کوئی رسول ان تک پہنچا تھا۔ اگر یہی بات تھی تو انہیں چاہئے تھا کہ غور وفکر کرتے اور اللہ کی کتاب کی قدر کرتے۔ اگر یہ خالی الذہن ہو کر غور وفکر کرتے تو یقیناً قرآن کے اعجاز کے قائل ہو جاتے اور تکذیب سے باز آ جاتے۔ لیکن انہوں نے کبھی اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ گویا تکذیب کا اصل سبب ان کی بے التفاتی رہی یا ان کی تکذیب کی یہ وجہ ہو سکتی تھی کہ یہ رسول کے صدق اور دیانت و امانت سے ناواقف تھے تو یہ بات بھی نہیں تھی۔ کیونکہ آنحضور ﷺ تو انہیں میں پیدا ہوئے اور اسی ماحول میں آپ ﷺ نے پرورش پائی اور یہ لوگ آپ ﷺ کی پاکیزہ سیرت سے خوب اچھی طرح واقف تھے۔ بلکہ آپ ﷺ کی امانت وصداقت اور آپ کی فہم وذکاوت کے قائل تھے۔ اس دور میں بھی اہل یورپ آپ کے دانائی اور خوش تدبیری کے پوری طرح معترف ہیں مگر اس کے باوجود حق کو تسلیم نہیں کرتے۔ تو گویا ان کے انکار کی وجہ سے اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ یہ حق ہی سے بیزار ہیں اور طلب حق کی ان کے اندر کوئی تڑپ موجود نہیں اور اتباع حق تو کیا کرتے۔ دین ہی کو اپنا تختہ مشتق بنانا چاہتے تھے۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ دین کے احکامات ان کی مرضی کے مطابق ہو۔ ان کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ نزول قرآن کسی معزز ومکرم شخص پر ہونا چاہئے تھا۔

اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ کیا رحمت خداوندی کی تقسیم انہیں کے ہاتھوں میں ہے؟ اگر دین ان کی مرضی کے مطابق نازل ہوتا تو سارا نظام ہی درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔ کیونکہ انسانی دماغ اس کا اہل ہی نہیں ہے کہ وہ مخلوق کے انتظامات کی صلاحیت رکھا ہو۔ یہ تو خدا تعالیٰ کی شان اور قدرت ہے کہ وہ تمام مخلوق کی حاجت برآری اس کی ضرورت اور مصلحت کے مطابق کرتے رہتے ہیں۔ فرمایا گیا کہ یہ قرآن تو ان کی نصیحت کے لئے نازل کیا گیا تھا۔ مگر یہ اپنے نفع ونقصان کی طرف سے اندھے ہو چکے ہیں۔ انہیں اس کا کوئی خیال ہی نہیں۔

(کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

ان کفار کے قلوب اس دین کی طرف سے جہالت اور شک میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اس جاہلانہ انکار کے علاوہ ان لوگوں کے اور بھی بُرے بُرے خبیث عمل ہیں۔ جن کو یہ مسلسل کرتے رہتے ہیں یہ لوگ شرک اور اعمال سیئہ کے برابر خوگر رہیں گے۔ یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو جن کے پاس مال و دولت اور نوکر چاکر ہیں سب کچھ ہی عذاب بعد الموت میں پکڑ لیں گے اور غریب غربا تو کس گنتی میں ہیں اور وہ تو عذاب سے کیا بچاؤ کر سکتے ہیں غرض یہ کہ جب ان سب پر عذاب نازل ہوگا تو فوراً چلا اٹھیں گے۔

(تفسیر معارف القرآن)

## معارف ومسائل

غمرة ایسے گہرے پانی کو کہتے ہیں جس میں آدمی ڈوب جائے اور جو اس میں داخل ہونے والے کو اپنے اندر چھپالے اسی لئے لفظ غمرہ پردہ اور ہر ڈھانپ لینے والی چیز کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ یہاں اُن کی مشرکانہ جہالت کو غمرہ کہا گیا ہے جس میں ان کے دل ڈوبے ہوئے اور چھپے ہوئے ہیں کہ کسی طرف سے ان کو روشنی کی کرن نہیں پہنچتی۔

وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ یعنی ان کی گمراہی کے لئے تو ایک شرک وکفر ہی کا پردہ غفلت کافی تھا۔ مگر وہ اسی پر بس نہیں کرتے اس کے ساتھ دوسرے اعمال خبیثہ بھی مسلسل کرتے ہی رہتے ہیں۔

(تفسیر معارف القرآن)

# 12 - گناہ آلود دل

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ الحجر اور سورہ الشعراء میں گناہ آلود دل کے متعلق فرمایا ہے۔

12:1 ۔ کَذٰلِکَ نَسۡلُکُہٗ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ O

(الحجر - 15:12)

اسی طرح ہم اس (تکذیب وضلال) کو گنہگاروں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں۔

Likewise, We make it (i.e. disbelief) enter into the hearts of the sinners,

اسی طرح ہم یہ استہزاء ان مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں۔ ''المجر مین'' سے مراد ہیں مشرکین مکہ۔ یعنی جس طرح کہ ان مشرکوں کے دلوں میں بھی ہم کفر واستہزاء کو داخل کرتے ہیں۔ سلک (پرونا) ایک چیز کا دوسری چیز میں داخل کرنا۔ جیسے سوئی میں ڈورے کو اور زخمی میں نیزے کی نوک کو داخل کر دینا۔ (تفسیر مظہری)

اے محمد ﷺ آپ ان کی تکذیب سے غم نہ کیجیے۔ کیونکہ یہ معاملہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ ہم نے آپ سے پہلے بھی پیغمبروں کو اگلے لوگوں کے بہت سے گروہوں میں بھیجا تھا۔ کوئی رسول ان کے پاس ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے استہزاء نہ کیا ہو۔ اسی طرح ہم یہ استہزائیں مجرمین (یعنی کفارِ مکہ) کے قلوب میں ڈال دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ قرآن پر ایمان نہیں لاتے اور یہ دستور پہلے سے ہی ہوتا آیا ہے کہ انبیاءؑ کی تکذیب کرتے رہتے ہیں۔ پس آپ مغموم نہ ہوں اور ان کے عناد کی کیفیت یہ ہے کہ فرشتوں کا آسمان سے آنا تو درکنار اس سے بڑھ کر اگر خود ان کو آسمان پر بھیج دیا جائے۔ اس طرح سے کہ ہم ان کے لئے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں پھر یہ دن کے وقت اس دروازے میں کے آسمان پر چڑھ جائیں۔ تب بھی یوں کہہ دیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی تھی بلکہ ہم لوگوں پر تو بالکل جادو کر رکھا ہے۔ اگر ہم اس سے بڑھ کر بھی کوئی معجزہ دکھلاتے تو یہ اس کو بھی نہیں مانتے۔ (تفسیر معارف القرآن)

## 12:2 ۔ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِىْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ O

(الشعرآء ۔ 26:200)

اسی طرح ہم نے انکار کو گناہگاروں کے دلوں میں داخل کر دیا

This is how We have made it pass through the hearts of the sinners.

### کفر و انکار:

اللہ تعالیٰ نے تکذیب و کفر انکار و عدم تسلیم کو ان مجرموں کے دل میں بٹھا دیا ہے۔ یہ جب تک عذاب اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ایمان نہیں لائیں گے۔ اس وقت اگر ایمان لائے بھی تو محض بے سود ہو گا ان پر لعنت برس چکی ہو گی۔ برائی مل چکی ہو گی۔ نہ بچھتانا کام آئے نہ معذرت نفع دے۔ اللہ کے عذاب آئیں گے اور اچانک ان کی بے خبری میں ہی آ جائیں گے۔ اس وقت ان کی تمنا یہ ہو گی کہ ذرا سی بھی مہلت پائیں تو نیک بن جائیں۔ ایک انہی پر کیا موقوف ہے ہر ظالم، فاجر، فاسق، کافر، بدکار عذاب کو دیکھتے ہی سیدھا ہو جاتا ہے۔ نادم ہوتا ہے توبہ تلافی کرتا ہے۔ مگر سب لا حاصل فرعون ہی کو دیکھئے حضرت موسیٰؑ نے اس کے لئے بد دعا کی جو قبول ہوئی۔ عذاب کو دیکھ کر ڈوبتے ہوئے کہنے لگا کہ اب میں مسلمان ہوتا ہوں۔ لیکن جواب ملا کہ یہ ایمان بے سود ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت میں ہے کہ ہمارا عذاب دیکھ کر ایمان کا اقرار کیا۔ پھر ان کی ایک اور بدبختی بیان ہو رہی ہے کہ وہ اپنے نبیوں سے کہتے تھے اگر سچے ہو تو اللہ کا عذاب لاؤ۔ اگر چہ ہم انہیں مہلت دیں اور کچھ دنوں تک کچھ مدت تک انہیں عذاب سے بچائے رکھیں۔ پھر جب ان کے پاس ہمارا مقررہ عذاب آ جائے تو ان کی خوش حالی، ان کی نعمتیں، ان کی جاہ و حشمت، غرض کوئی چیز بھی انہیں ذرا سا بھی فائدہ نہیں دے سکتی۔ اس وقت ان کو یہی معلوم ہو گا کہ شاید ایک صبح یا ایک شام ہی ہم اس دنیا میں رہے۔

جیسے ایک اور آیت میں ہے۔

يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ج وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ

اَنْ يُّعَمَّرَ ط وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَO

(2۔البقرۃ 96)

ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ کاش اسے ہزار برس کی عمر دی جائے اور اتنی زیادہ عمر بھی ان کو عذاب سے نہیں بچاسکتی اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس کو خوب دیکھ رہا ہے۔

ان میں سے ہر ایک کی چاہت ہے کہ وہ ہزار ہزار سال جیئے۔ لیکن اتنی عمر بھی اللہ کے عذاب ہٹا نہیں سکتی۔ اسباب ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ الٹا عذاب میں مبتلا ہوتے وقت ان کی تمام طاقتیں اور اسباب یونہی رکھے رکھے رہ جائیں گے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ کافر کو قیامت کے دن لایا جائے گا پھر آگ میں ایک غوطہ دلا کر پوچھا جائے گا کہ تو نے کبھی راحت بھی اٹھائی تو کہے گا اللہ کی قسم! میں نے کبھی راحت نہیں دیکھی اور اس شخص کو لایا جائے گا جس نے پوری عمر واقعی راحت نہ چکھی ہوا سے جنت کی ہوا کھلا کر لایا جائے گا اور سوال ہوگا کہ کیا تو نے عمر بھر کبھی کوئی برائی دیکھی ہے؟ تو وہ کہے گا اے اللہ تیری ذات پاک کی قسم! میں نے کبھی کوئی زحمت نہیں اٹھائی۔

اللہ عزوجل نے حجت ختم ہونے سے پہلے کبھی کسی امت کو ختم نہیں کیا۔ اللہ اپنے رسولوں کو بھیجتا ہے، کتابیں اتارتا ہے، خبریں دیتا ہے، ہوشیار کرتا ہے، پھر نہ ماننے والوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ پس فرمایا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انبیاء کے بھیجنے سے پہلے ہی ہم نے کسی امت پر عذاب بھیج دئے ہوں۔ ڈرانے والے بھیج کر نصیحت کر کے عذر ہٹا کر پھر نہ ماننے پر عذاب ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا تیرا رب کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا جب کہ ان کی بستوں کی مرکزی بستی میں کسی رسول نہ بھیج دے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

## كَذٰلِکَ سَلَکْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْن.

اسی طرح ہم نے اس شرک وتکذیب کو مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس قرآن کو ان مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیا انہوں نے قرآن کے اعجاز کو خوب پہچان لیا ہے اس کے باوجود محض عناد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔ (تفسیر مظہری)

یہ لوگ ایسی دشمنی رکھتے ہیں کہ اگر بالفرض ہم اس قرآن کو کسی عجمی غیر عربی پر نازل کر دیتے پھر وہ عجمی ان کے سامنے اس کو پڑھ بھی دیتا جس کا معجزہ ہونا اور زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ جس پر نازل ہوا اس کو عربی زبان پر بالکل قدرت نہ ہوتی لیکن یہ لوگ بوجہ انتہائی ضد کے تب بھی اس کو نہ مانتے۔ آگے حضور (ﷺ) کی تسلی کے واسطے ان کے ایمان لانے سے ناامیدی دلاتے ہیں۔ یعنی ہم نے اسی طرح اس ایمان نہ لانے کو ان نافرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے۔ یعنی کفر میں اور اس پر مصر ہیں اور اس شدت واصرار کی وجہ سے یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ سخت عذاب کو مرنے کے وقت یا برزخ میں یا آخرت میں نہ دیکھ لیں گے۔ جو اچانک ان کے سامنے آکھڑا ہوگا اور ان کو پہلے سے خبر بھی نہ ہوگی۔ پھر اس وقت جان کو بنے گی تو کہیں گے کہ کیا کسی طور پر ہم کو کچھ مہلت مل سکتی ہے لیکن وہ وقت نہ مہلت کا ہے نہ قبول ایمان کا۔

مثلاً کہتے تھے!

یعنی اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش برسا اور مہلت کو جو حقیقت ڈھیل ہو عذاب نہ واقع ہونے کی دلیل ٹھہراتے تھے۔ اس کا جواب ہے کہ کیا ہماری وعیدوں کو سنکر یہ لوگ ہمارے عذاب کی جلدی چاہتے ہیں جس کا منشا انکار ہے۔ رہا مہلت کو بناء انکار قرار دینا۔ اگر ہم ان کو چند سال تک عیش میں رہنے دیں پھر جس عذاب کا ان سے وعدہ ہے وہ ان کے سر آپڑے تو ان کا وہ عیش کس کام آسکتا ہے۔ یعنی یہ عیش کی جو مہلت دی گئی اس سے ان کے عذاب میں کوئی کمی نہیں ہوسکتی اور مہلت دینا حکمت کی وجہ سے ہے چند روز تک خواہ کم یا زیادہ۔ کچھ ان ہی کیساتھ خاص نہیں بلکہ اُمم سابقہ کو بھی مہلتیں ملتی رہی ہیں۔ چنانچہ جتنی بستیاں منکرین کی ہم نے عذاب سے غارت کی ہیں۔ نصیحت کے واسطے ڈرانے والے (پیغمبر) آئے۔ جب نہ مانے تو عذاب نازل ہوا۔ اور اللہ ظالم نہیں ہیں مطلب یہ کہ مہلت دینے سے جو مقصود ہے یعنی حجت پورا کرنا اور عذر کو ختم کرتا وہ سب کے لئے رہا پیغمبروں کا آنا اور سمجھانا خود یہ بھی ایک مہلت ہی دینا ہے مگر پھر بھی ہلاکت کا عذاب آکر رہا۔ ان واقعات سے پہلے مہلت دینے کی حکمت بھی معلوم ہوگئی اور مہلت دینے اور عذاب میں تضاد نہ ہونا بھی ثابت ہوگیا۔

ایک شبہ تو قرآن کے اللہ کا کلام اور اس کی طرف سے بھیجا ہوا ماننے پر اس لئے تھا کہ عرب میں پہلے سے کاہن ہوتے آئے تھے۔ وہ بھی کچھ مختلف قسم کے جملے بولا کرتے تھے۔ نعوذ باللہ آپ کی نسبت بھی بعضے کفار یہی

کہتے تھے۔ بخاری میں ایک عورت کا قول نقل کیا گیا ہے جس زمانہ میں رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہونے میں کچھ دیر ہوئی تو اس عورت نے کہا کہ آپ کو آپ کے شیطان نے چھوڑ دیا ہے۔

کیونکہ کاہنوں کو شیطان کی تعلیم و تلقین سے کچھ حاصل ہوا کرتا تھا۔ اس کا جواب ہے کہ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے اور اس کو شیاطین جو کاہنوں کے پاس آیا کرتے تھے لے کر نہیں آئے۔ کیونکہ قرآن سب کا سب ہدایت اور شیطان سب کا سب گمراہی ہے۔ نہ ان کو ایسے مضامین کی آمد ہوسکتی ہے اور نہ ایسے مضامین شائع کرنے سے ان کی غرض یعنی مخلوق کو گمراہ کرنا پورا ہوسکتا ہے۔ وہ اس پر قادر بھی نہیں کیونکہ وہ شیاطین وحی آسمان سننے سے روک دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ کاہنوں اور مشرکوں سے ان کے جنات نے اپنی ناکامی کا خود اعتراف کیا جس کی انہوں نے اوروں کو بھی خبر دی۔

(تفسیر معارف القرآن)

# 13۔ زنگ آلود دل

13:1 ۔ كَلَّا بَلْ سكتة رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَO

(المطففین - 83:14)

دیکھو یہ جو (اعمال بد) کرتے ہیں ان کا ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے

No! But that which the used to commit has covered their hearts with rust.

بداعمالی کی تاریکیاں ان کے دلوں پر اتنی غالب آ گئیں کہ حق و باطل کی تمیز سے ان کے دل اندھے ہو گئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے ڈر جاتا ہے اور استغفار کر لیتا ہے تو دل سے گناہ کا نکتہ دور ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر گناہ میں زیادتی کرتا ہے تو نکتہ بھی بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔

(تفسیر مظہری)

ران رین زنگ کو کہتے ہیں حفصؒ کے علاوہ دوسرے قراء نے تشدید راء کے ساتھ پڑھا ہے۔ معلوم ہوا کہ کام کی کثرت سے ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے خواہ وہ اچھے کام ہوں یا برے کام۔ چنانچہ گناہ کرتے کرتے قلب پر زنگ آ جاتا ہے اور مہر لگ جاتی ہے جس کو دوسری آیات میں بل طبع اللّٰہ اور ختم اللّٰہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

**لطائف سلوک:.................. کلا بل**

اس آیت سے گناہوں اور شر و کفر ظلمت کا قلب میں ہونا صراحۃً معلوم ہو رہا ہے صوفیاء کے کلام میں بھی بکثرت اس کا ذکر ہے۔

(کمالین و شرح تفسیر جلالین)

مطلب یہ ہے کہ انکے دلوں پران کے گناہوں کا زنگ لگ گیا ہے اور جس طرح زنگ لوہے کو کھا کر مٹی بنا دیتا ہے اسی طرح ان گناہوں نے ان کے دل کی اس صلاحیت کو ختم کر دیا۔ جس سے بھلے بُرے کی تمیز ہوتی ہے۔

لفظ کَلَّا سے اس پر زجر وتنبیہ ہے کہ ان جاہلوں نے اپنے گناہوں کے انبار میں مبتلا ہو کر اپنے دلوں کی اس نورانیت اور صلاحیت کو ختم کر دیا ہے۔ جس سے حق و باطل پہچانا جاتا ہے اور یہ صلاحیت حق تعالیٰ ہر انسان کی جبلت اور فطرت میں رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی یہ تکذیب کسی دلیل یا عقل وفہم کی بناء پر نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے قلوب اندھے ہو چکے ہیں۔ انہیں بھلا بُرا نظر ہی نہیں آتا۔

(تفسیر معارف القرآن)

# 14 ۔ مغضوب دل

مغضوب دل کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل اور سورۃ الاحزاب میں فرمایا ہے۔

14:1 . مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ O

(النحل - 16:106)

جوشخص ایمان لانے کے بعد خدا کے ساتھ کفر کرے وہ نہیں جو (کفر پر زبردستی) مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ بلکہ وہ جو (دل سے اور) دل کھول کر کفر کرے تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا سخت عذاب ہوگا۔

Whoever rejects his faith in Allah after having believed in Him - not the one who is compelled (to utter a word of disbelief) under duress while his heart is at peace with Faith, but the one who has laid his breast wide open for disbelief - upon such people is the wrath of Allah, and for them there is a heavy punishment.

## ایمان کے بعد کفر پسند لوگ:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان کے بعد کفر کریں، دیکھ کر اندھے ہو جائیں پھر کفر پر ان کا سینہ کھل جائے اس پر اطمینان کر لیں۔ یہ اللہ کی غضب میں گرفتار ہوتے ہیں کہ ایمان کا علم حاصل کر کے پھر اس سے پھر گئے اور انہیں آخرت میں بڑا سخت عذاب ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے آخرت بگاڑ کر دنیا سے محبت کی اور صرف دنیا طلبی کی وجہ سے اسلام پر مرتد ہونے کو ترجیح دی۔ چونکہ ان کے دل ہدایت حق سے خالی تھے۔ اللہ کی طرف سے ثابت قدمی انہیں نہ ملی۔ دلوں پر مہر لگ گئیں نفع کی کوئی بات سمجھ نہیں آتی۔ کان اور آنکھیں بھی بے کار ہو گئیں نہ حق سن سکیں نہ دیکھ سکیں۔ پس کسی چیز نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور اپنے انجام سے غافل ہو گئے۔ یقیناً ایسے لوگ

قیامت کے دن اپنا اور اپنے ہم خیال لوگوں کا نقصان کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں ان لوگوں کا استثناء کیا ہے جن پر جبر کیا جائے اور ان کے دل اسلام پر جمے ہوئے ہوں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مار پیٹ اور ایذاؤں سے مجبور ہو کر زبان سے مشرکوں کی مواقفت کریں۔ لیکن ان کا دل نہ کہتا ہو بلکہ دل میں اللہ پر اور اس کے رسول پر کامل اطمینان کے ساتھ پورا ایمان ہو۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اتری ہے۔ جب کہ آپ کو مشرکین نے عذاب کرنا شروع کیا اور مجبور کرنے لگے کہ جب تک کہ آپ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کفر نہیں کریں گے تو آپ کی سزا جاری رہے گی۔ پس بادل ناخواستہ مجبوراً آپ نے ان کی مواقف بات کردی پھر اللہ نبی کے پاس آ کر عذر بیان کرنے لگے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ شعبی، قتادہ اور ابو مالک بھی یہی کہتے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ مشرکوں نے آپ کو پکڑا اور عذاب دینے شروع کئے، یہاں تک کہ آپ ان کے ارادوں کے قریب ہوگئے پھر آپ حضور علیہ السلام کے پاس آ کر اس کی شکایت کرنے لگے تو آپ ﷺ نے پوچھا! اپنے دل کا حال کیسا پاتے ہو؟ جواب دیا کہ وہ تو ایمان پر مطمئن ہے جما ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اگر وہ پھر لوٹیں تو تم بھی لوٹنا۔ بیہقی میں اسے بھی زیادہ تفصیل سے ہے۔ اس میں ہے کہ آپ نے حضور ﷺ کو برا بھلا کہا اور ان کے معبودوں کا ذکر خیر سے کیا۔ پھر آپ ﷺ کے پاس آ کر اپنا یہ دکھ بیان کیا کہ یارسول اللہ ﷺ انہوں نے اذیت دینا ختم نہیں کیں جب تک کہ میں نے آپ ﷺ کو برا بھلا نہ کہہ لیا اور ان کے معبودوں کا ذکر خیر سے نہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟ جواب دیا کہ ایمان پر مطمئن پایا۔ فرمایا! اگر وہ پھر کریں تو تم بھی پھر کر لینا۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

جو لوگ ایمان لانے کے بعد لوٹ کر اللہ کے یعنی اس کی ذات صفات یا قیامت و نبوت کے ساتھ کفر کرنے لگیں اور جی کھول کر دل کی خوشی کے ساتھ کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہوگا اور ان کو بڑے دکھ کی سزا ہوگی۔ ہاں جو لوگ کفر کرنے پر مجبور کئے گئے ہیں اور ان کا دل ایمان پر مطمئن ہو اور زبان سے کلمات کفر با مجبوری کہہ گزریں وہ

اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس آیت کا نزول عمار بن یاسرؓ کے حق میں ہوا مشرکوں نے عمارؓ کو ان کے باپ یاسرؓ کو ان کی ماں سمعیہؓ اور صہیبؓ کو بلالؓ و خبیبؓ و سالمؓ کو پکڑ کر سخت ترین جسمانی اذیتیں دیں۔ حضرت سمیہ ؓ کو دو انٹوں کے درمیان باندھ دیا گیا ایک ٹانگ ایک اونٹ سے دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ سے اور شرم گاہ میں نیزہ مارا۔ حضرت یاسرؓ کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اسلام میں سب سے اول یہی دونوں شہید ہوئے۔ عمارؓ نے با مجبوری وہ بات زبان سے نکال دی جو مشرک چاہتے تھے۔ قتادہؓ نے کہا بنی مغیرہ کے لوگوں نے عمارؓ کو پکڑ کر چاہ میمون میں غوطے دیئے اور کہا محمد ﷺ کا انکار کر حضرت عمارؓ نے وہی بات کہہ دی جو مشرک چاہتے تھے۔ مگر آپ کا دل اس بات سے نفرت کرتا تھا دل کو انکار رسالت گوارا نہ تھا۔ کسی نے جا کر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دے دی کہ عمارؓ کافر ہو گیا۔ حضور نے فرمایا ہرگز نہیں عمارؓ کے اندر تو چوٹی سے قدم تک ایمان بھرا ہوا ہے۔ اس کے خون اور گوشت میں ایمان سرایت کر گیا ہے۔

حضرت عمارؓ رسول اللہ کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا! کیا بات ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! بات بُری ہے میں نے آپ کو بُرا کہہ دیا اور انکار کے طور پر آپ کا ذکر کیا۔ فرمایا اس وقت تمہارے دل کی کیا حالت تم محسوس ہو رہی تھی، عرض کیا دل تو ایمان پر مطمئن تھا۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے عمارؓ کے آنسو پر نچھتے ہوئے فرمایا اگر وہ دوبارہ تمہارے ساتھ ایسی حرکت کریں تو تم دوبارہ بھی یہی کفریہ الفاظ لوٹا سکتے ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ثعلبی اور واحدی نے بھی اسی طرح یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مقاتل نے بیان کیا کہ عامر بن حضرمی کے غلام جبر کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا۔ ان کے آقا نے ان پر زبردستی کی تھی مجبوراً جبر نے کلمات کفر کہہ دیئے تھے۔ بغوی نے لکھا پھر جبر کا آقا بھی مسلمان ہو گیا اور اسلام میں پختہ رہا اور جبر کو ساتھ لے کر اس نے بھی مدینہ کو ہجرت کر لی۔

ایمان پر دل مطمئن ہونے کا یہ مطلب ہے کہ عقیدت میں کوئی تغیر نہیں آیا۔ دل ایمان پر قائم رہا یہ جملہ بتا رہا ہے کہ دل سے سچا جاننا ایمان کا رکھنا ضروری ہے خالی شہادت ایمان بغیر دلی عقیدہ کے اللہ کے نزدیک نا قابل اعتبار ہے۔ کفر کے لئے سینہ کے کشادہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ دل نے کفر کو پسند کر لیا اور بخوشی کفر کو قبول کر لیا۔

## اکراہ کی تحقیق:

کسی کوایسے کام پر آمادہ کرنا جس کووہ دل سے گوارنہ کرتا ہو اکراہ ہے۔ اکراہ کی دوصورتیں ہیں۔

(۱) کسی کو کسی ناگوار کام کے کرنے پر اس طرح آمادہ کرنا کہ اگر وہ انکار کرلے تو اس کو اذیت اور دکھ اٹھانا پڑ جائے لیکن یہ ایذا اور دکھ اس کو بے اختیاری نہ بنادے مثلاً انکار کی صورت میں مارنا قید کردینا۔ ظاہر ہے کہ پٹنے اور قید ہوجانے کے بعد بھی مضروب اور قیدی بے اختیار نہیں ہوجاتا صرف جسمانی اذیت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

(۲) انکار کی صورت میں مجبور آدمی اپنے اختیار کا مالک ہی نہ رہے مثلاً ہاتھ پاؤں کاٹنا یا قتل کردینا۔ ان دونوں صورتوں میں اکراہ کا حکم اس وقت جاری ہوگا کہ مجبور آدمی اپنے اختیار کا مالک ہی نہ رہے مثلاً ہاتھ پاؤں کاٹنا یا قتل کردینا۔ ان دونوں صورتوں میں اکرہ کا حکم اس وقت جاری ہوگا کہ مجبور کرنے والا اس اذیت دینے کی قدرت رکھتا ہو جس کی دھمکی دے رہا ہے اور جس کو مجبور کیا جارہا ہو اس کا بھی غالب خیال ہو کہ اگر میں انکار کردوں گا تو اس شخص کی طرف سے مجھے یہ دکھ پہنچ جائے گا۔ آیت میں اکرہ کی اول صورت مراد نہیں ہے ایسے اکراہ کا اثر تو صرف خرید وفروخت، اقرار قرض، کس کی جائیداد کے ٹھیکہ کے لین دین وغیرہ پر ہی پڑتا ہے اس صورت میں جب خوف اذیت نہ رہے یا اور ایذارساں طاقت سے آزادی مل جائے تو مجبوری کی حال میں جو عقد، اقرار، ٹھیکہ وغیرہ کا لین دین کیا ہوا اس کو فسخ کردینا جائز ہے چاہے قائم رکھے چاہے منسوخ کردے۔ تجارت، لین دین، وغیرہ ایسے عقود ہیں، جن کے لئے فریقین کی رضامندی ضروری ہے۔

اللہ نے فرمایا! اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَ اضٍ مِّنْ كُمْ

اکراہ کی شکل میں مجبور شخص کی رضامندی نہیں ہوتی اس لئے جبر ختم ہونے کے بعد اس کو اختیار ہے چاہے معاملے کو فسخ کردے چاہے قائم رکھے۔ اگر قیمت پر بخوشی قبضہ کرلیا تو بیع کو نافذ قرار دیا جائے گا قبول قیمت علامت رضامندی ہے۔

اکراہ کی دوسری قسم مراد ہے علماء کا اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا گیا ہو اور وہ بے بس ہوجائے تو ظاہری طور پر کفر اختیار کرلینا جائز ہے۔ بشرطیکہ دل میں اطمینان ایمانی ہو۔ حضرت عمارؓ کے متعلق اس آیت کا نزول اس مسئلے کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ حضرت عمارؓ کو کافر نہیں قرار دیا گیا ایسے ظاہری کافر کا نکاح بھی فسخ

نہیں ہوگا لیکن اگر کلمہ کفر زبان پر لانے سے انکار کردے اور جان کی قربانی دے دے تو افضل ہے۔ جیسے حضرت عمارؓ کے والدین نے کیا۔ حضرت خبیبؓ حضرت زید بن دثنہ ؓ اور حضرت عبداللہ بن طارق ؓ نے بھی مرتد ہونا پسند نہیں کیا اور شہادت کو اختیار کرلیا۔

اصحاب سیر نے سریہ رجیع کے بیان میں لکھا ہے کہ حضرت خبیب ؓ کو جب قتل کیا جانے لگا تو آپ نے قتل سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی۔ بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ خبیب ؓ ہی نے سب سے پہلے قتل کے وقت دو رکعت پڑھنے کا طریقہ قائم کیا۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو آپ کو ایک تختہ سے باندھ دیا پھر مدینہ کی طرف منہ کردیا اور بندش مضبوط کردی پھر کہنے لگے اسلام سے لوٹ جاؤ ہم تم کو چھوڑ دیں گے۔ حضرت خبیبؓ نے فرمایا خدا کی قسم! مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ اسلام سے مرتد ہونے کی شرط پر مجھے ساری دنیا کی دولت مل جائے۔ کافر کہنے لگے اب تم چاہتے ہوگے کہ محمد ﷺ میری جگہ ہوتے اور میں اپنے گھر بیٹھا چین کرتا۔ حضرت خبیبؓ نے فرمایا! نہیں خدا کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ محمد ﷺ کے کوئی کانٹا چبھ جائے اور میں گھر میں آرام سے بیٹھ رہوں۔ کافر برابر کہتے رہے خبیبؓ اسلام سے لوٹ جاؤ۔ حضرت خبیبؓ نے فرمایا نہیں میں کبھی اسلام سے نہیں پھروں گا۔ وہ کہنے لگے اگر اسلام سے نہ پھروگے تو ہم تم کو قتل کردیں گے۔ وہ بولے اللہ کی راہ میں مارا جانا ایک حقیر چیز ہے۔

بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت خبیبؓ نے شہادت سے پہلے چند اشعار پڑھے تھے جن میں سے دو شعر کا مفہوم یہ تھے:

اگر مسلمان ہونے کی حالت میں مارا جاؤں تو مجھے پرواہ نہیں کہ کس بل سے اللہ کی راہ میں زمین پر گرتا ہوں۔ میرا یہ قتل ہونا اللہ کی خوشنودی کے لئے ہے اگر اللہ چاہے گا تو پارہ پارہ میں جسم کے جوڑ جوڑ میں برکت عطا فرمائے گا۔

ابن عقبہ کا بیان ہے کہ حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ دونوں ایک ہی دن شہید کئے گئے اور جس روز ان کی شہادت ہوئی اسی روز لوگوں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے۔

"و علیکما السلام."

ابن ابی شیبہ نے حسن بصری سے مرسل روایت سے بیان کیا ہے اور عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے دو مسلمانوں کو گرفتار کرلیا ور ایک سے کہا! محمد (ﷺ) کے متعلق تیرا کیا خیال ہے؟ اس نے جواب دیا: وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ مسیلمہ نے کہا میرے متعلق تیرا کیا خیال ہے اس نے جواب دیا آپ بھی۔ مسیلمہ نے دوسرے سے پوچھا محمد ﷺ کے متعلق تو کیا کہتا ہے انہوں نے جواب دیا! وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ مسیلمہ نے پوچھا میرے متعلق تو کیا کہتا ہے انہوں نے جواب دیا میں بہرا ہوں۔ مسیلمہ نے یہی بات تین بار دہرائی اور اس شخص نے بھی یہی جواب دہرادیا۔ آخر مسیلمہ نے اس کو قتل کردیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع پہنچی تو اول شخص کے متعلق فرمایا اس نے اللہ کی دی ہوئی اجازت کو اختیار کرلیا اور دوسرے نے بلند آواز سے اعلان حق کیا اس کو مبارک ہو۔

مسئلہ: اگر کسی مسلمان کا مال تلف کرنے پر کسی کو مجبور کیا جائے تو اس کا مال تلف کرنا اس کے لئے جائز ہے ضرورت کے وقت غیر کا مال مباح ہوجاتا ہے۔ جیسے سخت بھوک کے وقت کسی کا مال کھالینا جائز ہے۔ لیکن صاحب مال مجبور کرنے والے سے اپنے مال کا تاوان وصول کرے گا۔ کیونکہ مجبور شخص تو اس جابر کا آلۂ کار ہے اور جس صورت میں آلۂ کار بننا درست ہے۔ اس میں تاوان آلۂ کار بنانے والے سے لیا جاتا ہے۔

مسئلہ: اگر شراب پینے یا مردار کو کھانے پر مجبور کیا جائے تو ایسا کرلینا باتفاق علماء جائز ہے۔ لیکن کیا نہ کھانا اور جان دے دینا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرام کو کھا پی لینا واجب ہے انکار کر کے جان دے دینا جائز نہیں۔ جیسے حلال چیز (یعنی پرائی حلال چیز کو) جان بچانے کے لئے کھا پی لینا واجب ہے۔ ویسے ہی شراب اور مردار کا حکم ہے۔ اگر کھانے پینے سے انکار کر کے جان دے دے گا تو گناہ گار ہوگا اور بلاضرورت اپنی جان کھو دینے سے اس جابر کا مددگار مانا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر کھانے پینے سے انکار کر کے جان دے دے گا تو گناہ گار نہ ہوگا۔ امام شافعیؒ کا بھی صحیح ترین قول یہی ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں شراب پینے کی اجازت اور رخصت ہے، اباحت نہیں ہے۔ شراب مباح نہیں ہوجاتی، اب اگر اس نے عزیمت کو اختیار کیا اور شراب کی حرمت پر قائم رہ کر جان دے دی تو گناہ گار نہیں ہوسکتا۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا یہ رخصت نہیں اباحت ہے

اضطرار استثناء کر کے حالت اضطرار کی حالت میں مردار بھی ذبیحہ کی طرح حلال ہوجاتا ہے۔ آیت میں حالت اضطرار مستثنیٰ اِلَّا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ استثناء کر کے حالت اضطرار کو عدم اضطرار کی حالت سے حکم میں علیحدہ کرلیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ عدم اضطرار کی حالت میں حرمت کا حکم ہے تو اضطرار کی حالت میں اباحت ہوگی رخصت نہ ہوگی۔ ہاں اگر غیر کا مال کھانے پر مجبور کیا گیا اور انکار کرنے کی صورت میں مارا گیا تو باتفاق علماء تو اجر کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ غیر کے مال کی حرمت ہر حال میں قائم ہے کھا لینے کی صرف رخصت ہے۔

یہاں سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ اکراہ سے خطاب نہیں بدلا کرتا کہ ایک ہی چیز ایک مرتبہ مباح اور فرض ہوجائے اور پھر کبھی وہی چیز حرام ہوجائے۔ اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے ایک عام ضابطہ قائم کردیا ہے کہ جس تصرف کا حکم الفاظ پر جاری ہوتا ہو دل کی رضا پر موقوف نہ ہو وہ حکم اس وقت بھی مرتب ہوگا جب وہ تصرف جبر کی حالت میں کیا جائے۔ اس قسم کے تصرفات جو الفاظ پر مبنی ہوں اور ان میں دل کی رضا مندی ضروری نہیں دس ہیں۔ نکاح، طلاق، طلاق سے رجوع، ایلا، فے، ظہار، غلام کی آزادی، قصاص کی معافی، قسم، نذر ان سب کے احکام صرف زبان سے کہنے سے نافذ ہوجائیں گے۔ زبانی ایجاب وقبول سے نکاح ہوجائے گا۔ زبان سے لفظ طلاق کہہ دینے سے طلاق ہوجائے گی۔ صرف زبان سے آزاد کرنے سے غلام آزاد ہوجائے گا وغیرہ وغیرہ۔ ان کے احکام کے مرتب ہونے کے ولی کے لئے دل کی رضا مندی ضروری نہیں۔ پس کسی نے جبراً اگر طلاق یا نکاح میں ایجاب وقبول یا معافی یا قسم وغیرہ کے الفاظ کہلوا لئے تو احکام مرتب ہوجائیں گے۔ شعبی، نخعی، اور ثوری کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک کوئی جبری تصرف جاری نہیں ہوسکتا۔ جبر سے احکام مرتب نہیں ہوں گے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرمارہے تھے کہ جبر کی صورت میں نہ طلاق ہے نہ باندی غلام کی آزادی۔

(رواہ احمد، وابوداؤد وابن ماجہ، الحاکم وابن الجوزی، ابویعلی، والبیہقی من طریق صفیۃ بن عثمان عن شیبہ)۔

اس سلسلے کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔ لیکن اس سند میں ایک روای محمد بن عبیدہ مکی ہے جس کو ابوحاتم رازی نے ضعیف کہا ہے۔

ابن جوزی نے لکھا ہے کہ قتادہ نے کہا اغلاق کا معنی ہے اکراہ (جبر کرنا)
یہ لفظ اَغۡـلَـقۡـتُ الۡبَـاب َ سے ماخوذ ہے۔ بعض علماء نے اغلاق کا ترجمہ شدت غصہ کیا ہے۔ سنن ابوداؤد میں یہ ترجمہ آیا ہے اور امام احمدؒ نے بھی اس لفظ کی یہی تشریح کی ہے لیکن یہ تشریح اچھی نہیں ہے۔ ابن اسید نے اس کو پسند نہیں کیا ہے صراحت کی ہے اگر اغلاق کا ترجمہ غضب کیا جائے گا تو کوئی طلاق ہی نہیں پڑے گی۔ کیونکہ ہر شخص سخت غصہ کی حالت میں ہی طلاق دیتا ہے۔ حسن بصریؒ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ نے تمہارے لئے بھول چوک کو معاف کر دیا اور اس کو بھی جس پر تم کو مجبور کیا گیا ہو۔ (رواہ ابن الجوزی)

اس حدیث سے اصل مدعیٰ کا ثبوت نہیں ہوتا کیونکہ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو گناہ کا کام جبراً کسی سے کرایا گیا ہو۔ اللہ ان کا مواخذہ نہیں کرے گا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیوی احکام بھی مرتب نہ ہوں گے۔ اسی حدیث کی ہم معنی وہ حدیث بھی ہے جو طبرانی نے از روایت ثوبان نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ! میری امت سے بھول چوک (کی سزا) اٹھالی گئی ہے اور وہ کام بھی جس پر لوگوں کو مجبور کیا گیا ہو۔

حضرت ابو درداءؓ کی روایت سے بھی ایسا ہی آیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کی سند میں ضعف ہے۔ اس مضمون کی حدیث مختلف روایات سے ابن ماجہ، ابن حبان، دارقطنی، بیہقی اور حاکم وغیرہ نے بحوالہ اوزاعی بانتساب ابن عباسؓ بیان کی ہیں۔ لیکن اہل روایت نے ان روایات کو منکر قرار دیا ہے۔ حضرت ابوذرؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث ابن ماجہ نے بیان کی ہے۔ لیکن اگر حدیث کو صحیح مان لیا جائے تب بھی امام شافعیؒ وغیرہ کا اس سے استدلال غلط ہے۔ بھوک چوک اٹھا لیے جانے کا یہ معنی تو ہرگز نہیں کہ بھول چوک واقع نہ ہوگی یہ واقعہ کے خلاف ہے۔

ابن جوزی نے شافعیہ مسلک کی تائید میں حضرت عمرؓ کا ایک فیصلہ بیان کیا ہے عہد فاروقی میں کوئی شخص کسی پہاڑ پر چڑھ گیا اس کی بیوی اور بلندی پر جا بیٹھی بیوی نے کہا یا تو مجھے تین طلاقیں دے دے ورنہ میں اوپر سے پتھر لڑھکا کر تجھے قتل کر دوں گی اس شخص نے عورت کو ہر چند اللہ اور اسلام کا واسطہ دیا اور اللہ سے ڈرایا لیکن وہ نہ مانی۔ مجبوراً اس شخص نے تین طلاقیں دے دیں پھر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا آپ نے فرمایا لوٹ کر اپنی بیوی کے پاس چلا جا یہ طلاق نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے بھی اپنے مسلک کی تائید میں چند احادیث نقل کی ہیں جن سے ایک حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ہیں جن میں سنجیدگی تو سنجیدگی ہی ہے اور ان میں مذاق بھی سنجیدگی کا حکم رکھتی ہے۔ نکاح، طلاق، رجعت۔
(رواۃ داؤد، الترمذی وابن ماجہ واحمد والحاکم والدارقطنی)، ترمذی نے اس کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

## ایک شبہ :

تصرف شرعی کے لئے صاحب تصرف کا با اختیار ہونا ضروری ہے۔ اگر بطور ہزل یعنی مذاق کے طور پر کوئی طلاق دے دے تو اس کا یہ کلام بھی اپنے اختیار سے ہی ہوتا ہے۔ البتہ وہ کلام کے حکم یعنی طلاق پر راضی ہوتا مگر رضاء قلب کو وقوع طلاق میں کوئی دخل نہیں ہے۔ لہٰذا وہ شخص جس نے اپنے اختیار سے بطور ہزل طلاق دے دی ہو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن اکراہ میں تو متکلم کا اختیار نہیں ہوتا اس سے سرزد ہونے والی طلاق کو ہزل کی طلاق سے کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے۔

## اکراہ:

جس شخص پر جبر کیا گیا وہ بھی تو با اختیار ہوتا ہے۔ اس کا کلام بھی اختیار ہی کے ساتھ ہوتا ہے اور کامل اختیار کے ساتھ ہوتا ہے اور ہزل کے طور پر طلاق دینے والے کی طرح وہ بھی حکم کلام (یعنی طلاق) کو پسند نہیں کرتا وہ خوب واقف ہوتا ہے کہ جبر کرنے والے کی مخالفت بھی تکلیف وہ ہے اور وقوع طلاق بھی دکھ دینے والا ہے مگر دونوں میں آسان مصیبت کو وہ جان کر اختیار کرتا ہے لہٰذا مجبوری کی طلاق کا واقع ہونا ضروری ہے۔

جب حضرت حذیفہؓ اور ان کے والد سے کفار نے قسم لے لی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے دونوں حضرات سے فرمایا ہم کافروں کی طرف سے کئے ہوئے عہد کو پورا کریں گے اور اللہ سے ان کے خلاف مدد چاہیں گے۔ اس حدیث میں حضور ﷺ نے بتا دیا کہ قسم اپنی خوشی سے کھائی جائے یا کسی جبر سے دونوں برابر ہیں۔ محض لفظ پر جو حکم مرتب ہوتا ہے اس کی نفی میں اکراہ کو کوئی دخل نہیں۔ اختیار سے اس لفظ کا صدور ہو یا اکراہ سے دونوں برابر ہیں۔ بیع

کی حالت اس سے جدا ہے۔ بیع کی صحت کا تعلق الفاظ سے ضرور ہے مگر دل سے رضامندی ضروری ہے۔ اور اکراہ کی صورت میں یہ رضامندی نہیں ہوتی۔ امام ابوحنیفہؒ کے قول کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں حضور ﷺ نے فرمایا! ہر طلاق نافذ ہے سوائے پاگل مغلوبُ العقل کی طلاق کے۔ ترمذی نے کہا ہم کو یہ حدیث صرف عکرمہ بن خالد کی وساطت سے بروایت ابوہریرہؓ معلوم ہوئی ہے۔

ابن ہمام نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ چار مسئلے مبہم ناقابل حل ہیں۔ جن کی کوئی واپسی نہیں نکاح، طلاق، غلاموں کی آزادی اور صدقہ (یعنی ان چاروں میں اکراہ اور جبر سے بھی حکم مرتب ہو جاتا ہے)

بظاہر امام ابوحنیفہؒ کا استدلال قوی ہے اور اگر احادیث میں تعارض تسلیم بھی کر لیا جائے تو قیاس کی طرف رجوع لازم ہے اور قیاس چاہتا ہے کہ (مکرہ کی) طلاق، غلام کی آزادی وغیرہ کا وقوع ہو جائے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے اس میں کفر بالرسول اور انکار قیامت وغیرہ سب داخل ہیں۔ مگر جس شخص پر کافروں کی طرف سے زبردستی کی جائے کہ اگر تو کفر کا فلاں کلام یا فلاں قول نہیں کرے گا تو ہم تجھ کو قتل کر دیں گے اور حالات سے اس کا اندازہ بھی ہو کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو۔ یعنی عقیدہ میں کوئی فتور نہ ہو اور اس قول و فعل کو سخت گناہ اور بُرا سمجھتا ہو تو وہ اس حکم سے مستثنٰی ہے کہ اس کا ظاہری طور پر کلمہ کفر یا فعل کفر میں مبتلا ہو جانا ایک عذر کی بناء پر ہو۔

لیکن ہاں جو جی کھول کر یعنی اس کفر کو صحیح اور مستحسن سمجھ کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو گا اور ان کو بڑی سزا ہو گی اور یہ غضب و عذاب اس سبب سے ہو گا کہ انہوں نے دنیوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں عزیز رکھا اور اس لئے بھی اس سبب سے ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ایسے کافر لوگوں کو جو دنیا کو ہمیشہ آخرت پر ترجیح دیں ہدایت نہیں کیا کرتا۔ یہ دو سبب الگ الگ نہیں بلکہ مجموعہ سبب ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ عزم فعل کے بعد عادۃ اللہ یہ ہے کہ خلق فعل ہوتا ہے جس پر صدورِ فعل مرتب ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیا میں ان کے اصرار علی الکفر کی حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہو۔ یہ لوگ انجام سے بالکل غافل ہیں اس لئے

لازمی بات ہے کہ آخرت میں یہ لوگ بالکل گھاٹے میں رہیں گے۔
(تفسیر معارف القرآن)

مَسْئلہ: معاملات دوقسم کے ہیں ایک وہ جن میں دل سے رضا مند ہونا ضروری ہے جیسے خرید وفروخت وہبہ وغیرہ، کہ ان میں دل سے رضا مند ہونا معاملہ کے لئے شرط ہے۔

بنص قرآن اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ یعنی کسی دوسرے شخص کا مال حلال نہیں ہوتا جب تک تجارت وغیرہ کا معاملہ طرفین کی رضامندی سے نہ ہو اور حدیث میں ہے۔

لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ

یعنی کسی مسلمان کا مال اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ خوش دلی سے اس کے دینے پر راضی نہ ہو۔ ایسے معاملات اگر اکراہ کے ساتھ کرائے جائیں تو شرعاً ان کا کوئی اعتبار نہیں اکراہ کی حالت سے نکلنے کے بعد اس کو اختیار رہوگا کہ بحالت اکراہ جو بیع یا ہبہ وغیرہ کیا تھا اس کو اپنی رضا سے باقی رکھے یا فسخ کردے۔

اور کچھ معاملات ایسے بھی ہیں جن میں صرف زبان سے الفاظ کہہ دینے پر مدار ہے دل کا قصد وارادہ یا رضاوخوشی شرط معاملہ نہیں یعنی نکاح، طلاق، رجعت، عتاق وغیرہ۔

ایسے معاملات کے متعلق حدیث میں ارشاد ہے۔

ثلٰث جدُّ هنّ جدٌّ وهز لهنّ جدّ النكاح والطلاق والرّجعة

(رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ)

یعنی اگر دو شخص زبان سے نکاح کا ایجاب وقول شرائط کے مطابق کرلیں یا کوئی شوہر اپنی بیوی کو زبان سے طلاق دیدے یا طلاق کے بعد زبان سے رجعت کرے خواہ مبنی مذاق کے ہو دل میں ارادہ نکاح یا طلاق یا رجعت کا نہ ہو پھر محض الفاظ کے کہنے سے نکاح منعقد ہو جائے گا اور طلاق پڑ جائے گی رجعت صحیح ہو جائے گی۔ (مظہری)

امام اعظم ابوحنیفہ، شعبی، زہری، نخعی اور قتادہ رحمہم اللہ کے نزدیک طلاق مکرہ کا بھی یہی حکم ہے کہ

حالت اکراہ میں اگرچہ وہ طلاق دینے پر دل سے آمادہ نہیں تھا مجبور ہو کر الفاظ طلاق کہہ دیئے اور وقوع طلاق کا تعلق صرف الفاظ طلاق ادا کر دینے سے ہے۔ دل کا قصد وارادہ شرط نہیں جیسا کہ حدیث مذکور سے ثابت ہے اس لئے یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ مگر امام شافعی اور حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے نزدیک حالت اکراہ کی طلاق واقع نہ ہوگی۔

کیونکہ حدیث نبوی ﷺ میں ارشاد ہے۔

رُفِعَ عَنْ اُمَّتِی الْخَطَآ ءُ وَلِنّسیَانُ وَ مَا اسْتُکْرِ ھُوْ اعَلَیْہِ

(رواہ الطبرانی عن ثوبانؓ)

یعنی میری امت سے خطا اور نسیان اور جس چیز پر ان کو مضطر و مجبور کر دیا جائے سب اٹھا دیئے گئے

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ حدیث احکام آخرت کے متعلق ہے کہ خطا یا نسیان سے یا اکراہ کی حالت میں جو کوئی قول و فعل شریعت کے خلاف کر لیا اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ باقی رہے احکام دنیا اور وہ نتائج جو اس فعل پر مرتب ہو سکتے ہیں ان کا وقوع تو محسوس مشاہد ہے اور دنیا میں اس وقوع پر جو آثار و احکام مرتب ہوتے ہیں وہ ہو کر رہیں گے۔ مثلاً کسی نے کسی کو غلطی سے قتل کر دیا تو اس کو قتل کا گناہ اور آخرت کی سزا تو بے شک نہ ہوگی۔ مگر جس طرح اس کی بیوی عدت کے بعد نکاح ثانی کر سکے گی۔ اس کا مال وراثت میں تقسیم ہو جائے گا۔ اسی طرح جب الفاظ طلاق یا نکاح یا رجعت زبان سے ادا کر دیئے تو ان کا شرعی اثر بھی ثابت ہو جائے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(مظہری و قرطبی)

14:2 ۔ وَاَنۡزَلَ الَّذِيۡنَ ظَاهَرُوۡهُمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مِنۡ صَيَاصِيۡهِمۡ وَقَذَفَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ فَرِيۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ وَ تَاۡسِرُوۡنَ فَرِيۡقًا O

(الاحزاب ۔ 33:26)

اور اہل کتاب میں جنہوں نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کے قلعوں سے اتار دیا اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی تو کتنوں کو تم قتل کر دیتے تھے اور کتنوں کو قید کر لیتے تھے۔

He has brought those of the people of the Book (the jews) who had backed them, down from their fortresses and cast awe into their hearts, so as to make you kill some of them and take others as captives;

## کفار نے عین موقعہ پر دھوکہ دیا:

جب مشرکین و یہود کے لشکر مدینہ پر آئے اور انہوں نے گھیرا ڈالا تو بنو قریظہ کے یہودی جو مدینے میں تھے اور جن سے حضور ﷺ کا عہد و پیمان ہو چکا تھا۔ انہوں نے بھی عین موقعہ پر بیوفائی کی اور عہد توڑ کر آنکھیں دکھانے لگے۔ ان کا سردار کعب بن اسد باتوں میں آ گیا اور وہ حییٔ بن اخطب خبیث نے اسے بدعہدی آمادہ کر دیا۔ پہلے تو یہ نہ مانا اور اپنے عہد پر قائم رہا۔ حیئ نے کہا کہ دیکھ تو سہی میں تو تجھے عزت کا تاج پہنانے آیا ہوں۔ قریش اور ان کے ساتھی غطفان اور ان کے ساتھی اور ہم سب ایک ساتھ ہیں۔ ہم نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک ایک ایک مسلمان کا قیمہ نہ کر لیں یہاں سے ہٹیں گے نہیں۔ کعب چونکہ جہاندیدہ شخص تھا اس نے جواب دیا کہ یہ محض غلط ہے۔ یہ تمہارے بس کا نہیں بلکہ تو ہمیں ذلت کا طوق پہنانے آیا ہے۔ تو بڑا منحوس شخص ہے میرے سامنے سے ہٹ جا اور مجھے اپنی مکاری کا شکار نہ بنا۔ لیکن حیئ پھر بھی نہ ٹلا اور اسے سمجھا تا بجھا تا رہا۔ آخر میں کہا سن اگر بالفرض غطفان بھاگ بھی جائیں تو میں مع اپنی جماعت کے تیری گڑھی میں آ جاؤں گا۔ اور جو کچھ تیرا اور تیری قوم کا حال ہوگا۔ وہی میرا اور میری قوم کا حال ہوگا۔ بالآخر کعب پر حیئ کا جادو چل گیا اور بنو قریظہ نے صلح توڑ دی۔

جس سے حضور ﷺ کو اور صحابہؓ کو سخت صدمہ ہوا اور یہ اب پر بہت ہی بھاری پڑا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے غلاموں کی مدد کی اور حضور ﷺ معہ اصحابؓ کے مظفر و منصور مدینے شریف کو واپس آئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہتھیار کھول دئے اور حضور ﷺ بھی ہتھیار اتار کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے گھر میں گردوغبار سے پاک صاف ہونے کے لئے غسل کرنے کو بیٹھے ہی تھے تو حضرت جبرائیلؑ ظاہر ہوئے۔ ان کے سر پر ریشمی عمامہ تھا خچر پر سوار تھے جس پر ریشمی گدی تھی فرمانے لگے۔ کہا یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے کمر کھول لی؟ آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں۔ حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا۔ لیکن فرشتوں نے اب تک اپنے ہتھیار الگ نہیں کئے۔ میں کافروں کے تعاقب سے ابھی آ رہا ہوں۔ سنئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بنوقریظہ کی طرف چلئے اور ان کی پوری گوشمالی کیجئے۔ مجھے بھی اللہ کا حکم مل چکا ہے کہ میں انہیں تھرادوں۔ حضور ﷺ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ تیار ہو کر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو حکم دیا اور فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک عصر کی نماز بنوقریظہ میں ہی پڑھے۔ ظہر کے بعد یہ حکم ملا تھا بنوقریظہ کا قلعہ یہاں سے کئی میل پر تھا۔ نماز کا وقت صحابہ کو راستہ میں آ گیا تو بعض نے تو نماز ادا کر لی اور کہا کہ حضور ﷺ کا فرمان کا مطلب یہ تھا کہ ہم تیز چلیں اور بعض نے کہا ہم تو وہاں پہنچے بغیر نماز نہیں پڑھیں گے۔ جب آپ ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے دونوں میں سے کسی کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی گئی۔

آپ ﷺ نے مدینہ پر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر (جانشین) بنایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ لشکر جھنڈا دیا۔ اور آپ ﷺ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے پیچھے پیچھے بنوقریظہ کی طرف چلے اور جا کر ان کے قلعہ کو گھیر لیا۔ یہ محاصرہ پچیس روز تک رہا۔ جب یہودیوں کے ناک میں دم آ گیا اور تنگ حال ہو گئے تو انہوں نے اپنا حکم (جس کے ہاتھ میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہو) حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا جو قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ بنوقریظہ میں اور قبیلہ اوس میں زمانہ جاہلیت میں اتفاق و یگانگت تھی۔ ایک دوسرے کے حلیف تھے اس لئے ان یہودیوں کو یہ خیال رہا کہ حضرت سعدؓ ہمارا لحاظ اور پاس کریں گے۔ جیسے کہ عبداللہ بن ابی سلول نے بنوقینقاع کو چھڑوایا تھا۔ ادھر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حالت تھی کہ جنگ خندق میں انہیں تیر لگا تھا۔ جس سے خون جاری تھا تو حضور ﷺ نے زخم پر داغ لگوایا تھا اور مسجد میں ایک خیمہ لگوا کر اس

میں رکھا تھا کہ پاس ہی پاس عیادت اور بیمار پرسی کرلیا کریں۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو دعائیں کیں ان میں ایک دعا یہ تھی کہ اے پروردگار! اگر اب بھی کوئی ایسی لڑائی باقی ہے جس میں کفار قریش تیرے نبی ﷺ پر چڑھ آئیں تو تو مجھے زندہ رکھ کہ میں اس میں شرکت کرسکوں اور اگر تو نے کوئی ایک لڑائی بھی ایسی باقی نہیں رکھی تو خیر میرا زخم خون بہاتا رہے۔ لیکن اے میرے رب! جب تک میں بنو قریظہ قبیلے کی سرکشی کی سزا سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی نہ کرلوں تو میری موت کو مؤخر فرمانا۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مستجاب الدعوات کی دعا کی قبولیت کی شان دیکھئے کہ آپ دعا کرتے ہیں ادھر یہود ان بنو قریظہ آپؓ کے فیصلے پر اظہار رضا مندی کر کے قلعے کو مسلمانوں کے سپرد کرتے ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ آدمی بھیج کر آپؓ کو مدینہ سے بلواتے ہیں کہ آپؓ آکر ان کے بارے میں اپنا فیصلہ سنا دیں۔ یہ گدھے پر سوار کرالئے گئے اور بنو قریظہ پہنچنے پر سارا قبیلہ ان سے لپٹ گیا کہ دیکھئے حضرت خیال رکھئے گا بنو قریظہ کے لوگ آپؓ کے آدمی ہیں۔ انہوں نے آپؓ پر بھروسہ کیا ہے وہ آپؓ کے حلیف ہیں۔ آپؓ کی قوم کے دکھ درد کے ساتھی ہیں۔ آپؓ ان پر رحم فرمائیے گا ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئیے گا۔ دیکھئے اس وقت ان کا کوئی نہیں وہ آپؓ کے بس میں ہیں وغیرہ۔ لیکن حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ محض خاموش تھے کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔ ان لوگوں نے مجبور کیا کہ جواب دیں پیچھا ہی نہ چھوڑا۔ آخر آپؓ نے فرمایا وقت آگیا ہے کہ سعد (رضی اللہ تعالیٰ) اس بات کا ثبوت دے کہ اسے اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہیں۔ یہ سنتے ہی ان لوگوں کے تو دل ڈوب گئے اور سمجھ لیا کہ بنو قریظہ کی خیر نہیں۔ جب حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سواری اس خیمے کے قریب پہنچ گئی جس میں جناب رسول اللہ ﷺ تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا! لوگوں اپنے سردار کے استقبال کے لئے اٹھو۔ چنانچہ مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کو عزت وکرام وقعت واحترام سے سواری سے اتارا۔ یہ اس لئے تھا کہ اس وقت آپ حکم کی حیثیت میں تھے۔ ان کے کئے ہوئے فیصلے پورے ناطق ونافذ سمجھے جائیں گے۔ آپؓ کے بیٹھتے ہی حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ آپ کے فیصلے پر رضا مند ہو کر قلعے سے نکل آئیں ہیں۔ اب آپ ان کے بارے میں جو چاہیں حکم دیجئے۔ آپؓ نے کہا جو میں ان پر حکم کروں وہ پورا ہوگا؟ حضور ﷺ نے فرمایا! ہاں! کیوں نہیں؟ کہا اور اس خیمے والوں پر بھی اس کی تعمیل ضروری ہوگی؟ آپ

(ﷺ) نے فرمایا! یقیناً۔ پوچھا اور اس طرف والوں پر بھی؟ اور اشارہ اس طرف کیا جس طرف خود رسول اکرم ﷺ تھے لیکن آپ ﷺ کی طرف نہیں دیکھا آپ کی بزرگی اور عزت وعظمت کی وجہ سے حضور ﷺ نے جواب دیا! ہاں! اس طرف والوں پر بھی۔ آپ نے فرمایا! اب میرا فیصلہ سنئے میں کہتا ہوں بنو قریظہ میں جتنے لوگ لڑنے والے ہیں انہیں قتل کر دیا جائے اور ان کی اولاد کو قید کر لیا جائے ان کے مال قبضے میں لائے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اے سعد رضی اللہ تم نے ان کے بارے میں وہی حکم کیا جو اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان کے اوپر کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا! تم نے سچے مالک اللہ تعالیٰ کا جو حکم تھا وہی سنایا ہے۔ پھر حضور ﷺ کے حکم سے خندق کھائی کھدوا کر انہیں بندھا ہوا بلوا کر ان کی گردنیں ماری گئیں۔ یہ گنتی میں سات آٹھ سو تھے ان کی عورتیں نابالغ بچے اور مال قبضہ میں لے لئے گئے۔

جن اہل کتاب یعنی یہودیوں نے کافروں کے لشکروں کی ہمت افزائی کی تھی اور ان سے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے قلعے خالی کرا لیئے۔ اس قوم قریظہ کے بڑے سردار جن سے ان کی نسل جاری ہوتی تھی اگلے زمانے میں آ کر حجاز میں اسی طمع میں بسے تھے کہ نبی آخر الزمان کی پیش گوئی ہماری کتابوں میں ہے۔ وہ چونکہ یہیں آنے والے ہیں تو ہم سب سے پہلے آپ کی اتباع کی سعادت سے مسعود ہوں گے۔ لیکن ان ناخلفوں نے جب اللہ کی وہ نبی آئے ان کی تکذیب کی جس کی وجہ سے اللہ کی لعنت ان پر نازل ہوئی۔

''صیاصی'' سے مراد قلعے ہیں اسی معنی کے لحاظ سے سینگوں کو بھی صیاصی کہتے ہیں۔ اس لئے جانور کے سارے جسم کے اوپر سب سے بلند یہی ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا۔ انہوں نے ہی مشرکین کو بھڑکا کر رسول اللہ ﷺ پر چڑھائی کرائی تھی۔ عالم اور جاہل برابر نہیں ہوتے۔ یہی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو جڑوں سے اکھیڑ وا دینا چاہا تھا لیکن معاملہ برعکس ہو گیا پانسہ پلٹ گیا قوت کمزوری سے اور مراد نامرادی سے بدل گئی۔ نقشہ بگڑ گیا حمایتی بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ بے دست و پا رہ گئے۔ عزت کی خواہش نے ذلت دکھائی مسلمانوں کو برباد کرنے اور پیس ڈالنے کی خواہش نے اپنے تئیں پسوا دیا اور ابھی آخرت کی محرومی باقی ہے۔ کچھ قتل کر دیئے گئے باقی قید کر دیئے گئے۔

عطیہ قرظی کا بیان ہے کہ جب میں حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو میرے بارے میں حضور کو کچھ

تر دو ہوا۔ فرمایا اسے الگ لے جاؤ دیکھو اگر اس کے ناف کے نیچے بال ہوں تو قتل کر دو۔ ورنہ قیدیوں میں بٹھا دو دیکھا تو میں بچہ ہی تھا زندہ چھوڑ دیا گیا۔ ان کی زمین گھر ان کے مال کے مالک مسلمان بن گئے۔ بلکہ اس زمین کے بھی جواب تک پڑی تھی اور جہاں مسلمان کے نشان قدم بھی نہ پڑے تھے۔ یعنی خیبر کی زمین یا مکہ شریف کی زمین یا فارس یا روم کی زمین اور ممکن ہے یہ کل مراد ہوں اللہ بڑی قدرتوں والا ہے۔

مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ خندق والے دن میں لشکر کا کچھ حال معلوم کرنے نکلی۔ مجھے اپنے پیچھے سے کسی کے بہت تیز آنے کی آہٹ اور اس کے ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دی۔ میں راستے سے ہٹ کر ایک جگہ بیٹھ گئی دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر کی طرف جا رہے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے بھائی حارث بن اوس تھے۔ جن کے ہاتھ میں ان کی ڈھال تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوہے کی زرہ پہنے ہوئے تھے۔ لیکن چونکہ بڑے لانبے چوڑے تھے زرہ پورے بدن پر نہیں آئی تھی ہاتھ کھلے تھے اشعار رجز پڑھتے ہوئے جھومتے جھامتے چلے جا رہے تھے۔ میں یہاں سے اور آگے بڑھی اور ایک باغیچے میں چلی گئی۔ وہاں کچھ مسلمان موجود تھے جن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور ایک اور صاحب جو خود اوڑھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے بھی دیکھ لیا پس پھر کیا تھا بڑے ہی بگڑے اور مجھ سے فرمانے لگے یہ دلیری؟۔ تم نہیں جانتیں لڑائی ہو رہی ہے؟ اللہ جانے کیا نتیجہ ہو؟ تم کیسے یہاں چلی آئیں وغیرہ وغیرہ۔ جو صاحب مغفر سے اپنا منہ چھپائے ہوئے تھے۔ انہوں نے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ باتیں سن کر اپنے سر سے لوہے کا ٹوپ اتارا انہیں دیکھا تو میں پہچان گئی کہ وہ حضرت طلحہؓ تھے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاموش کیا کہ کیا ملامت شروع کر رکھی ہے نتیجے کا کیا ڈر ہے؟ کیوں تمہیں اتنی گھبراہٹ ہے؟ کوئی بھاگ کے جائے گا کہاں؟ سب کچھ اللہ کے ہاتھ ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک قریشی نے تاک کر تیر لگایا اور کہا لے میں ابن عرقہ ہوں۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رگ اکحل پر وہ تیر پڑا اور پیوست ہو گیا۔ خون کے فوارے چھوٹ گئے اسی وقت آپ نے دعا کہ کہ اے اللہ! مجھے موت نہ دینا جب تک بنو قریظہ کی تباہی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ اللہ کی شان سے اسی وقت خون تھم گیا۔ مشرکین کو ہواؤں نے بھگا دیا اور اللہ نے مومنوں کی کفایت کر

دی۔ ابوسفیان اوراس کے ساتھی تو بھاگ کر تہامہ میں چلے گئے۔ عینیہ بن بدر اوراس کے ساتھی نجد چلے گئے۔ بنوقریظہ اپنے قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہوگئے۔ میدان خالی دیکھ کر رسول اللہ ﷺ مدینہ میں میں واپس تشریف لے آئے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مسجد میں ہی چمڑے کا ایک خیمہ نصب کیا گیا۔ اسی وقت حضرت جبرائیل آئے آپ کا چہرہ گرد آلود تھا۔ فرمانے لگے آپ ﷺ نے ہتھیار کھول دیئے؟ حالانکہ فرشتے اب تک ہتھیار بند ہیں۔ اٹھئے بنوقریظہ سے بھی فیصلہ کر لیجئے۔ ان پر چڑھائی کیجئے۔

حضور ﷺ نے فوراً ہتھیار لگا لئے اور صحابہ میں بھی کوچ کی منادی کرادی۔ بنوتمیم کے مکانات مسجد نبوی سے متصل ہی تھے۔ راہ میں آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کیوں بھئی؟ کسی کو جاتے ہوئے دیکھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ابھی ابھی حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے ہیں حالانکہ تھے وہ حضرت جبرائیلؑ تھے۔ لیکن آپ کی داڑھی چہرہ وغیرہ بالکل حضرت وحیہ کلبی سے ملتا جلتا تھا۔ اب آپ نے جا کر بنوقریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ پچیس روز تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ جب وہ گھبرائے اور تنگ آ گئے تو ان سے کہا گیا کہ قلعہ ہمیں سونپ دو اور تم اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردو۔ رسول اللہ ﷺ تمہارے بارے میں جو چاہیں گے فیصلہ فرما دیں گے۔ انہوں نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا اس صورت میں تو اپنی جان سے ہاتھ دھولینا ہے۔ انہوں نے یہ معلوم کر کے اسے تو نامنظور کر دیا اور کہنے لگے ہم قلعہ خالی کر دیتے ہیں۔ آپ کی فوج کو قبضہ دیتے ہیں۔ ہمارے بارے کا فیصلہ ہم حضرت سعد بن معاذؓ کو دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اسے بھی منظور فرما لیا۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا آپ تشریف لے آئے گدھے پر سوار تھے۔ جس پر کھجور کے درخت کی چھال کی گدی تھی۔ آپؓ اس پر بمشکل سوار کرادیئے گئے تھے۔ آپؓ کی قوم آپ کو گھیرے ہوئے تھی کہ دیکھو بنوقریظہ ہمارے حلیف ہیں۔ ہمارے دوست ہیں ہماری موت زیست کے شریک ہیں اوران کے تعلقات جو ہم سے ہیں وہ آپؓ پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ آپؓ خاموشی سے سب کی باتیں سنتے جاتے تھے۔ جب ان کے محلّہ میں پہنچے تو ان کی طرف نظر ڈالی اور کہا وقت آ گیا کہ میں اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی مطلقاً پرواہ نہ کروں۔ جب حضور ﷺ کے خیمے کے پاس ان کی سواری پہنچی تو حضور ﷺ نے فرمایا اپنے سید کی طرف اٹھو اورانہیں اتارو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا! ہمارا سید تو اللہ ہی ہے۔ آپ نے فرمایا اتارو۔ لوگوں

نے مل جل کر انہیں سواری سے اتارا۔ حضور ﷺ نے فرمایا! سعدؓ ان کے بارے میں جو حکم کرنا چاہو کردو۔ آپ نے فرمایا ان کے بڑے قتل کر دیئے جائیں اور ان کے چھوٹے غلام بنائیے جائیں ان کا مال تقسیم کرلیا جائے۔

آپ ﷺ نے فرمایا سعد رضی اللہ تم نے اس حکم میں اللہ اوراس کے رسول کی پوری موافقت کی۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا مانگی کہ اے اللہ! اگر تیرے نبی ﷺ پر قریش کی کوئی چڑھائی ابھی باقی ہو تو مجھے اس کی شمولیت کے لئے زندہ رکھ ورنہ اپنی طرف بلا لے۔ اسی وقت زخم سے خون بہنے لگا حالانکہ وہ پورا بھر چکا تھا یونہی سا باقی تھا۔ چنانچہ انہیں پھر اسی خیمے میں پہنچا دیا گیا اور آپ وہیں شہید ہو گئے رضی اللہ عنہ۔ خود حضور ﷺ اور آپ کے ساتھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی آئے۔ سب رو رہے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آواز اور عمر رضی اللہ کی آواز میں پہچان بھی رہی تھی۔ فی الواقع اصحاب رسول اللہ ایسے ہی تھے۔

جیسے اللہ نے فرمایا آیت

(رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ) ( الفتح ـ 29)

آپ ﷺ آپس میں ایک دوسرے کی پوری محبت اور ایک دوسرے سے الفت رکھنے والے تھے۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا! ام المومنین! یہ تو فرمایئے کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح رویا کرتے تھے؟ فرمایا! آپ ﷺ کی آنکھیں آنسو بہاتی تھیں ہاں غم و رنج کے موقعہ پر آپ ﷺ داڑھی مبارک اپنی مٹھی میں لے لیتے تھے۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ .

اور جن اہل کتاب یعنی بنی قریظہ نے ان کی یعنی قریش وغطفان کی جماعتوں کی پشت پناہی کی تھی ان کو ان کی گڑھیوں اور قلعوں سے نیچے اتار لایا۔

صَيَا صِی صَيْصَةٌ کی جمع صَيصَة گڑھی، قلعہ، مکان حفاظت، بیل اور ہرن کے سینگ، مرغ

کا کانٹا اور جولاہے کا تانا ٹھیک کا اوزار ان سب کو اسی مناسبت سے صیصۃ کہا جاتا ہے۔

وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا .

اوران کے دلوں میں (مسلمانوں کا) رعب ڈال دیا۔ چنانچہ ان کے ایک فریق کو تم قتل کرر ہے تھے اور ایک فریق کو قید کرر ہے تھے۔ یعنی مردوں کو قتل کرر ہے تھے اور عورتوں اور بچوں کو قید کرر ہے تھے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مردوں کی تعداد اوپر چھ سو تھی۔ سعد بن معاذ میں ابوعمرو نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ابن عائذ نے قتادہ کا مرسل قول کیا ہے کہ مرد سات سو تھے۔ سہیل نے کہا زیادہ سے زیادہ تعداد بیان کرنے والوں کا قول ہے کہ آٹھ سو اور نو سو کے درمیان تھے۔

ابن حبان نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ وہ چار سو جنگ جو تھے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ان کی تعداد نو سو بھی بتائی گئی ہے۔ تمام اقوال کے اختلاف باہمی کو دور کرنے کے لئے یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ جنگجو چار سو تھے باقی ان کے تابع تھے۔ عورتوں اور بچوں کی تعداد سات سو پچاس یا نو سو تھی۔ سبیل الرشاد میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک ہزار تھے۔

(تفسیر مظہری)

# 15 ۔ ضدی دل

15:1۔ اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْحَمِیَّۃَ حَمِیَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَھُمْ کَلِمَۃَ التَّقْوٰی وَکَانُوْٓا اَحَقَّ بِھَا وَاَھْلَھَا ؕ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا O

(الفتح ۔ 48:26)

جب کافروں نے اپنے دلوں میں ضد کی اور ضد بھی جاہلیت کی۔ تو خدا نے اپنے پیغمبر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور ان کو پرہیز گاری کی بات پر قائم رکھا اور وہ اسی کے مستحق اور اہل تھے۔ اور خدا ہر چیز سے خبردار ہے۔

When the disbelievers developed in their hearts indignation, the indignation of ignorance; then Allah sent down tranquility from Himself upon His Messenger and upon the believers, and made them stick to the word of piety, and they were very much entitled to it and competent for it. And Allah is All Knowing about every thing.

اس وقت کو یاد کرو جب کہ کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلیت کی حمیت کو جما لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو طواف سے روک دیا تھا اور معاہدہ کے کاغذ پر بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم اور محمد رسول اللّٰہ دیکھنے سے انکار کر دیا تھا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ اہل مکہ نے کہا تھا۔ انہوں نے ہماری بیٹیوں اور بھائیوں کو قتل کیا۔ اب ہم پر چڑھ آنا چاہتے ہیں۔ عرب کہیں گے کہ یہ ہم کو ذلیل کر کے اندر گھس پڑے ہیں۔ لات اور عزیٰ کی قسم! یہ لوگ (اس سال) مکہ میں نہیں داخل ہو سکتے، حمیت جاہلیت سے یہی مراد ہے۔

فانزل اللّٰہ اللہ نے اپنے رسول کو اور مومنوں کو اطمینان عطا فرمایا انہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی اور جنگ پر قدرت رکھنے کے باوجود لڑائی سے باز رہے۔

کلمۃ التقویٰ حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ قتادہ، ضحاک، عکرمہ، سدی، ابن زید اور اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ کلمۃ التقویٰ سے مراد ہے لا الہ الا اللّٰہ ، واللّٰہ اکبر، عطاء بن ابی رباح نے کہا کلمۃ التقوی لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علے کلی شئ قدیر ہے۔ عطاء خراسانی کے نزدیک لا الہ الا اللّٰہ محمد رسو ل اللّٰہ مراد ہے۔ زہری نے کہا کلمۃ التقوی بسم اللّٰہ الرحمن الر حیم مطلب سب کا ایک ہی ہے یعنی کلمہ توحید مراد ہے۔

کلمہ توحید تقویٰ کی بنیاد اور سبب ہے۔ کلمۃ التقوی سے مراد ہے اہل تقوی کا کلمہ۔

الزم سے مراد یہ ہے کہ ان کو کلمۂ تقویٰ پر جمائے رکھا اور حمیت جاہلیت کو ان سے دور کر دیا۔

احق بھا یعنی کفار مکہ کے مقابلہ میں کلمۂ تقویٰ والے زیادہ مستحق تھے۔

واھلھان یعنی اللہ کے علم میں وہ کلمہ تقوی کے اہل تھے۔ اسی لئے اللہ نے اپنی دین کی مدد کرنے اور اپنے رسول کا صحابی بنانے کے لئے ان کا انتخاب کرلیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے!

(لَقَدْ رَضِیَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ إِذْ یُبَایِعُونَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوبِهِمْ )

(الفتح۔18)

(اے پیغمبر!) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے تو اللہ ان سے خوش ہوا

اور جو (صدق وخلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کرلیا

وکان اللّٰہ بکل شی علیما یعنی صحابہ کے دلوں میں جو ایمان اور رسول اللہ ﷺ کی محبت مخفی ہے۔ اللہ اس کو جانتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں مکہ میں داخل ہو رہا ہوں۔ صحابہؓ کو یہ خواب معلوم تھا اور ان کو یقین تھا کہ مسلمانوں کا مکہ میں داخلہ یقینی ہے۔ لیکن جب حدیبیہ میں صلح نامہ مکمل ہوگیا اور مکہ میں داخل ہوئے بغیر مدینے کو واپسی طے پا گئی تو صحابہؓ نے عرض کیا! یا رسول اللہ! اس خواب کا کیا ہوا اس کی تعبیر کیا نکلی۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

(تفسیر مظہری)

## مشرکیں کی ہٹ دھرمی:.................. حمیة الجاهلیه

مشرکین کی طرف سے صلح نامہ میں دفعات رکھنا کہ مسلمان اسی سال عمرہ نہیں کر سکتے بلکہ آئندہ سال آسکتے ہیں۔ صرف دو تین روز کے لئے اور وہ بھی غیر مسلح ہوکر اور **بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم** کی بجائے **با سمک اللّٰھم** اور **محمدرسول الله** کے بجائے محمد بن عبداللہ لکھنے پر زور دیا اور یہ کہ مکہ سے کوئی مسلمان ہجرت کر جائے تو اس کو واپس کرنا ضروری ہوگا اور کوئی مسلمان مکہ میں آ جائے گا تو ہم واپس نہیں کریں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ نادانی اور ضد کی انتہا ہے۔ مگر حضور ﷺ نے مصلحتاً ان دفعات کو منظور فرما لیا اور مسلمانوں نے بھی طبعاً سخت ناگواری کے باجود محض آپ ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ بالاخر اس فیصلہ پر مطمئن ہو گئے اور اللہ سے ڈر کر نافرمانی سے بچے رہے اور کعبہ کے ادب پر مضبوطی سے جمے رہے۔ کیونکہ وہ حقیقی توحید کے پرستار اور علمبردار امن تھے۔ حقیقی فرمانبردار ایک سچا مومن ہی ہوسکتا ہے اور صحابہ کرامؓ نے اس کو کر کے دکھایا۔

(کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

ایک مقتضیٰ اور بھی تھا جبکہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی۔ اس عار سے وہ ضد مراد ہے جو **بسم الله** اور لفظ **رسول الله** کے لکھنے پر انہوں نے مزاحمت کی۔ جیسا کہ صلح نامہ حدیبیہ کے بیان میں اسکا ذکر آیا ہے۔ سو اس کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمان جوش میں آ کر لڑ پڑتے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اور مومنین کو اپنی طرف سے تحمل عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا۔ تقویٰ کی بات سے مراد کلمہ طیبہ یعنی توحید و رسالت کا اقرار ہے۔ مطلب اس پر جمائے رکھنے کا یہ ہے کہ توحید و رسالت کے اعتقاد کا تقاضا اطاعت ہے۔ اللہ اور رسول کی اور مسلمانوں کا یہ صبر وضبط اپنے جذبات کیخلاف صرف اس وجہ سے تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ضبط وصبر کا حکم فرمایا تھا۔ ایسے سخت مرحلہ میں اپنے جذبات کے خلاف رسول کی اطاعت ہی کا نام کلمہ تقویٰ پر جمنا ہے اور وہ مسلمان اس کلمہ تقویٰ کے دنیا میں بھی زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ان کے قلوب میں طلب حق ہے اور یہ طلب ہی ایمان تک پہنچاتی ہے اور آخرت میں بھی اس کے ثواب کے اہل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ (تفسیر معارف القرآن)

# 16۔ غصہ والا دل

16:1۔ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ O

(التوبه - 9:15)

اوران کے دلوں سے غصہ دور کرے گا اور جس پر چاہے گا رحمت کرے گا اور خدا سب کچھ جانتا (اور) حکمت والا ہے۔

and remove the rage of their hearts. And Allah relents to whomsoever He wills. Allah is (All) knowing, All wise.

ان سے لڑو اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو عذاب دے گا اور (قید و بند کے ذریعہ سے) ان کو ذلیل کرے گا اور اپنی مدد سے اوران پر تم غلبہ دے گا اور اہل ایمان کے دلوں کو تسکین دی ہے اس کو (قریش کی ذلت و قتل کے ذریعہ سے) ٹھنڈا کرے گا۔

جس کو چاہے گا اللہ توبہ کی توفیق دے دے گا اور اللہ (ماضی و مستقبل کو) خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس آیت میں چند معجزات ہیں۔ اس امر کی پیشین گوئی ہے کہ بعض لوگ کفر سے توبہ کر لیں گے اور اللہ بہت لوگوں کو اسلام کی توفیق دے گا۔ چنانچہ ابوسفیان، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمر وغیرہ بکثرت سرداران قریش مسلمان ہو گئے۔

بغوی نے لکھا ہے، روایت میں آیا ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (قتل) موقوف کرو مگر بنی خزاعہ کے لئے بنی بکر کو قتل کرنے کا عصر تک اختیار ہے۔ (مفہوم حدیث)

(تفسیر مظہری)

ان سے لڑو، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دے گا اور ان کو ذلیل وخوار کرے گا اور تم کو ان پر غالب کرے گا۔ ان کو اس تعذیب اور تمہاری نفرت سے بہت سے ایسے مسلمانوں کے قلوب کو شفا دے گا جو خود مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان کے قلوب کے غیظ وغضب دور کردے گا جو خود مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے اور ان کی حرکات کو دیکھ کر دل ہی دل میں گھٹتے ہیں اور ان ہی کفار میں سے جس پر توجہ وفضل کرنا منظور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ توجہ بھی فرمائے گا۔ یعنی مسلمان ہونے کی توفیق دے گا۔ چنانچہ فتح مکہ میں بعضے لڑے اور ذلیل مقتول ہوئے اور بعضے مسلمان ہوگئے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں کہ علم سے ہر ایک کا انجام کہ اسلام ہو یا کفر جانتے ہیں اور اسی لئے اپنی حکمت سے احکام مناسب مقرر فرماتے ہیں۔

(تفسیر معارف القرآن)

# 17۔ ناپاک دل

7:1 ۔ یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لاَ يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُواْ آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ ج وَمِنَ الَّذِينَ هِادُواْ ج سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ط يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِن بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ج يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَـذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُواْ ط وَمَن يُرِدِ اللّهُ فِتْنَتَهُ فَلَن تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللّهِ شَيْئاً ط أُوْلَـئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ط لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ج وَلَهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ O

(المائدہ - 5:41)

اے پیغمبر (ﷺ) جولوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں ( کچھ تو) ان میں سے( ہیں) جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن ان کے دل مومن نہیں اور( کچھ ) ان میں سے یہودی ہیں ان کی وجہ سے غمناک نہ ہونا۔ یہ غلط باتیں بنانے کیلئے جاسوسی کرتے پھرتے ہیں اور ایسے لوگوں (کے بہکانے ) کیلئے جاسوس بنے ہیں جو ابھی تمہارے پاس نہیں آئے ( صحیح ) باتوں کو ان کے مقامات (میں ثابت ہونے کے بعد ) بدل دیتے ہیں اور(لوگوں سے ) کہتے ہیں اگر تمہیں یہ حکم ملے تو اس کو لے لینا اگر نہ ملے تو اس احتراز کرنا اگر خدا کسی کو گمراہ کرنا چاہے تو اس کے لئے تم کچھ بھی خدا سے (ہدایت کا) اختیار نہیں رکھتے یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو خدا نے پاک کرنا نہیں چاہا ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔

O Messenger (ﷺ) , those who race towards disbelief should not be a cuase of grief for you, be they from those who say with their mouths, We believe, while their hearts do not believe, or from those who are (pronounced) Jews. They are listeners to the fallacy, listeners to other people who did not come to you. They distort the words after they had been properly placed. They say, if you are given this, take it, and if you are not given this, then avoid it. The

one whom Allah wills to put to trial. you cannot do anything for him against Allah. They are the ones whose hearts Allah did not intend to purify. For them there is humiliation in this world, and for them there is a great punishment in the Hereafter.

## جھوٹ سننے اور کہنے کے عادی لوگ:

ان لوگوں کی مذمت بیان ہورہی ہے جورائے، قیاس اور خواہش نفسانی کو اللہ کی شریعت پر مقدم رکھتے ہیں۔ اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت سے نکل کر کفر کی طرف دوڑتے بھاگتے ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ زبانی ایمان کے دعوے کریں گے لیکن ان کا دل ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔ منافقوں کی یہی حالت ہے کہ زبان کے کھرے دل کے کھوٹے اور یہی خصلت یہودیوں کی ہے جو اسلام کے دشمن ہیں۔ یہ جھوٹ کو مزے مزے سے سنتے ہیں اور دل کھول کر قبول کرتے ہیں۔ لیکن سچ سے بھاگتے ہیں، بلکہ نفرت کرتے ہیں اور ان میں سے جو لوگ آپ ﷺ کی مجلس میں نہیں آتے ہیں وہ یہاں کی وہاں پہنچاتے ہیں۔ ان کی طرف سے جاسوسی کرنے کو آتے ہیں پھر نالائقی یہ کرتے ہیں کہ اصل بات کو بدل ڈالا کرتے ہیں۔ مطلب کچھ ہو وہ لے کر کچھ اڑتے ہیں۔ ارادے یہی ہیں کہ اگر تمہاری خواہش کے مطابق کہے تو مان لو اور طبیعت کے خلاف ہو تو دور رہو۔

یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں اتری تھی جنہوں نے ایک شخص کا قتل کیا تھا۔ اب وہ کہنے لگے چلو حضور ﷺ کے پاس چلیں اگر آپ دیت جرمانے کا حکم دیں تو منظور کرلیں گے اور اگر قصاص بدلے کو فرمائیں تو نہیں مانیں گے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ ایک زناکار کو لے کر آئے تھے۔ ان کی کتاب توراۃ میں دراصل حکم تو یہ تھا کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے۔ لیکن انہوں نے اسے بدل ڈالا تھا اور سو کوڑے مار کر منہ کالا کر کے گدھے پر منہ پیچھے کی طرف سوار کر کے رسوائی کے ساتھ چھوڑ دیتے تھے۔ جب ہجرت کے بعد ان میں سے کوئی زناکاری کے جرم میں پکڑا گیا تو یہ کہنے لگے آؤ حضور ﷺ کے پاس چلیں اور آپ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کریں۔ اگر آپ ﷺ بھی وہی فرمائیں جو ہم کرتے ہیں تو اسے قبول کریں گے اور اسی طرح اللہ کے ہاں بھی یہ ہماری سند ہو جائے گی اور اگر رجم کرنے کو فرمائیں گے تو نہیں مانیں گے۔

چنانچہ یہ آئے اور حضور ﷺ سے ذکر کیا کہ ہمارے ایک مرد عورت نے بدکاری کی ہے۔ ان کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے ہاں توراۃ میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا ہم تو اسے رسوا کرتے ہیں اور کوڑے مار کر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا۔ جھوٹ کہتے ہیں تورات میں سنگسار کا حکم ہے۔ لاؤ تورات پیش کرو، انہوں نے تورات کھولی لیکن آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی سب عبارت پڑھ سنائی۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام سمجھ گئے اور آپ نے فرمایا اپنے ہاتھ کو تو ہٹا ہاتھ ہٹایا تو سنگسار کرنے کی آیت موجود تھی۔ اب تو انہیں بھی اقرار کرنا پڑا۔ پھر حضور ﷺ کے حکم سے زانیوں کو سنگسار کر دیا گیا۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ وہ زانی اس عورت کو پتھروں سے بچانے کی اس کے آڑے آجاتا تھا۔ (بخاری، مسلم)۔

ایک اور سند سے مروی ہے کہ یہودیوں نے کہا ہم تو اسے کالا منہ کر کے کچھ مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور آیت کے ظاہر ہونے کے بعد انہوں نے کہا کہ حکم تو یہی ہے لیکن ہم نے تو اسے چھپایا تھا جو پڑھ رہا تھا اسی نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ جب اس کا ہاتھ اٹھوایا تو آیت پر اچٹتی ہوئی نظر پڑ گئی۔ ان دونوں کے رجم کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی موجود تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آدمی بھیج کر آپ ﷺ کو بلوایا تھا۔ اپنے مدرسے میں گدی پر آپ ﷺ کو بٹھایا تھا اور جو آپ ﷺ کے سامنے جو شخص تورات پڑھ رہا تھا وہ ان کا بہت بڑا عالم تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے قسم دے کر پوچھا تھا کہ تم تورات میں شادی شدہ زانی کی کیا سزا پاتے ہو؟ تو انہوں نے یہی جواب دیا تھا لیکن ایک نوجوان کچھ نہ بولا۔ خاموش ہی کھڑا رہا۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھ کر خاص اسے دوبارہ قسم دی اور جواب مانگا تو اس نے کہا جب آپ ایسی قسمیں دے رہے ہیں تو میں جھوٹ نہ بولوں گا۔ واقعی تورات میں ان لوگوں کی سزا سنگساری ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اچھا پھر یہ بھی سچ سچ بتاؤ کہ پہلے پہل اس رجم کو تم نے کیوں اور کس پر سے اڑایا؟ اس نے کہا حضرت ہمارے کسی بادشاہ کے رشتے دار بڑے آدمی نے زنا کاری کی۔ اس کی عظمت اور بادشاہ کی ہیبت کے مارے اسے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد کسی اور نے زنا کیا تو مسئلہ پیدا ہوا کہ اسے رجم کیا جائے یا چھوڑ دیا جائے۔ آخر ہم نے

مل ملا کر یہ طے کیا کہ رجم کے بجائے اور کوئی سزا مقرر کر دی جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے توراۃ کے حکم کو جاری کیا اور اسی بارے میں آیت (انا انزلنا ... الخ) اتری۔ پس آنحضرت ﷺ بھی ان احکام کے جاری کرنے والوں میں سے ہیں۔ (احمد داؤد)

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص کو یہودی کالا منہ کئے لے جا رہے تھے اور اسے کوڑے بھی مار رکھے تھے۔ تو آپ ﷺ نے بلا کر ان سے ماجرا پوچھا! انہوں نے کہا کہ اس نے زنا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا زانی کی یہی سزا تمہارے ہاں ہے؟ کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے ان کے ایک عالم کو بلا کر اسے سخت قسم دے کر پوچھا تو اس نے کہا کہ آپ ﷺ ایسی قسم نہ دیتے تو میں ہرگز نہ بتاتا۔ بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں دراصل زنا کاری کی سزا سنگساری ہے۔ لیکن چونکہ امیر امراء اور شرفاء لوگوں میں یہ بدکاری بڑھ گئی تھی اور انہیں اس قسم کی سزا دینی ہم نے مناسب نہ جانی۔ اس لئے انہیں تو چھوڑ دیتے تھے اور اللہ کا حکم مارا نہ جائے اس لئے غریب غرباء کم حیثیت لوگوں کو رجم کرا دیتے تھے۔ پھر ہم نے رائے زنی کی کہ آؤ کوئی ایسی سزا تجویز کرو کہ شریف و غیر شریف، امیر، غریب پر سب پر یکساں جاری ہو سکے چنانچہ ہمارا سب کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ منہ کالا کر دیں، کوڑے لگائیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے حکم دیا ان دونوں کو سنگسار کرو۔ چنانچہ انہیں رجم کر دیا گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا! اے اللہ۔ میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے تیرے ایک مردہ حکم کو زندہ کیا۔

اس پر یہ آیات نازل ہوئیں.

**يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لاَ يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُواْ آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ ج وَمِنَ الَّذِينَ هِادُواْ ج سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ط يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِن بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ج يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَـذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُواْ ط وَمَن يُرِدِ اللّهُ فِتْنَتَهُ فَلَن تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللّهِ شَيْئاً ط أُوْلَـئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ط لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ج وَلَهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (41) سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ ط فَإِن جَآؤُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُم**

أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ج وَإِن تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَن يَضُرُّوكَ شَيْئاً ط وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ط إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (42) وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِندَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِن بَعْدِ ذَلِكَ ط وَمَا أُوْلَـئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ (43) إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ج يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُواْ لِلَّذِينَ هَادُواْ وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُواْ مِن كِتَابِ اللّهِ وَكَانُواْ عَلَيْهِ شُهَدَاء ج فَلاَ تَخْشَوُاْ النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلاَ تَشْتَرُواْ بِآيَاتِي ثَمَناً قَلِيلاً ط وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (44)

(5۔المائدہ: 44۔41)

اے پیغمبر! جولوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں (کچھ تو) اُن میں سے (ہیں) جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن اُن کے دل مومن نہیں ہیں اور (کچھ) اُن میں سے جو یہودی ہیں اُن کی وجہ سے غمناک نہ ہونا۔ یہ غلط باتیں بنانے کیلئے جاسوسی کرتے پھرتے ہیں اور ایسے لوگوں (کے بہکانے) کیلئے جاسوس بنے ہیں جو ابھی تمہارے پاس نہیں آئے (صحیح باتوں کو اُن کے مقامات میں ثابت ہونے) کے بعد بدل دیتے ہیں اور (لوگوں سے) کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہی (حکم) ملے تو اُسے قبول کر لینا اور اگر یہ نہ ملے تو اُس سے احتراز کرنا۔ اور اگر کسی کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہے تو اُس کیلئے تم کچھ بھی اللہ سے (ہدایت کا) اختیار نہیں رکھتے یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہیں چاہا اُن کیلئے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔۴۱۔

(یہ) جھوٹی باتیں بنانے کیلئے جاسوسی کرنے والے اور (رشوت کا) حرام مال کھانے والے ہیں۔ اگر یہ تمہارے پاس (کوئی مقدمہ فیصلہ کرانے کو) آئیں تو تم اُن میں فیصلہ کر دینا یا اعراض کرنا اور اگر اُن سے اعراض کرو گے تو وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور اگر فیصلہ کرنا چاہو تو انصاف کا فیصلہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔۴۲۔

اور یہ تم سے (اپنے مقدمات) کیونکر فیصلہ کرائیں گے جب کہ خود اُن کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے (یہ اُسے جانتے ہیں) پھر اس کے بعد اُس سے پھر جاتے ہیں اور یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔۴۳

بیشک ہم نے ہی تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے اور مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب اللہ کے نگہبان مقرر کئے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکمِ الٰہی کا یقین رکھتے تھے) تو تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لینا اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔۴۴

انہی یہودیوں کے بارے میں اور آیت میں ہے کہ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے ظالم ہیں اور فاسق ہیں۔ مسلم شریف اور دوسری روایت میں ہے واقعہ زنا کا تھا جو فدک میں ہوا تھا اور وہاں کے یہودیوں نے مدینے شریف کے یہودیوں کو لکھ کر حضور ﷺ سے پچھوایا تھا۔ جو عالم ان کا آیا اس کا نام ابن صوریا تھا یہ آنکھ کا بھینگا تھا اور اس کے ساتھ ایک دوسرا عالم بھی تھا۔ حضور ﷺ نے جب انہیں قسم دی تو دونوں نے قبول کرلیا تھا کہ ان کی شریعت میں اس کی سزا رجم ہے، آپ ﷺ نے انہیں کہا تھا تمہیں اس اللہ کی قسم جس نے بنی اسرائیل کیلئے پانی میں راہ کردی تھی اور ابر کا سایہ ان پر کیا تھا اور فرعونیوں سے بچالیا تھا اور من وسلویٰ اتارا تھا۔ اس قسم پر وہ چونک گئے اور آپس میں کہنے لگے بڑی زبردست قسم ہے۔ اس موقع پر جھوٹ بولنا ٹھیک نہیں تو کہا حضور (ﷺ) تورات میں یہ ہے کہ بری نظر سے دیکھنا بھی مثل زنا کے ہے اور گلے لگانا بھی اور بوسہ لینا بھی۔ پھر اگر چار گواہ اس بات پر ہوں کہ انہوں نے دخول خروج دیکھا ہے جیسا کہ سلائی سرمہ دانی میں جاتی آتی ہے تو رجم واجب ہوجاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! یہی مسئلہ ہے پھر حکم دیا اور انہیں رجم کرادیا گیا اس پر آیت (المائدہ:42) اتری۔ (ابوداؤد وغیرہ)۔

ایک روایت میں جو دو عالم سامنے لائے گئے تھے یہ دونوں صوریا کے بیٹے تھے۔ ترک حد کا سبب اس روایت میں یہودیوں کی طرف سے یہ بیان ہوا ہے کہ جب ہم میں سلطنت نہ رہی تو ہم نے اپنے آدمیوں کی جان لینی مناسب نہ سمجھی۔ پھر آپ ﷺ نے گواہوں کو بلوا کر گواہی لی جنہوں نے بیان دیا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے انہیں اس برائی میں دیکھا ہے جس طرح سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے۔ دراصل توراۃ وغیرہ کا منگوانا ان کے عالموں کو بلوانا یہ سب انہیں الزام دینے کیلئے تھا، اس لئے نہیں تھا کہ وہ اسی کے ماننے کے مکلّف ہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ

کا فرمان واجب العمل ہے، اس سے مقصد ایک تو حضور ﷺ کی سچائی کا اظہار تھا کہ اللہ کی وحی سے آپ (ﷺ) نے یہ معلوم کرلیا کہ ان کی تورات میں بھی حکم رجم موجود ہے اور یہی نکلا۔ دوسرے ان کی رسوائی کہ انہیں پہلے کے انکار کے بعد اقرار کرنا پڑا اور دنیا پر ظاہر ہوگیا کہ یہ لوگ فرمان الٰہی کو چھپا لینے والے اور اپنی رائے قیاس پر عمل کرنے والے اور اس لئے بھی یہ لوگ سچے دل سے حضور ﷺ کے پاس نہیں آئے تھے کہ آپ ﷺ کی فرماں برداری کریں بلکہ محض اس لئے آئے تھے کہ اگر آپ ﷺ کو بھی اپنے اجماع کے موافق پائیں گے تو اتحاد کرلیں گے ورنہ ہرگز قبول نہ کریں گے۔ اسی لئے فرمان ہے کہ جنہیں اللہ گمراہ کردے تو ان کو کسی قسم سے راہ راست پر آنے کا اختیار نہیں ہے ان کے گندے دلوں کو پاک کرنے کا اللہ کا ارادہ نہیں۔ یہ دنیا میں ذلیل وخوار ہوں گے اور آخرت میں داخل نار ہوں گے۔ یہ باطل کو کان لگا کر مزے لے کر سننے والے ہیں اور رشوت جیسی حرام چیز کو دن دہاڑے کھانے والے ہیں۔ بھلا ان کے نجس دل کیسے پاک ہوں گے؟ اور ان کی دعائیں اللہ کیسے سنے گا؟ اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو تمہیں اختیار ہے کہ ان کا فیصلے کرو یا نہ کرو۔ اگر تم ان سے منہ پھیر لو تو یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ ان کا مقصد اتباع حق نہیں بلکہ اپنی خواہشوں کی پیروی ہے۔

بعض بزرگ کہتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے

(وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ
اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ م بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ط)

(5۔ المائدہ:49)

اور (ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ) جو (حکم) اللہ نے نازل فرمایا ہے اُسی کے مطابق ان میں فیصلہ کرنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اور ان سے بچتے رہنا کہ کسی حکم سے جو اللہ نے تم پر نازل فرمایا ہے یہ کہیں تمہیں بہکا نہ دیں اگر یہ نہ مانیں تو جان لو کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے اور اکثر لوگ تو نافرمان ہیں۔

ان کی خباثت بد باطنی اور سرکشی بیان ہو رہی ہے کہ ایک طرف تو اللہ کی کتاب کو چھوڑ رکھا ہے، جس کی تابعداری اور حقانیت کے خود قائل ہیں۔ دوسری طرف اس جانب جھک رہے ہیں جسے نہیں مانتے اور جسے جھوٹ

مشہور کر رکھا ہے۔ پھر اس میں بھی نیت بد ہے کہ اگر وہاں سے ہماری خواہش کے مطابق حکم ملے گا تو لے لیں گے ورنہ چھوڑ دیں گے۔ یہ فرمایا کہ یہ کیسے تمہاری فرماں برداری کریں گے؟ انہوں نے تورات کو بھی چھوڑ رکھا ہے، جس میں اللہ کے احکامات ہونے کا اقرار انہیں بھی ہے۔ لیکن پھر بھی بے ایمانی کر کے اس سے پھر جاتے ہیں پھر اس تورات کی مدحت وتعریف بیان فرمائی جو اس نے اپنے برگزیدہ رسول حضرت موسیٰ بن عمرانؑ پر نازل فرمائی تھی کہ اس میں ہدایت ونورانیت تھی۔ انبیاءؑ جو اللہ کے زیر فرمان تھے اسی پر فیصلے کرتے رہے۔ یہودیوں میں اسی کے احکام جاری کرتے رہے، تبدیلی اور تحریف سے بچے رہے، ربائی یعنی عابد، علماء اور احبار یعنی ذی علم لوگ بھی اسی روش پر ہیں۔ کیونکہ انہیں یہ پاک کتاب سونپی گئی تھی اور اس کے اظہار کا اور اس پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ اور وہ اس پر گواہ وشاہد تھے۔ اب تمہیں چاہئے کہ بجز اللہ کے کسی اور سے نہ ڈرو۔ ہاں قدم قدم اور لمحہ لمحہ پر خوف رکھو اور میری آیتوں کو تھوڑے مول فروخت نہ کیا کرو۔ جان لو کہ اللہ کی وحی کا حکم جو نہ مانے وہ کافر ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایسے لوگوں کو اس آیت میں کافر کہا، دوسری میں ظالم، تیسری میں فاسق۔ بات یہ ہے کہ یہودیوں کے دو گروہ تھے۔ ایک غالب تھا، اور دوسرا مغلوب۔ ان کی آپس میں اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ غالب ذی عزت فرقے کا کوئی شخص اگر مغلوب ذلیل فرقے کے کسی شخص کو قتل کر ڈالے تو پچاس وسق دیت دے اور کمزور لوگوں میں سے کوئی عزیز کو قتل کر دے تو ایک سو وسق دے۔ یہی رواج ان میں چلا آ رہا تھا۔ جب حضور ﷺ مدینے میں آئے، اس کے بعد ایک واقعہ ایسا ہوا کہ ان نیچے والے یہودیوں میں سے کسی نے کسی اونچے طبقہ والے یہودی کو مار ڈالا۔ یہاں سے آدمی گیا کہ لاؤ سو وسق دلاؤ وہاں سے جواب ملا کہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی قبیلے کے ایک ہی دین کے ایک ہی نسب کے ایک ہی شہر کے ہیں پھر ہماری دیت کم اور تمہاری زیادہ کیوں؟ ہم چونکہ اب تک تم سے دبے ہوئے تھے، اس ناانصافی کو بادل ناخواستہ برداشت کرتے رہے لیکن اب جب کہ حضرت محمد ﷺ جیسے عادل بادشاہ یہاں آ گئے ہیں۔ ہم تمہیں اتنی ہی دیت دیں گے جتنی تم ہمیں دو۔ اس بات پر ادھر ادھر سے آستینیں چڑھ گئیں۔ پھر آپس میں یہ بات طے ہوئی کہ اچھا اس جھگڑے کا فیصلہ حضرت محمد ﷺ کریں گے۔ لیکن اونچی قوم کے لوگوں نے جب آپ ﷺ سے مشورہ کرنے کا سوچا تو ان کے

سمجھداروں نے کہا! دیکھواس سے ہاتھ دھو رکھوکہ حضور ﷺ کوئی ناانصافی پہ مبنی حکم کریں۔ یہ تو صریح زیادتی ہے کہ ہم آدھی دیں اور پوری لیں اور فی الواقع ان لوگوں نے دب کر اسے منظور کیا تھا جو تم نے آنحضرت ﷺ کو حکم اور ثالث مقرر کیا ہے تو یقیناً تمہارا یہ حق مارا جائے گا کسی نے رائے دی کہ اچھایوں کرو کہ حضور ﷺ کے پاس چپکے سے ایک آدمی بھیج دو۔ وہ معلوم کر آئے کہ آپ فیصلہ کیا کریں گے؟ اگر ہماری حمایت میں ہوا تب تو بہت اچھا چلو اور ان سے حق حاصل کر آؤ اور اگر خلاف ہوا تو پھر الگ تھلگ ہی اچھے ہیں۔ چنانچہ مدینہ کے چند منافقوں کو انہوں نے جاسوس بنا کر حضرت ﷺ کے پاس بھیجا۔ اس سے پہلے کہ وہ یہاں پہنچیں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اتار کر اپنے رسول ﷺ کو ان دونوں فرقوں کے برے ارادوں سے مطلع فرما دیا۔ (ابوداؤد)۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ دونوں قبیلے بنونضیر اور بنوقریظہ تھے۔ بنونضیر کی پوری دیت تھی اور بنوقریظہ کی آدھی۔ حضور ﷺ نے دنوں کی دیت یکساں دینے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ ایک روایت ہے کہ قرظی اگر کسی نصری کو قتل کر ڈالے تو اس سے قصاص لیتے تھے۔ لیکن اس کے خلاف میں قصاص تھا ہی نہیں سووسق دیت تھی۔ یہ بہت ممکن ہے کہ ادھر یہ واقعہ واقع ہوا ہو اور ان دونوں پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم۔ ہاں ایک بات اور ہے جس سے اس دوسری شان نزول کی تقویت ہوتی ہے وہ یہ کہ اس کے بعد یہ فرمایا ہے۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ لا وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ لا وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ط فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ط وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ O

(5۔المائدہ:45)

اور ہم نے ان لوگوں کیلئے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلا ہے لیکن جو شخص بدلہ معاف کر دے وہ اس کیلئے کفارہ ہوگا اور جو اللہ کے فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ

بے انصاف ہیں۔

یعنی ہم نے یہودیوں پر تورات میں یہ حکم فرض کر دیا تھا کہ جان کے عوض جان، آنکھ کے عوض آنکھ۔ واللہ اعلم۔ پھر انہیں کافر کہا گیا جو اللہ کی شریعت اور اس کی اتاری ہوئی وحی کے مطابق فیصلے اور حکم نہ کریں گو یہ آیت نزول کے اعتبار بقول مفسرین اہل کتاب کے بارے میں ہے لیکن حکم کے اعتبار سے ہر شخص اس میں شامل ہے۔ یہ آیت بنی اسرائیل کے بارے میں اتری اور اس امت کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رشوت حرام ہے اور رشوت ستانی کے بعد کسی شرعی مسئلہ کے خلاف فتویٰ دینا کفر ہے۔ سدی فرماتے ہیں جس نے وحی الٰہی کے خلاف عمداً فتویٰ دیا جاننے کے باوجود اس کے خلاف کیا وہ کافر ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں جس نے اللہ کے فرمان سے انکار کیا اس کا یہ حکم ہے اور جس نے انکار تو نہ کیا لیکن اس کے مطابق نہ کہا وہ ظالم اور فاسق ہے خواہ اہل کتاب ہو خواہ کوئی اور۔ امام شعبیؒ فرماتے ہیں مسلمانوں میں جس نے کتاب کے خلاف فتویٰ دیا وہ کافر ہے اور یہودیوں میں دیا ہو تو ظالم ہے اور نصرانیوں میں دیا ہو تو فاسق ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کا کفر اس آیت کے ساتھ ہے۔ طاؤس فرماتے ہیں اس کا کفر اس کے کفر جیسا نہیں جو سرے سے اللہ کے رسول، قرآن اور فرشتوں کا منکر ہو۔ عطا فرماتے ہیں کتم (چھپانا) کفر سے کم ہے اسی طرح ظلم و فسق کے بھی ادنیٰ اعلیٰ درجے ہیں۔ اس کفر سے وہ ملت اسلام سے پھر جانے والا جاتا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ کفر نہیں جس کی طرف تم جا رہے ہو۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

کفر میں جلدی کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب بھی موقع پاتے ہیں شرع میں جس کا اقرار کرنا اور اس پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے اس کا انکار کرنے میں جلد کرتے ہیں۔ امام بغوی نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ چند یہودی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے ذکر کیا کہ ان کی قوم کے ایک مرد عورت نے بدکاری کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم رجم کے متعلق تورات میں کیا حکم پاتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم انہیں رسوا کرتے ہیں اور انہیں کوڑے مارتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا تم نے جھوٹ بولا

تورات میں رجم کی آیت موجود ہے۔ تورات لے آؤ۔ انہوں نے تورات کھولی۔ ان میں سے ایک نے اپنا ہاتھ رجم والی آیت پر رکھ لیا اور اس کا ماقبل اور مابعد حصہ پڑھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو نیچے رجم والی آیت تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا تو انہیں رجم کر دیا گیا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا میں نے اس مرد کو دیکھا کہ وہ عورت کو پتھروں سے بچانے کے لئے عورت پر جھک جاتا تھا۔

امام احمد نے اپنی مسند حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ اہل فدک میں سے ایک آدمی نے بدکاری کی وہاں کے لوگوں نے مدینہ طیبہ کے یہودیوں کے پیغام بھیجا کہ وہ حضور ﷺ سے اس بارے میں پوچھیں۔ اگر تمہیں کوڑے مارنے کا حکم دیں تو تسلیم کر لینا۔ اگر رجم کا حکم دیں تو اسے تسلیم نہ کرنا۔ مدینہ طیبہ کے یہودیوں نے اس بارے میں آپ ﷺ سے سوال کیا۔ پھر امام مسلم کی روایت جیسا واقعہ ذکر کیا۔ حضور ﷺ نے رجم کا حکم دیا تو اسے رجم کر دیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ .

امام بیہقی نے دلائل میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ امام بغوی نے کہا اس آیت کے نزول کا سبب قصاص تھا۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ بنونضیر کو بنی قریظہ پر فضیلت حاصل تھی۔ بنو قریظہ نے کہا بنونضیر ہمارے بھائی ہیں ہمارا باپ ایک ہے، ہمارا دین ایک ہے، ہمارا نبی ایک ہے۔ جب ان کے خاندان میں سے کوئی فرد ہمارے خاندان کے کسی فرد کو قتل کرتا ہے تو وہ ہمیں قصاص نہیں دیتے اس کی دیت ستر وسق کھجور دے دیتے ہیں۔ جب ہم میں سے کوئی ان کے خاندان کو قتل کر دے تو وہ قصاص کے طور پر قاتل کو قتل کرتے ہیں اور دیت کے طور پر دو گناہ یعنی ایک سو چالیس وسق کھجور لیتے ہیں۔ اگر ان کا مقتول عورت ہو تو اس کے بدلے میں مرد کو قتل کر دیتے ہیں۔ ایک مرد کے بدلے میں دو مرد اور غلام کے بدلے میں ہمارا آزاد قتل کر دیتے ہیں۔ ہمارے درمیان زخموں کی دیت کی بھی یہی صورت حال ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت ابن عباسؓ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو یہودیوں کی دو جماعتوں کے بارے میں نازل فرمایا۔ دور جاہلیت میں ایک جماعت دوسری جماعت پر اس طرح

غالب تھی کہ انہوں نے باہم اس امر پر رضامندی کا اظہار کیا اور باہم صلح کی کہ ہر ایسا مقتول جسے غالب جماعت قتل کرے اس کی دیت پچاس وسق ہوگی اور ہر ایسا مقتول جسے ادنیٰ خاندان کا فرد قتل کرے اس کی دیت سو وسق ہوگی۔ وہ اسی ضابطہ پر قائم تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ اتفاق سے ادنیٰ خاندان کے ایک فرد نے اعلیٰ خاندان کے ایک فرد کو قتل کر دیا۔ اعلیٰ خاندان والوں نے انہیں پیغام بھجوایا کہ سو وسق دیت بھیجو۔ ادنیٰ خاندان والوں نے کہا یہ طریقہ کبھی ایسے دو قبیلوں میں بھی ہوا ہے جن کا دین ایک ہو نسبت ایک ہو اور شہر بھی ایک ہو ان میں سے بعض کی دیت دوسروں کے مقابلہ میں نصف ہو۔ ہم آج تک تمہیں یہ دیت ظلم و ڈر کی وجہ سے دیتے رہے ہیں مگر جب سے حضرت محمد ﷺ تشریف لائے ہیں ہم تمہیں یہ دیت نہ دیں گے۔ قریب تھا کہ ان کے درمیان جنگ بھڑک اٹھتی کہ وہ اس امر پر راضی ہو گئے کہ حضور ﷺ کو ثالث بنا لیں۔ انہوں نے چند منافق حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجے تا کہ آپ ﷺ کا نقطہ نظر جانیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

(تفسیر مظہری)

## خلاصۂ تفسیر

اے رسول ﷺ جو لوگ کفر کی باتوں میں دوڑ دوڑ کر گرتے ہیں۔ یعنی بے تکلف رغبت سے ان باتوں کو کرتے ہیں آپ ﷺ کو وہ مغموم نہ کریں۔ یعنی آپ ﷺ ان کے کفریات سے مغموم و متاسف نہ ہوں۔ خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے تو جھوٹ موٹ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل یقین یعنی ایمان نہیں لائے مراد منافقین ہیں جو کہ ایک واقعہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اور خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو کہ یہودی ہیں جیسا دوسرے واقعہ میں یہ لوگ حاضر ہوئے تھے۔ یہ دونوں قسم کے لوگ پہلے سے دین کے باب میں اپنے علمائے محرفین سے غلط باتیں سننے کے عادی ہیں اور انہی غلط باتوں کی تائید کی جستجو میں یہاں آ کر آپ ﷺ کی باتیں دوسری قوم کی خاطر سے خوب کان لگا کر سنتے ہیں۔

جس قوم کے یہ حالات ہیں کہ ایک تو وہ آپ کے پاس تکبر و عداوت سے خود نہیں آئے بلکہ دوسروں کو بھیجا اور دوسروں کو بھیجا بھی تو طلب حق کے لئے نہیں بلکہ شاید اپنے احکام محرفہ کے موافق کوئی بات مل جائے کیوں کہ پہلے

سے کلام الٰہی بعد اس کے کہ وہ کلام اپنے صحیح مواقع پر قائم ہوتا ہو لفظاً یا معنیً دونوں طرح بدلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اسی عادت کے موافق خوں بہا اور رجم کے حکم کو بھی اپنی عادت کے مطابق بدل دیا۔ پھر اس احتمال سے کہ شاید شریعت محمدیہ ﷺ سے اس رسم کو سہارا مل جائے۔ یہاں اپنے جاسوسوں کو بھیجا۔ تیسرے صرف یہی نہیں کہ اپنی رسم محرف کے موافق بات کی تلاش ہی تک رہتے۔ بلکہ مزید یہ ہے کہ جانے والوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم کو وہاں جا کر یہ حکم ملے تب تو اس کو قبول کر لینا۔ یعنی اس کے موافق عمل کرنے کا اقرار کر لینا اور اگر تم کو یہ حکم نہ ملے تو اس کے قبول کرنے سے احتیاط رکھنا۔ پس اس بھیجنے والی قوم میں جن کی جاسوسی کرنے یہ لوگ آئے ہیں چند خرابیاں ہوئیں۔ اول تکبر و عدوات جو سبب ہے خود حاضر نہ ہونے کا۔ دوسرے طلب حق نہ ہونا بلکہ حق کو محرف کر کے اس کی تائید کی فکر ہونا۔ تیسرے اوروں کو بھی حق قبول کرنے سے روکنا۔

اصل بات یہ ہے کہ جس کا خراب اور گمراہ ہونا خدا ہی کو منظور ہو گو یہ تخلیق منظوری اس گمراہ کے عزم گمراہی کے بعد ہوتی ہے تو اس کے لئے اللہ سے (اے عام مخاطب) تیرا کچھ زور نہیں چل سکتا کہ اس گمراہی کو نہ پیدا ہونے دے۔ یہ تو ایک عام قاعدہ ہوا اب یہ سمجھو کہ یہ لوگ ایسے ہی ہیں۔ خدا تعالیٰ کو ان کے دلوں کا کفر سے پاک کرنا منظور نہیں ہے کیونکہ یہ عزم ہی نہیں کرتے اس لئے اللہ تعالیٰ تطہیر تخلیقی نہیں فرماتے بلکہ ان کے عزم گمراہی کی وجہ سے تخلیقاً ان کا خراب ہی ہونا منظور ہے۔ پس قاعدہ ہے کے موافق کوئی شخص ان کو ہدایت نہیں کر سکتا مطلب یہ ہوا کہ جب یہ خود خراب رہنے کا عزم رکھتے ہیں اور عزم کے بعد اس فعل کی تخلیق عادت الٰہیہ ہوا اور تخلیق الٰہی کو کوئی روک نہیں سکتا۔ (تفسیر معارف القرآن)

## معارف ومسائل

یہودیوں کی یہ پرانی خصلت تھی کہ کبھی اقرباء پروری کے تحت کبھی جاہ و مال کے لالچ میں لوگوں کی خواہش کے مطابق فتویٰ بنا دیا کرتے تھے۔ خصوصاً سزاؤں کے معاملہ میں یہ عام رواج ہو گیا تھا کہ جب کسی بڑے آدمی سے جرم سرزد ہوتا تو تورات کی سخت سزا کو معمولی سزا میں تبدیل کر دیتے تھے۔ ان کے اسی حال کو آیت مذکورہ ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔

**يُحَرِّ فُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَ اضِعِهٖ**

جب رسول کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور شریعت اسلام کا عجیب وغریب نظام ان کے سامنے آیا۔ جس میں سہولت و آسانی کی بڑی رعایتیں بھی تھیں اور جرائم کے انسداد کے لئے سزاؤں کا ایک معقول انتظام بھی۔ اس وقت ان لوگوں کو جوتورات کی سخت سزاؤں کو بدل کرآسان کرلیا کرتے تھے یہ موقع بھی ہاتھ آیا کہ ایسے معاملات میں رسول ﷺ کو حکم بنادیں۔ تا کہ آپ ﷺ کی شریعت کے آسان اور نرم احکام سے فائدہ بھی اٹھالیں اورتحریف تورات کے مجرم بھی نہ رہیں۔ مگراس میں بھی یہ شرارت رہتی تھی کی باقاعدہ حکم بنانے سے پہلے کسی ذریعہ سے اپنے معاملے کا حکم بطور فتویٰ کے معلوم کرلیں۔ پھر آپ ﷺ کا حکم اگراپنی خواہشات کے موافق ہوتوحکم بنا کر فیصلہ کرالیں ورنہ چھوڑ دیں۔ اس سلسلہ کے جو واقعات ذکر کئے گئے ہیں ان میں چونکہ آنحضرت ﷺ کواذیت پہنچی تھی۔ اس لئے شروع آیت میں رسول ﷺ کوتسلی دی کہ اس پرآپ مغموم نہ ہوں یہ انجام کار آپ ﷺ کے لئے خیر ہے۔

پھر یہ اطلاع دی کہ یہ لوگ مخلصانہ طور پر آپ ﷺ کوحکم نہیں بنارہے بلکہ ان کی نیتوں میں فساد ہے۔ آپ ﷺ کواختیار دیا کہ آپ ﷺ چاہیں ان کے معاملہ کا فیصلہ فرمادیں یا ٹال دیں۔ آپ ﷺ کواختیار ہے اور یہ بھی اطلاع دیدی کہ اگرآپ ﷺ ٹالنا چاہیں تو یہ آپ کوکوئی نقصان نہیں پہنچاسکیں گے۔

آیت

**فَا حْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ**

ارشاد ہے کہ آپ ﷺ فیصلہ دیناہی پسند کریں تو اس میں آپ کو یہ ہدایت دی گئی کہ فیصلہ عدل وانصاف کے مطابق ہونا چاہئے۔جس کا مطلب یہ تھا کہ فیصلہ شریعت کے مطابق فرمادیں۔ کیونکہ رسول کریم ﷺ کی بعثت کے بعدتمام پہلی شریعتیں اوران کے قوانین منسوخ ہوچکی ہیں۔ بجزان کے جن کوقرآن کریم اور شریعت مصطفوی ﷺ میں باقی رکھا گیا ہے۔ اسی لئے بعد کی آیات میں قانون الٰہی کے خلاف کسی دوسرے قانون یا رسم ورواج پرفیصلہ صادر کرنے کوظلم اور فسق وکفرقرار دیا گیاہے۔

## اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے مقدمات کا ضابطہ:

یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہودی جنہوں نے اپنے مقدمات کو رسول کریم ﷺ کی عدالت میں بھیجا۔ ان کا رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی شریعت پر ایمان نہ تھا اور نہ یہ کہ مسلمانوں کے زیر حکم ذمی تھے۔ البتہ رسول کریم ﷺ سے ان کا معاہدہ ترک جنگ کا ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ چاہیں ٹال دیں اور چاہیں فیصلہ اپنی شریعت کے مطابق فرما دیں۔ کیونکہ ان لوگوں کی کوئی ذمہ داری اسلامی حکومت پر نہیں تھی اور اگر یہ ذمی ہوتے اور اسلامی حکومت کی طرف رجوع کرتے تو حاکم مسلم پر فیصلہ کرنا فرض ہوتا، ٹال دینا جائز نہ ہوتا۔ کیونکہ ان کے حقوق کی نگرانی اور ان کو ظلم سے بچانا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ جیسے مسلمانوں کے حقوق اور ان سے ظلم کا رفع کرنا حکومت اسلامیہ کا فرض ہے۔

اسی لئے ایک آیت میں یہ بھی ارشاد ہوا

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ

ترجمہ: اگر یہ لوگ اپنا معاملہ آپ ﷺ کے پاس لائیں تو آپ ﷺ اس کا فیصلہ اپنی شریعت کے مطابق فرما دیں۔

اس آیت میں اختیار دینے کے بجائے ایک متعین فیصلہ حکم کرنے کا ارشاد ہوا۔ امام ابو بکر حصاص نے احکام القرآن میں ان دونوں کی تطبیق اسی طرح کی ہے کہ وہ آیت جس میں اختیار دیا گیا ہے وہ ان غیر مسلموں سے متعلق ہے جو ہماری حکومت کے باشندے یا ذمی نہیں بلکہ اپنی جگہ رہتے ہوئے ان سے کوئی معاہدہ ہو گیا ہے۔ جیسے بنو قریظہ و بنو نضیر کا حال تھا کہ اسلامی حکومت سے ان کا اس کے سوا کوئی تعلق نہ تھا کہ ایک معاہدہ کے ذریعے وہ جنگ نہ کرنے کے پابند ہو گئے تھے۔ اور دوسرا حکم ان غیر مسلموں کے متعلق ہے جو مسلمانوں کے ذمی اسلامی مملکت کے شہری اور زیر حکومت رہتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کو یہ ہدایت ہے کہ جب ان غیر مسلموں کے معاملہ میں فیصلہ کریں تو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم یعنی اپنی شریعت کے مطابق کریں ان غیر مسلموں کی خواہشات یا ان کے مذہب کے مطابق فیصلہ نہ دیں۔

یہ حکم ان معاملات کے متعلق ہے جن کا ذکران آیات میں ہے کہ ایک معاملہ سزائے قتل اورخون بہا کا تھا۔ دوسرا زنااوراس کی سزا کا۔ ان جیسے معاملات یعنی جرائم کی سزاؤں میں ساری دنیا کا یہی دستور ہے کہ پورے ملک کا ایک ہی قانون ہوتا ہے۔ جس کو جنرل قانون کہتے ہیں۔ اس جنرل قانون میں طبقات یا مذاہب کی وجہ سے کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ مثلاً چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے تو یہ صرف مسلمانوں کی سزائیں بھی سب کے لئے عام ہوں گی۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ غیر مسلموں کے شخصی اور خالص مذہبی معاملات کا فیصلہ بھی شریعت اسلام کے مطابق کرنا ضروری ہو۔

خود نبی کریم ﷺ نے شراب اور خنزیر کو مسلمانوں کے لئے تو حرام قرار دیا اوراس پر سزا مقرر فرمائی مگر غیر مسلموں کواس میں آزاد رکھا غیر مسلموں کے نکاح شادی وغیرہ شخصی معاملات میں کبھی مداخلت نہیں فرمائی۔ ان کے مذہب کے مطابق جونکاح صحیح ہیں ان کوقائم رکھا۔

مقام ہجر کے مجوسی اور نجران اور وادی قریٰ کے یہودی ونصاری اسلامی حکومت کے ذمی بنے اورآنحضرت ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ مجوسیوں کے نزدیک اپنی ماں بہن سے بھی نکاح حلال ہے۔ اسی طرح یہود ونصاری میں بغیر نفقہ (گذارے) یا بغیر گواہوں کے نکاح معتبر ہے۔ مگرآپ ﷺ نے ان کے شخصی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں فرمائی اوران کے نکاحوں کو برقرار تسلیم کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ غیر مسلم جو اسلامی حکومت کے باشندے ہیں ان کے شخصی اور ذاتی اور مذہبی معاملات کا فیصلہ انہی کے مذہب وخیال پر چھوڑا جائے گا۔ اگر مقدمات کے فیصلوں کی ضرورت پیش آئے گی تو انہی کے مذہب کا حاکم مقرر کر کے فیصلہ کرایا جائیگا۔ البتہ اگر یہ حاکم مسلم کے پاس رجوع ہوں اور اس کے فیصلہ پر فریقین رضامند ہوں تو پھر مسلم حاکم فیصلہ اپنی شریعت کے مطابق ہی کرے گا کیونکہ اب وہ فریقین کی طرف سے بنائے ہوئے ثالث کا حکم رکھتا ہے۔

آیت کریمہ وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ

اس میں شریعت اسلام کے مطابق فیصلہ دینے کا حکم جو نبی کریم ﷺ کو دیا گیا ہے یا تو اس بنا پر کہ معاملہ قانون عام یعنی جنرل قانون کا ہے۔ جس میں کسی فرقہ کو مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا اور یا اس بنا پر کہ یہ لوگ خود رسول کریم ﷺ کو حکم تسلیم کر کے آپ ﷺ ہی سے فیصلہ کرانے کے لئے آئے تو ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کا فیصلہ وہی ہونا

چاہئے جس پر آپ کا ایمان ہے اور آپ کی شریعت کا حکم ہے۔

آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی اس کے بعد یہودیوں کی ساز باز سے آپ ﷺ کو باخبر کیا گیا ہے۔ یہ انکشاف کرایا گیا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں آنے والا وفد منافقین کا ہے۔ جن کا خفیہ گٹھ جوڑ یہودیوں کے ساتھ ہے اور انہی کا بھیجے ہوئے آدمی ہیں اس کے بعد آنے والے وفد کی چند بُری خصلتوں کا بیان فرما کر مسلمانوں کو اس کی برائی پر متنبہ فرمایا اور ضمنی طور پر یہ ہدایت فرمادی کہ یہ خصلتیں کافرانہ ہیں ان سے بچنے اور دور رہنے کا اہتمام کیا جائے۔

## یہود کی ایک بُری خصلت:

پہلی خصلت یہ بتلائی سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ یعنی یہ لوگ جھوٹی اور غلط باتیں سننے کے عادی ہیں۔ اپنے کو عالم کہلانے والے غدار یہودیوں کے ایسے اندھے متبع ہیں کہ احکام توراۃ کی کھلی خلاف ورزی دیکھنے کے باوجود ان کی پیروی کرتے رہتے ہیں اور ان کی غلط سلط بیان کی ہوئی کہانیاں سنتے رہتے ہیں۔

## عوام کے لئے علماء کے اتباع کا ضابطہ:

اس میں جس طرح تحریف کرنے والوں اور احکام خدا اور رسول میں غلط چیزیں شامل کرنے والوں کے لئے وعیدیں ہیں اس طرح ان لوگوں کو بھی سخت مجرم قرار دیا ہے جو ایسے لوگوں کو امام بنا کر موضوع اور غلط روایات سننے کے عادی ہو گئے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کے لئے ایک اہم اصولی ہدایت یہ ہے کہ اگرچہ جاہل عوام کے لئے دین پر عمل کرنے کا راستہ صرف یہی ہے کہ علماء کے فتوے اور تعلیم پر عمل کریں۔ لیکن اس ذمہ داری سے عوام بھی بری نہیں کہ فتویٰ لینے اور عمل کرنے سے پہلے اپنے علماء کے متعلق اتنی تحقیق کر لیں جتنی کوئی بیمار کسی ڈاکٹر یا حکیم سے رجوع کرنے سے پہلے کیا کرتا ہے کہ جاننے والوں سے تحقیق کرتا ہے کہ اس مرض کے لئے کونسا ڈاکٹر ماہر ہے۔ کونسا حکیم اچھا ہے۔ اس کی ڈگریاں کیا کیا ہیں۔ اس کے مطب میں جانے والے زیر علاج لوگوں پر کیا گذرتی ہے۔ اپنی امکانی تحقیق کے بعد اگر وہ کسی غلط ڈاکٹر یا حکیم کے جال میں پھنس گیا یا اس نے کوئی غلطی کر دی تو وہ قابل ملامت نہیں ہوتا۔ لیکن جو شخص بلا تحقیق کسی عطائی کے جال میں جا پھنسا اور پھر کسی مصیبت میں گرفتار ہوا تو وہ عقلاء کے نزدیک خود اپنی

خودکشی کا ذمہ دار ہے۔

یہی حال عوام کے لئے دینی امور کے بارے میں ہے کہ اگر انہوں نے اپنی بستی کے اہل علم و فن اور تجربہ کار لوگوں سے تحقیق حال کرنے کے بعد کسی عالم کو اپنا راہنما بنایا اور اس کے فتوے پر عمل کیا تو وہ عندالناس بھی معذور سمجھا جائے گا اور عنداللہ بھی۔ ایسے ہی معاملہ کے متعلق حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے

فَاِنَّ اثُمَہٗ عَلٰے مَنُ اَفُتٰی

یعنی ایسی صورت میں اگر عالم اور مفتی نے غلطی کر لی اور کسی مسلمان نے ان کے غلط فتوے پر عمل کر لیا تو اس کا گناہ اس پر نہیں۔ بلکہ عالم و مفتی پر ہے اور وہ بھی اس وقت جبکہ اس عالم نے جان بوجھ کر ایسی غلطی کی ہو یا امکانی غور خوض میں کمی کی ہو یا یہ کہ وہ عالم ہی نہ تھا اور لوگوں کو فریب دے کر اس منصب پر مسلط ہو گیا۔

لیکن اگر کوئی شخص بلا تحقیق محض اپنے خیال سے کسی کو عالم و مقتدیٰ قرار دے کر اس کے قول پر عمل کرے اور وہ فی الواقع اس کا اہل نہیں تو اس کا وبال تنہا اس مفتی اور عالم پر نہیں ہو بلکہ یہ شخص بھی برابر کا مجرم ہے۔ جس نے تحقیق کئے بغیر اپنے ایمان کی باگ ڈور کسی ایسے شخص کے حوالہ کر دی جو اہل نہ تھا۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ ارشاد قرآنی آیا ہے۔ سَمّٰعُوُنَ لِلُکَذِبِ

یعنی یہ لوگ جھوٹی باتیں سننے کے عادی ہیں۔ اپنے علماء کے علم وعمل اور امانت ودیانت کی تحقیق کے بغیر ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اور ان سے موضوع اور غلط روایات سننے اور ماننے کے عادی ہو گئے ہیں۔

قرآن کریم نے یہ حال یہودیوں کا بیان کیا ہے اور مسلمانوں کو سنایا ہے کہ وہ اس سے محفوظ رہیں لیکن آج کی دنیا میں مسلمانوں کی بہت بڑی بربادی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ دنیا کے معاملات میں تو بڑے ہوشیار چست و چالاک ہوتے ہیں۔ بیمار ہوتے ہیں تو بہتر سے بہتر ڈاکٹر حکیم کو تلاش کرتے ہیں۔ کوئی مقدمہ پیش آتا ہے تو اچھے سے اچھا وکیل بیرسٹر ڈھونڈ لاتے ہیں۔ کوئی مکان بنانا ہے تو اعلیٰ سے اعلیٰ آرکیٹکٹ اور انجینیر کا سراغ لگا لیتے ہیں۔ لیکن دین کے معاملہ میں ایسے سخی ہیں کہ جس کی داڑھی اور کرتہ دیکھا۔ کچھ الفاظ بولتے ہوئے سن لیا اس کو مقتداء، عالم، مفتی، رہبر بغیر اس تحقیق کے کہ اس نے باقاعدہ کسی مدرسہ میں بھی تعلیم پائی ہے یا نہیں؟ علماء ماہرین کی خدمت رہ کر علم دین کا کچھ ذوق پیدا کیا ہے یا نہیں۔ کچھ علمی خدمات کی ہیں یا نہیں۔ سچے بزرگوں اور

اللہ والوں کی صحبت میں رہ کر کچھ تقویٰ وطہارت پیدا کی ہے یا نہیں؟ اس کو دین اسلام کا نمائندہ سمجھ کر اس کی اتباع شروع کر دیتے ہیں۔

اس کا یہ نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں جو لوگ دین کی طرف متوجہ بھی ہوتے ہیں۔ ان کا بہت بڑا حصہ جاہل واعظوں اور دکاندار پیروں کے جال میں پھنس کر دین کے صحیح راستہ سے دور جا پڑتا ہے۔ ان کا علم دین صرف وہ کہانیاں رہ جاتی ہیں۔ جن میں نفس کی خواہشات پر زد نہ پڑے، وہ خوش ہیں کہ ہم دین پر چل رہے ہیں اور بڑی عبادت کر رہے ہیں۔ مگر حقیقت وہ ہوتی ہے جس کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعۡیُھُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَھُمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّھُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا

یعنی وہ لوگ ہیں جنکی سعی وعمل دنیا ہی میں برباد ہو چکی ہے اور وہ اپنے نزدیک یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے بڑا اچھا عمل کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے ان منافقوں یہودیوں کا حال سَمّٰعُوۡنَ لِلۡکَذِبِ کے لفظوں میں بیان کر کے ایک اہم اور بڑا اصول بتلا دیا کہ جاہل عوام کو علماء کی پیروی تو ناگزیز ہے، مگر ان پر لازم ہے کہ بلا تحقیق کسی کو عالم ومقتدار نہ بنالیں اور ناواقف لوگوں کے غلط سلط باتیں سننے کے عادی نہ ہو جائیں۔

## یہودی کی ایک اور بُری خصلت:

ان منافقین کی دوسری بُری خصلت یہ بتلائی کہ سَمّٰعُوۡنَ لِقَوۡمٍ اٰخَرِیۡنَ لَمۡ یَاۡتُوۡکَ

یعنی یہ لوگ بظاہر تو آپ ﷺ سے ایک دینی معاملہ کا حکم پوچھنے آئے ہیں۔ لیکن درحقیقت ان کا مقصد نہ دین ہے نہ دینی معاملہ کا حکم معلوم کرنا ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسی یہودی قوم کے جاسوس ہیں جو اپنے تکبر کی وجہ سے آپ ﷺ تک خود نہیں آئے۔ ان کی خواہش کے مطابق صرف یہ چاہتے ہیں کہ سزائے زنا کے بارے میں آپ ﷺ کا نظریہ معلوم کر کے ان کو بتلا دیں پھر نہ ماننے کا فیصلہ خود کریں گے۔ اس میں مسلمانوں کو اس پر تنبیہ ہے کہ کسی عالم دین سے فتویٰ دریافت کرنے کے لئے ضروری ہو کہ دریافت کرنے والے کی نیت حکم خدا اور رسول

ﷺ کو معلوم کر کے اس کا اتباع کرنا ہو۔ محض مفتیوں کی رائے معلوم کر کے اپنی خواہش کے موافق حکم تلاش کرنا کھلا ہوا اتباع نفس شیطان ہے اس سے بچنا چاہیئے۔

## تیسری بُری خصلت کتاب اللہ کی تحریف:

تیسری بُری خصلت ان لوگوں کی یہ بیان فرمائی کہ یہ لوگ اللہ کے کلام کو اس کے موقع ہٹا کر غلط معنی پہناتے اور احکام خدا تعالیٰ کی تحریف کرتے ہیں۔ اس میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ توراۃ کے الفاظ میں کچھ رود بدل کر دیں اور یہ بھی کہ الفاظ تو وہی رہیں ان کے معنی میں لغو قسم کی تاویل و تحریف کریں۔ یہودی ان دونوں قسموں کی تحریف کے عادی ہیں۔

مسلمانوں کے لئے اس میں یہ تنبیہ ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے اس میں لفظی تحریف کی تو کوئی جرأت نہیں کر سکتا۔ لکھے ہوئے صحیفوں کے علاوہ لاکھوں انسانوں کے سینوں میں محفوظ کلام میں ایک زیر و زبر کی غلطی کوئی کرتا ہو تو فوراً پکڑا جاتا ہے۔ معنوی تحریف بظاہر کی جا سکتی ہے اور کرنے والوں نے کی بھی ہے مگر اس کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرما دیا ہے کہ اس امت میں قیامت تک ایک ایسی جماعت قائم رہے گی جو قرآن و سنت کے صحیح مفہوم ان کو حاصل ہوگی اور تحریف کرنے والوں کی قلعی کھولتی رہے گی۔

## چوتھی بُری خصلت:

ان کی ایک اور بُری خصلت یہ بیان فرمائی ہے۔ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ

یعنی یہ لوگ سحُت کھانے کے عادی ہیں۔ سحت کے لفظی معنی کسی چیز کو جڑ بنیاد سے کھود کر برباد کرنے کے لئے ہیں۔ اس معنی میں قرآن کریم نے فرما ہے فَیُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ یعنی اگر تم اپنی حرکت سے باز نہ آؤ گے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے تمہارا استیصال کر دے گا۔ یعنی تمہاری جڑ بنیاد ختم کر دی جائے گی۔ قرآن مجید میں اس جگہ لفظ سحت سے مراد رشوت ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابراہیم نخعیؒ، حسن بصریؒ، مجاہدؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ وغیرہ ائمہ تفسیر نے اس کی تفسیر رشوت سے کی ہے۔

رشوت کو سحت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف لینے دینے والوں کو برباد کرتی ہے۔ بلکہ پورے ملک وملت کی جڑ بنیاد اور امن وعامۃ کو تباہ کرنے والی ہے۔ جس ملک یا جس محکمہ میں رشوت چل جائے وہاں قانون معطل ہو کر رہ جاتا ہے اور قانون ہی وہ چیز ہے جس سے ملک وملت کا امن برقرار رکھا جاتا ہے۔ وہ معطل ہو گیا تو نہ کسی کی جان محفوظ رہتی ہے نہ آبرو نہ مال اس لیے شریعت اسلام میں اس کو سحت فرما کر اشد حرام قرار دیا ہے اور اس کے دروازہ کو بند کرنے کے لئے امراء وحکام کو جو ہدیے اور تحفے پیش کئے جاتے ہیں ان کو بھی صحیح حدیث میں رشوت قرار دیکر حرام قرار دیا گیا ہے۔ (حصاص)

رشوت کی تعریف شرعی یہ ہے کہ جس کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہ ہو اس کا معاوضہ دیا جائے۔ مثلاً جو کام کسی شخص کے فرائض میں داخل ہو اور اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ لازم ہو اس پر کسی فریق سے معاوضہ لینا جیسے حکومت کے افسر اور کلرک سرکاری ملازمت کی رو سے اپنے فرائض ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ وہ صاحب معاملہ سے کچھ لیں تو یہ رشوت ہے۔ یا لڑکی کے ماں باپ اس کی شادی کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ وہ کسی سے اس کا معاوضہ نہیں لے سکتے۔ وہ جس کو رشتہ دیں اس سے کچھ معاوضہ لیں تو وہ رشوت ہے۔ یا صوم وصلوٰۃ اور حج اور تلاوت قرآن عبادات ہیں جو مسلمان کے ذمہ ہیں۔ ان پر کسی سے کوئی معاوضہ لیا جائے تو وہ رشوت ہے۔ تعلیم قرآن اور امامت اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (علیٰ فتوی المتأ خرین)۔

پھر جو شخص رشوت لے کر کسی کا کام حق کے مطابق کرتا ہے وہ رشوت لینے کا گناہگار رہے اور یہ مال اس کے لئے سحت اور حرام ہے اور اگر رشوت کی وجہ سے حق کے خلاف کام کیا تو یہ دوسرا شدید جُرم حق تلفی اور حکم خداوندی کو بدل دینے کا اس کے علاوہ ہو گیا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے بچائے۔

(تفسیر معارف القرآن)

# 18۔ اندھا دل

18:1 . اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ☆

(الحج - 22:46)

کیاان لوگوں نے ملک میں سیر نہیں کی تا کہ ان کے دل (ایسے) ہوتے کہ ان سے سمجھ سکتے اور کان (ایسے) ہوتے کہ ان سے سن سکتے بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہوتے ہیں۔

Have they not, then, traveled on earth so that they should have had hearts to understand with, or ears to listen with? The fact is that it is not the eyes that turn blind, but what turns blind is the hearts contained in the chests.

کیا یہ (منکر) لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے کہ ان سے سمجھنے لگتے اور ایسے کان ہو جاتے جن سے وہ سننے لگتے۔

**اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا** کا عطف محذوف فعل پر ہے پورا کلام اس طرح ہوگا کیا یہ لوگ گھروں سے نہیں نکلے اور ملک میں گھومے پھرے نہیں۔

**يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ** یعنی ایسے دل ہوتے جن سے وہ ان امور کو سمجھتے جن کو سمجھنا لازم ہے، یعنی ان کو بصیرت حاصل ہوتی جس سے اللہ کی توحید کامل کو سمجھتے۔

**او اذان .. الخ** یا ان کے کان ہوتے جن سے حق کی آواز سنتے۔ گویا ملک میں چلنے پھرنے کا نتیجہ یہ نکلتا کہ توحید کو سمجھنے والی بصیرت حاصل ہوتی اور نداء حق سننے والے کان۔

فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَ لٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡر

بات یہ ہے کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ وہ دل نابینا ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔ یعنی ان کی آنکھیں بینائی سے محروم نہیں ہیں کہ اقوام ہالکہ کے فرسودہ آثار قدیمہ سفر کے دوران ان کو دکھائی نہ دیں۔ مگر ان کی نظر عبرت اندوز نہیں ہے۔ آیا تتو حید کو دیکھتے ہیں اور تو حید کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ دلائل حق کو سنتے ہیں مگر دماغ میں ان کو جگہ نہیں دیتے۔ وجہ یہ ہے آنکھیں بینا ہونے کے باوجود ان کے دل نابینا ہیں۔

اس آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ حقیقی نابینائی آنکھ کا اندھا پن نہیں بلکہ بصیرت کا نہ ہونا ہے۔ قتادہ نے کہا آنکھ کی بینائی ظاہری اشیاء تک پہنچنے اور فائدہ اٹھانے کا ایک ذریعہ ہے اور دل کی بینائی حقیقت میں فائدہ بخش بینائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ دل کا نابینا ہونا بدترین اندھا پن ہے۔

(رواہ البیہقی فی الدلائل وابن عساکر عن عقبۃ بن عامر الجہنی دابوالنصر السخبر ی فی الابانۃ
عن ابی الدرداء ورداہ الشافعیؒ عن ابن مسعودؓ موقوفاً)۔

آیت میں دل کی نابینائی سے مراد ہے دل کے تمام آلات علم وشعور کا مفقود ہوجانا گویا یوں فرمایا ان کے دلوں کی آنکھیں نابینا اور کان بہرے ہوگئے ہیں۔ (یعنی نابینائی سے صرف نابینائی ہی مراد نہیں جو آنکھوں کا عارضہ ہے بلکہ گوش قلب کا بہرا ہوجانا بھی اس میں داخل ہے۔)

بیضاوی نے لکھا ہے جب آیت نازل ہوئی۔

وَمَنۡ كَانَ فِىۡ هٰذِهٖۤ اَعۡمٰى فَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ اَعۡمٰى

تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں دنیا میں نابینا ہوں تو آخرت میں بھی نابینا رہوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے قتادہ کا قول (اسی سے ملتا جلتا) نقل کیا ہے۔ قتادہ نے فرمایا ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت ضرت عبداللہ بن زائدہ یعنی ابن ام مکتوم کے حق میں نازل ہوئی۔

(تفسیر مظہری)

آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ ہر ظالم کو ڈھیل دیتا ہے۔ پھر جب پکڑتا ہے تو چھٹکارا ممکن نہیں اور انہی مشرکین کو خطاب کیا گیا کہ کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ پچھلی قومیں اپنی طاقت و قوت اور مال و دولت وغیرہ کے باوجود اسی تکذیب کے جرم میں کیسی تباہ و برباد کردی گئیں۔ ان کے یہ مال و دولت اور علوم وفنون کوئی بھی ان کی ہلاکت کو روک نہ سکیں اور اگر ان کے ویران اور کھنڈر قلعہ اور محل کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے تو کیا ان کی بربادی وتباہی کے قصے بھی انہوں نے نہیں سنے؟ اور پھر اس سے عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے؟ پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ یہ سب کچھ دیکھتے اور سنتے بھی ہیں۔ لیکن ان کے دل ہی اندھے ہوگئے ہیں۔ اس وجہ سے نہ انہیں پچھلی قوموں کی تباہی سے عبرت ہوتی ہے اور نہ ہی اس سے یہ سبق حاصل کرتے ہیں۔ فرمایا گیا کہ یہ منکرین اس مہلت سے فائدہ اٹھانے اور اپنی حالت کی اصلاح کے بجائے انبیاء سے استہزاء اور مذاق میں لگے رہے اور بطور مذاق کے اس کا مطالبہ کرتے رہے کہ یہ عذاب جس سے ہمیشہ ہمیں ڈرایا دھمکایا جاتا ہے وہ جلدی کیوں نہیں آجاتا اور یوم حساب سے پہلے ہی ہمارا معاملہ صاف کیوں نہیں کردیا جاتا ہے۔

اس بات کا جواب دیا گیا کہ ان کے تقاضہ اور مطالبہ عذاب سے کیا ہوگا؟ وہ تو اپنے وقت موعود پر آکر ہی رہے گا اور خدا کے وعدہ میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا ہے اور یہ کہ ان سے پہلی قوموں نے بھی یہی کیا تھا جس کے نتیجہ میں وہ ہلاک کردیئے گئے اور ان کا بھی یہی حشر ہو کر رہے گا۔

(کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

ان لوگوں سے پہلے قوم نوحؑ اور عاد و ثمود اور قوم ابراہیمؑ اور قوم لوطؑ اور اہل مدین بھی اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرچکے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی کاذب قرار دیا گیا۔ مگر تکذیب کے بعد میں ان کافروں کو چند روز مہلت دی۔ جیسے آج کے منکروں کو مہلت دے رکھی ہے۔ پھر ان کو عذاب میں پکڑ لیا تو دیکھو میرا عذاب کیسا ہوا۔ غرض کتنی بستیاں ہیں جن کو ہم نے عذاب سے ہلاک کیا۔ ان کی یہ حالت تھی کہ وہ نافرمانی کرتی تھیں تو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں۔ یعنی ویران ہیں کیونکہ عادۃ اول چھت گرا کرتی ہے پھر دیواریں آپڑتی ہیں اور اس طرح ان بستیوں میں بہت سے بیکار کنویں ہیں جو پہلے آباد تھے۔ بہت سے پختہ سیمنٹ گارے کے محل

تھے جواب شکستہ ہوگئے۔ یہ سب ان بستیوں کے ساتھ تباہ ہوئے، پس اسی طرح وقت موعود پر اس زمانے کے لوگ بھی عذاب میں پکڑے جائیں گے تو کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں۔ جس سے ان کے دل ایسے ہوجائیں کہ ان سے سمجھنے لگیں۔ یا ان کے کان ایسے ہوجائیں کہ ان سے سننے لگیں۔ یہ بات ہے کہ نہ سمجھنے والوں کی کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوجایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوجاتے ہیں۔ ان موجودہ منکرین کے بھی دل اندھے ہوگئے ورنہ پچھلی امتوں کے حالات سے سبق سیکھ لیتے۔ اور یہ لوگ نبوت میں شبہ ڈالنے کے لئے آپ ﷺ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور عذاب کے جلدی نہ آنے سے یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ عذاب آنیوالا ہی نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنا وعدہ خلافی نہ کریگا۔

یعنی وعدہ کے وقت ضرور عذاب واقع ہوگا اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن جس میں عذاب واقع ہوگا ۔ یعنی قیامت کا دن تم لوگوں کی شمار کے مطابق اپنے شدت میں ایک ہزار سال کی برابر ہے۔ تو یہ بڑے بیوقوف ہیں کہ ایسی مصیبت کا تقاضا کرتے ہیں۔ سن لو کہ بہت سی بستیاں ہیں جن کو مہلت دی تھی اور وہ نافرمانی کرتی تھیں۔ پھر میں نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا اور سب کو میری ہی طرف لوٹنا ہوگا۔ اس وقت پوری سزا ملے گی۔ اور آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ اے لوگوں! میں تو تمہارے لئے ایک صاف ڈرانے والا ہوں۔ عذاب واقع کرنے نہ کرنے میں میرا دخل نہیں۔ نہ میں نے اس کا دعویٰ کیا ہے تو جو لوگ اس ڈر کو سن کر ایمان لے آئے اور اچھے کام کرنے لگے ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی یعنی جنت ہے۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو سن کر ان کا انکار اور ابطال کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ نبی کو اور اہل ایمان کو عاجز کرنے والے ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔

زمین کو سیر و سیاحت اگر عبر و بصیرت حاصل کرنے کے لئے ہو تو مطلوب دینی ہے:

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَتَکُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ

آیت میں ہے کہ زمین کی سیر و سیاحت کرو جو کہ عبرت کے لئے ہو۔ اس کی طرف ترغیب ہے اور فَتَکُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡب اس طرف اشارہ ہے کہ زمانہ ماضی اور گزشتہ اقوام عالم کے حالات و کیفیات کا مشاہدہ انسان کو عقل و بصیرت عطا کرنے والا ہے۔ بشرطیکہ ان حالات کو بعض تاریخی سوانح کی حیثیت سے نہیں بلکہ عبرت کی نظر

سے دیکھے تو ہر واقعہ ایک بصیرت کا سبق دے گا۔

ابن ابی حاتم نے کتاب التفکر میں حضرت مالک بن دینارؒ سے نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ لوہے کے جوتے بناؤ اور لوہے کی عصا ہاتھ میں لو اور اللہ کی زمین میں اتنے پھرو کہ یہ آہنی جوتے گھس جائیں اور آہنی عصا ٹوٹ جائے۔ (روح المعانی)

اگر روایت صحیح ہے تو اس سیر و سیاحت کا مقصد صرف وہی عبرت و بصیرت حاصل کرنا ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

# 19۔مقفّل دل

9.1 اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا O

(محمد - 47:24)

بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔

Then, do they not give serious thought to the Quran, or do they have locks on their hearts?

اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں غور فکر کرنے سوچنے سمجھنے کی ہدایت فرماتا ہے اور اس سے بے پرواہی کرنے اور منہ پھیر لینے سے روکتا ہے۔ پس فرماتا ہے کہ غور و تامل تو کجا، ان کے تو دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں کوئی کلام اس میں اثر ہی نہیں کرتا۔ جائے تو اثر کرے اور جائے کہاں سے جبکہ جانے کی راہ نہ پائے۔

ابن جریر لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے۔ ایک نوجوان یمنی نے کہا بلکہ ان کے دل پر قفل ہیں جب تک اللہ نہ کھولے اور الگ نہ کرے۔ پس حضرت عمرؓ کے دل میں یہ بات رہی یہاں تک کہ اپنی خلافت کے زمانے میں اس سے مدد لیتے رہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا جو لوگ ہدایت ظاہر ہو چکنے کے بعد ایمان سے الگ رہے اور کفر کی طرف لوٹ گئے دراصل شیطان نے اس بُرے کام کو ان کی نگاہوں میں اچھا دکھا دیتا ہے اور نہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے دراصل ان کا یہ کفر سزا ہے۔ ان کے اس نفاق کی جوان کے دل میں تھا۔ جس کی وجہ سے وہ ظاہر کے خلاف اپنا باطن رکھتے تھے۔

کافروں سے مل جل کر انہیں اپنا کرنے کے لئے ان سے باطن میں باطل پر موافقت کر کے کہتے تھے گھبراؤ نہیں ابھی بھی ہم بعض امور پر تمہارا ساتھ دیں گے۔ لیکن یہ باتیں اس اللہ سے تو چھپ نہیں سکتیں جو اندرونی اور بیرونی حالات سے یکسر اور یکساں واقف ہے۔ جو راتوں کے وقت کی پوشیدہ اور راز کی باتیں بھی سنتا ہو اور جس کے علم کی انتہا نہ ہو۔ پھر فرماتا ہے ان کا کیا حال ہوگا جبکہ فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے کو آئیں گے اور ان کی روحیں جسموں میں چھپتی پھریں گی اور ملائکہ جبرا، قہراً، ڈانٹ، جھڑک اور مار پیٹ سے انہیں باہر نکالیں

گے۔ جیسے ارشاد باری ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ○

(8 .سورة الانفال .50)

اور کاش آپ اس وقت کافروں کو دیکھیں جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں۔ وہ ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہیں اور (کہتے ہیں کہ) جلنے کا عذاب چکھو۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۹۳

(سورۃ الانعام ۔ ۹۳)

اور کاش آپ ان کو اس وقت دیکھیں جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف اپنے ہاتھ بڑھا کر کہہ رہے ہوں گے کہ اپنی روحیں نکالو۔ آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا تمہاری ان باتوں پر جو تم اللہ پر ناحق بنایا کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کیا کرتے تھے۔

یہاں ان کا گناہ بیان کیا گیا کہ ان کاموں اور باتوں کے پیچھے لگے ہوئے تھے جن سے اللہ ناخوش ہو اور اللہ کی رضا سے کراہت کرتے تھے۔ پس ان کے اعمال اکارت ہو گئے۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

اَفَلاَ یَتَدبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ

یعنی کیا قرآن میں غور نہیں کرتے قرآن کے اندر جو نصیحتیں اور تنبیہات ہیں ان کو تلاش نہیں کرتے۔ اگر تلاش سے کام لیتے تو حق ان پر واضح ہو جاتا استفہام انکاری تو جہی ہے۔

اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا

یہ استعارہ بالکنایہ ہے۔ قلوب کو خزانہ سے تشبیہ دی اور ہر خزانہ کا مقفل ہونا لازم نہیں تو مناسب ضرور ہے۔ پھر اقفال کی قلوب کی طرف وضاحت کی گئی ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ دلوں پر جو قفل پڑے ہیں وہ یہ مستعمل معمولی قفل نہیں ہیں بلکہ غیر معمولی تالے ہیں۔ جو قلوب کے مناسب ہیں (یعنی غفلت کے تالے ہیں لو ہے، پیتل وغیرہ کے نہیں ہیں) گویا بصورت کنایہ بات بتائی کہ ان کے اندر استعداد ہی نہیں ہے۔ ان کے دل نصیحت پذیری کی قابلیت ہی نہیں رکھتے۔ اگر بالفرض یہ قرآن پر غور بھی کریں تب بھی نہیں سمجھ پائیں گے۔
(تفسیر مظہری)

کیا یہ لوگ قرآن کے اعجاز اور مضامین میں غور نہیں کرتے اس لئے ان کو انکشاف نہیں ہوتا یا غور کرتے ہیں مگر دلوں پر غیبی قفل لگ رہے ہیں یعنی ان دونوں میں سے ایک بات کا ہونا ضروری ہے اور دونوں جمع ہوں یہ بھی ہوسکتا ہے اور واقع میں یہاں دونوں میں سے ایک بات کا ہونا ضروری ہے اور دونوں جمع ہوں یہ بھی ہوسکتا ہے اور واقع میں یہاں دونوں باتیں مجتمع ہیں۔ اول ان کی طرف سے ایک فعل ہوا۔ یعنی انکار کیوجہ سے قرآن میں غور نہ کرنا پھر اس کے وبال میں قفل لگ گیا۔ جسکو طبع اور ختم یعنی مہر لگا دینا بھی کہا گیا ہے اور دلیل اس ترتیب کی یہ آیت ہے

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ

اور اس مجموعہ پر فَھُمْ لَا یَفْقَھُوْنَ مرتب ہے۔

جو لوگ حق سے پشت پھیر کر ہٹ گئے بعد اس کے سیدھا راستہ ان کو دلائل عقلیہ مثل اعجاز قرآن دلائل نقلیہ

مثل پیشین گوئی کتب سابقہ سے صاف معلوم ہوگیا کہ شیطان نے ان کو چکمہ دیا ہے اوران کو دور دور کی سجھائی ہے کہ ایمان لانے سے فلاں فلاں مصلحتیں موجودہ یا جوآئندہ متوقع ہیں فوت ہوجائیں گی۔ حاصل ہوا کہ اس عدم تدبّر کی وجہ عناد ہے کہ ہدایت کے واضح ثبوت کے بعد پھر یہ الٹے پاؤں لوٹے جارہے ہیں۔ یعنی شیطان نے ان کی نظروں میں اس غلط اور مہلک عمل کو مزین کر کے دکھلایا یعنی ان کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے۔ پھر یہ کہ ہدایت سامنے آجانے کے باوجود اس سے لوٹنا اور دور ہونا اس سبب سے ہوا کہ ان لوگوں نے ایسے لوگوں سے جو کہ خدا کے اُتارے ہوئے احکام کو حسداً ناپسند کرتے ہیں مراد اس سے رؤسائے یہود ہیں۔ جو رسول اللہ ﷺ سے حسد کرتے تھے اور باوجود معرفت حق کے اتباع سے عار کرتے تھے۔ حاصل یہ کہ ان منافقین نے رؤسائے یہود سے یہ کہا بعضی باتوں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے۔ یعنی تم جو ہم کو اتباع محمد ﷺ سے منع کرتے ہو اس کے دو جزء ہیں۔ ایک عدم اتباع ظاہراً دوسرا عدم اتباع باطناً۔ سو جزو اول میں تو ہم بمصلحت تمہارا کہنا نہیں مان سکتے۔ لیکن جزو ثانی میں مان لیں گے کیونکہ عقائد میں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

(تفسیر معارف القرآن)

# 20 ۔ ناسمجھ دل

اللہ تعالیٰ نے ناسمجھ دل کا بیان سورۃ آل عمران اور سورۃ التوبہ میں کیا ہے

20.1 ۔ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ مَالَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا ج وَمَاْوٰىھُمُ النَّارُ ط وَبِئْسَ مَثْوَی الظّٰلِمِیْنَ O

( آلِ عمران - 3:151)

ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیں گے کیونکہ یہ خدا کے ساتھ شرک کرتے ہیں جس کی اس نے کوئی بھی دلیل نازل نہیں کی ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ وہ ظالموں کا بہت بڑا ٹھکانہ ہے۔

We shall put awe into the hearts of those who disbelieve, since they have associated with Allah something for which He has not sent any authority. Their ultimate place is the Fire; and evil is the abode of the unjust.

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ مَالَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا ج

یعنی ہم ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے۔ اس وجہ سے کہ وہ ایسی چیزوں کو اللہ کا ساتھی بناتے ہیں جن کی شرکت کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ جب مکہ واپس جاتے وقت (غزوۃ احد کے بعد) مشرکوں نے مدینہ کو لوٹنے کا ارادہ کیا تھا اس وقت ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا۔

سلطان کا اصل لغوی معنی ہے قوت ۔ اس جگہ مراد ہے، برہان مطلب یہ کہ ایسے معبودوں کو انہوں نے اللہ کا ساتھی بنا رکھا ہے جن کے شریک ہونے کی نہ کوئی دلیل ہے نہ برہان۔ بلکہ عقلی نقلی تمام دلیلیں اور حجتیں اللہ کی توحید پر دلالت کر رہی ہیں۔

وَمَاْوٰئهُمُ النَّارُ ط وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْن .

اوران کا یعنی مشرکوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور رہ وہ ظالموں کی بری قرارگاہ ہے۔ محمد بن کعب کا بیان ہے کہ جب احد کی افتاد کے بعد رسول ﷺ اور صحابہؓ مدینہ کو لوٹے تو بعض صحابیوںؓ نے کہا کہ اللہ نے ہم سے وعدہ تو فتح یاب بنانے کا کیا تھا پھر یہ کیا ہو تو اس پر اللہ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی۔

(تفسیر مظہری)

20.2 ۔ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ط هَلْ يَرٰئكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ط صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّايَفْقَهُوْنَ O

(التوبہ - 9:127)

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں اور پوچھتے ہیں
کہ بھلا تمہیں کوئی دیکھتا ہے؟ پھر پھر جاتے ہیں۔ خدا نے اُن کے دلوں کو پھیر رکھا ہے
کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔

And when a Surah is sent down, they look at each other (as if saying): Is there some one watching you? Then they turn away. Allah has turned their hearts, because they are a people who do not understand.

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ط

اور جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ یعنی آنکھوں آنکھوں میں انکار یہ یا استہزاء اشارہ کرتے ہیں یا آنکھوں کے اشارے سے غصہ کا اظہار کرتے ہے کہ اس سورۃ میں ان کے عیوب کو بیان کیا گیا ہے اوران کی رسوائی کی گئی ہے اور مجلس سے اٹھ کر بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہوئے آنکھوں کے اشارہ سے

ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔

هَلۡ يَرٰئكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ کیا تمہیں کوئی (مسلمان) دیکھ رہا ہے اگر اس مجلس سے اٹھ جاؤ گے تو کیا کسی کی نظر پڑ جائے گی۔ پھر اگر کوئی مسلمان نہیں دیکھتا ہوتا وہ مسجد سے سرک جاتے۔ اگر دیکھنے کا یقین ہوتا تو جمے بیٹھے رہتے۔

ثُمَّ انۡصَرَفُوۡا پھر یعنی اس سورۃ پر ایمان لانے سے پھر گئے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اس مقام سے جہاں بیٹھے سورۃ سن رہے تھے۔ یعنی مجلس رسول اللہ ﷺ سے پھر گئے بیٹھے رہنے میں ان کو رسوائی کا اندیشہ تھا۔

صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ اللہ نے ان کے دلوں کو ایمان سے پھیر دیا۔

ابو اسحاق نے کہا اللہ نے ان کے کرتوت کو سزا میں ان کو گمراہ کر دیا۔ یہ جملہ (بجائے خبر یہ ہونے کے) بددعائیہ بھی ہوسکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ ان کے دلوں کو ایمان سے پھیر دے۔ رہا سہا شائبہ ایمان بھی ان کے دلوں سے جاتا رہا۔

بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ اس سبب سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو اپنی بدفہمی اور غلطی تدبر کی وجہ سے حق کو نہیں سمجھتے۔

(تفسیر مظہری)

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی تفسیر انوار البیان میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اس کے بعد منافقوں کی ایک حرکت بد کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب قرآن کی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آپس میں دل لگی کے طور پر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ اس آیت کے ذریعہ تمہارے ایمان میں کیا ترقی ہوئی اور کیا اضافہ ہوا؟ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ جو اہل ایمان ہیں ان کے دلوں میں قرآن کی سورتوں کے نزول سے ترقی ہوتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض یعنی نفاق ہے ان کے دل کی ناپاکی میں اس سے اور زیادہ

اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے پہلے جو سورتیں نازل ہوچکی تھیں اب تک انہیں کے منکر تھے۔ اب جونئی سورت نازل ہوگئی اس کے بھی منکر ہوگئے اور ساتھ ہی اس کا مذاق بھی بنایا۔ لہٰذا ان کے کفر میں اور اضافہ ہوگیا۔ یہ کفر پر جمنا اور کفر میں ترقی کرتے جانا ان کے کفر پر مرنے کا سبب بن گیا۔

پھر فرمایا کیا یہ منافق لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ہر سال میں ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں۔ امراض میں مبتلا ہوتے ہیں جہاد میں جانے کا حکم ہوتا ہے تو پیچھے رہ جاتے ہیں جن سے ان کا نفاق کھل جاتا ہے اور اس کی وجہ سے رسوا ہوتے ہیں پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

پھر منافقوں کا ایک اور طریقہ کار کا ذکر فرمایا اور وہ یہ کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو چپکے سے فرار ہونے کے لئے ایک دوسرے کے طرف کنکھیوں سے دیکھتے ہیں اور اس تاک میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے کوئی ان کو کھسکتے ہوئے دیکھ نہ لے۔ آپس میں کہتے ہیں کہ دیکھو ہمیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ اگر کوئی مسلمان دیکھ رہا ہوتو وہیں مجلس میں بیٹھے رہتے ہیں اور جب دیکھا کہ کسی کی بھی نظر نہیں پڑ رہی تو چپکے سے چل دیتے تھے۔ اپنے خیال میں انہوں نے بڑی ہوشیاری کی لیکن اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایمان سے پھیر دیا۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ اس موقعہ میں ہوتا تھا جب کوئی ایسی آیت نازل ہوتی تھی جس میں منافقین کے بارے میں تنبیہ کا مضمون نازل ہوتا تھا اور منافقین کے عیوب منکشف ہوتے تھے۔

آخر میں فرمایا بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ کہ ان لوگوں کی یہ حرکتیں اور ان حرکتوں کا انجام بد اس وجہ سے سامنے آیا کہ وہ سمجھتے نہیں ہیں۔ اگر حق اور حقیقت کو سمجھتے تو نہ منافقت اختیار کرتے نہ ان سے منافقانہ حرکتیں صادر ہوتیں۔

# حصہ دوم

نبی کریم ﷺ نے فرمایا!

**میری بات دوسرے لوگوں کو پہنچا دو،**
**اگرچہ وہ ایک آیت ہو**
**اور بنی اسرائیل کے واقعات**
**(اگر تم چاہو تو) بیان کرو**
**اس میں کوئی حرج نہیں اور**
**جس شخص نے مجھ پر قصداً**
**جھوٹ بولا تو اسے اپنا ٹھکانہ**
**جہنم بنا لینا چاہئے۔**

(صحیح بخاری)

# 21 ۔ ہدایت یافتہ دل

ہدایت یافتہ دل کا تذکرہ قرآن کریم میں سات مقامات پر آیا ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔

2:1 . وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ o

(اٰلِ عمران - 3:103)

اور سب مل کر خدا ( کی ہدایت کی ) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچالیا۔ اس طرح خدا تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

Hold fast, all of you, to the cord of Allah, and be not divided. Remember the blessing of Allah upon you: when you were enemies to each other, and He brought your hearts together, so that, you became brothers through His blessing. You were at th brink of a pit of Fire, then He saved you from it . This is how Allah makes His signs clear to you, so that you may take the right path.

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اللہ کی رسی سے مراد ہے دین اسلام کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے!

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ق لَا انْفِصَامَ لَهَا ط

(سورۃ البقرہ ۔ ۲۵۶)

پھر جس نے جھوٹے معبودوں کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لے آیا تو اس نے ایسا مضبوط کنڈا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں۔

اس آیت میں ایمان باللہ کو عروہ وثقیٰ فرمایا ہے یا کتاب اللہ مراد ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی کتاب ایک ایسی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہو اس کو پکڑ کر آدمی اللہ تک پہنچ سکتا ہے۔

**جَمِیْعًا** سب کے سب یعنی جو تفسیر کلام اللہ یا اجماع امت ہو اس کو مضبوطی سے پکڑلو اجماع کی خلاف متفرق آراء کی طرف نہ جاؤ۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہاری تین باتیں اللہ کو پسند ہیں اور تین ناپسند۔ تم اللہ کی عبادت کرو کسی کو اس کا ساتھی نہ جانو اور سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اللہ جس کو تمہارا حاکم بنا دے اس کی خیر خواہی کرو۔ یہ باتیں اللہ کو پسند ہیں اور وہ ناپسند کرتا ہے فضول قیل وقال کو اور مال کو برباد کرنے کو اور کثرت سوال کو۔ رواہ مسلم احمد۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ میری امت کو گمراہی پر مجتمع نہیں کرے گا۔ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے جو جماعت سے بچھڑ گیا وہ دوزخ میں گیا۔ (رواہ الترمذی)۔

یہ بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے زیادہ عظمت والے گروہ کی اتباع کرو۔ اسلئے کہ جو اس سے بچھڑا وہ بچھڑ کر دوزخ میں گیا۔ (رواہ ابن ماجہ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس طرح بکریوں کو شکار کرنے والا بھیڑیا گلے سے بچھڑنے والی، گلے سے دور رہ جانے والی اور گلے سے الگ ہونے والی بکری کا شکار کر لیتا ہے۔ اسی طرح انسان کیلئے شیطان بھیڑیا ہے۔ جماعت سے ہٹ کر ادھر ادھر گھاٹیوں میں بھٹکتے پھرنے سے بچو اور جماعت و جمہور کے ساتھ رہو۔ (رواۃ احمد)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو جماعت سے بالشت بھر الگ ہوا۔ اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی۔(رواہ احمد ابوداؤد)۔

یہ تفسیر اس صورت میں ہوگی جب جمیعاً کو اعتصموا کی فاعل ضمیر سے حال مانا جائے۔ لیکن حبل اللہ سے اگر حال قرار دیا جائے تو یہ مطلب ہوگا کہ اللہ کی پوری کتاب کو پکڑے رہو۔ ایسا نہ کرو کہ کتاب کے کچھ حصہ کو تو مانو اور کچھ کو نہ مانو کیونکہ رسی کے بل الگ الگ ہونے کی صورت میں طاقتور نہیں رہتی۔

وَّلَا تَفَرَّقُوْا اور آپس میں پھوٹ نہ پیدا کرو۔ یہ جملہ اول صورت میں تاکیدی اور دوسری صوررت میں تاسیسی ہے۔ دوسری صورت پر اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ پورے قرآن کو مانو اور آپس میں بھی تفرقہ نہ کرو کہ کوئی مانے کوئی نہ مانے۔ بلکہ سب مل کر پوری کتاب کو پکڑے رہو۔ مطلب یہ ہے کہ دوسرے اہل کتاب کی طرح آپس میں اختلاف کر کے حق سے متفرق نہ ہو جاؤ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! جو حالت بنی اسرائیل کی ہوئی وہی حالت میری امت پر آئے گی یہ ان کے نقش قدم پر چلے گی۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں سے اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا کرے گا۔ بنی اسرائیل بھٹک کر بہتّر (۷۲) فرقے بن گئے تھے اور میری امت بھٹک کر تہتر (۷۳) گروہ میں تقسیم ہو جائے گی۔ جن میں سے سوائے ایک فرقہ کے باقی سب دوزخی ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہوگا۔ فرمایا وہ نجات یافتہ ہوگا **جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقہ پر ہوگا۔** (رواہ الترمذی)۔

حضرت معاویہؓ کی روایت جو احمد، ابوداؤد نے نقل کی ہے کے یہ الفاظ ہیں کہ بہتر فرقے دوزخ میں اور ایک جنت میں ہوگا۔ وہ (ایک نجات یافتہ فرقہ) اہل سنت والجماعت ہے اور میری امت میں سے عنقریب کچھ جماعتیں ایسی نکلے گی کہ خواہشات ان کے رگ و پے میں گھس جائیں گی اور ان کو ہلاکت میں گرا دیں گی۔

صحابہؓ میں یہ تفرقہ نہ تو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہی پیدا ہوا، نہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافتوں میں ہوا۔ امام برحق کے خلاف اول ترین بغاوت اہل مصر نے کی جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف خروج کیا اور قصاصِ عثمانؓ کے معاملہ میں معاویہؓ کی طرف سے اول ترین

اختلاف پیدا ہوا۔ اور دین میں اول ترین اختلاف فرقہ حروریہ (خوارج ونواصب) نے کیا۔ جنہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کی۔ پھر عبداللہ بن سبا نے مخالفت ڈالی اور حق کو چھوڑا یہی شخص رافضیوں کا سرچشمہ ہے۔ پھر تابعین کے دور میں معتزلہ کا مسلک پیدا ہوا۔ جنہوں نے فلاسفہ کا دامن جا پکڑا اور قیل وقال میں پھنس گئے۔ مناظرہ بازی میں پڑ گئے۔ کتاب اللہ کی کھلی آیات رسول اللہ ﷺ کی سنت اور سلف کے طریقہ کو انہوں نے چھوڑ دیا اور اپنے ناقص گمراہ خیالات کے پیرو ی کرنے والے ہو گئے۔

(تفسیر مظہری)

حضرت مولانا جلال الدین سیوطیؒ اپنی تفسیر جلالین میں تحریر فرماتے ہیں۔

اسلام کی برکات:

اہل کتاب کی محرومیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد پیروان اسلام کو بتلانا ہے کہ یہود و نصاریٰ کی گمراہیاں تمہارے لئے درس عبرت ہیں۔ اگر تم نے ان کی گمراہانہ خواہشوں کی پیروی کی تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ راہ ہدایت پا کر پھر گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ ایمان کی برکتوں کے حصول کے لئے یہی کافی نہیں ہے کہ بس ایمان کا اقرار کرلو۔ بلکہ اصل چیز ایمان کا جماؤ ہے اس لئے ضروری ہے کہ

(۱) جماعت کے تفرقہ سے بچو اللہ کی رسی مضبوطی سے پکڑلو جو چھوٹ تو سکتی ہے لیکن ٹوٹ نہیں سکتی۔ اللہ کی سب سے بڑی نعمت تم پر یہ ہے کہ تمہاری دشمنی دور کر کے بھائی بھائی بنا دیا۔

(۲) دوسروں کے طور طریق سے اپنے دل و دماغ کی حفاظت کرو۔

(۳) تم میں ہمیشہ ایک جماعت چاہئے جو تقویٰ، اتحاد و اتفاق، قومی زندگی اسلامی مواخات باقی رکھنے کے لئے دعوت وارشاد کا کام کرے جس کا وظیفہ یہ ہے کہ اپنے قول و عمل سے دنیا کو قرآن وسنت کی طرف بلائے۔

مسئلہ اتحاد و اتفاق:

اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے مقاصد کو دیکھنا پڑے گا اگر مقصد محمود ہے تو ذرائع بھی مستحسن شمار ہوں گے۔ خواہ

اختلاف ہی کیوں نہ ہوں اور مقصد اگر مذموم ہے تو پھر وسائل چاہے اتفاق واتحادی ہی کیوں نہ ہوں یقیناً بُرے ہوں گے۔ چنانچہ اصول دین میں اگر اختلاف ہوگا یا فروع دین ہی میں براہ نفسانیت اختلاف ہو تو یقیناً بدترین گناہ ہوگا۔ اہل باطل اور مبتدعین کا اختلاف اہل سنت والجماعت سے اسی قسم کا رہا ہے۔ جو قابل نفرت وملامت ہے۔

اس آیت میں اسی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ اصول تو تمام واضح ہوتے ہیں لیکن اس کی بعض تفصیل اسی طرح واضح نہیں ہوتی کہ اگر نفسانیت کو دخل نہ ہو تو اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی ہے۔ ہاں جن میں بعض وضاحتیں کی بنیاد کوئی نص نہیں ہوتی ہے یا ہوتی ہے۔ مگر بظاہر معارض اور وجہ تطبیق کچھ کھلی ہوئی نہیں ہوتی۔ پس ایسے فروع غیر ظاہرہ میں اختلاف ہو جانا بعید نہیں ہے اور نہ محل ملامت اور قابل مذمت ہے کہ اس کو آیت کے ذیل میں داخل کیا جائے بلکہ امت کے حق میں ایسے اختلاف کو باعث سہولت ورحمت کہا گیا ہے۔ جیسا کہ اہل حق کے درمیان مسائل اجتہادیہ میں ہوا ہے کہ وہ اختلاف مخالف کی حد تک نہیں پہنچتا جو علامت ہوتی ہے نفسانیت اور انانیت کی۔

## لطائفِ سلوک:

بہتر یہ ہے کہ کفر سے مراد عام معنی لئے جائیں۔ خواہ ان کا توحید ورسالت ہو یا اعتقاد و بدعت ہو۔ کیونکہ واضح دلائل کے بعد ہی یہ تمام باتیں ہوا کرتی ہیں۔ اب تمام کفار واہل کتاب آیت میں مشبہ اور مشبہ بہ میں اگرچہ یہ فرق رہے گا کہ مشبہ میں معصیت عملی اور مشبہ بہ میں معصیت اعتقادی ہوگی اور پھر اس کی وجہ سے وجہ شبہ میں بھی فرق اور اتنا ہی تفاوت مشبہ اور مشبہ بہ کی وعیدوں میں رہے گا۔ لیکن صحت تشبیہ کے لئے طرفین کی مماثلت من کل الوجہ ضروری نہیں ہوتی اس لئے کوئی حرج نہیں۔

(کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

21.2 ۔ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍO

(الحج ۔ 22:54)

اور تا کہ علم والے لوگ اس کو اپنے رب کی طرف سے حق جان لیں اور اس پر ایمان لے آئیں،
پھر ان کے دل بھی اس کی طرف جھک جائیں اور اللہ ہی مومنوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

And so that those who have been given knowledge may know that it (i.e. the revelation recited by the prophet) is the truth from your lord, and they may believe in it and their hearts may become humble towards it. Allah is the Guide of the believers to the straight path.

جن لوگوں کو فہم عطا ہوا ہے وہ اس نور ہدایت سے اس امر کا زیادہ یقین کر لیں کہ یہ جو نبی ﷺ نے پڑھا ہے وہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے تا کہ ان کے دل اور بھی جھک جائیں اور واقعی ان ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی راہ راست دکھلاتا ہے پھر کیونکر ان کو ہدایت نہ ہو۔ یہ تو ایمان والوں کی کیفیت ہوئی اور رہ گئے کافر لوگ تو وہ ہمیشہ اس حکم کی طرف سے شک ہی میں رہیں گے جو ان کے دل میں شیطان نے ڈالا تھا۔ یہاں تک کہ ان پر دفعۃً قیامت آجائے جس کی ہول ہی کافی ہے چاہے عذاب نہ بھی ہوتا۔ یا اس سے بڑھ کر یہ کہ ان پر کسی بے برکت دن کا، کہ قیامت کا دن عذاب آپہنچے اور دونوں کا جمع ہونا جو کہ ضرور واقع میں ہوگا اور وہ شدید مصیبت کا دن ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بغیر مشاہدہ عذاب کے کفر سے باز نہ آئیں گے مگر جب وہ مشاہدہ کریں گے تو اس وقت وہ نافع نہ ہوگا۔ بادشاہی اس روز اللہ ہی کی ہوگی وہ ان سب کے درمیان عملی فیصلہ فرمادے گا۔ جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور اچھے کام کئے ہوں گے وہ چین وسکون کے باغوں میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا تو ان کے لئے ذلت کا عذاب ہوگا۔

(تفسیر معارف القرآن)

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی تفسیر انوار البیان میں ارشادفرماتے ہیں۔

جن حضرات کوعلم دیا گیا ہے وہ یقین کرتے ہیں کہ جو کچھ نبی (ﷺ) نے کہا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ حق ہے سچ ہے رب کی طرف سے ہے۔ اپنے اس یقین کی وجہ سے ایمان پر اور زیادہ ثابت قدم ہوجاتے ہیں اوران کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جاتے ہیں۔ اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کا یہ انعام ہے کہ وہ انہیں صراط مستقیم پر رکھتا ہے۔ اور کافرلوگ اس بات کی طرف سے جو نبی نے تلاوت کی ہے شک میں رہیں گے اوران کا یہ شک یہاں تک رہے گا کہ یا توان پر دفعۃً یا قیامت آجائے یا قیامت سے پہلے ان پر ایسے دن کا عذاب آجائے جوان کے حق بالکل خیر سے خالی ہو۔ لیکن اس وقت ایمان لانا فائدہ نہیں دے گا۔

21:3 ۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ۝

(الزمر - 39:23)

خدانے نہایت اچھی باتیں فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی ہیں اوردہرائی جاتی ہیں جولوگ اپنے پرودگار سے ڈرتے ہیں ان کے بدن کے رونگٹے اس سے کھڑے ہوجاتے ہیں پھران کے بدن اوردل نرم ہوکر خدا کی یادکی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں یہی خدا کی ہدایت ہے وہ اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور س کو خدا گمراہ کرے س کو کوئی ہدایت دینے والانہیں۔

Allah has sent down the best discourse, a book containing subjects resembling each other, mentioned agian and again, shivered from which are the skins of those who have awe of their Lord. Then, their skins and their hearts become soft enough to tend to the

remembrance of Allah. This is the Guidance of Allah with which He brings to the rights path whomsoever He wills. As for the one whom Allah lets go astray, for him there is no one to guide.

## قرآن حکیم کی تاثیر:

اللہ تعالیٰ اپنی اس کتاب قرآن کریم کی تعریف میں فرماتا ہے کہ اس بہترین کتاب کو اس نے نازل فرمایا ہے جو سب کی سب متشابہ ہیں۔ جس کی آیتیں بار بار دھرائی جاتی ہیں تا کہ فہم سے قریب تر ہو جائے۔ ایک آیت دوسری کے مشابہ اور ایک حرف دوسرے سے ملتا جلتا۔ ایک سورت کی آیتیں دوسری سورت سے اور اس کی اس سے ملی جلی ہیں۔ ایک ایک ذکر کئی کئی جگہ اور پھر بغیر اختلاف کے۔ بعض آیتیں ایک ہی بیان میں ہیں اور بعض میں جو مذکور ہے اس کی ضد کا ذکر بھی انہیں کے ساتھ ہے۔ مثلاً مومنوں کے ذکر کے ساتھ ہی کافروں کا ذکر، جنت کے ساتھ ہی دوزخ کا بیان وغیرہ۔ دیکھئے ابرار کے ذکر کے ساتھ ہی فجار کا بیان ہے۔ سجین کے ساتھ ہی علیین کا بیان ہے۔ متقین کے ساتھ ہی طاغین کا بیان ہے۔ ذکر جنت کے ساتھ ہی تذکرہ جہنم ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ

(3۔آل عمران:7)

وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی۔ جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور)
وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔

اس کی پاک اور بااثر آیتوں کا مومنوں کے دل پر نور پڑتا ہے۔ وہ انہیں سنتے ہی خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ سزاؤں اور دھمکیوں کو سن کر ان کا کلیجہ کپکپانے لگتا ہے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور انتہائی عاجزی اور بہت ہی بڑی گریہ وزاری سے ان کے دل اللہ کی طرف جھک جاتے ہیں۔ اس کی رحمت ولطف پر نظریں ڈال کر امیدیں بندھ

جاتی ہیں۔ ان کا حال سیاہ دلوں سے بالکل جدا گانہ ہے۔ یہ رب کے کلام کو نیکیوں سے سنتے ہیں۔ وہ گانے بجانے پر سر نہیں دھنتے۔ یہ آیات قرآنی سے ایمان میں بڑھتے ہیں وہ روتے ہوئے سجدوں میں گر پڑتے ہیں۔ وہ مذاق اڑاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔

قرآن میں فرمان ہے۔

اِنَّمَاالْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَاذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَO

(8۔الانفال:2)

مومن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب انہیں اُس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اُن کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

یعنی یادالٰہی مومنوں کے دلوں کو دہلا دیتی ہے۔ وہ ایمان و توکل میں بڑھ جاتے ہیں۔ نماز و زکوٰۃ و خیرات کا خیال رکھتے ہیں۔ سچے با ایمان یہی ہیں۔ بلند درجے، مغفرت اور بہترین روزیاں یہی پائیں گے۔ یعنی بھلے لوگ آیات قرآنیہ کو بہروں اندھوں کی طرح نہیں سنتے پڑھتے کہ ان کی طرف نہ تو صحیح توجہ ہو نہ ارادہ عمل ہو۔ بلکہ یہ کان لگا کر سنتے ہیں دل لگا کر سمجھتے ہیں۔ غور و فکر سے معانی اور مطلب تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ جب توفیق ہاتھ آتی ہے سجدے میں گر پڑتے ہیں اور تعمیل کے لئے کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ یہ خود اپنی سمجھ سے کام کرنے والے ہوتے ہیں۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی جہالت کے پیچھے پڑے نہیں رہتے۔ تیسرا وصف ان میں برخلاف دوسروں کے یہ ہے کہ قرآن کے سننے کے وقت با ادب رہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کی تلاوت سن کر صحابہ کرامؓ کے جسم و روح ذکر اللہ کی طرف جھک آتے تھے۔ ان میں خشوع و خصوع پیدا ہو جاتا تھا۔ لیکن یہ نہ تھا کہ چیخنے چلانے لگیں اور اپنی صوفیت جتائیں بلکہ ثبات سکون ادب اور خشیت کے ساتھ کلام اللہ سنتے۔ دل جمعی اور سکون حاصل کرتے۔ اسی وجہ سے مستحق تعریف اور توصیف کے حقدار ہوئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اولیاء اللہ کی صفت یہی ہے کہ قرآن سن کر ان کے دل موم ہو جائیں اور ذکر اللہ کی طرف وہ جھک جائیں ان کے دل ڈر جائیں۔ ان کی آنکھیں آنسو بہائیں اور طبیعت میں سکون پیدا ہو جائے۔ یہ نہیں کہ عقل جاتی رہے اور یہ حالت طاری ہو جائے نیک و بد کا ہوش نہ رہے۔ یہ بدعتیوں کے افعال ہیں کہ ہا ہو کرنے لگتے ہیں اور کودتے اچھلتے اور کپڑے پھاڑتے ہیں۔ یہ شیطانی حرکت ہے۔ ذکر اللہ سے مراد وعدہ اللہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ ہیں صفتیں ان لوگوں کی جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے۔ ان کے خلاف جنہیں پاؤ تو سمجھ لو کہ اللہ نے انہیں گمراہ کر دیا ہے اور یقین رکھو کہ رب جنہیں ہدایت نہ دینا چاہئے انہیں کوئی راہ راست نہیں دکھا سکتا۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ.

اللہ ہی نے سب سے اچھا کلام نازل فرمایا جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے بار بار دہرائی گئی ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ . یہ آیت تائید ہے آیت اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ کی اور درمیان میں تمام جملے معترضہ ہیں۔ نزل سے پہلے اللہ کہنے کے تین فائدے ہیں اللہ کی طرف قرآن نازل کرنے کی نسبت پختہ ہوگئی۔ نازل شدہ قرآن کی عظمت شان کا اظہار ہو گیا کہ یہ اللہ ہی کا بھیجا ہوا کلام ہے قرآن کے حسن کی شہادت دے دی گئی کہ اللہ ہی نے اس کلام کو اتارا اور اس کے حسن الحدیث ہونے کی شہادت دی ہے۔

متشابہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ تمام آیات صحت معنی حسن عبارت اور افادہ عام میں ایک جیسی ہیں اور کوئی آیت دوسری آیت کی تکذیب نہیں کرتی۔ تمام آیات باہم تصدیق کرتی ہیں۔ یہ سمجھنے والے کی علمی بے بضاعتی اور فہم کی کمی کا قصور ہے کہ وہ بعض آیات کو بعض کے خلاف سمجھتا ہے۔

مثانی مثناہ کی جمع اور مستناہ اسم ظرف ہے۔ قرآن کے اندر بار بار وعدو وعید، امرونہی، اخبار اور احکام کا ذکر ہے اس لئے اس کو بار بار دہرائی جانے والی کتاب فرمایا۔ گویا تفصیلات کے لحاظ سے اس کو مثانی کہا گیا جیسے ہم اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ قرآن میں سورتیں ہیں اور آیات ہیں یا یوں کہیں کہ انسان رگیں ہیں، اعصاب ہیں، ہڈیاں ہیں گوشت ہے۔ (یعنی ان کا مجموعہ ہے)

یا مثانی مثنیۃ کی جمع ہے ثناء کرنے والیاں۔ یعنی اس کی آیات اللہ کی صفات اور ذات کی ثناء بیان کرتی ہیں۔

**تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ج ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط**

جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم ہوکر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔ یعنی اللہ کی رحمت اور عموم مغفرت کا جب وہ ذکر کرتے ہیں۔ تو اس ذکر کی وجہ سے ان کے دلوں میں سکون واطمینان پیدا ہوجاتا ہے۔ ذکر اللہ کے ساتھ رحمت کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اصل تو رحمت ہی ہے اللہ کی رحمت غضب پر غالب ہے۔ الی ذکر اللّٰہ میں الی بمعنی لام ہے یعنی اللہ کے ذکر کی وجہ سے لیکن ذکر کے اندر چونکہ سکون واطمینان کا مفہوم داخل ہے اس لئے بجائے لام کے الی کہا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ جب قرآن میں آیات وعید کا ذکر آتا ہے تو مومنوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ بدن کی جلد سکڑ جاتی ہے۔ اس میں انقباض پیدا ہوجاتا ہے اور جب آیات وعدہ کا ذکر آتا ہے تو کھالوں کا انقباض جاتا رہتا ہے۔ کھالیں نرم ہوجاتی ہیں اور دلوں میں سکون پیدا ہوجاتا ہے۔

پہلے کتاب کی صفت مثانی بیان کی تھی یعنی اس میں فرماں برداروں کے لئے وعدہ ثواب اور نافرمانوں کے لئے وعید عذاب کا بار بار ذکر ہے۔ اس آیت میں وہ اثر بیان کردیا جو وعدو وعید سے مومنوں پر پڑتا ہے۔

حضرت عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جب اللہ کے خوف سے بندہ کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت سے سوکھے پتے۔

(رواہ الطبرانی ضعیف ورواہ البغوی)

بغوی کی دوسری روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے جب اللہ کے خوف سے بندے کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں تو اللہ اس کو دوزخ کے لئے حرام کردیتا ہے۔

## ایک شبہ:

بعض عاشقان الٰہی قرآن سننے سے بیہوش ہوجاتے ہیں۔ کیا ایسا ہونا کوئی پسندیدہ صفت ہے۔ امام محی السنۃ بغوی نے تو اس کو سخت برا کہا ہے۔ اس سلسلہ میں قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ کے خوف سے رونگٹے کھڑے ہوجانا اور بدن کا لرز جانا اولیاء اللہ کی صفت ہے۔ اللہ نے ان کی یہی صفت بیان کی ہے۔ اولیاء کی یہ صفت نہیں بیان کی کہ قرآن سننے سے ان کی عقلیں جاتی رہتی ہیں اور بیہوش ہوجاتی ہیں۔ یہ کیفیت اہل بدعت کی ہوتی ہے اور شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں کے سامنے جب قرآن پڑھا جاتا تو ان کی کیا حالت ہوتی تھی۔ حضرت اسماءؓ نے فرمایا ان کی حالت وہی ہوتی تھی جیسی اللہ نے بیان فرمائی ہے کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے۔ انہیں بتایا گیا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو وہ بیہوش ہوکر گر پڑتے ہیں۔ حضرت اسماءؓ نے (جواب میں) فرمایا! میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ (یعنی یہ حرکت شیطان مردود کی ہے)

بغویؒ کا بیان ہے کہ ایک عراقی شخص گرا پڑا تھا حضرت ابن عمرؓ کا ادھر سے گزر ہوا اور دریافت فرمایا اس کی کیا حالت ہے لوگوں نے کہا اس شخص کے سامنے جب قرآن پڑھا جاتا ہے اور یہ اللہ کا ذکر سنتا ہے تو بیہوش ہوکر گر جاتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا! ہم بھی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ لیکن قرآن سن کر بیہوش ہوکر گر نہیں پڑتے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ شیطان بعض لوگوں کے اندر گھس جاتا ہے اور بیہوش کر کے گرا دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ تو ایسا نہیں کرتے تھے یہ فعل ان کا نہ تھا۔

## شبہ کا جواب:

جب برکات اور تجلیات کی بارش بکثرت ہوتی ہے لیکن صوفی کا جو حوصلہ تنگ اور استعداد کمزور ہوتی یہ تو صوفی برداشت نہیں کرسکتا اس لئے بیہوشی کی حالت طاری ہوجاتی ہے۔ صحابہؓ کے ظرف وسیع تھے اور محبت رسول ﷺ کی برکت سے استعداد قوی تھی اس لئے باوجود برکات کی کثیر بارش کے ان پر بیہوشی طاری نہیں ہوتی۔ صحابہ کرامؓ کے علاوہ دوسروں کو یہ چیز میسر نہیں اس لئے دو وجھوں سے ان پر بیہوشی طاری ہوجاتی ہے یا نزول

برکات ہی کا کام ہوتا ہے یا ان کی ظرف تنگ ہوتے ہیں اور حوصلہ میں سمائی نہیں ہوتی۔

حضرت انواس بن سمعانؓ کی روایت سے حدیث ہے کہ جب اللہ کسی بات کا ارادہ کرتا ہے اور وحی کے الفاظ فرماتا ہے تو اللہ کے خوف سے آسمانوں میں ایک شدید لرزہ آجاتا ہے۔ آسمان والے اس کو سن کر بیہوش ہوجاتے ہیں اور سجدہ میں گر پڑتے ہیں پھر سب سے پہلے سر اٹھانے والے جبرائیلؑ ہوتے ہیں۔ (الحدیث)

بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے لیکن الفاظ میں کچھ تغیر ہے اور الفاظ اس طرح ہیں۔ جب اللہ آسمان پر کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے کلام کو سن کر عاجزی کے ساتھ ملائکہ اپنے بازو پھڑ پھڑاتے ہیں اور ایسی آواز ہوتی ہے۔ جیسے پتھر کی چٹان پر زنجیر لگنے سے پیدا ہوتی ہے پھر جب ان کے دلوں کی وہ ہیبت دور ہوجاتی ہے تو (بعض ملائکہ بعض سے) کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ وہ جواب دیتے ہیں (جو کچھ فرمایا) حق ہے۔ الحدیث

اس آیت میں حضرت موسیٰؑ کے بیہوش ہوجانے کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے۔

**فَلَمَّا تَجَلیٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّاوَّ خَرَّ مُوسٰى صَعِقًا**

حضرت ابن عمرؓ کا یہ قول کہ شیطان کچھ لوگوں کے خون کے اندر گھس جاتا ہے اسی طرح حضرت اسماءؓ کا اعوذ باللہ پڑھنا تو ظاہر ہے کہ ان کے حوصلے قوی اور ظرف وسیع تھے جن کے اندر تمام تجلیات کی سمائی تھی۔ اسی لئے ان کی اور ان جیسے دوسرے صحابیوں کی بیہوشی کی حالت نہیں ہوتی تھی۔ جب ان بزرگوں نے دو آدمیوں کو بیہوش پایا تو (ان پر چونکہ کبھی یہ حالت طاری نہیں ہوئی تھی اس لئے) خیال کرلیا کہ یہ فریبی ہیں مکر سے بیہوش بنے ہیں۔ اس بات کی تائید اس قصہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب ابن سیرینؒ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ کچھ لوگ قرآن سن کر بیہوش ہوجاتے ہیں تو فرمایا ایسے آدمی کو کسی چھت کے کنارے پر نیچے کو پاؤں لٹکا کر بٹھایا جائے پھر قرآن پڑھا جائے اگر وہ قرآن سن کر بیہوش ہوکر نیچے گر پڑے تو سمجھ لو سچا ہے۔ (ورنہ جھوٹا ہے مکار ہے) ابن سیرینؒ کے اس قول سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اکثر اس طرح کے آدمیوں کو بناوٹی اور مکار خیال کرتے تھے۔

تنبیہ: ملائکہ سے انسان کی استعداد زیادہ قوی اور حوصلہ زیادہ وسیع ہے اس کے ثبوت کے لئے آیت ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَO

(۲. البقرہ. ۳۰)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا کہ کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے گا اور کُشت و خون کرتا پھرے گا؟ اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

اسی وسعت حوصلہ اور قوت استعداد کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَاوَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط

(۳۳۔الاحزاب۔۷۲)

ہم نے (بار) امانت آسمانوں اور زمین کو پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔

یہی وجہ کہ فرشتوں نے جب بھی وحی (کا کلام) سنا تو ان پر غشی طاری ہوگئی لیکن آدمی کی حالت ایسی نہیں ہے اگر عروج کے بعد انسان کا نزول بھی مکمل ہوجائے تو سوائے کسی نادر مثال کے عام طور پر ایسے عارفوں کی حالت

میں کوئی تغیر نہیں آتا اور اگر نزولی حالت کامل نہ ہو ناقص ہو تو اکثر حالت میں تغیر آجاتا ہے اور ناقص النزول عارف کلام اللہ سن کر بیہوشی ہو جاتا ہے۔

جب صوفی سکر حالت میں ہوتا ہے اور شعر وغناء میں محبوب کا ذکر سنتا ہے تو اکثر اس کی حالت بگڑ جاتی ہے (رقص کرتا ہے لوٹتا ہے تڑپتا ہے بیہوش ہو جاتا ہے) اس لئے صوفیہ سماع کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن قرآن تو شعر وغناء سے بہت زیادہ بلند مقام رکھتا ہے اس کو سن کر حالت میں کوئی تغیر نہیں آتا اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کرنے یا سننے کے وقت ذاتی صفات وتجلیات سے تعلق رکھنے والی برکات کا اتنی کثرت سے فیضان ونزول ہوتا ہے کہ جو صوفی اپنے مقام پر رکے ہوئے ہیں اور اس مقام تک ان کی رسائی ہوگئی ہو ان کی حالت میں تغیر (بیہوشی کی حد تک نہیں بلکہ) صحابہؓ کی طرح ہو جاتا ہے۔ آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ذکرِ رب سے دلوں میں سکون واطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔

(تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام یعنی قرآن نازل فرمایا ہے۔ بعض جو ایسی کتاب ہے کہ باعتبار اعجاز نظم وصحت معانی کے باہم جتنی ہے اور جس میں سمجھانے کے لئے بعض بعض بہت ضروری بات بار بار دہرائی گئی۔ وہذا کقولہ تعالیٰ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا .. الخ جس میں باوجود فائدہ تاکید ورسوخ مدعا کے قلب مخاطب میں ہر جگہ خاص خاص لطائف کا بھی لحاظ ہوتا ہے۔ جس سے خالی تکرار نہیں رہتا اور مثانی ہونا یعنی بار بار دھرایا جانا دلیل ہے ہدایت پر مشتمل ہونے کی۔ جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں۔ خوف ہو مگر قلب ہی میں رہے بدن پر اثر نہ آئے اور وہ خوف عقلی وایمانی ہو طبعی وحالی نہ ہو پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر یعنی کتاب اللہ پر عمل کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ وہ چاہتا ہے اس کے لئے ذریعہ ہدایت کرتا ہے۔ جیسا خائفین کا حال ابھی سنایا گیا اور خدا جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں۔ جیسا قاسین یعنی سخت دل کافروں کا حال ابھی سنایا گیا۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ

اللہ کے مقبول بندوں کا یہ حال ذکر کیا گیا تھا کہ قرآن کو احسن الحدیث فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ انسان جو کچھ کہتا بولتا ہے اس سب میں احسن الکلام قرآن ہے۔ قرآن کی چند صفات کا ذکر فرمایا ہے کہ ایک **کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا** متشابہ سے مراد اس جگہ مماثل ہے۔ یعنی مضامین قرآنیہ ایک دوسرے مربوط اور مماثل ہیں کہ ایک آیت کی تشریح و تصدیق دوسری آیت کی تشریح و تصدیق سے ہوجاتی ہے۔ اس کلام میں تضاد و تعارض کا نام نہیں ہے۔

دوسری صفت مثانی ہے جو مثنیٰ کی جمع ہے جس کے معنی مکرر کے ہیں مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم ایک مضمون کو ذہن نشین کرنے کے لئے بار بار دہریا جاتا ہے۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ **تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم** یعنی اللہ کی عظمت سے متاثر ہوکر ڈرنے والوں کا قرآن پڑھ کر خشیت و ہیبت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کے بدن پر بال کھڑے ہوجاتے ہیں۔

چوتھی صفت یہ ہے کہا **ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ** یعنی تلاوت قرآن کا اثر کبھی عذاب کی وعید سن کر یہ ہوتا ہے کہ بدن کے بال کھڑے ہوجاتے ہیں اور کبھی رحمت و مغفرت کی آیات سن کر یہ حال ہوتا ہے کہ بدن اور قلب سب اللہ کی یاد میں نرم ہوجاتے ہیں۔ حضرت اسماء بن ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ صحابہ کرامؓ کا عام حال یہی تھا کہ جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور بدن پر بال کھڑے ہوجاتے۔ (قرطبی)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس بندے کے بدن پر اللہ کے خوف سے بال کھڑے ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ اس کے بدن کو آگ پر حرام کردیتے ہیں۔ (قرطبی)

(تفسیر معارف القرآن)

21.4 ۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ ط لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ O

(الحجرات ۔49:7)

اور جان رکھو کہ تم میں خدا کے پیغمبر (ﷺ) ہیں اگر بہت سی باتوں میں وہ تمہارا کہنا مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ لیکن خدا نے تم کو ایمان عزیز بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا یہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں۔

And know that among you there is the Messenger of Allah (ﷺ). If he obeys you in many a matter, you will certainly fall into hardship. But Allah has endeared to you the Faith, and made it beautiful in your hearts, and made detestable to you the disbelief and sins and disobedience. Such people are rightly guided.

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ ط لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ .

اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ ﷺ ہیں بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ اس میں تمہارا کہنا مانا کریں تو تم کو بڑی مضرت پہنچ جائے۔

**لَعَنِتُّمْ** . یعنی تم گناہ اور ہلاکت میں پڑ جاتے۔

صحابہؓ نے چوں کہ ولید بن عقبہؓ سے بنی مصطلق کے مرتد ہو جانے کی خبر سنی تھی اور ان کو یقین آ گیا تھا اس لئے بنی مصطلق پر ان کو غصہ تھا اور یہ غصہ صرف اللہ کے دین کی حمایت کے لئے تھا۔ لیکن سابق کلام کی رفتار سے یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ بنی مصطلق پر غصہ کرنے والے صحابی گناہ گار قرار پائے۔ اس خیال اور وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ O فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ O

لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب بنا دیا اور کفر اور فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دے دی ہے۔ ایسے لوگ اللہ کے فضل واحسان سے راہ راست پر ہیں اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

بظاہر گفتار وکلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ فسوق کا درجہ عصیان سے اونچا اور کفر سے نیچا ہے۔ کفر بہت ہی قبیح ہے۔ اس سے کم بُرا فسق ہے اور فسق سے کم عصیان ہے۔ اس صورت میں فسوق سے مراد ہوگا۔ جماعت سے نکل جانا اور بدعتی عقیدہ اختیار کرنا لیکن اعتقادی بدعت کے باوجود کفر کی حد تک نہ پہنچ جانا اور عصیان سے مراد ہے عملی گناہ اور اعضاء جسم کی نافرمانی جب کہ عقیدہ جمہور اہل سنت کے موافق ہو، عقیدہ میں بدعت نہ ہو۔ اس تشریح کی روشنی میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ تم نے جو تامل اور تحقیق خبر سے کام نہیں لیا وہ قابل ملامت نہیں۔ کیوں کہ تم کو کفر سے نفرت اور ایمان سے محبت ہے۔ اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کا پیار اور کفر سے بغض پیدا کر دیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ یہ جملہ معترضہ ہے۔ یعنی ایسے لوگ جن کی حالت تمہاری طرح ہو ہدایت یافتہ ہیں۔

(تفسیر مظہری)

اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے حضرت جلال الدین محلّیؒ تفسیر جلالین میں لکھتے ہیں۔

## بے تحقیق خبر پر عمل کرنے سے بڑی خرابیاں ہو جاتی ہیں:

آنحضرت ﷺ نے ولید بن عقبہ ؓ کو اور ایک روایت کے مطابق بنی مصطلق کے یہاں زکوٰۃ کی وصول یابی کے لئے روانہ فرمایا۔ ولید اور بنی مصطلق میں زمانہ جاہلیت سے کچھ رنجش تھی۔ بنی مصطلق ولید کی آمد سن

کر استقبال کو آئے مگر ولید یہ سمجھے کہ مقابلہ آرائی کو آئے ہیں۔ اسی غلط فہمی میں واپس ہوگئے اور اپنے خیال کے مطابق بارگاہ نبوت میں رپورٹ پیش کردی کہ حضور ﷺ معلوم ہوتا ہے بنی مصطلق تو اسلام سے پھر گئے۔ پھر آپ (ﷺ) نے تحقیق کے لئے حضرت خالدؓ کو بھیجا اور فرمادیا کہ اچھی طرح تحقیق کرنا اور ایک روایت ہے کہ بنی مصطلق کے لوگ خود حاضر ہوئے۔ ممکن ہے کہ دونوں باتیں ہوئی ہوں۔ غرض کہ ثابت ہوگیا کہ بات بے اصل تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حاصل یہ ہے کہ بیشتر نزاعات اور مناقشات کی ابتداء چونکہ جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے۔ اس لئے اول اختلاف وتفریق کے اسی سرچشمہ کو بند کرنے کی تلقین فرمائی۔ یعنی کسی خبر کو یوں ہی بے تحقیق قبول نہ کرلیا کرو کہ بسا اوقات بعد میں پچھتانا پڑتا ہے اور اپنی جلد بازی پر ندامت ہوتی ہے۔ ولید بن عقبہؓ اگرچہ فاسق نہیں تھے اور پھر آنحضرت ﷺ نے محض ان کے کہنے پر عمل نہیں کیا بلکہ چھان بین کی اس لئے آیت میں کسی طرح اشکال نہیں رہا۔

پس فاسق کا ذکر حکم میں مبالغہ کے لئے ہے۔ اس لئے یہ لازم نہیں آتا کہ ولیدؓ فاسق تھے۔ جب آنحضرت ﷺ نے تحقیق کے بغیر کاروائی نہیں کی اسی طرح مسلمانوں کو عام حکم ہے کہ وہ بھی اس حکم کے پابند رہیں ورنہ **تقدیم بین اللہ ورسولہ** لازم آئے گی جس کی ممانعت پہلے ہوچکی ہے۔

غرضیکہ آیت سے نہ ولید کا فاسق ہونا لازم آیا اور نہ یہ شبہ رہا کہ آپ ﷺ نے بے تحقیق کاروائی کرنی چاہی ہوگی۔ کیونکہ آیت میں آنحضرت ﷺ مخاطب ہی نہیں ہیں جب کہ عام مومنین کو حکم ہے اس میں حضور ﷺ کی اقتداء کرو۔

## چند شبہات کا ازالہ:

یہاں مطلق خبر کے مقبول یا غیر مقبول ہونے کی بحث کرنا ایک زائد بات ہے۔ اسی طرح صحابہؓ کے عادل یا غیر عادل ہونے کی بحث کرنا ایک زائد بات ہوگی کیونکہ ولید کا فاسق ہونا نہ آیت سے لازم آرہا ہے اور نہ ہی حدیث ثابت ہے۔ کیونکہ ممکن ہے خود ولید کو غلط فہمی ہو۔ اس پر اجماع ہے کہ اگر ہم کسی شخص کی برائی سن کر بالکل التفات نہ کریں تو جائز ہے بلکہ بعض جگہ تو تجسُس حرام ہے بلکہ منشاء اس کا یہ ہے کہ بلا تحقیق عمل نہ کیا جائے۔ یہ بحث مستقل

ہے کہ کہاں تحقیق واجب ہے اور کہاں جائز ہے اور کہاں ممنوع ہے۔

**خبر کی تحقیق کہاں ضروری ہے:**............اس میں مجمل قاعدہ یہ ہے کہ:

جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب شرعی فوت ہوتا ہو وہاں واجب ہے۔ مثلاً سلطان کسی کے مرتد ہونے کی خبر سنے تو اس پر تحقیق واجب ہے۔ تحقیق سے اگر خبر صحیح ثابت ہو تو مرتد کو توبہ کرائے ورنہ بصورت انکار قتل کر دے یا سلطان کو اطلاع ملے کہ فلاں شخص فلاں کو قتل کرنا چاہتا ہے تو چونکہ رعایا کی حفاظت اس کی ذمہ واجب ہے۔ اس لئے اس کی تحقیق بھی واجب ہے۔

لیکن جہاں یہ تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب فوت نہ ہوتا ہو اور تحقیق نہ کرنے سے نہ اس کا کوئی نقصان ہوتا ہے جس کے بارے میں خبر پہنچائی گئی ہے تو وہاں تحقیق جائز ہوگی ضروری نہ ہوگی۔ مثلاً کسی نے یہ سنا کر فلاں شخص مجھ کو مارے گا۔ اگر تحقیق کے نتیجہ میں اپنی مضرت تو دفع نہیں ہوتی مگر اس دوسرے شخص کو ناگواری ہوگی تو پھر تحقیق حرام ہوگی۔ مثلاً کسی نے سنا کہ فلاں شخص شراب پیتا ہے تو تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی نقصان نہیں مگر تحقیق کرنے سے وہ شخص فضیحت ہوتا ہے اس لئے تحقیق ممنوع ہوگی۔

**رسول ﷺ کی اطاعت کاملہ:**..................**واعلموا ان فیکم**

یعنی حضور ﷺ کا تشریف فرما ہونا ایک بڑی نعمت الہٰیہ ہے۔ اس کی قدر کرو اور کسی بات میں حتیٰ کہ دنیوی امور میں بھی خلاف ورزی نہ کرو اس فکر میں نہ رہو کہ دنیوی امور میں حضور ﷺ خود ہماری موافقت فرمایا کریں۔ یا اگر تمہاری کسی خبر یا رائے کو نہ مانیں تو برامت مانو۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا حکم کسی کی خواہشوں یا رائیوں کے تابع نہیں ہوسکتا۔ ایسا ہو تو زمین و آسمان کا کارخانہ ہی درہم برہم ہو جائے۔

حاصل یہ ہے کہ خبروں کی تحقیق کرلیا کرو حق کو اپنی خواہش اور مرضی کے تابع بنانے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ اپنی خواہشات کو حق کے تابع رکھو۔ اس طرح تمام جھگڑوں کی جڑ ہی کٹ جائے گی کیونکہ رسول عمل کرتا ہے اللہ کے حکم پر اور اسی میں تمہارا بھلا ہے۔ اگر تمہاری بات کریں تو ہر کوئی اپنے بھلے کی کہے گا۔ پھر آخر نبی ﷺ کا حکم کس

بات پر چلے گا۔ اس لئے کہ اگر تمہارا مشورہ نہ مانے تو برا نہ مانو۔ کیونکہ دنیاوی کام میں نبی ﷺ کا تمہارے مشورہ کو نہ ماننا اگر چہ اس کا خلاف مصلحت ہونا نہ فی نفسہ دشوار ہے اور نہ خلاف شان نبوت ہے۔ لیکن اول تو ایسے امور جن میں ایسا احتمال ہو شاذ و نادر ہوں گے۔ پھر ان شاذ و نادر مواقع میں اگر مصلحت فوت ہوتی ہو مگر یہ کتنی بڑی بات ہے کہ اس مصلحت کا نعم البدل یعنی رسول کی اطاعت کا اجر وثواب ضرور میسر آئے گا۔ برخلاف اس کے تمہاری رائے پر عمل ہو کہ شاذ و نادر ایسے امور بھی نکلیں گے جن میں مصلحت پوری ہوتی ہے لیکن وہ متعین نہیں ہیں اور پھر وہ بھی بہت ہی کم ہوں گے زیادہ احتمال تو مضرت ہی کا ہے پھر اس مضرت کا کوئی تدارک نہیں۔

بہر حال اگر حضور ﷺ لوگوں کا کہنا مانتے ہی رہتے تو تم بڑی مصیبت میں پڑ جاتے۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے مومنین کاملین کے دلوں میں ایمان کو محبوب و مرغوب بنا دیا اور اس کی ضد کفر کی اور فسق یعنی گناہ کبیرہ کی اور عصیان یعنی گناہ صغیرہ کی نفرت ڈال دی۔ جس سے تم کو ہر وقت رضائے رسول کی جستجو رہتی ہے اور تم وہ احکام مان لیتے ہو جو موجب رضائے رسول ہیں۔ جس مجمع میں اللہ کا رسول ﷺ جلوہ افروز ہوں وہاں کسی کی رائے وخواہش کی پیروی کہاں ہوسکتی۔ یہ دنیوی امور میں بھی اطاعت رسول ضروری ہے بدون اطاعت مطلقہ ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔ ایمان کامل کی ترغیب پہلے سے موجود ہے پس اس طرح تم نے اس حکم کو بھی فوراً قبول کرلیا اور ایمان کی تکمیل کرلی۔ آج اگر چہ حضور ﷺ ہمارے درمیان نہیں ہیں مگر حضور ﷺ کی تعلیم اور آپ کے نائب و وارث یقیناً موجود ہیں اور رہیں گے۔

اللہ علیم حکیم: اللہ سب کی استعدد کو جانتا ہے اور ہر ایک کو اپنی حکمت عملی سے وہ احوال ومقامات مرحمت فرماتا ہے۔ یہ جو اس کی استعدد کے مناسب ہوں۔ اس کے احکام میں بھی مصالح کی رعایت موجود ہوتی ہے۔ حکماء اسلام بھی ان سے واقف ہیں۔

(کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

## خلاصۂ تفسیر

اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں جو خدا کی بڑی نعمت ہیں۔ اس نعمت کا شکر کرنا یہ ہو گا کہ کسی بات میں تم ان کے خلاف مت کرو چاہے دنیوی ہی کیوں نہ ہو اور اس فکر میں مت پڑو کہ اُمور دنیوی میں خود حضور ﷺ ہماری رائے کی موافقت فرمایا کریں۔ کیونکہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ اس میں تمہارا کہنا مانا کریں تو تم کو بڑی مضرت پہنچے کیونکہ اگر وہ مصلحت کے خلاف ہو تو ضرور اس کے موافق عمل کرنے میں مضرت ہو گی بخلاف اس کے کہ آپ ﷺ کی رائے پر عمل کیا جائے کیونکہ امور دنیوی ہونے کے باوجود اس میں خلاف مصلحت ہونے کا احتمال ہے لیکن خلاف شان نبوت نہیں۔ لیکن اول تو ایسے امور جن میں ایسا احتمال ہو شاذ و نادر ہوں گے پھر اگر ہوں بھی اور ان میں مصلحت فوت ہو بھی جائے تو یہ کتنی بڑی بات ہے کہ اس مصلحت کا نعم البدل یعنی اجر و ثواب اطاعت رسول کا ضرور ہی میسر ہو گا۔ بخلاف اس کے تمہاری رائے پر عمل ہو کہ گو شاذ و نادر ایسے امور کبھی نکلیں گے جن میں مصلحت تمہاری رائے کے موافق ہو۔ لیکن متعین تو ہیں نہیں اور پھر بہت ہی کم ہوں گے زیادہ احتمال مضرت ہی کا ہے۔ پھر اس مضرت کا کوئی تدارک نہیں اور اس تقریر سے فائدہ کثیر کی قید کا بھی معلوم ہو گیا۔ بہر حال اگر آپ ﷺ تم لوگوں کی موافقت کرتے تو تم بڑی مصیبت میں پڑتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو مصیبت سے بچالیا۔ اس طرح سے کہ تم کو ایمان کامل کی محبت دی اور اس کی تحصیل کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر وفسق یعنی گناہ کبیرہ اور مطلق معصیان یعنی گناہ صغیرہ سے تم کو نفرت دیدی۔ جس سے تم کو ہر وقت رضائے رسول کی جستجو رہتی ہے اور جس سے تم ان احکام کو مان لیتے ہو جو رضائے رسول کے موجبات ہیں۔ چنانچہ جب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ امور دنیویہ میں بھی رسول کی اطاعت واجب ہے اور اطاعت مطلقہ کے بغیر ایمان کامل نہیں رہتا اور ایمان کامل کی تحصیل کی رغبت کر لی ایسے لوگ جو کہ تکمیل ایمان کے شوقین ہیں خدا تعالیٰ کے فضل اور انعام سے راہ راست پر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو یہ احکام فرمائے ہیں تو وہ ان کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے اور چونکہ حکمت والا ہے اس لئے ان احکام کو واجب کر دیا ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

## معارف ومسائل

واقعہ حضرت ولید بن عقبہ ؓ اور قبیلہ بنی المصطلق میں مذکور ہے جس میں ولید بن عقبہ نے بنی المصطلق کے متعلق یہ خبر دی تھی کہ وہ مرتد ہو گئے اور مذکورہ زکوۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر صحابہ کرام ؓ میں بھی اشتعال پیدا ہوا۔ ان کی رائے یہ تھی کہ ان لوگوں پر جہاد کے لئے مجاہدین کو بھیج دیا جائے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ولید بن عقبہ ؓ کی خبر کو قرآئن قویہ کیخلاف سمجھ کر قبول نہ کیا اور تحقیقات کے لئے حضرت خالد بن ولید ؓ کو نامزد فرما دیا۔ قرآن کریم نے اس کو قانون بنا دیا کہ جس شخص کی خبر میں قرآئن قویہ سے کوئی شبہ ہو جائے تو قبل از تحقیق اس پر عمل جائز نہیں۔ اس آیت میں صحابہ کرام ؓ کو ایک اور ہدایت کی گئی ہے کہ اگر چہ بنی المصطلق کے متعلق خبر ارتداد سن کر تمہارا جوش غیرت دینی کے سبب تھا مگر تمہاری رائے صحیح نہ تھی۔ اللہ کے رسول نے جو صورت اختیار کی وہ ہی بہتر صورت تھی۔ مقصد یہ ہے کہ مشورہ طلب امور میں کوئی رائے دے دینا تو درست ہے۔ لیکن یہ کوشش کرنا کہ رسول اللہ ﷺ تمہاری رائے کی مطابق ہی عمل کریں یہ درست نہیں۔ کیونکہ امور دنیویہ میں اگر چہ شاذ و نادر رسول اللہ ﷺ کی رائے خلاف مصلحت ہونیکا امکان ضرور ہے جو شان نبوت کیخلاف نہیں لیکن حق تعالیٰ نے جو فراست اور دانش اپنے رسول کو عنایت فرمائی ہے وہ تمہیں حاصل نہیں ہے۔ اسلئے اگر رسول اللہ ﷺ تمہاری رائے پر چلا کریں تو بہت سے معاملات میں نقصان مصیبت میں پڑ جاؤ گے اور کہیں شاذ و نادر تمہاری رائے ہی میں مصلحت ہو اور تم اطاعت رسول کیلئے اپنی رائے کو چھوڑ دو۔ جس سے تمہیں کچھ دنیوی نقصان ہو بھی گیا تو اطاعت رسول کا اجر و ثواب اسکا بہتر بدل موجود ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

21:5 ۔ لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ
وَ رَسُوۡلَہٗ وَلَوۡ کَانُوۡۤا اٰبَآءَھُمۡ اَوۡاَبۡنَآءَھُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَھُمۡ اَوۡعَشِیۡرَتَھُمۡ ؕ
اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِھِمُ الۡاِیۡمَانَ وَاَ یَّدَھُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ ؕ وَیُدۡخِلُھُمۡ جَنّٰتٍ
تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِھَا الۡاَنۡھٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡھَا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ ؕ
اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَO

( المجادلہ- 58:22 )

جولوگ خدا پراورروز قیامت پرایمان رکھتے ہیں تم ان کوخدااوراس کے رسول (ﷺ) کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان (پتھر پرلکیر کی طرح) تحریر کردیا ہے اورفیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔ اوروہ ان کو بہشتوں میں جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں داخل کرے گا ہمیشہ ان میں رہیں گے خدا ان سے خوش اوروہ خدا سے خوش ہیں۔ یہی گروہ خدا کالشکر ہے (اور) سن لکھو کہ خدا ہی کالشکر مراد حاصل کرنیوالا ہے۔

You will not find those who believe in Allah and in the Hereafter having friendship with those who oppose Allah and His Messenger (ﷺ), even though they may be their fathers or their sons or their brothers or their clan. They are such that Allah has inscribed faith on their hearts, and has supported them with a spirit from Him. He will admit them to gardens beneath which rivers flow, in which they will live forever. Allah is pleased with them, and they are pleased with Allah. Those are the party of Allah. Be assured that it is (the members of) the party of Allah that are the sucessful.

ا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ۔ اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ کافروں کی دوستی سے مومن کے ایمان میں خرابی آ جاتی ہے مومن کسی کافر سے دوستی نہیں کرتا خواہ کافر اس مومن سے کتنا ہی قریب ترین رشتہ رکھتا ہو۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول حاطب بن ابی بلتعہؓ کے حق میں ہوا حاطب بن ابی بلتعہؓ نے مکہ والوں کو رسول اللہ ﷺ کے بعض مخفی ارادوں کی اطلاع کے لئے ایک تحریر بھیج دی تھی جو راستہ ہی میں پکڑی گئی تھی تفصیلی واقعہ کا بیان سورۃ ممتحنہ میں ہے۔

ابن المنذر نے بحوالہ جریج بیان کیا ہے ابوقحافہ ؓ نے (مسلمان ہونے سے پہلے) رسول اللہ ﷺ کو کچھ برا کہا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے باپ ابوقحافہ ؓ کے مکا مارا جس سے وہ گر پڑے۔ حضور ﷺ نے فرمایا! ابوبکر ! کیا تم نے ایسی حرکت کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دی اگر اس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں تلوار سے ان کو مارتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے ابن سودہ کی روایت سے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ کے بارے میں ہوا۔ جنہوں نے معرکہ بدر میں اپنے باپ کو قتل کر دیا تھا۔ حاکم کی روایت کے مطابق لڑائی کے دن ابوعبیدہ کے والد ابوعبیدہ کو قتل کرنے کے درپے تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ اس سے کترا جاتے تھے۔ آخر جب اس کی طرف سے بار بار بکثرت ایسا واقعہ ظاہر ہوتا رہا اور وہ نہ مانے تو ابوعبیدہ نے ان کو قتل کر دیا۔

مقاتل بن حبان نے بوساطت مرہ ہمدانی بیان کیا کہ آیت وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ کے متعلق حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ابوعبیدہ بن جراح ؓ نے اپنے باپ عبداللہ بن جراح کو جنگ احد میں قتل کر دیا تھا۔

اَوْ اِخْوَانَهُمْ اس لئے حضرت مصعب بن عمیر ؓ جنہوں نے اپنے بھائی عبیدہ بن عمیر کو احد کے دن قتل کیا تھا۔

اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اور حضرت عمر، ؓ حضرت علی، ؓ حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ۔ حضرت عمرؓ نے بدر کی لڑائی میں اپنے ماموں عاصم بن ہشام کو قتل کیا تھا اور حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ نے بدر کے دن اپنے رشتہ داروں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا تھا۔

اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡاِیۡمَانَ یعنی اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو جما دیا ہے ان کے دلوں میں شک آ ہی نہیں سکتا۔

وَاَیَّدَهُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡهُ ؕ روح سے مراد ہے نور یا اللہ کی مدد۔ سدی نے کہا ایمان مراد ہے۔ ربیع نے کہا قرآن اور وہ استدلال جو قرآن میں مذکور ہیں بعض کے نزدیک اللہ کی رحمت مراد ہے اور بعض نے کہا جبرائیلؑ مراد ہیں۔

رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ یعنی ان کی اطاعت کی وجہ سے اللہ ان سے راضی ہوگا اور اللہ کی طرف سے عطائے ثواب پر وہ راضی ہوں گے یا یہ مراد ہے کہ دنیا میں ان کے متعلق اللہ نے جو فیصلہ کر دیا ہے اس پر وہ راضی ہیں۔

اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰهِ یہ اللہ کا گروہ ہے اس کے دین کے مددگار ہیں اللہ کے اوامر ونواہی کے پابند ہیں۔

الۡمُفۡلِحُوۡنَ فلاح دارین حاصل کرنے والے ہیں دنیا اور آخرت میں کامیاب ہونے والے ہیں۔ ہر خوف سے محفوظ و مامون ہیں۔ (تفسیر مظہری)

آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو۔ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کے قلوب کو اپنے فیض سے قوت دی ہے۔ فیض سے مراد نور ہے۔ یعنی مقتضائے ہدایت پر ظاھراً عمل و باطناً سکون قلب ہو المذکور فی قولہ تعالیٰ فَهُوَ عَلٰی نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ چونکہ یہ نور سبب ہے زیارت حیات معنویہ کا اس لئے اس کو روح سے تعبیر فرمایا۔ یہ دولت تو ان کو دنیا میں ملی کقولہ تعالیٰ اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنۡ رَّبِّهِمۡ

آخرت میں ان کو یہ نعمت ملے گی کہ ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہونگے۔ یہ لوگ کا گروہ ہے خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔

## مسلمانوں کی دلی دوستی کسی کافر سے نہیں ہوسکتی:

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّاللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ ﴾

مومنین مخلصین کا حال بیان فرمایا ہے کہ وہ کسی ایسے شخص سے دوستی اور دلی تعلق نہیں رکھتے جو اللہ کا مخالف یعنی کافر ہے۔ اگر چہ وہ ان کا باپ یا اولاد یا بھائی یا اور قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔

صحابہ کرامؓ میں سب ہی کا حال یہ تھا اسی جگہ مفسرین نے بہت صحابہ کرام کے واقعات ایسے بیان کئے ہیں جن میں باپ بیٹے، بھائی وغیرہ سے جب کوئی بات اسلام یا رسول اللہ ﷺ کے خلاف سنی تو سارے تعلقات کو بھلا کر ان کو سزا دی بعض کو قتل کیا۔

عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے عبداللہ کے سامنے اس کے منافق باپ نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمہ بولا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اجازت طلب کی کہ میں اپنے باپ کو قتل کردوں۔ یہ اور ان کے مثال بہت سے واقعات صحابہ کرام کے پیش آئے۔ ان پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں۔ (قرطبی)

مسئلہ: بہت سے حضرات فقہاء نے یہی حکم فساق و فجار اور دین سے عملاً منحرف مسلمانوں کا قرار دیا ہے کہ ان کے ساتھ دلی دوستی کسی مسلمانوں کی نہیں ہوسکتی۔ کام کاج کی ضرورتوں میں اشتراک یا مصاحبت بقدر ضرورت الگ چیز ہے۔ دل میں دوستی کسی فاسق و فجور کے جراثیم خود اس کے اندر موجود ہوں گے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ لِفَاجِرٍ عَلَيَّ يَدًا یعنی یا اللہ مجھ پر کسی فاجر آدمی کا احسان نہ آنے دیجئے کیونکہ شریف النفس انسان اپنے محسن کی محبت پر طبعاً مجبور ہوتا ہے۔ اس لئے فساق و فجار کا احسان قبول کرنا جو ذریعہ ان کی محبت کا بنے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے بھی پناہ مانگی ہے۔ (قرطبی)

وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ یہاں روح کی تفسیر بعض حضرات نے نور سے کی ہے جو منجانب اللہ مومن کو ملتا ہے اور وہی اس کے عمل صالح کا اور قلب کے سکون و اطمینان کا ذریعہ ہوتا ہے اور یہ سکون واطمینان ہی بڑی قوت ہے۔

(قرطبی) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(تفسیر معارف القرآن)

21:6 ۔ مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ یَهۡدِ قَلۡبَهٗ ؕ

وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ" O

(التغابن - 64:11)

کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں پہنچ سکتی اور جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے

وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور خدا ہر چیز سے باخبر ہے۔

No calamity befalls (one) , but with the leave of Allah. And whoever believes in Allah, He guides his heart. Allah is All-Knowing about every thing.

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ پر ایمان لانا، اس کی تصدیق کرنا اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ اس نے کہا! حضرت میں کوئی آسان کام چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! جو فیصلہ قسمت کا تجھ پر جاری ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ کا گلہ شکوہ نہ کر۔ اس کی رضا پر راضی رہ۔ یہ اس سے ہلکا امر ہے۔ اس کے بعد کی آیات اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے کہ امور شرعی میں ان طاعتوں سے سرمو تجاوز نہ کرو۔ جس کا حکم ملے بجالاؤ۔ جس سے روکا جائے رک جاؤ۔ اگر تم اس کو ماننے سے اعراض کرتے تو ہمارے رسول ﷺ پر کوئی بوجھ نہیں۔ ان کے ذمہ صرف تبلیغ تھی جو وہ کر چکے۔ اب عمل نہ کرنے کی سزا تمہیں اٹھانا پڑے گی۔ پھر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد صمد ہے اس کے سوا کسی کی ذات کسی طرح عبادت کے لائق نہیں۔ یہ خبر معنی میں طلب کے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانو۔ اخلاص کے ساتھ صرف اسی کی عبادت کرو۔ پھر فرماتا ہے چونکہ توکل اور بھروسہ کے لائق بھی وہی ہے۔ اسی پر بھروسہ رکھو۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے (ترجمہ) مشرق اور مغرب کا رب وہی ہے۔ معبود حقیقی بھی اس کے سوا کوئی نہیں تو اس کو اپنا کارساز بنالے۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

اور کوئی مصیبت بغیر حکم خدا کے نہیں آتی اور جو شخص اللہ پر پورا ایمان لاتا ہے اللہ اس کے دل کو صبر کی راہ دکھا دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

**مَـآ اَصَـابَ مِـنْ مُّصِيْبَةٍ .** جو یعنی کسی شخص کو کسی طرح کی کوئی مصیبت نہیں پہنچی مگر اللہ کے اذن سے۔ اذن سے مراد تقدیر خداوندی اور ارادہ الٰہی۔

**وَمَـنْ يُّؤْمِنْ بِـاللّٰهِ .** یعنی جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ اس پر جو مصیبت آتی ہے وہ بغیر اذن خدا کے نہیں آتی اور یقین رکھتا ہے کہ آنے والی مصیبت چوکتی اور ٹلتی نہیں اور نہ آنے والی آتی نہیں۔

**يَهْدِ قَلْبَهٗ .** یعنی اللہ اس کو صبر اور تسلیم و رضا کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔

ابن دیلمی کا بیان ہے کہ میں حضرت ابی بن کعبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے دل میں تقدیر کے متعلق کچھ شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ اب آپ کوئی حدیث بیان فرما دیجئے تا کہ اللہ میرے دل سے شبہ کو دور کر دے۔ حضرت ابیؓ نے فرمایا! اگر اللہ تمام آسمان والوں اور زمین کے باشندوں کو عذاب دے تو دے سکتا ہے اور وہ ظالم نہیں قرار پائے گا اور اگر ان پر اپنی رحمت کرے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوں گی اور اگر کوہِ احد کے برابر سونا تم راہ خدا میں خرچ کرو گے تو جب تک تمہارا ایمان تقدیر پر نہ ہوگا اللہ قبول نہیں فرمائے گا۔ جان رکھو کہ جو کچھ تم کو ملنے والا ہے وہ تم سے چوکے گا نہیں اور جو ملنے والا نہیں وہ ملے گا نہیں۔ اگر اس عقیدے کے خلاف (دوسرے مخالف عقیدے پر) تم مر جاؤ گے تو دوزخ میں جاؤ گے۔ اس کے بعد میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جا کر یہی دریافت کیا حضرت عبداللہؓ نے بھی حضرت ابی بن کعبؓ کے جواب کی طرح جواب دیا پھر میں حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ پھر میں حضرت زید بن ثابتؓ کی خدمت میں گیا اور یہی سوال کیا تو آپ نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث اسی طرح سنائی۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ)

**وَاللّٰـهُ بِـكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ** ۔ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے یہاں تک کہ دلوں کو اور ان کے احوال کو بھی جانتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

## خلاصہ تفسیر

اس طرح کفر آخرت کی فلاح سے کلیۃ مانع ہے۔ اسی طرح اموال واولاد اور بیوی وغیرہ میں مشغول ہو کر خدائے تعالیٰ کے احکام میں کوتاہی کرنا بھی ایک درجہ فلاح آخرت سے مانع ہے۔ اس لئے مصیبت میں تو یہ سمجھنا چاہئے کہ کوئی مصیبت بدون خدا کے حکم کے نہیں آتی اور یہ سمجھ کر صبر رضا اختیار کرنا چاہئے۔ اور جو شخص اللہ پر پورا ایمان رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو صبر و رضا کی راہ دکھا دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے کہ کس نے صبر و رضا اختیار کیا اور کس نے نہیں کیا۔ ہر ایک حسبِ حکمت جزا وسزا دیتا ہے۔ اللہ کا کہنا مانو اور رسول ﷺ کا کہنا مانو اور اگر تم اطاعت سے اعراض کرو گے تو یاد رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ جس کو وہ باحسن وجوہ کر چکے ہیں اس لئے ان کا تو کوئی ضرر نہیں تمہارا ہی ضرر ہوگا اور چونکہ اللہ کو ضرر ہونے کا احتمال ہی نہیں اس لئے اس کو یہاں بیان نہیں کیا۔ تم لوگوں کو اور بالخصوص اہل مصیبت کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود بننے کے قابل نہیں اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر مصائب وغیرہ میں توکل رکھنا چاہیے۔

اے ایمان والو! جیسا مصیبت میں تم کو صبر و رضا کا حکم کیا گیا ہے۔ اسی طرح نعمت کے بارے میں تم کو منہمک نہ رہنے کا حکم کیا جاتا ہے۔ پس نعمت کے بارے میں یوں سمجھنا چاہئے کہ تمہاری بعض بیبیاں اور اولاد تمہارے دین کے دشمن ہیں۔ جبکہ وہ اپنے نفع دنیوی کے واسطے تم کو ایسی بات کا حکم کریں جو تمہارے لئے مضر آخرت ہو۔ تم ان سے یعنی ایسوں سے ہوشیار رہو اور ان کے ایسے امر پر عمل مت کرو۔ اگر تم کو ایسی فرمائشوں پر غصہ آئے اور تم ان پر تشدد کرنے لگو اور وہ اس وقت معذرت اور توبہ کریں اور تم اس وقت ان کی وہ خطا معاف کر دو۔ یعنی سزا نہ دو اور درگذر کر جاؤ یعنی زیادہ ملامت نہ کرو اور بخش دو۔ یعنی اس کو دل سے اور زبان سے بھلا دو تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کا بخشنے والا اور تمہارے حال پر رحم کرنے والا ہے۔ اس میں ترغیب ہے عفو کی اور یہ بعض اوقات واجب ہے۔ جبکہ سزا و تکلیف سے احتمال غالب بے باکی کا ہو اور بعض اوقات مستحب ہے۔ آگے اولاد کے ساتھ اموال کے متعلق بھی اسی قسم کا مضمون ہے کہ تمہارے اموال اور اولاد بس تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہے کہ دیکھیں کہ کون ان میں پڑ کر خدا کے احکام کو بھول جاتا ہے اور کون یاد رکھتا ہے اور جو شخص ان میں پڑ کر اللہ کو یاد رکھے

گا تو اللہ کے پاس اس کے لئے بڑا اجر ہے۔ تو ان سب باتوں کو سن کر جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور اس کے احکام سنو اور مانو اور بالخصوص مواقع حکم میں خرچ بھی کیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔

(تفسیر معارف القرآن)

## معارف ومسائل

یعنی کسی کو کوئی مصیبت اللہ کے اذن کے بغیر نہیں پہنچتی۔ جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو ہدایت فرما دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ امر تو اپنی جگہ ایک یقینی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن ومشیت کے بغیر کہیں کوئی ذرہ بھی نہیں ہل سکتا۔ اللہ کے اذن کے بغیر نہ کوئی کسی کو نقصان وتکلیف پہنچا سکتا ہے نہ نفع، اور راحت۔ مگر جس شخص کا اللہ پر اس کی تقدیر پر ایمان نہیں ہوتا مصیبت کے وقت اس کے لئے قرار سکون کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔ وہ ازالہ مصیبت کے لئے ہاتھ پیر مارتا رہتا ہے۔ بخلاف مؤمن کے جس کا تقدیر الٰہی پر ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو اس پر مطمئن کر دیتا ہے کہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کے اذن ومشیت سے ہوا۔ جو کچھ مصیبت مجھے پہنچی وہ پہنچنی ہی تھی۔ اور جس مصیبت سے نجات ہوئی وہ نجات ہونا ہی تھی۔ کسی کی مجال نہیں کہ جو اس مصیبت کو مجھ پر ڈال دے اس ایمان واعتقاد کے نتیجہ میں اس کو آخرت کے ثواب کا وعدہ بھی سامنے ہوتا ہے جس سے دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت آسان ہو جاتی ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

# 22 - متقی دل

قرآن کریم میں متقی دل کا ذکر سات جگہوں پر بیان کیا ہے۔

22:1 اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَاِذَا تُلِيَتۡ

عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ O

(الانفال - 8:2 )

مومن تو وہ ہے جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

Certainly, the believers are those whose hearts are filled with awe when (the name of) Allah is mentioned; and when His verses are recited to them, it makes them more developed in faith; and in their Lord they place their trust.

## ایمان سے خالی لوگ اور حقیقتِ ایمان:

ابن عباسؓ فرماتے ہیں منافقوں کے دل میں نہ فریضے کی ادائیگی کے وقت ذکر اللہ ہوتا ہے نہ کسی اور وقت پر۔ نہ ان کے دلوں میں ایمان کا نور ہوتا ہے۔ نہ تنہائی میں نمازی رہتے ہیں نہ اپنے مال کی زکوۃ دیتے ہیں ایسے لوگ ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔ لیکن ایمانداران کے برعکس ہوتے ہیں۔ ان کے دل خالق کی یاد سے کپکپاتے رہتے ہیں۔ فرائض ادا کرتے ہیں آیاتِ الٰہی سن کر ایمان چمک اٹھتے ہیں۔ تصدیق میں بڑھ جاتے ہیں۔ رب کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے۔ اللہ کی یاد سے تھرتھراتے رہتے ہیں۔ اللہ کا ڈر ان میں سمایا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے نہ تو حکم کا خلاف کرتے ہیں نہ منع کئے ہوئے کام کو کرتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ ان سے اگر کوئی برائی سرزد ہو بھی جاتی ہے تو اللہ کو یاد کر کے معافی مانگتے ہیں اور اپنے گناہ سے استغفار کرتے ہیں۔ حقیقت میں سوائے اللہ کے کوئی گناہوں کا بخشنے والا ہی نہیں۔ یہ لوگ باوجود علم کے کسی گناہ پر اصرار نہیں کرتے۔

اورآیت میں ہے۔ ( و امامن خاف مقام ربه .... الخ )،
جوشخص اپنے رب کے پاس کھڑا ہونے سے ڈرا اوراپنے نفس کوخواہشوں سے روکا اس کا ٹھکانا جنت ہے۔ سدی فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے جی میں ظلم کرنے کی یا گناہ کرنے کی جب خواہش ہوتی ہے۔ لیکن جب ان سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو وہیں ان دل کانپنے لگتے ہیں۔ ام درداءؓ فرماتی ہیں کہ دل اللہ کے خوف سے حرکت کرنے لگتے ہیں۔ ایسے وقت انسان کو اللہ عزوجل سے دعا مانگنی چاہئے۔ ایمانی حالت بھی ان کی روز بروز زیادتی میں رہتی ہے۔ ادھر قرآنی آیات سنیں اور ایمان بڑھا۔ جیسے اور جگہ ہے کہ جب کوئی سورت اترتی ہے تو صحابہ کرامؓ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھا دیا؟ بات یہ ہے کہ ایمان بڑھ جاتے ہیں اور وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ اس آیت سے اور اس جیسی اور آیتوں سے حضرت امام الائمہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ ایمان کی زیادتی سے مراد ہے کہ دلوں میں ایمان کم یا زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ یہی مذہب جمہور امت کا ہے بلکہ کئی ایک نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ جیسے شافعیؒ ، احمد بن حنبلؒ، ابوعبیدہؒ وغیرہ

ان کا بھروسہ صرف اپنے رب پر ہوتا ہے نہ اس کے سوا کسی سے وہ امید رکھیں نہ اس کے سوا کوئی ان کا مقصود نہ اس کے سوا کسی سے وہ پناہ چاہیں۔ نہ اس کے سوا کسی سے مرادیں مانگیں۔ نہ کسی اور کی طرف جھکیں۔ وہ جانتے ہیں کہ قدرتوں والا وہی ہے۔ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا ہرگز نہیں ہوتا۔ تمام ملک میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ مالک صرف وہی ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ اس کے کسی حکم کو کوئی ٹال سکتا ہے اور وہ جلد ہی حساب لینے والا ہے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں اللہ پر توکل کرنا ہی پورا ایمان ہے۔ ان مومنوں کے ایمان اور اعتقاد کی حالت بیان فرمانے کے بعد ان کے اعمال کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ نمازوں کے پابند ہوتے ہیں۔ وقت کی، وضو کی، رکوع کی، سجدے کی، کامل پاکیزگی کی، قرآن کی تلاوت، تشہد، درود شریف، سب چیزوں کی حفاظت و نگرانی کرتے ہیں۔ اللہ کے اس حق کی ادائیگی کے ساتھ ہی بندوں کے حق بھی نہیں بھولتے۔ واجب خرچ یعنی زکوۃ مستحب خرچ یعنی للہ فی اللہ خیرات برابر دیتے ہیں۔ چونکہ تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے۔ اس لئے اللہ کو سب

سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کی مخلوق کی سب سے زیادہ خدمت کرے۔ اللہ کے دیئے ہوئے کو اللہ کی راہ میں دیتے رہو یہ مال تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے۔ بہت جلد تم اسے چھوڑ کر رخصت ہونے والے ہو پھر فرماتا ہے کہ جن میں یہ اوصاف ہوں وہ سچے مومن ہیں۔

طبرانی میں ہے کہ حارث بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی ﷺ کے پاس سے گذرے تو آپ (ﷺ) نے ان سے دریافت فرمایا کہ تمہاری صبح کس حال میں ہوئی؟ انہوں نے جواب دیا کہ سچے مومن ہونے کی حالت میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سمجھ لو کہ کیا کہہ رہے ہو؟ ہر چیز کی حقیقت ہوا کرتی ہے جانتے ہو حقیقت ایمان کیا ہے؟ جواب دیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں نے اپنی خواہش دنیا سے الگ کر لیں۔ راتیں یاد الٰہی میں جاگ کر اور دن اللہ کی راہ میں بھوکے پیاسے رہ کر گذارتا ہوں۔ گویا میں اللہ کے عرش کو اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھتا رہتا ہوں اور گویا کہ میں اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ آپس میں ہنسی خوشی ایک دوسرے سے مل جل رہے ہیں اور گویا کہ میں اہل دوزخ کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ دوزخ میں جل بھن رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! حارثہ! تم نے حقیقت جان لی۔ پس اس حال پر ہمیشہ قائم رہنا۔ تین مرتبہ یہی فرمایا۔ جیسے وہ کہا کرتے ہیں کہ گو فلاں قوم میں سردار بہت سے ہیں لیکن صحیح معنی میں سردار فلاں ہے یا فلاں قبیلے میں تاجر بہت ہیں لیکن صحیح طور پر تاجر فلاں ہے۔ فلاں لوگوں میں شاعر بہت ہیں لیکن سچا شاعر فلاں ہے۔ ان کے مرتبے اللہ کے ہاں بڑے بڑے ہیں جو کچھ وہ عمل کر رہے ہیں اللہ ان کے اعمال دیکھ رہا ہے وہ ان کی لغزشوں سے درگذر فرمائے گا۔ ان کو نیکیوں کی قدردانی کرے گا۔ یہ درجے اونچے نیچے ہوں گے لیکن کسی بلند مرتبہ شخص کے دل میں یہ خیال نہ ہوگا کہ میں فلاں سے اعلیٰ ہوں اور نہ کسی ادنی درجے والوں کو یہ خیال ہوگا کہ میں فلاں سے کم ہوں۔

بخاری و مسلم میں ہے رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں علیین والوں کو نیچے کے درجے کے لوگ اس طرح دیکھیں گے۔ جیسے تم آسمان کے کناروں کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ صحابہ ؓ نے پوچھا یہ مرتبے تو انبیاء ؑ کے ہوں گے؟ کوئی اور اس مرتبے پر نہ پہنچ سکے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں؟ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں جان ہے۔ وہ لوگ بھی جو اللہ پر ایمان لائیں اور رسولوں کو سچ جانیں۔ اہل سنن کی حدیث میں ہے اہل جنت بلند درجہ جنتیوں کو ایسے دیکھیں گے۔ جیسے تم آسمان کے کناروں کے چمکیلے ستاروں کا دیکھا کرتے ہو یقیناً ابوبکر ؓ اور عمر ؓ

انہی میں ہیں اور بہت اچھے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کا کلام ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو اللہ کے کلام سے ان کے ایمان میں مزید پختگی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اپنے رب پر بھی بھروسہ رکھتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ بس سچے ایمان والے یہی ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کے ہاں بڑے درجے ہیں اور ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ یعنی کامل الایمان وہی لوگ ہیں وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ .

یعنی اللہ کی عظمت وجلال اور ہیبت وعزت سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو کسی گناہ کا ارادہ کرتے ہیں مگر جب ان سے کہا جاتا ہے اللہ سے ڈرو ایسا نہ کرو تو اللہ کے عذاب کے خوف سے وہ اس گناہ سے باز رہتے ہیں۔ اس صورت میں ذُكِرَ اللّٰهُ میں اللہ سے پہلے مضاف محذوف ہوگا۔ یعنی اللہ کے عذاب کی وعید کا ذکر ان سے کیا جاتا ہے۔

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا اور جب ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو چونکہ تلاوت قرآن کے وقت برکات کا نزول ہوتا ہے اور ایمان بخش دلائل پیہم سامنے آتے ہیں۔ جن کی وجہ سے یقین راسخ ہو کر اطمینان قلبی بڑھ جاتا ہے اس لئے ایمان میں مزید استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔

وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ اور وہ اپنے تمام کام اللہ ہی کے سپرد کر دیتے ہیں۔ نہ اللہ کے سوا کسی سے امید رکھتے ہیں نہ خوف۔

(تفسیر مظہری)

بس ایمان والے تو وہی لوگ ہوتے ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر آتا ہے تو اس کی عظمت سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کر

دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ اور جو کہ نماز کی اقامت کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ بس سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں۔ ان کے لئے بڑے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔

(تفسیر معارف القرآن)

## مؤمن کی مخصوص صفات:

ان مخصوص صفات کا بیان ہے جو ہر مؤمن میں ہونا چاہئے اس میں اشارہ ہے کہ ہر مؤمن اپنی ظاہر اور باطنی کیفیات اور صفات کا جائزہ لیتا رہے۔ اگر یہ صفات اس میں موجود ہیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرے کہ اس نے اس کو مؤمنین کی صفات عطا فرمادی۔ اور اگر ان میں سے کوئی صفت موجود نہیں یا ہے مگر ضعیف و کمزور ہے تو اس کے حاصل کرنے یا قوی کرنے کی فکر میں لگ جائے۔

## پہلی صفت خوف خدا:

پہلی صفت یہ بیان فرمائی **الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ** یعنی جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل سہم جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت ان کے دلوں میں رچی اور بھری ہوئی ہے جس کا ایک تقاضا ہیبت وخوف ہے۔ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں اس کا ذکر کر کے اہل محبت کو بشارت دی گئی ہے۔

**وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ**

یعنی خوشخبری دے دیجئے ان متواضع نرم خو لوگوں کو جن کے دل ڈر جاتے ہیں جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد کے ایک خاص تقاضا کا ذکر ہے یعنی ہیبت اور خوف سے ایک اور آیت میں ذکر اللہ کی یہ خاصیت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ اس سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں۔

**اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ** یعنی اللہ ہی کی یاد سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں جس خوف و ہیبت کا ذکر ہے وہ دل کے سکون واطمینان کے خلاف نہیں۔ جیسے کسی درندے یا دشمن کا خوف قلب کے سکون کو برباد کر دیتا ہے۔ ذکر اللہ کے ساتھ دل میں پیدا ہونے والا خوف اس سے بالکل مختلف ہے۔ اسی لئے یہاں لفظ خوف استعمال نہیں فرمایا وَجِل دل کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس کا ترجمہ مطلق خوف نہیں۔ بلکہ وہ ہیبت ہے جو بڑوں کی جلالت شان کے سبب دل میں پیدا ہوتی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس جگہ اللہ کے ذکر اور یاد سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی گناہ کے ارتکاب کا ارادہ کر رہا تھا اسی حال میں اس کو اللہ تعالیٰ کی یاد آ گئی تو وہ اللہ کے عذاب سے ڈر گیا اور گناہ سے باز آ گیا اس صورت میں خوف سے مراد خوف عذاب ہی ہوگا۔ (بحر محیط)

## دوسری صفت ایمان میں ترقی:

مومن کی دوسری صفت یہ بتلائی کہ جب اس کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ ایمان بڑھنے کے ایسے معنی جن پر سب علماء مفسرین ومحدثین کا اتفاق ہے یہ ہیں کہ ایمان کی قوت و کیفیت اور نور ایمان میں ترقی ہو جاتی ہے۔ اور یہ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اعمال صالحہ سے ایمان میں قوت اور ایسا شرح صدر پیدا ہو جاتا ہے کہ اعمال صالحہ اس کی عادت طبعی بن جاتے ہیں۔ جس کے چھوڑنے سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اور گناہ سے اس کو طبعی نفرت پیدا ہو جاتی ہے اس لئے وہ ان کے پاس نہیں جاتا۔ ایمان کے اسی مقام کو حدیث میں حلاوت ایمان کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے جس کو کسی نے اس طرح نظم کیا ہے۔

و اذا حلت الحلاو ة قلبا نشطت فی العباد ة الا عضاء

یعنی جب کسی دل میں حلاوت ایمان جگہ پکڑ لیتی ہے تو اس کے ہاتھ پیر اور سب اعضاء عبادت میں راحت ولذت محسوس کرنے لگتے ہیں۔

مؤمن کامل کی یہ صفت ہونی چاہئے کہ جب اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جائیں تو اس کے ایمان میں جلاء و ترقی ہو۔ اور اعمال صالحہ کی طرف رغبت بڑھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس طرح عام مسلمان پڑھتے ہیں اور سنتے ہیں کہ نہ قرآن کے ادب واحترام کا کوئی اہتمام ہے نہ اللہ جل شانہ کی عظمت پر نظر ہے

ایسی تلاوت مقصود اور اعلیٰ نتائج پیدا کرنے والی نہیں گو ثواب سے وہ بھی خالی نہ ہو۔

## تیسری صفت اللہ پر توکل:

تیسری صفت مؤمن کہ یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے۔ توکل کے معنی اعتماد اور بھروسہ کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے تمام اعمال واحوال میں اس کا مکمل اعتماد اور بھروسہ صرف ذات واحد حق تعالیٰ پر ہو۔ صحیح حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ اپنی ضروریات کے لئے مادی اسباب اور تدابیر کو ترک کر کے بیٹھا جائے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ مادی اسباب وآلات کو اصل کامیابی کے لئے کافی نہ سمجھے۔ بلکہ بقدر قدرت وہمت مادی اسباب اور تدابیر کو فراہم کرنے اور استعمال کرنے کے بعد معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے۔ اور سمجھے کہ اسباب بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ان اسباب کے ثمرات بھی وہی پیدا کرتے ہیں۔ ہوگا وہی جو وہ چاہیں گے۔ ایک حدیث میں فرمایا

**اَجملوا فی الطلب و توکلوا علیه** یعنی رزق اور اپنی حاجات کے حاصل کرنے کے لئے متوسط درجہ کی طلب اور مادی اسباب کے ذریعہ کوشش کرلو۔ پھر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردو۔ اپنے دل دماغ کو صرف مادی تدبیروں اور اسباب ہی میں نہ الجھا رکھو۔

## چوتھی صفت اقامت صلوٰۃ:

چوتھی صفت مومن کی اقامت صلوٰۃ بتلائی۔ اس میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہاں نماز پڑھنے کا نہیں بلکہ نماز کی اقامت کا ذکر ہے۔ اقامت کے لفظی معنی کسی چیز کو سیدھا کھڑا کرنے کے ہیں مراد اقامت صلوٰۃ سے یہ ہے کہ نماز کے پورے آداب وشرائط اس طرح بجالائے۔ جس طرح رسول کریم ﷺ نے قول وعمل سے بتلائے ہیں۔ آداب وشرائط میں کوتاہی ہوئی تو اس کو نماز پڑھنا تو کہہ سکتے ہیں مگر اقامت صلوٰۃ نہیں کہہ سکتے۔ قرآن مجید میں نماز کے جو فوائد اور آثار اور برکات ذکر کی گئی ہیں اور فرمایا گیا ہے

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ یعنی نماز روکتی ہے بے حیائی اور ہر گناہ سے۔ یہ بھی اقامت صلوٰۃ ہی پر موقوف ہے۔ جب نماز کے آداب میں کوتاہی ہوئی تو گو فتویٰ کی رو سے اس کی نماز کو جائز ہی کہا جائے مگر نماز کی برکات میں کوتاہی کی مقدار پر فرق پڑ جائے گا۔ بعض صورتوں میں ان برکات سے کلی طور پر محرومی ہو جائے گی۔

## پانچویں صفت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا:

پانچویں صفت مرد مؤمن کی یہ بیان فرمائی کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کو رزق دیا ہے وہ اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ یہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا عام ہے۔ تمام صدقات و خیرات کو جس میں زکوٰۃ، صدقۃ الفطرہ وغیرہ واجبات شرعی بھی داخل ہیں اور نفلی و صدقات و تبرکات بھی، مہمانوں، دوستوں، بزرگوں کی مالی خدمت بھی۔

مرد مؤمن کی یہ پانچ صفات بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا

اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا یعنی ایسے ہی لوگ سچے مومن ہیں۔ جن کا ظاہر و باطن یکساں اور زبان اور دل متفق ہیں ورنہ جن میں یہ صفات نہیں وہ زبان سے تو کہتے ہیں

اَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰہِ

مگر ان کے دلوں میں نہ توحید کا رنگ نہ اطاعت رسول کا ان کے اعمال ان کے اقوال کے تردید کرتے ہیں۔ اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے جب وہ حاصل نہ ہو حق حاصل نہیں ہوتا۔ اس میں سچے مومنین کے لئے تین چیزوں کو وعدہ فرمایا ایک درجات عالیہ، دوسرے مغفرت، تیسرے رزق عمدہ۔

تفسیر بحر محیط میں سچے مومنین کی جو صفات بیان ہوئی ہیں وہ تین قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق قلب اور باطن کے ساتھ ہے۔ جیسے ایمان، خوف خدا، توکل علی اللہ دوسرے وہ جن کا تعلق جسمانی اعمال سے ہے جیسے

نماز وغیرہ تیسرے وہ جن کا تعلق انسان کے مال سے ہے جیسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

ان تینوں قسموں کے بالمقابل تین انعاموں کا ذکر آیا ہے۔ درجات عالیہ قلبی اور باطنی صفات کے مقابلہ میں اور مغفرت ان اعمال کے مقابلہ میں جو انسان کے ظاہر بدن سے متعلق ہیں جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نماز گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اور رزق کریم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بالمقابل آیا ہے کہ جو کچھ خرچ کیا اس سے بہت بہتر اور بہت زیادہ اس کو آخرت میں ملے گا۔

(تفسیر معارف القرآن)

22:2۔ ذٰلِکَ ۚ وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ O

(الحج- 22:32)

یہ (ہمارا حکم ہے) اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو خدا نے مقرر کی ہوئی ہیں عظمت رکھے گا تو یہ (فعل) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے۔

Having Said that, if one observes the sanctity of the symbols of Allah. then such things emanate from the piety of the hearts.

ذٰلِکَ (حقیقت) یہی ہے۔

ذٰلِکَ ۚ وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡب

اور جو شخص دین خداوندی کی ان مذکورہ یادگاروں کا پورا لحاظ رکھتا ہے تو اس کا یہ لحاظ رکھنا دلوں کے اندر بیٹھے ہوئے خوف خدا کی وجہ سے ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا شعائر اللہ سے مراد وہ اونٹ اور قربانی کے جانور ہیں جو قربانی کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ یہ لفظ اشعار سے ماخوذ ہے اشعار کا معنی نشانی بنا دینا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ قربانی کا جانور ہے اور تعظیم شعائر سے مراد ہے قربانی کے جانوروں کی عزت کرنا۔ صحیح روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

سواونٹوں کی قربانی کی تھی۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضرت حمزہؓ نے ایک بختی اونٹنی کی قربانی کی جس کی قیمت خریداروں نے تین سودینار لگائی تھی۔

فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْب کا یہ مطلب ہے کہ شعائراللہ کی تعظیم پاک دل والوں کے اعمال میں سے ایک عمل ہے۔

(تفسیر مظہری)

فقہاء نے کہا کہ غیراللہ کی تعظیم مستقلاً تو ممنوع وناجائز ہے۔ لیکن خدا کی طرف نسبت ہونے کے لحاظ سے جائز ہے۔ بعض بزرگوں نے اس سے دومسئلے اخذ کئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ تقوے کا تعلق قلب سے ہے اور دوسرے یہ کہ شعائر دین کی تعظیم حدودشرعی کے اندر رہتے ہوئے یہ خود مشروع ہے۔

فرمایا گیا کہ ان جانوروں سے ایک وقت معین تک تم فائدہ اٹھاسکتے ہومثلاً سواری کا کام لینا، باربرداری کرنا اوردودھ پینا وغیرہ، مگر یہ اسی وقت تک ہے جب تک کہ اسے قربانی کے لئے خاص نہ کردیا گیا ہو۔ لیکن جب اسے قربانی کے لئے مخصوص کردیا گیا ہواور سے ''ہدی'' بنادیا گیا ہو توبلاضرورت فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔

پھرارشادہوا کہ ان قربانی کے جانوروں کوذبح کرنے کی جگہ حدودحرم ہے وہیں ان کی قربانی ہونی چاہئے۔

(کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

جوشخص اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کی وقعت کرے گا سو یہ اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔ احکام کی وقعت کرنے میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کا علم بھی حاصل کرے اور یہ بھی کہ ان پر عمل کا اہتمام کرے اوراحکام خداوندی کی وقعت کا اس کے لئے بہتر ہونا اس لئے ہے کہ وہ عذاب سے نجات اور دائمی راحت کا سامان ہے اور مخصوص چوپاؤں کو باستثنائی ان بعض بعض کے جوتم کو پڑھ کرسنادیئے گئے ہیں۔

یعنی سورۃ انعام وغیرہ کی آیت قُلْ لَّآاَجِدُ فِيْمَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا میں حرام جانوروں کی تفصیل بتلادی گئی ہے۔ ان کے سوادوسرے چوپائیوں کوتمہارے لئے حلال کردیا گیا ہے۔

جب دین و دنیا کی بھلائی احکام خداوندی کی تعظیم میں منحصر ہے تو تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے کنارہ کش رہو۔ کیونکہ بتوں کو خدا کے ساتھ شریک کرنا تو حکم الٰہی سے کھلی بغاوت ہے۔ اس جگہ شرک سے بچنے کی ہدایت خاص طور پر اس لئے کی گئی کہ مشرکین مکہ اپنے حج تلبیہ پڑھتے تھے۔ اس میں **(الا شریکا ھو لک)** ملا دیتے تھے۔ یعنی اللہ کو کوئی شریک بجز ان بتوں کے نہیں ہے جو خود اسی اللہ کے ہیں اور جھوٹی بات سے بچتے رہو۔ خواہ وہ عقائد کا جھوٹ ہو جیسے مشرکین کا اعتقاد شرک یا دوسری قسم کا جھوٹ اس طور سے کہ اللہ کی طرف جھکے رہو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو اس کی حالت ایسی ہوگی جیسے گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا اس کو ہوا نے کسی دور دراز جگہ لے جا کر پٹخ دیا ہو۔ جو شخص دین خداوندی کے ان مذکورہ یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو اس کا یہ لحاظ رکھنا دل کے ساتھ خدا سے ڈرنے سے حاصل ہوتا ہے یادگاروں کا لحاظ رکھنے سے مراد احکام الٰہیہ کی پابندی ہے۔ جو قربانی کے متعلق ہیں خواہ ذبح سے قبل کے احکام ہوں یا ذبح کے وقت ہوں۔ جیسا اس پر اللہ کا نام لینا یا بعد ذبح کے ہوں جیسے اس کا کھانا یا نہ کھانا کہ جس کا کھانا جس کے لئے حلال ہے وہ کھائے جس کا کھانا جس کے لئے حلال نہیں وہ نہ کھائے۔ ان احکام میں کچھ تو پہلے بھی ذکر کئے جا چکے اور کچھ یہ ہیں کہ تم کو ان سے ایک معین وقت تک فوائد حاصل کرنا جائز ہے۔ یعنی جب تک وہ قواعد شرعیہ کے مطابق ہدی نہ بنائے جائیں تو ان سے دودھ یا سواری بار برداری وغیرہ کا فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ مگر جب ان کو بیت اللہ اور حج یا عمرہ کے لئے ہدی کا موقع بیت عتیق کے قریب ہے مراد پورا حرم ہے یعنی حرم سے باہر ذبح نہ کریں۔

**وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ** شعائر شعیرہ کی جمع ہے جس کے معنی علامت کے ہیں۔ جو چیزیں کسی خاص مذہب یا جماعت کی علامات خاص سمجھی جاتی ہوں وہ اس کے شعائر کہلاتے ہیں۔ شعائر اسلام ان خاص احکام کا نام ہے جو عرف میں مسلمان ہونے کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ حج کے اکثر احکام ایسے ہی ہیں۔

**مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْب** یعنی شعائر اللہ کی تعظیم دل کے تقوی کی علامت ہے۔ ان کی تعظیم وہی کرتا ہے جس کے دل میں تقویٰ اور خوف ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ کا تعلق اصل میں انسان کے دل سے ہے۔ جب اس میں خوف خدا ہوتا ہے تو اس کا اثر سب اعمال افعال میں دیکھا جاتا ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

22:3 ۔ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِى الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ O

( الحج - 22:35 )

یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خدا کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر مصیبت پڑتی ہے تو صبر کرتے ہیں اور نماز آداب سے پڑھتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔

Those whose hearts are filled with awe when Allah is remembered, and who observe patience against whatever befalls them, and who are steadfast in Salah, and who spend (in the way of Allah) out of what We have given to them.

صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت فرمایا کہ یہ قربانی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ صحابہؓ نے پھر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں اس سے کیا فائدہ ہے؟ فرمایا کہ ہر بال کے بدلے ایک نیکی اور فرمایا کہ تم سب کا خدا ایک ہے۔ اگر چہ شریعت کے احکام بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن خدا کی توحید میں کسی نبی یا رسول کا کبھی اختلاف نہیں رہا۔ لہٰذا تم سب کے سب اس کی طرف جھک جاؤ اور اس کے احکام کی پابندی کرو اور توحید کا تقاضا یہ ہے کہ غیر اللہ کے آگے بھینٹ نہ چڑھاؤ اور نہ کسی مکان کو معظم بالذات سمجھ کر اپنے اندر شائبہ شرک پیدا ہونے دو اور احکام شریعت کی پابندی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو جو خدا تعالیٰ کا ذکر سنتے ہی خوف خدا سے کانپ اٹھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی اطاعت میں لگ جاتے ہیں اور مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ احکام شریعت کے پابند ہیں اور فریضہ خداوندی کو ادا کرنے والے ہیں اور خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کو دیا ہے اسے خرچ کرتے رہتے ہیں اور فقیروں اور ضرورت مندوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرتے ہیں۔ یہ سب نتیجہ ہے توحید کا جس کے اندر توحید خالص ہوگا اس کے اندر یہ سارے کمالات ظاہری و باطنی پیدا ہو سکتے ہیں۔ ( کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین )

## خلاصۂ تفسیر

قربانی کا حرم میں ذبح کرنے کا جو حکم ہے اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ مقصود اصلی تعظیم حرم ہے بلکہ اصل مقصود اللہ ہی کی تعظیم اور اس کے ساتھ تقرب ہے۔ مذبوح اور ذبح اس کا ایک آلہ اور ذریعہ ہے۔ یہ تخصیص بعض حکمتوں کی وجہ سے ہے اور اگر یہ تخصیصات مقصود اصلی ہوتیں تو کسی شریعت میں نہ بدلتیں مگر ان کا بدلتے رہنا ظاہر ہے البتہ تقرب الی اللہ جو اصل مقصود تھا وہ سب شرائع میں محفوظ رہا۔ چنانچہ جتنے اہل شرائع گزرے ہیں ان میں سے ہر امت کے لئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو عطا فرمائے تھے، پس اصلی مقصود یہ نام لینا تھا۔ اس سے یہ بات نکل آئی کہ تمہارا معبود حقیقی ایک ہی خدا ہے تو تم ہمہ تن اسی کے ہو کر رہو۔ یعنی موحد خالص رہو۔ کسی مکان وغیرہ کو معظم بالذات سمجھنے سے ذرہ برابر شرک کا شائبہ اپنے عمل میں نہ ہونے دو۔ اور اے محمد ﷺ! جو لوگ ہماری اس تعظیم پر عمل کریں آپ ﷺ ایسے احکام الٰہیہ کے سامنے گردن جھکا دینے والوں کو جنت وغیرہ کی خوشخبری سنا دیجئے۔ جو اس توحید خالص کی برکت سے ایسے ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کے احکام وصفات اور وعدہ وعید کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جو مصیبتیں ان پر پڑتی ہیں تو صبر کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے بقدر حکم اور توفیق کے خرچ کرتے ہیں۔ یعنی توحید خالص ایسی بابرکت چیز ہے کہ اس کی بدولت کمالات نفسانیہ و بدنیہ و مالیہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح اوپر جو تعظیم شعائر اللہ میں بعض باتوں کا ممنوع ہونا معلوم ہوا ہے اس سے بھی ان قربانیوں کے معظم بالذات ہونے کا شبہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس سے بھی اصل وہی اللہ تعالیٰ کی اور اس کے دین کی تعظیم ہے اور تخصیصات اس کا ایک طریقہ ہے۔ پس قربانی کے اونٹ اور گائے اور اسی طرح بکری بھیڑ کو بھی ہم نے اللہ کے دین کی یادگار بنایا ہے کہ اس کے متعلق احکام کے علم اور عمل سے اللہ کی عظمت اور دین کی وقعت ظاہر ہوتی ہے کہ اس کے نامزد چیز سے نفع حاصل ہونے میں مالک مجازی کی رائے قابل اعتبار نہ رہے۔ جس سے اس کی پوری عبدیت اور مالک حقیقی کی معبودیت ظاہر ہوتی ہے اور اس حکمت دینی کے علاوہ ان جانوروں میں تمہارے اور بھی فائدے ہیں۔ مثلاً دنیوی فائدہ کھانا اور کھلانا اور اخروی فائدہ ثواب ہے۔ جب اس میں یہ حکمتیں ہیں تو تم ان پر کھڑے کر کے ذبح کرنے کے وقت اللہ کا نام لیا کرو۔ یہ صرف اونٹوں کے اعتبار سے فرمایا کہ ان کا کھڑے کر کے

ذبح کرنا بوجہ آسانی ذبح وخروج روح کے بہتر ہے۔ پس اس سے تو اخروی فائدہ یعنی ثواب حاصل ہوا۔ نیز اللہ کی عظمت ظاہر ہوئی کہ اس کے نام پر ایک جان قربان ہوئی۔ جس سے اللہ خالق ہونا اور بندے کا مخلوق ہونا ظاہر کر دیا گیا۔ پس جب وہ کسی کروٹ کے بل گر پڑیں اور ٹھنڈے ہو جائیں تو تم خود بھی کھاؤ بھی اور بے سوال اور سوالی محتاج کو بھی کھانے کو دو کہ یہ دنیوی فائدہ بھی ہے اور ہم نے ان جانوروں کو اس طرح تمہارے زیر حکم کر دیا کہ تم باوجود تمہارے ضعف اور ان کی قوت کے اس طرح اس کے ذبح پر قادر ہو گئے تا کہ تم اس تسخیر پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔

یہ حکمت مطلق ذبح میں یہ قطع نظر اس کی قربانی ہونے کے اور آگے ذبح کی تخصیصات کے مقصود بالذات نہ ہونے کو ایک عقلی قاعدے سے بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کو خون۔ لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ کہ نیت تقرب واخلاص پہنچتا ہے۔ پس وہی تعظیم الٰہی کی مقصودیت ثابت ہو گئی۔ تسخیر کی ایک خاص حکمت یعنی بلحاظ قربانی ہونے کے ارشاد فرماتے ہیں کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارا زیر حکم کر دیا کہ تم اللہ کی راہ میں ان کو قربانی کر کے اس بات پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو اس طرح قربانی کرنے کی توفیق دی ورنہ اگر توفیق الٰہی رہبر نہ ہوتی تو یا ذبح ہی میں شبہات نکال کر اس عبادت سے محروم رہتے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے لگتے اور اے محمد ﷺ! اخلاص والوں کو خوشخبری سنا دیجئے اس سے پہلے خوشخبری اخلاص کے شعبوں پر تھی یہ خاص اخلاص پر ہے۔

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وجل کے اصلی معنی اس خوف وہیبت کے ہیں جو کسی کی عظمت کی بنا پر دل میں پیدا ہو۔ اللہ کے نیک بندوں اور صلحا کا یہی حال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نام سن کر ان کے دلوں پر اس کی عظمت اور بڑائی کے سبب ایک خاص ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

22:4 ۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ O

(المؤ منون - 23:60)

اور جو دے سکتے ہیں وہ دیتے ہیں اور ان کے دل اس بات ڈرتے رہتے ہیں
کہ ان کو اپنے پرودگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

And those who dispense their charity with their hearts full of fear, because they will return to their Lord;-

وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ ............ جملہ حالیہ ہے یو تون کے فاعل سے ترجمہ یہ ہے کہ لوگ اعمال صالحہ کے باوجود عدم قبولیت کے اندیشہ میں رہتے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ ان کے دل ہیبت وجلال الٰہی سے لبریز ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مشہور جملہ بھی اس معنی میں ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی مخفی کارروائی سے خود کو محفوظ نہیں سمجھتا۔ اگر چہ میرا ایک پاؤں جنت ہی میں کیوں نہ ہو۔ صاوی میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خوف خدا کی وجہ سے اس قدر روتے تھے کہ ان کے رخسار پر آنسوؤں کے گڑھے پڑ گئے تھے۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن نیکی اور خوف خدا کا مجموعہ ہوتا ہے اور منافق برائی کے باوجود نڈر اور بے خوف ہوتا ہے۔ مشرکین عرب خدا تعالیٰ کی الوہیت کو مانتے ہوئے دوسروں کو اس کا شریک بھی قرار دیتے تھے۔ اسی وجہ سے شریعت میں صرف اقرار وجود باری تعالیٰ ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ نفی شریک بھی ضروری ہے۔ اسی وجہ سے اہل ایمان خدا تعالیٰ کو واحد اور بے نیاز مانتے ہیں اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتے۔ مومن کی دوسری شان یہ بیان کی گئی کہ وہ اللہ کی راہ میں خیرات کرتے رہتے ہیں اور اس سے خوفزدہ بھی رہتے ہیں کہ کہیں اس کا دینا لینا خدا کے یہاں قبول نہ ہوا ہو۔ یہ اہل ایمان وتقویٰ ہی نفع میں ہیں نہ کہ کافر ومشرکین جو اپنی دنیوی کامیابی وکامرانی پر مغرور ہو کر خود کو برحق سمجھ رہے ہیں۔

(کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

اور جولوگ اللہ کی راہ میں جو کچھ دیتے ہیں ایسی حالت میں دیتے ہیں کہ ان کے دل اس بات سے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔

**مـــــا اتـــوا** یعنی جو کچھ خیر خیرات کرتے ہیں بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ یہ آیت **یـو تـون مـا اتوا** پڑھتی تھیں تو فرماتی تھیں جو کچھ نیک کام کرتے ہیں۔ یعنی حضرت عائشہؓ کے نزدیک دینے سے مراد صرف مال دینا نہیں بلکہ ہر کار خیر کرنا مراد ہے۔

**وجلة** ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کی خیر خیرات رد نہ کر دی جائے اور قبول نہ کی جائے یا اس طریقے سے نہ ہو پائے جو بارگاہ کبریائی میں پیش ہونے کے مناسب نہ ہو اور اس پر ان کی پکڑ ہو جائے یا ان کو اپنے گناہوں کی کثرت اور اطاعت کی قلت کی وجہ سے یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ خیر خیرات بھی ان کو اللہ کے عذاب سے بچا نہ سکے۔

**اَنَّھُمۡ اِلٰی رَبِّھِمۡ رٰجِعُوۡن** یعنی ان کے دل خوف زدہ رہتے ہیں اس وجہ سے کہ ان کی واپسی اللہ کے پاس ہوگی یا من محذوف ہے یعنی اس بات سے ان کے دل ڈرتے ہیں کہ اللہ کے پاس ان کو لوٹ کر جانا ہے اور وہ ان کے ہر عمل سے واقف ہیں۔ حسن بصریؒ نے فرمایا وہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور کوشش کے ساتھ کرتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی طاعت نامقبول نہ ہو جائے حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آیت **وَالَّذِیۡنَ یُؤۡتُوۡنَ مَآ اٰتَوۡا وَّقُلُوۡبُھُمۡ وَجِلَةٌ** کے متعلق دریافت کیا اور عرض کیا کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں تو فرمایا! نہیں اے صدیق کی بیٹیؓ۔ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں اور خیرات کرتے ہیں اور پھر بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ طاعت نامقبول نہ ہو جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو بھلائیوں میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔ (رواہ احمد، الترمذی وابن ماجہ)

بیہقی کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ نے بیان کیا میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ **وَالَّذِیۡنَ یُؤۡتُوۡنَ مَآ اٰتَوۡا وَّقُلُوۡبُھُمۡ وَجِلَةٌ** کیا یہ وہ شخص ہے جو زنا کرتا شراب پیتا اور چوری کرتا ہے فرمایا نہیں اے صدیق کی بیٹی! یہ وہ شخص نہیں بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو رات کو نماز کے لئے اٹھتا ہے اور خیرات کرتا ہے اور پھر بھی ڈرتا ہے کہ کہیں قبول نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

## خلاصہ تفسیر

اس میں کوئی شک نہیں کہ جولوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جولوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جولوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے اور جولوگ اللہ کی راہ میں دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور باوجود اللہ کی راہ میں دینے اور خرچ کرنے کے ان کے دل اس سے خوفزدہ رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں۔ دیکھئے وہاں جا کر ان صدقات کا کیا ثمرہ ظاہر ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دینا حکم کے موافق نہ ہو۔ مثلاً مال حلال نہ ہو یا نیت اللہ کے لئے خالص نہ ہو اور نیت میں اخلاص کامل نہ ہونا یا مال کا حرام ہونا ہمیں معلوم نہ ہو تو الٹا اس پر مواخذہ ہونے لگے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن لوگوں میں یہ صفات ہوں یہ لوگ اپنے فائدے جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں۔ اور وہ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں اور یہ اعمال کچھ سخت بھی نہیں جن کا کرنا مشکل ہو کیونکہ ہم کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کام کرنے کو نہیں کہتے۔ اس لئے یہ سب کام آسان ہیں اور اس کے ساتھ ان کا اچھا انجام اور ثمرہ یقینی ہو۔ کیونکہ ہمارے پاس ایک دفتر نامہ اعمال کا محفوظ ہے جو ٹھیک ٹھیک سب کا حال بتلا دے گا اور لوگوں پر ذرا ظلم نہ ہو گا۔

یعنی جو کچھ عمل کرتے ہیں۔ اس میں صدقات، نماز، روزہ اور تمام نیک کام شامل ہو جاتے ہیں اور مشہور قرأت پر اگرچہ ذکر یہاں صدقات ہی کا ہو گا۔ مگر مراد بہر حال عام اعمال صالحہ ہیں اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نیک عمل کر کے اتنے ڈرتے تھے کہ تم بُرے عمل کر کے بھی اتنا نہیں ڈرتے۔ (قرطبی)

(تفسیر معارف القرآن)

22:5 ۔ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ
وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ۝

(النور- 24:37)

یعنی ایسے لوگ جن کو خدا کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید وفروخت۔ وہ اس دن سے جب دل خوف اور گھبراہٹ کے سبب الٹ جائیں گے اور آنکھیں اوپر کو چڑھ جائیں گی سے ڈرتے ہیں۔

by the men whom no trade or sale makes neglectful of the remberance of Allah, nor from establishing Salah and paying Zakah; they are fearful of a day in which the hearts and the eyes will be over-turned.

رِجَالٌ مرد، عورتوں سے قطع نظر کر کے خصوصیت کے ساتھ مردوں کا تذکرہ اس لئے کیا کہ عورتوں پر مسجد کے اندر جا کر نہ جمعہ لازم ہے نہ جماعت کی نماز یا یہ وجہ ہے کہ عام طور پر عورتوں پر جہالت اور غفلت چھائی رہتی ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تجارت اور بیع عام طور پر مرد کرتے ہیں اور نان ونفقہ کے بھی مرد ذمہ دار ہوتے ہیں۔

لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ان کو اللہ کی یاد سے نہ کوئی تجارت غافل بناتی ہے نہ بیع تجارت کا لفظ خرید وفروخت دونوں کو شامل ہے۔ اس لئے لفظ تجارت کے بعد لفظ بیع کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن خرید سے فروخت کی زیادہ اہمیت ہے۔ خریدنے میں تو نفع امید ہوتی ہے اور فروخت میں فائدہ سامنے ہوتا ہے۔ اس لئے یقینی ہوتا ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وضع لغوی کے لحاظ سے اگرچہ تجارت میں خرید وفروخت دونوں داخل ہیں لیکن اس جگہ تجارت کے مقابلہ میں بیع کا لفظ ذکر کیا گیا ہے اس لیے تجارت سے مراد ہے خرید اور اشتراء کو چھوڑ کر لفظ تجارت کو اس لئے اختیار کیا کہ اشتراء (خرید) سے تجارت کا آغاز ہوتا ہے۔ بعض اہل علم نے کہا کہ

تجارت سے مفید لین دین مراد ہے اور اسکے بعد بیع کا خصوصی ذکر بیع کی اہمیت دکھانے کے لئے کیا گیا ہے۔ تجارت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو باہر سے مال لانے والے ہیں اور بیع کا تعلق اس بیع سے ہے جس میں مال اپنے ہاتھ میں ہو۔

ذکر اللہ سے مراد ہے نماز پڑھنے کے لئے مسجدوں میں آنا۔ بغوی نے بروایت سالم مولیٰ حضرت ابن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ میں بازار میں تھا اتنے میں نماز کی اقامت ہوئی لوگ اُٹھ کر دو کانیں بند کر کے مسجد میں چلے گئے۔ انہیں کے متعلق مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

ذکر اللہ سے مراد ہے اللہ کی عمومی یا داور مالک سے لولگانا۔ اس وقت ذکر اللہ کا لفظ عام ہوگا اس کے مصداق وہ لوگ بھی ہوں گے جو سب سے کنارہ کش ہو کر سارے دنیوی دھندوں کو چھوڑ کر ہر وقت اطاعت الٰہی میں ڈوبے رہتے ہیں اور وہ لوگ بھی مصداق قرار پائیں گے جنہوں نے دنیوی معاملات ترک نہیں کئے لیکن تجارت وغیرہ میں مشغول رہنے کے باوجود تجارت نے ان کے دل کو اللہ کی یاد سے غافل نہیں بنایا۔ ظاہر میں لوگوں کے ساتھ دنیوی مشاغل میں ہیں اور باطن میں اپنے خالق کے ساتھ ساری مخلوق سے بے نیاز۔

وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ اور نماز قائم کرنے سے بغوی نے لکھا ہے کہ نماز قائم کرنے سے مراد ہے مقررہ اوقات میں نماز ادا کرنا۔ مقررہ وقت سے نماز کو مؤخر کرنے والا نماز کو قائم کرنے والا نہیں ہوتا۔

وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ اور فرض زکوٰۃ ادا کرنے سے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب ادائے زکوٰۃ کا وقت آجاتا ہے تو وہ زکوٰۃ کو روکتے نہیں فوراً کر دیتے ہیں بعض علماء کا قول ہے زکوٰۃ سے تمام اچھے اعمال مراد ہیں۔

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ

ایسے دن کے حساب سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جائیں گی۔

تتقلب یعنی مضطرب ہو جائیں گے اور ہول کی وجہ سے حالت غیر ہو جائے گی۔ بعض نے تتقلب کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ کافروں کے دل اس کفر شرک سے پلٹ جائیں گے جس پر دنیا میں قائم تھے اور ان کی آنکھوں سے پردے ہٹ جائیں گے اور وہ چیزیں ان کو دکھائی دیں گی جو کبھی نہ دیکھی ہوں گی بلکہ خیال وگمان میں نہ

آئی ہوں گی۔ رہے مومن تو پہلے وہ جنت کی موجود نعمتوں پر قناعت کئے ہوئے ہیں پھر ان کے دل اور آنکھیں پلٹا کھائیں گی اور وہ اپنے رب کو چودھویں کے چاند اور روشن آفتاب کی طرح اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

بعض نے کہا خوف وامید کی وجہ سے مومنوں کے دل الٹ پلٹ ہوں گے ہلاکت کا خوف ہوگا اور نجات کی امید ہوگی۔ آنکھیں گردوپیش کی طرف دیکھ کر چکرائیں گی اور ہر طرف پلٹ کر دیکھیں گی کہ کس طرف سے پکڑ ہوتی ہے دائیں جانب سے یا بائیں جانب سے اور کس رخ سے اعمال نامہ ملتا ہے سیدھی طرف سے یا الٹی طرف سے یا پیچھے سے۔ بعض اہل علم نے کہا خوف کی وجہ سے دل الٹ پلٹ ہوں گے اور گلے پھنس جائیں گے نہ نیچے اتر سکیں گے نہ اوپر نکل سکیں گے اور حالات کی ہولنا کی دیکھ کر آنکھیں پتھرا جائیں گی۔

(تفسیر مظہری)

خدا تعالیٰ نے مومن کے دل کی ہدایت کو مثال نور سے دے کر گویا یہ بتانا چاہا کہ مومن کے قلب میں خدا تعالیٰ نور ہدایت ڈالتا ہے تو دن بدن اس میں قبول حق کی صلاحیت بڑھتی جاتی ہے اور ہر وقت عمل کے لئے تیار رہتا ہے۔

مومن کے دل کی ہدایت کو مثال نور سے دے کر فرمایا گیا کہ یہ مثالیں اس وجہ سے بیان کی جاتی ہیں تا کہ بات قریب الفہم ہو جائے اور لوگ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔ پھر ارشاد ہوا کہ یہ ہدایت یافتہ اشخاص ان گھروں میں عبادت کرتے ہیں جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب واحترام کیا جائے اور اس میں خدا تعالیٰ کا نام لیا جائے تو یہ حضرات ان گھروں میں صبح وشام خدا تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ اس صبح وشام سے محاورہ میں دوام مراد لیا جاتا ہے، گویا کہ یہ ہمیشہ تسبیح وتہلیل ہی میں لگے رہتے ہیں۔

ان ترفع میں رفع کے لفظی معنی تو بلند کرنے کے لئے ہیں۔ لیکن یہاں مادی بلندی مراد نہیں بلکہ معنوی بلندی مراد ہے۔ یعنی ان مساجد کی تعظیم وتکریم۔

پھر فرمایا گیا کہ ان حضرات کو نماز اور ادائیگی زکوٰۃ سے نہ ان کی تجارتیں روکتی ہیں اور نہ خرید وفروخت بلکہ ان تمام دنیاوی کاموں کے ساتھ ساتھ یہ اپنے اس فریضہ کی ادائیگی میں بھی لگے رہتے ہیں۔ یہ دنیوی معاملات میں

پڑے رہنے کے باوجود فرائض میں غفلت نہیں کرتے اور نہ ادائیگی حقوق میں سستی برتتے ہیں۔ نیز یہ کمال خشیت و تقویٰ کی وجہ سے احکام خداوندی کے اتنے پابند ہوتے ہوئے بھی ہر وقت روز جزا سے ڈرتے رہتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ احسن الجزاء یعنی جنت عطا فرمائے گا۔ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جسے جتنا چاہے نواز سکتا ہے اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔

(کمالین ترجمہ و شرح تفسیر جلالین)

مومن کے قلب میں اللہ تعالیٰ جب نور ہدایت ڈالتا ہے تو روز بروز اسی کا انشراح قبول حق کے لئے بڑھتا جاتا ہے اور ہر وقت احکام پر عمل کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ بالفعل بعض احکام کا علم بھی نہ ہوا ہو کیونکہ علم تدریجاً حاصل ہوتا ہے جیسے وہ روغن زیتون آگ لگنے سے پہلے ہی روشنی کے لئے مستعد تھا۔ مومن بھی علم احکام سے پہلے ہی ان پر عمل کے لئے مستعد ہوتا ہے اور جب اس کو علم حاصل ہوتا ہے تو نور عمل یعنی عمل کے پختہ ارادہ کیساتھ نور علم بھی مل جاتا ہے۔ جس سے وہ فوراً ہی قبول کر لیتا ہے۔ پس عمل و علم جمع ہو کر نور علیٰ نور صادق آجاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ علم احکام کے بعد اس کو کچھ تامل و تردد ہو کہ اگر موافق نفس کے پایا قبول کر لیا ورنہ رد کر دیا اسی انشراح اور نور کو ایک دوسری آیت میں اس طرح بیان فرمایا ہے

اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰهُ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ

یعنی جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہوتا ہے اور ایک جگہ فرمایا ہے

فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ

غرض نور ہدایت الٰہیہ کی یہ مثال ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اس نور ہدایت تک جس کو چاہتا ہے راہ دیتا ہے اور پہنچا دیتا ہے اور ہدایت کی جو یہ مثال دی گئی اسی طرح قرآن میں بہت سی مثالیں بیان کی گئی ہیں تو اس سے بھی لوگوں کی ہدایت ہی مقصود ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لئے یہ مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ مضامین عقلیہ محسوس چیزوں کی طرح قریب الی الفہم ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ مطلب

یہ کہ اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتا ہے اور وہ مثال نہایت مناسب ہوتی ہے تا کہ خوب ہدایت ہو آگے اہل ہدایت کا حال بیان فرماتے ہیں کہ وہ ایسے گھروں میں جا کر عبادت کرتے ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے۔ ان میں اللہ کا نام لیا جائے مراد ان گھروں سے مسجدیں ہیں اور ان کا ادب یہ کہ ان میں جنب وحائض داخل نہ ہوں اور انہیں کوئی نجس چیز داخل نہ کی جائے۔ وہاں غل نہ مچایا جائے دنیا کے کام اور باتیں کرنے کے لئے وہاں نہ بیٹھیں۔ بدبو کی چیز کھا کر وہاں نہ جائیں وغیرہ۔ غرض ان مسجدوں میں ایسے لوگ صبح وشام اللہ کی پا کی اپنی نمازوں میں بیان کرتے ہیں جن کو اللہ کی یاد یعنی بجا آوری احکام سے جس وقت کے متعلق جو حکم ہو اور بالخصوص نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے کہ یہ احکام فرعیہ میں سب سے اہم ہیں، نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت اور باوجود اطاعت وعبادت کے ان کی خشیت کا یہ حال ہے کہ وہ ایسے دن سے ڈرتے رہتے ہیں۔ جس میں بہت سے دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔

جیسا دوسری آیت میں ہے

يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْ وَّقُلُوْبُهُمْ وَ جِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رَاجِعُوْنَ

یعنی یہ لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اس کے باوجود ان کے دل قیامت کے باز پرس سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دیگا۔ یعنی جنت اور علاوہ جزا کے ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دیگا۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بیشمار یعنی بہت کثرت سے دے دیتا ہے۔ پس ان لوگوں کو جنت میں اسی طرح بیشمار دیگا۔

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

اس میں ان مومنین کی خاص صفات بیان کی گئی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نور ہدایت کے خاص حامل اور مسجدوں کو آباد رکھنے والے ہیں۔ اس میں لفظ رجال کی تعبیر میں اسطرف اشارہ ہے کہ مساجد کی حاضری دراصل مردوں کے لئے ہے۔ عورتوں کی نماز ان کی کے گھروں میں افضل ہے۔ مسند احمد، بیہقی میں حضرت اُم سلمہ ؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے

خیر مساجد النساء قعر بیو تهن

یعنی عورتوں کی بہترین مساجد ان کے گھروں کے تنگ وہ تاریک گوشے ہیں۔ اس آیت میں مومنین صالحین کی یہ صفت بیان کی ہے کہ ان کو تجارت اور بیع کا مشغلہ اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتا۔ لفظ تجارت میں چونکہ بیع بھی داخل ہے۔ اس لئے بعض مفسرین نے مقابلہ کی وجہ سے اس جگہ تجارت سے مراد خریداری اور بیع سے مراد فروخت کرنا لیا ہے اور بعض نے تجارت کو اپنے مفہوم عام میں رکھا ہے۔ یعنی لین دین خرید وفروخت کے معاملات پھر بیع کو الگ کر کے بیان کرنے کی حکمت یہ بتلائی ہے کہ معاملات تجارت تو ایک وسیع مفہوم ہے۔ جس کے فوائد ومنافع کبھی مدتوں میں وصول ہوئے ہیں اور کسی چیز کو فروخت کر دینے اور قیمت نفع کے نقد وصول کر لینے کا فائدہ فوری اور نقد ہے۔ اس کو خصوصیت سے اس لئے ذکر فرمایا کہ اللہ کے ذکر اور نماز کے مقابلہ میں وہ کسی بڑے سے بڑے دنیوی فائدہ کا بھی خیال نہیں کرتے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت بازار والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ان کے صاحبزادے حضرت سالمؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرؓ بازار سے گزرے تو نماز کا وقت ہوگیا تھا لوگوں کو دیکھا کہ دکانیں بند کر کے مسجد کی طرف جارہے ہیں تو فرمایا کہ انہی لوگوں کے بارے میں قرآن کا یہ ارشاد ہے۔

رِجَالٌ لا لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

عہد رسالت میں دو صحابی تھے ایک تجارت کرتے تھے دوسرے صنعت وحرفت یعنی لوہار کا کام کرتے اور تلواریں بنا کر بیچتے تھے۔ پہلے صحابی کی تجارت کا حال یہ تھا اگر سودا تولنے کے وقت اذان کی آواز کان میں پڑ جاتی تو وہیں ترازو رکھ کے نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ دوسرے بزرگ کا یہ عالم تھا کہ اگر گرم لوہے پر ہتھوڑے کی ضرب لگا رہے ہیں اور کان میں آواز اذان کی آگئی تو اگر ہتھوڑا مونڈھے پر اٹھائے ہوئے ہیں تو وہیں مونڈھے کے پیچھے ہتھوڑا ڈال کر نماز کو چل دیتے تھے اٹھائے ہوئے مونڈھے پر اٹھائے ہوئے ہتھوڑے کی ضرب سے کام لینا بھی گوارا نہ تھا۔ ان کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی۔

(قرطبی)

## صحابہ کرامؓ اکثر تجارت پیشہ تھے:

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ زیادہ تر تجارت پیشہ یا صنعت پیشہ تھے۔ جو کام کہ بازاروں سے متعلق ہیں۔ کیونکہ تجارت و بیع کا مانع از یادِ خدا نہ ہونا انہی لوگوں کا وصف ہوسکتا ہے جن کا مشغلہ تجارت و بیع کا ہو ورنہ یہ کہنا فضول ہوگا۔ (رواہ الطبرانی عن بن عباسؓ)

## يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ

یہ مومنین کا آخری وصف یہ جس میں بتلایا ہے کہ یہ حضرات ہر وقت اللہ اور اطاعت وعبادات میں مشغول ہونے کے باوجود بےفکر اور بےڈر بھی نہیں ہوجاتے بلکہ قیامت کے حساب کا خوف ان پر مسلط رہتا ہے اور یہ اس نورِ ہدایت کا کمال ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو عطا ہوا۔

جس کا ذکر اس آیت میں فرمایا!

## يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

اللہ تعالیٰ ان کو ان کے عمل کی بہترین بلکہ جزاء عطا فرمادیں گے۔ اور پھر فرمایا **وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ** یعنی صرف جزاءِ عمل دینے پر اکتفا نہیں ہوگا بلکہ اپنی طرف سے مزید انعامات بھی ان کو ملیں گے۔

## وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَاب

یعنی اللہ تعالیٰ نہ کسی قانون کا پابند ہے نہ اس کے خزانے میں کبھی کمی آتی ہے وہ جس کو چاہے بے حساب رزق دیدیتا ہے۔ مومنین صالحین جن کے سینے نور ہدایت کے مشکوٰۃ ہوتے ہیں اور جو نور ہدایت کو خاص طور سے قبول کرتے ہیں ان کا ذکر کرنے کے بعد ان کافروں کا ذکر ہے جن کی فطرت میں تو اللہ تعالیٰ نے نور ہدایت کا مادہ رکھا تھا۔ مگر جب اس مادہ کو روشن کرنے والی وحی الٰہی ان کو پہنچی تو اس سے روگرانی اور انکار کرکے نور سے محروم ہوگئے اور اندھیرے میں رہ گئے اور ان میں چونکہ کافر منکر دو قسم کے تھے اس لئے ان کی دو مثالیں بیان کی گئیں۔ دونوں مثالیں بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا!

وَمَنۡ لَّمۡ یَجۡعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوۡرًا فَمَا لَہٗ مِنۡ نُّوۡرٍ O

(24۔سورۃ النور:40)

اور جس کے لئے اللہ ہی نے نور (ہدایت) نہیں بنایا تو اس کے لئے کہیں بھی نور نہیں ہوتا۔

یہ جملہ کفار کے بارے میں ایسا ہی ہے جیسا مومنین کے بارے میں یہ ارشاد ہوا تھا۔

یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ط

(24۔سورۃ النور:35)

اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور (کی معرفت) تک پہنچا دیتا ہے۔

کفار کے لئے اس جملہ میں نور ہدایت سے محرومی کا ذکر ہے کہ انہوں نے احکام الٰہیہ سے انحراف کر کے اپنا فطری نور بھی فنا کر لیا جبکہ اللہ کے نور ہدایت سے محروم ہو گئے وہ نور کہاں سے آئے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ کوئی شخص محض اسباب علم و بصیرت جمع ہونے سے عالم بصر نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے آدمی جو دنیا کے کاموں میں بالکل ناواقف بے خبر سمجھے جاتے ہیں آخرت کے معاملہ میں وہ بڑے مبصر عقلمند ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس کے برعکس بہت سے آدمی جو دنیا کے کاموں میں بڑے ماہر اور مبصر محقق مانے جاتے ہیں مگر آخرت کے معاملہ میں بڑے بے وقوف جاہل ثابت ہوتے ہیں۔

(تفسیر مظہری)

22:6 ۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَھُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوۡبَھُمۡ لِلتَّقۡوٰی ؕ لَھُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّاَجۡرٌ عَظِیۡمٌ O

(الحجرات - 49:3)

جولوگ پیغمبر خدا کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں خدا نے ان کے دل تقویٰ
کے لئے آزما لیے ہیں ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے۔

Surely, those who lower their voice before Allah's Messenger (ﷺ) are the ones whose hearts Allah has tested for piety, for them there is forgiveness, and a great reward.

بے شک جو لوگ اپنی آوازیں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پست رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

**یَغُضُّوۡنَ** یعنی اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں۔

**عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ** رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے۔

**امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوۡبَھُمۡ لِلتَّقۡوٰی** صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ ان کے دلوں کو تقویٰ کے لئے کشادہ کر دیا اور کھول دیا۔ اس نے اس کی جانچ کی۔ بیضاوی نے لکھا ہے اللہ نے ان کے دلوں کا تجربہ کر لیا۔ تقویٰ کے لئے ان کے اندر لچک پیدا کر دی اور تقویٰ کا مشاق بنا دیا۔

ہر ممتحن اس غرض سے امتحان لیتا ہے کہ امتحان دینے والے کی قابلیت اس کو معلوم ہو جائے لیکن اللہ کو تو لوگوں کے دلوں کے احوال پہلے سے معلوم ہیں۔ اس لئے وہ ممتحن کیسے ہو سکتا ہے۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے حضرت مفسرؒ نے فرمایا یعنی اللہ نے ممتحن جیسا معاملہ ان سے کیا اور ان کے دلوں کو مخلص پایا یعنی صورت امتحان مراد ہے۔ حقیقی ممتحن ہونا مراد نہیں ہے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے جان لیا کہ ان کے دل تقویٰ کے لئے بنے ہی ہیں۔ تقویٰ ہی کے لئے مخصوص ہیں۔ اس صورت میں امتحان سے مراد ہوگا امتحان کا نتیجہ یعنی علم امتحان کا حصول علم کا

ذ ریعہ ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ طرح طرح کی مصائب وشدائد میں ان کے دلوں کو مبتلا کر دیا تا کہ تقویٰ کا ظہور ہو جائے۔ مصائب شدائد پر صابر رہنے سے تقویٰ ظاہر ہوتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لئے خالص کر لیا۔ عرب کہتے ہیں اِمْتَحَنَ الذَّھب سونے کی جانچ کر لی یعنی پگھلا کر میل صاف کر دیا اور صاف کندن بنا دیا۔

وَاَجْــرٌ عَــظِیْــم'' اجر کی اور مغفرۃ کی تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے بڑی مغفرت اور بہت بڑا اجر رسول اللہ ﷺ کے سامنے باادب رہ کر پست آواز سے بات کرنے کے عوض نیز دوسری طاعات وعبادات کے بدلہ میں ان کے لئے بڑی مغفرت اور عظیم الشان اجر ہے۔

اُولٓــئِکَ اسم اشارہ مبتدا ہے اس کے بعد اَلَّــذِیْــنَ مع صلہ خبر ہے۔ یہ جملہ دلالت کر رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے پس آواز سے کلام کرنا اللہ کو بہت ہی پسند ہے۔ ایسے لوگ کمال کے انتہائی درجہ پر فائز ہیں۔ ان کے برخلاف رسول اللہ ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے کلام کرنا اور شور وغل مچانا اللہ کے نزدیک بہت ہی بُرا ہے۔

بغوی ؒ نے لکھا ہے کہ حضرت انس ؓ نے فرمایا ہم اپنے سامنے جنتی یعنی ثابت بن قیس ؓ کو جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی چلتے پھرتے دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ یہ زندہ جنتی ہیں اور ان ہی سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ تم قابل ستائش زندگی گزارو گے اور شہادت کی موت مارے جاؤ گے اور جنت میں چلے جاؤ گے۔

جب جنگ یمامہ میں مسلیمہ کذاب سے مقابلہ ہوا تو ثابت ؓ کو شروع میں مسلمانوں میں کچھ شکست کی حالت نظر آئی۔ بلکہ ایک جماعت تو شکست کھا کر بھاگ بھی پڑی۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت ثابت ؓ نے کہا ان لوگوں پر افسوس ہے۔ پھر حضرت سالم ؓ سے فرمایا اللہ کے رسول ﷺ کے ہمرکابی میں تو ہم اللہ کے دشمنوں سے اس طرح نہیں لڑتے تھے۔ اس قول کے بعد دونوں حضرات نے توبہ کی۔ پھر اتنا سخت قتال کیا کہ حضرت ثابت ؓ شہید ہو گئے۔ اس وقت آپ ؓ زرہ پہنے ہوئے تھے۔ مرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں ؓ میں سے کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا خواب میں آپ ؓ نے ایک صحابی کو بتایا کہ میری زرہ ایک مسلمان اتار کر لشکر کے کنارہ پر ایک جگہ

لے گیا۔ وہاں گھوڑا اسی سے بندھا ہوا ہے اور زرہ پر پتھر کی ایک ہانڈی رکھ دی ہے۔ تم خالد بن ولیدؓ سے جا کر کہہ دو کہ وہ میری زرہ اس شخص سے واپس لے لیں اور رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ سے جا کر یہ بات کہہ دو کہ مجھے پر کچھ قرض ہے وہ ادا کر دیا جائے اور میرا فلاں غلام آزاد ہے۔ یعنی میں آزاد کرتا ہوں۔ اس صحابی نے حضرت خالدؓ سے جا کر یہ بات کہہ دی۔ حضرت خالدؓ نے جا کر دیکھا تو زرہ اور گھوڑا ویسے ہی پایا جیسا بیان کیا تھا۔ آپ نے زرہ واپس لے لی۔ حضرت خالدؓ نے یہ خواب حضرت ابوبکرؓ سے جا کر بیان کر دیا۔ تو آپ نے حضرت ثابتؓ کی وصیت پوری کر دی۔ حضرت مالک بن انسؒ نے فرمایا اس وصیت کے علاوہ مجھے کوئی ایسی منافی وصیت معلوم نہیں جس کو پورا کیا گیا ہو۔

طبرانی اور ابویعلی نے حسن سند کے ساتھ بیان کیا کہ حضرت زید بن ارقمؓ نے فرمایا کچھ دیہاتی رسول اللہ ﷺ کے حجروں کی طرف آئے اور پکارنے لگے۔ یا محمد ﷺ یا محمد ﷺ باہر آؤ اس پر آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر مظہری)

حضرت مولانا جلال الدین محلیؒ نے تفسیر جلالین میں اس آیت کی تفصیل یوں بیان کی ہے

آداب نبوی ﷺ:............ چنانچہ ارشاد ہے کہ جس معاملے میں اللہ و رسول ﷺ کی طرف سے حکم ملنے کی توقع ہے۔ اس کا فیصلہ پہلے ہی آگے بڑھ کر اپنی رائے سے نہ کر بیٹھو بلکہ حکم الٰہی کا انتظار کرو۔ پس جس وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ ارشاد فرمائیں۔ خاموشی سے کان لگا کر سنا کرو۔ ان کے بولنے سے پہلے خود بولنے کی جرأت نہ کیا کرو۔ ادھر سے جو حکم ملے اس پر بے چوں چرا اور بلا پس و پیش عمل کر لیا کرو اپنی اغراض و خواہشات کو ان کی مرضیات و احکام پر مقدم نہ رکھو۔ بلکہ اپنے جذبات و افکار کو شارع کے تابع بنا لو۔ جب تک قوی قرائن یا صراحت سے گفتگو کی اجازت نہ ہو گفتگو میں پہل مت کرو بلکہ انتظار کرو، بلا اجازت و انتظار خلاف مرضی ہونے کا امکان ہے۔ غرضیکہ جواز شرعی اجازت پر موقوف ہے خواہ قطعی ہو یا ظنی۔ اور جس طرح پیغمبر کی عدم موجودگی میں اول نص پھر نص میں غور و تامل ضروری ہے۔ اسی طرح آپ کے حضور میں اول نص کا انتظار پھر قرآن میں تامل ضروری ہے۔ پس غلطی یہ ہوئی کہ انتظار نہیں کیا۔ ہر کام میں یہی حکم ہے۔

واتقوا للّٰہ۔ اللہ ورسول کی سچی فرمانبرداری اور تعظیم اسی وقت میسر آسکتی ہے جب خوف خدا دل میں ہو۔ دل میں اگر ڈر نہیں تو ظاہراً دعوے اسلام نباہنے کے لئے بار بار اللہ ورسول ﷺ کا نام زبان پر آئے گا اور بظاہر ان کے احکام کو بھی آگے رکھے گا۔ مگر فی الحقیقت ان کو اپنی خواہشات واغراض کی تحصیل کے لئے ایک آلہ کار کے طور پر استعمال کرے گا۔ یاد رہے کہ جو زبان پر ہے اللہ اسے سنتا ہے اور جو دل میں ہے اسے جانتا ہے تو اس کے آگے یہ فریب کیسے چلے گا۔ چاہئے کہ آدمی اس سے ڈر کر کام کرے۔ بلند آواز سے نہ بولنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے اگرچہ باہمی گفتگو ہو تب بھی آپ کی آواز سے بلند ہو اور خود آپ سے گفتگو کرو تو برابر کی آواز سے بھی مت بولو۔ غرض حضور ﷺ کی مجلس میں شور نہ کرو اور جس طرح آپس میں چہک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو حضور ﷺ کے ساتھ یہ برتاؤ گستاخانہ اور خلاف ادب ہوگا۔ آپ سے خطاب کرنا ہو تو نیازمندانہ لب ولہجہ اور نرم آواز سے تعظیم واحترام کے جذبہ سے ادب وشائستگی کے ساتھ عرض ومعروض کی جائے۔

ادب نبوی ﷺ کی کیفیت:..................دیکھو ایک مہذب بیٹا اپنے باپ سے، ایک لائق شاگرد اپنے استاد سے، ایک مخلص مرید اپنے پیر ومرشد سے اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے۔ پیغمبر ﷺ کا مرتبہ ان سب سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس لئے آپ گفتگو میں پوری احتیاط ملحوظ رہنی چاہیے ایسا نہ ہو کہ بے ادبی ہو جائے اور آپ ﷺ کو تکدر پیش آئے۔ حضور ﷺ کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ ایسی صورت میں تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت اکارت جانے کا اندیشہ ہے۔ کفر وشرک تو بالاتفاق تمام اعمال کو بالکلیہ کالعدم کر دیتا ہے۔ لیکن فسق ومعصیت کے متعلق اختلاف ہے کہ اس سے بھی اعمال اکارت ہو جاتے ہیں یا نہیں؟

خوارج ومعتزلہ تو اپنے اصولوں پر یہی کہتے ہیں کہ فسق ومعصیت سے بھی چونکہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ بھی حابط اعمال ہے۔

آیت ان تحبط ... الخ سے بظاہر خوارج ومعتزلہ کی تائید ہو رہی ہے اور یہی ان کا مستدل ہے۔

## گناہوں سے ایمان چلا جاتا ہے یا نہیں؟

جمہور اہل سنت صرف فسق و معصیت کو حابط اعمال نہیں مانتے۔ کیونکہ پیغمبر کی آواز سے اونچی آواز کرنا گناہ ہے جس کو حابط اعمال فرمایا جارہا ہے۔ پس اس کی مختلف توجیہات اہلسنت کی طرف سے کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ بلند آواز سے بولنا آپ کے لئے اذیت کا باعث ہے اور ایذاِ رسول کفر ہے۔ اس لئے یہ بلند آواز بھی موجب ِ حبط اعمال ہیں۔ اگرچہ اس توجیہ میں تکلف ہے۔ کیونکہ کفر وہی اونچی آواز ہوگی جس کا مقصد آپ کو ستانا ہو۔ لیکن جہاں مقصد نہ ہو وہ کفر کیسے ہوگا البتہ معصیت ہوسکتا ہے جو کفر سے قریب ہے۔

لیکن بے تکلف اور آسان توجیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعض دفعہ بلند آواز سے گفتگو صورۃ بے باکی ہوتی ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ سے باہمی بے تکلفی کے انداز پر گفتگو کرنا طبعاً گستاخی ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی کا پیرو اور تابع ہوتا ہے وہ گویا زبان حال سے پابند ادب ہوتا ہے لیکن اس طرز گفتگو میں اس پابندی کی خلاف ورزی ہورہی ہے۔ جو پیشواء کے لئے باعث اذیت ہوسکتی ہے اور عام معاصی اگرچہ حابط اعمال نہیں ہوتے۔ مگر ایذا رسول ﷺ خاص طور پر شدید معصیت ہے کہ اس سے حابط اعمال کا اندیشہ ہے۔

بعض اوقات جب طبیعت زیادہ مصرور ہوتی ہے یہ باتیں ناگوار نہیں ہوا کرتی۔ اس وقت یہ باعث اذیت نہ ہوں گی اور باعث اذیت نہ ہونے کی وجہ سے موجب اعمال بھی نہیں ہوں گی۔ چونکہ گفتگو کرنے والے کو بعض دفعہ حضور ﷺ کا ناگواری محسوس کرنا معلوم نہیں ہوگا۔ بہت ممکن ہے کہ اس طرز سے حضور ﷺ کو ملال ہوجائے اور اس سے حبط اعمال بھی ہوجائے لیکن گفتگو کرنے والے کو پتہ بھی نہ چلے اور نہ اسے احساس ہو۔ وہ اسی خیال اور گمان میں رہے کہ حضور ﷺ کو تکلیف نہیں پہنچی اس لئے حبط عمل کی خبر بھی نہ ہو۔

**لاتشعرون** کا یہی مفہوم ہے۔ پس ان وجوہ کا لحاظ کرتے رہئے مطلقا اونچی آواز سے اور بے تکلفانہ گفتگو سے روک دیا گیا ہے کہ اگرچہ بعض افراد تکلیف دہ نہیں ہوں گے مگر ان کی تعیین کیسے ہو؟ لہذا مطلقاً تمام افراد سے باز آجانا چاہیئے۔

اس توجیہ پر خوارج و معتزلہ کے لئے بھی استدلال کی گنجائش نہیں رہتی کہ عام گناہ کرنے سے انسان ایمان سے خارج ہوجاتا ہے یا کافر ہوجاتا ہے اور نہ اہل سنت کی جانب سے جواب وہی کی ضرورت ہے۔ زیادہ سے زیادہ

صرف ایک گناہ کو حابط اعمال کہنا پڑے گا۔ اس کے ماننے میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں چونکہ جلال وشان نبوی ﷺ کی خاص رعایت ہے اس لئے اس کو ارجح کہنا چاہیے۔

**ایک نفیس علمی بحث:**............تاہم اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اہل سنت کا یہ قاعدہ بظاہر عام ہے پھر اس کی تخصیص کی کیا دلیل ہے اور بلا دلیل دعویٰ کرنا مشکل ہے۔ مگر جواب میں کہا جائے گا کہ بے ادبی گستاخی بلا قصد ایذاء رسول اگر چہ صرف گناہ ہی ہے مگر چونکہ یہ سبب ہے ایذاء رسول کا اور ایذاء رسول اللہ تعالیٰ کو اس قدر ناپسند اور مبغوض ہے کہ بعض دفعہ وہ سبب ہو جاتا ہے کفر اختیاری کا اور کفر بالاتفاق حابط اعمال ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ تم حضور ﷺ کے سامنے مذکورہ بالا طرز گفتگو سے بچو۔ کبھی ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ کو تکلیف پہنچے جس سے تم ذلیل وخوار ہو جاؤ اور پھر خدانخواستہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ تم قصداً کفر یہ اعمال کرنے لگ جاؤ ۔ حالانکہ تمہیں اس طرز گفتگو کے وقت نہ اس کے واسطے اذیت رسول اور خذلان حق کی خبر تھی اور نہ اس کا احتمال تھا۔ ورنہ اس کا احساس ہوتے ہوئے صحابہ کرامؓ سے کب ارتکاب کا احتمال ہوسکتا تھا۔ اس تقریر پر کسی گناہ کا بلا واسطہ حابط اعمال ہونا بھی لازم نہیں آیا اور اہل سنت نے بلا واسطہ حبط اعمال کی نفی فرمائی ہے اور اس طرح خاص اس گناہ دوسرے عام گناہوں سے اشد ہونا بھی ثابت ہو گیا کیونکہ دوسرے گناہوں پر اس شان کی وعید نہیں آتی۔

## تعظیم نبوی کی ترغیب:

**ان الذین یغضون**. یعنی جو لوگ پیغمبر کی مجلس میں ادب وتعظیم اور تواضع سے بات چیت کرتے ہیں اور نبی کی آواز کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب پرکھ لیا ہے اور خالص وطہارت کے لئے اچھی طرح مانجھ لیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اعظم شعائر اللہ چار چیزیں ہیں۔ قرآنِ کریم، پیغمبر معظم (ﷺ)، کعبۃ اللہ، اورنماز۔ ان کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ سے مالا مال ہوگا۔
**و من شعائر اللّٰہ فانھا من تقوی القلوب** معلوم ہوا کہ جب حضور ﷺ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا خلاف ادب ہے تو آپ کے احکام وارشادات سن کر ان کے خلاف آواز اٹھانا کس درجہ کا گناہ ہوگا۔ غرض یہ

کہ کمالِ تقویٰ کا تقاضہ ہے کہ مسلمان خلافِ اولیٰ باتوں سے بھی مکمل احتراز کریں۔

ترمذی شریف کی حدیث مرفوع ہے۔

**لا يبلغ العبد ان يكون من المتقين حتى يدع ما لا باس به حذرا لما به باس .**

بلند آواز سے گفتگو اور بے باکانہ کلام کبھی تکلیف پہنچنے کا موجب ہوتا ہے اور کبھی نہیں جب مطلقاً اس طرز کو چھوڑ دیا تو پھر تکلیف دہ پہلو کا خطرہ ہی نہ رہا اس لئے کمال تقویٰ حاصل ہوگیا۔

## حضور ﷺ کی محبت و تعظیم ہی مسلم قوم کی ترقی کے لئے نقطہ عروج ہے:

**ان الذین ینادونک** جب بنی تمیم ملنے کو آئے تو اس وقت حضور ﷺ حجرہ مبارکہ میں تشریف رکھتے تھے۔ وہ لوگ باہر کھڑے کھڑے آواز دینے لگے۔ یہ ایک قسم کی بے ادبی بے عقلی اور بے تہذیبی کی بات تھی اپنی سادہ لوحی اور دیہاتی پن سے رسول ﷺ کے مرتبہ کو نہیں سمجھے۔ کیا معلوم اس وقت آپ ﷺ پر وحی نازل ہورہی ہو یا کسی اہم کام میں مشغول ہوں۔ کیونکہ اس طرح تو کسی معمولی ذمہ دار آدمی کے لئے بھی کام کرنا سخت مشکل ہوجاتا ہے۔ اگر اس کا کوئی نظام الاوقات نہ ہو۔ اور آپ کی ذات والا صفات تو مسلمانوں کے تمام اور دینی امور کا مرکز و ملجاء تھی۔ پھر پیغمبر کا ادب واحترام بھی آخر کوئی چیز ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ کسی کی زبانی اندر اطلاع کراتے اور آپ ﷺ کی تشریف آوری تک انتظار کرتے۔ جب آپ تشریف لا کر ان کی طرف متوجہ ہوتے اس وقت عرض و معروض کرنی چاہئے تھی۔ یہ زیادہ بہتر طریقہ شائستہ نمونہ ہوتا۔ پھر بھی نادانستگی اور بے عقلی سے جو بات اتفاقاً سرزد ہوجائے اللہ اس کو اپنی مہربانی سے بخشنے والا ہے۔

بہرحال اپنی تقصیر پر نادم ہو کر ایسا رویہ اختیار نہ کریں۔ حضور ﷺ کی تعظیم و محبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر مسلم قوم کی تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہوتے ہیں اور یہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوت کا نظام قائم ہے۔

انتہائی ادب کا تقاضہ: **الیھم** میں یہ نکتہ ہے کہ یہ انتظار اس وقت تک رہنا چاہیے کہ آپ ﷺ کی باہر تشریف آوری تمہارے ہی لئے ہو ورنہ اگر تشریف تو لائے مگر دوسرے کام کے لئے یا دوسری طرف متوجہ ہو گئے

تو پھر صبر وانتظار کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ **خروج الیھم** نہیں ہے۔ جو ضرورت ہے صبر کی بلکہ توجہ **الیھم** ہے جو کافی نہیں ہے ایسی صورت میں باادب کھڑے رہو حتی کہ خود حضور ﷺ تمہاری طرف متوجہ ہو جائیں قرآئن سے معلوم ہو جائے کہ تمہارے ہی لئے تشریف آوری ہوئی ہے۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی احادیث پڑھنے اور سننے کے وقت بھی، نیز قبر شریف کے پاس حاضری کے وقت بھی آداب نبوی ملحوظ رہنے چاہئیں۔ حتی کہ خلفاء اور علماء اور اولوالامر کے ساتھ بھی درجہ بدرجہ ان ہی آداب سے پیش آنا چاہئے تا کہ وہ جماعتی نظام قائم رہے جو آنحضرت ﷺ کے متبع ہیں وہ ان احکام کے بھی متبع رہیں گے۔ تاہم بے ادبی کا وبال اتنا نہیں ہوگا۔ لیکن بلا ضرورت ایذا رسانی حرام ضرور ہے تاہم فرق مراتب نہ کرنے سے بہت سے مفاسد اور فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔

(کمالین ترجمہ وشرح جلالین)

بلند آواز میں گفتگو سے کتنا بڑا خسارہ ہوگا اس لئے آواز بلند کرنے اور جہر بالقول کو مطلقاً ممنوع کر دیا گیا۔ کیونکہ ایسی گفتگو کے بعض افراد اگر چہ موجب ایذاء وحبط اعمال نہیں ہوں گے مگر اس کی تعین کیسے ہوگی۔ اس لئے بڑوں کے سامنے بلند آواز سے بولنا تمام افراد کو ترک کر دینا چاہئے۔ یہاں تک تو آواز بلند کرنے سے ڈرایا گیا ہے کہ ان کے آگے آواز پست کرنے کی ترغیب ہے۔

بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خاص کر دیا ہے۔ یعنی ان کے قلوب تقویٰ کے خلاف کوئی چیز آتی ہی نہیں۔ مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس خاص معاملہ میں حضرات کمال تقویٰ کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ترمذی کی حدیث مرفوع میں کمال تقویٰ کا بیان اس الفاظ میں آیا ہے

**لا يبلغ العبد ان يكون من المتَقين حتىَّ يدع مالا باس به حذرًا الما بهٖ بأس**

یعنی بندہ کمال تقوی کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ کچھ ایسی چیزوں کو بھی جن میں کوئی گناہ نہیں اس احتیاط کی بناء پر نہ چھوڑ دے کہ یہ جائز کام کہیں مجھے کسی ناجائز کام میں مبتلا نہ کر دے۔ مراد وہ مشتبہ امور

ہیں جن میں گناہ کا خطرہ اور شبہ ہو جیسا کہ آواز بلند کرنے کی ایک قسم ایسی ہے جس میں گناہ نہیں یعنی وہ جس میں مخاطب کو ایذا نہ ہو اور ایک قسم وہ ہے جس میں گناہ ہے۔ یعنی جس سے ایذا پہنچے تو کمال تقویٰ اس میں ہے کہ آدمی مطلقاً آواز بلند کرنے کو چھوڑ دے۔ ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔

بنو تمیم کے کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ باہر تشریف فرما نہ تھے۔ بلکہ ازواج مطہرات کے حجرات میں سے کسی مکان میں تھے۔ یہ لوگ غیر مہذب گاؤں والے دیہاتی تھے۔ باہر ہی سے کھڑے ہو کر آپ ﷺ کا نام لیکر پکارنے لگے کہ **یا محمد** ﷺ **اخــــرج الیــنــا** یعنی اے محمد ﷺ! ہمارے لئے باہر آیئے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(کذا فی الدر المنثور بروایۃ ابن اسحٰق عن ابن عباسؓ)

جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ ﷺ کو پکارتے ہیں ان میں اکثروں کو عقل نہیں ہے کہ عقل ہوتی تو آپ ﷺ کا ادب کرتے اس طرح نام لیکر باہر سے پکارنے کی جرأت نہ کرتے اور **اکثر ھم** فرمانے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ بعض پکارنے والے فی نفسہ جری نہ ہوں گے دوسروں کیساتھ دیکھا دیکھی لگ گئے اس طرح ان سے بھی یہ غلطی ہوگئی اور یا اگرچہ سب ایک ہی طرح کے ہوں مگر **اکثـــر ھـم** کا لفظ فرمانے سے کسی کو اشتعال نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہر شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ شاید مجھ کو کہنا مقصود نہ ہو۔ وعظ و نصیحت کا یہی طریقہ ہے کہ ایسے کلمات سے احتیاط کی جائے جن سے مخاطب کو اشتعال پیدا ہو۔ اگر یہ لوگ ذرا صبر اور انتظار کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔ کیونکہ یہ ادب کی بات تھی اور اگر اب بھی توبہ کر لیں تو معاف ہو جائے کیونکہ اللہ غفور رحیم ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

22:7 مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبِ ۙ۝

ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِکَ یَوْمُ الْخُلُوْدِ O

(ق - 50:33,34)

جو خدا کو بغیر دیکھے ڈرتا رہا اور رجوع لانے والا دل لے کر آیا۔

تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔

the one who feared the Rahman (The All-Merciful Allah), without seeing Him, and came up with a heart oriented towards Him.

جو شخص بے دیکھے رحمان سے ڈرتا ہوا اور رجوع ہونے والا دل لے کر آیا ہے۔ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ یہ ہمیشگی کا دن ہے۔

**مُّنِیْبِ** مخلص دل سے اللہ کی طرف متوجہ۔

**اُدْ خُلُوْ هَا** یعنی ان سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاوٴ

**بِالْغَیْبِ** یعنی اللہ کے عذاب سے ڈرتا تھا جب کہ وہ اللہ سے غائب تھا۔ یعنی دنیا میں تھا یا وہ خود غائب تھا۔ کسی کی نظر کے سامنے نہیں تھا۔

ضحاک، سدی اور حسن نے کہا یعنی وہ تنہائی میں اللہ سے ڈرتا تھا جب کہ کوئی بھی اس کو نہیں دیکھتا تھا۔ (**القهّار یا المنتقم** کی جگہ) الرحمٰن کا لفظ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ جہاں وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اس کی رحمت کے امیدوار بھی ہیں یا اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اللہ کی رحمت کو وسیع دیکھتے ہوئے بھی عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اللہ کی رحمت کو دیکھ کر فریب خوردہ ہوتے ہیں اور نہ گناہوں پر جرات کرتے ہیں کہ بلاخوف وخطرہ گناہ کرتے رہیں۔

**بِسَلٰمٍ** یعنی عذاب افکار اور زوال نعمت سے مامون رہ کر یا یہ مطلب ہے کہ اللہ اور ملائکہ کی طرف سے ان کو پیام سلامتی ملے گا۔ (تفسیر مظہری)

# 23 ۔ ثابت قدم دل

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ثابت قدم دل کے متعلق گفتگو پانچ جگہوں پر فرمائی ہے۔

23:1 . اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ O

(الانفال - 8:11)

جب اس نے تمہاری تسکین کے لئے اپنی طرف سے تمہیں نیند کی چادر اوڑھا دی اور تم پر آسمان سے پانی برسا دیا تا کہ تم کو اس سے نہلا کر پاک کر دے اور شیطانی نجاست کو تم سے دور کر دے اور اس لئے بھی کہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے پاؤں جمائے رکھے۔

When He covered you with drowsiness, as tranquility (descending) from Him and sent down upon you water from the heavens, so that He might purify you with it, and remove from you the impurity of Satan, and so that He might strengthen your hearts and make (your) feet firm therewith.

## تائید الٰہی کے بعد فتح وکامرانی:

اللہ تعالیٰ اپنے احسانات بیان فرماتا ہے کہ اس جنگ بدر میں جبکہ اپنی کمی اور کافروں کا زیادتی اپنی بے سروسامانی اور کافروں کے پرشوکت سروسامان دیکھ کر مسلمانوں کے دل پر برا اثر پڑ رہا تھا۔ پروردگار نے ان کے دلوں کے اطمینان کیلئے ان پر اونگھ ڈال دی۔ جنگ احد میں بھی یہی حال ہوا تھا۔

جیسے اس آیت میں فرمایا ہے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا

مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ یُخْفُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّالَا یُبْدُوْنَ لَکَ ؕ یَقُوْلُوْنَ لَوْکَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ کُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِکُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ کُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰی مَضَاجِعِهِمْ ج وَلِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ وَ لِیُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ م بِذَاتِ الصُّدُوْرِ O

(3۔آل عمران:154)

پھراللہ نے غم ورنج کے بعدتم پرتسلی نازل فرمائی (یعنی) نیندکہ تم میں سے ایک جماعت پر طاری ہوگئی اور کچھ لوگ جن کو جان کے لالے پڑ رہے تھے اللہ کے بارے میں ناحق کفر سے گمان کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بھلا ہمارے اختیار کی کچھ بات ہے؟ تم کہہ دو کہ بیشک سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں یہ لوگ (بہت سی باتیں) دلوں میں مخفی رکھتے تھے جو تم پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم یہاں قتل ہی نہ کئے جاتے۔ کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے۔ اس سے غرض یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سینوں کی باتوں کو آزمائے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اُس کو خالص اور صاف کردے اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔

یعنی پورے غم ورنج کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں امن دیا جو اونگھ کی صورت میں تمہیں ڈھانکے ہوئے تھا ایک جماعت اسی میں مشغول تھی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جن پر اُحد والے دن اونگھ غالب آ گئی تھی اس وقت میں نیند میں جھوم رہا تھا۔ میری تلوار میرے ہاتھ سے گر پڑتی تھی اور میں اٹھاتا تھا میں نے جب نظر ڈالی تو دیکھا کہ لوگ ڈھالیں سروں پر رکھے ہوئے نیند کے جھولے لے رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بدر والے دن ہمارے پورے لشکر میں گھوڑ سوار صرف ایک ہی حضرت مقداد ؓ تھے۔ میں نے نگاہ بھر کر دیکھا کہ سارا لشکر نیند میں مست ہے صرف رسول اللہ ﷺ جاگ رہے تھے۔ آپ ﷺ ایک درخت تلے نماز میں مشغول تھے روتے جاتے تھے اور نماز پڑھتے جاتے تھے۔ صبح تک آپ ﷺ اسی طرح مناجات میں مشغول رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میدان جنگ میں

اونگھ کا آنا اللہ کی طرف سے امن کا ملنا ہے اور نماز میں اونگھ کا آنا شیطانی حرکت ہے۔ اونگھ صرف آنکھوں میں ہی ہوتی ہے اور نیند کا تعلق دل سے ہے۔ یہ یاد رہے کہ اونگھ آنے کا مشہور واقعہ تو جنگ احد کا ہے لیکن اس آیت میں جو بدر کے واقعہ کے قصے بیان میں اونگھ کا اترنا موجود ہے۔ پس سخت لڑائی کے وقت یہ واقعہ ہوا اور مومنوں کے دل اللہ کے عطا کردہ امن سے مطمئن ہو گئے یہ بھی مومنوں پر اللہ کا فضل وکرم اور اس کا لطف ورحم تھا۔ سچ ہے سختی کے بعد آسانی ہے

صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ رسول کریم ﷺ ایک چھپر تلے دعا میں مشغول تھے۔ جب حضورِ اکرم ﷺ بھی اونگھنے لگے اور تھوڑی دیر میں جاگے اور تبسم فرما کر حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا خوش ہو جاؤ۔ یہ ہیں جبرائیل علیہ السلام گرد آلود پھر آیت قرآنی پڑھتے ہوئے جھونپڑی کے دروازے سے باہر تشریف لائے۔

(سیھزم الجمع ویولون الدبر) (سورۃ القمر۔۴۵)

عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی

دوسرا احسان اس جنگ کے موقعہ پر یہ ہوا کہ بارش برس گئی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں مشرکوں نے میدان بدر کے پانی پر قبضہ کر لیا تھا مسلمانوں کے اور پانی کے درمیان وہ حائل ہو گئے تھے۔ مسلمان کمزوری کی حالت میں تھے شیطان نے ان کو دلوں میں وسوسہ ڈالنا شروع کیا کہ تم تو اپنے تئیں اللہ والے سمجھتے ہو اور اللہ کے رسول کو اپنے میں موجود مانتے ہو اور حالت یہ ہے کہ پانی تک تمہارے قبضہ میں نہیں مشرکین کے ہاتھ میں پانی ہے۔ تم نماز بھی جنبی ہونے کی حالت میں پڑھ رہے ہو۔ ایسے وقت آسمان سے مینہ برسنا شروع ہوا اور پانی کی ریل پیل ہو گئی۔ مسلمانوں نے پانی پیا بھی پلایا بھی نہا دھو کر پاکی بھی حاصل کر لی اور پانی بھر بھی لیا اور شیطانی وسوسہ بھی زائل ہو گیا اور جو چکنی مٹی پانی کے راستے میں تھی ڈھل کر وہاں کی سخت زمین نکل آئی اور ریت جم گئی کہ اس پر آمد و رفت آسان ہو گئی اور فرشتوں کی امداد آسمان سے آ گئی۔ پانچ سو فرشتے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کی ماتحتی میں اور پانچ سو حضرت میکائیل علیہ السلام کی ماتحتی میں۔ مشہور یہ ہے کہ آپ ﷺ جب بدر کی طرف تشریف لے چلے تو سب سے پہلے جو پانی کا چشمہ تھا وہاں ٹھہرے۔ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر

آپ ﷺ کو اللہ کا حکم یہاں پڑاؤ کرنے کا ہو تب تو خیر اور اگر جنگی مصلحت کے ساتھ پڑاؤ یہاں کیا ہو تو آپ ﷺ اور آگے چلیئے اور آخری پانی پر قبضہ کیجئے۔ وہیں حوض بنا کر سب پانی وہاں جمع کر لیں تو پانی پر ہمارا قبضہ رہے گا اور دشمن پانی بغیر رہ جائے گا اور آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ مغازی اموی میں ہے کہ اس رائے کے بعد جبرائیلؑ کی موجودگی میں ایک فرشتے نے آ کر آپ کو سلام پہنچایا اور اللہ کا حکم بھی کہ یہی رائے ٹھیک ہے۔ آپ ﷺ نے اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ ﷺ انہیں جانتے ہیں؟ حضرت جبرائیل نے فرمایا میں آسمان کے تمام فرشتوں سے واقف نہیں ہوں ہاں ہیں یہ فرشتے شیطان نہیں۔

سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ مشرکین ڈھلوان کی طرف تھے اور مسلمان اونچائی کی طرف تھے بارش ہونے سے مسلمانوں کی طرف تو زمین دھل کر صاف ہوگئی اور پانی سے انہیں نفع پہنچا۔ لیکن مشرکین کی طرف پانی کھڑا ہوگیا۔ کیچڑ اور پھسلن ہوگئی کہ انہیں چلنا پھرنا دوبھر ہوگیا۔ بارش جنگ سے پہلے ہوئی تھی غبار جم گیا تھا زمین سخت ہوگئی تھی۔ دلوں میں خوشی پیدا ہوگئی تھی ثابت قدمی میسر ہو چکی تھی۔ اب اونگھ آنے لگی اور مسلمان تازہ دم ہوگئے۔ صبح لڑائی ہونے والی تھی اور رات کو ہلکی سی بارش ہوگئی۔ صحابہ ؓ درختوں تلے جا چھپے۔ حضور ﷺ مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دلاتے رہے۔ یہ اس لئے تھا کہ اللہ تمہیں پاک کر دے۔ وضو بھی کر لئے اور غسل بھی اس ظاہری پا کی کے ساتھ ہی باطنی پاکیزگی بھی حاصل ہوئی۔ شیطانی وسوسے بھی دور ہوگئے۔ دل مطمئن ہوگئے جیسے کہ جنتیوں کے بارے میں فرمان ہے کہ ان کے بدن پر مہین اور موٹے ریشمی کپڑے ہوں گے اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور انہیں ان کا رب پاک اور پاک کرنے والا شربت پلائے گا۔ پس لباس اور زیور تو ظاہری زینت کی چیز ہوئی اور پاک کرنے والا پانی۔ جس سے دلوں کی پاکیزگی اور حسد و بغض کی دوری ہو جائے۔ یہ تھی باطنی زینت پھر فرماتا ہے کہ اس سے مقصود دلوں کی مضبوطی بھی تھی کہ صبر و برداشت پیدا ہو۔ شجاعت و بہادری سے دل بڑھ جائے ثابت قدمی ظاہر ہو جائے اور حملے میں استقامت پیدا ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ اپنی ایک باطنی نعمت کا اظہار فرما رہا ہے تاکہ مسلمان اس پر بھی اللہ کا شکر بجا لائیں کہ اللہ تعالیٰ تبارک وتقدس نے فرشتوں کا حکم دیا کہ تم جاؤ مسلمانوں کی مدد و نصرت کرو۔ ان کے ساتھ مل کر ہمارے دشمنوں کو نیچا دکھاؤ ان کی گنتی گھٹاؤ اور ہمارے دوستوں کی تعداد بڑھاؤ۔ کہا گیا ہے کہ فرشتہ کسی مسلمان کے پاس آتا اور کہتا

کہ مشرکوں میں عجیب بد دلی پھیلی ہوئی ہے۔ وہ تو کہہ رہے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے حملہ کر دیا تو ہمارے قدم نہیں ٹک سکتے ہم تو بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اب ہر ایک دوسرے سے کہتا دوسرا تیسرے سے پھر صحابہؓ کے دل بڑھ جاتے اور سمجھ لیتے کہ مشرکوں میں طاقت وقوت نہیں۔ پھر فرمایا ہے کہ تم اے فرشتو! اس کام میں لگو۔ ادھر میں مشرکوں کے دلوں میں مسلمانوں کی دھاک بٹھادوں گا۔ میں ان کے دلوں میں ذلت اور حقارت ڈال دوں گا۔ میرے حکم کے نہ ماننے والوں کا۔ میرے رسول کے منکروں کا یہی حال ہوتا ہے۔ پھر تم ان کے سروں پر وار لگا کر دماغ نکال دو، گردنوں پر تلوار مار کے سرھڑ میں جدائی کردو ہاتھ پاؤں اور جوڑ جوڑ، پور پور کو تاک تاک کر زخم لگاؤ۔ پس گردنوں کے اوپر سے بعض کے نزدیک مراد تو سر ہیں اور بعض کے نزدیک خود گردن مراد ہے۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

**اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ** جب کہ اللہ تم پر اونگھ چھا رہا تھا۔ جیسے سورت آل عمران میں آیا ہے

**اَمَنَةً نُعَا سًا يَّغْشٰى** ۔ **اَمَنَةً مِّنْهُ** اپنی طرف چین دینے کے لئے ہے کیونکہ اونگھ آجانے کی غرض چین حاصل ہو جاتا ہے اور **يغشيكم النعاس** کے اندر اونگھ آجانے کا مفہوم داخل ہے۔

امنۃ یا لازم ہے یعنی چین پانا اور متعدی بھی ہو سکتا ہے یعنی چین دینا یعنی ہمارے چین پانے کے لئے اللہ کی طرف سے تھی یا اونگھ جو تم پر چھا رہی تھی وہ تم کو چین عطا کرنے کے لئے اللہ کی طرف سے نازل شدہ تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا جنگ میں اونگھ آجانا یہ خدا کی طرف سے نازل شدہ چین ہوتا ہے اور نماز میں اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ عبد بن حمید نے قتادہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اونگھ اللہ کی طرف سے نازل شدہ چین تھا اور اونگھ کا نزول دو بار رہوا ایک بار بدر کی جنگ میں اور ایک بار احد جنگ میں۔

**وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ**

اور اس سے قبل تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ پانی کے ذریعہ کو تم کو حدث اور جنابت سے پاک کر دے اور شیطانی وسوسہ کو تم سے دفع کر دے۔

**رجز الشيطان** یعنی شیطان کا یہ وسوسہ دور کر دے کہ باوجود یکہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو

تمہارے اندر اللہ کا رسول ہے لیکن پانی پر دشمن کا قبضہ ہونے کی وجہ سے تم ناپاکی کی حالت میں بغیر طہارت کے نماز پڑھ رہے ہو۔ پھر کس طرح تم اللہ کے دوست ہو اور تمہارے اندر اللہ کا رسول کیسا ہے کہ اس کی مدد اللہ نہیں کرتا ہے۔

**وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ** اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے یعنی اللہ کی مہربانی پر اعتماد رکھنے اور دلوں کے اندر سکون نازل کرنے کی وجہ سے تمہارے دل مظبوط ہو جائیں۔ قوی دل والا، ربط کے لغوی معنی ہیں باندھنا اور قوت واستحکام تقاضا بندش ہے۔

(یعنی ربط کا معنی قوت مجازی ہے ربط سبب قوت ہے سبب کا اطلاق مسبب پر مجاز ہوتا)

**وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَام.** اور بارش کی وجہ سے قدموں کو جما دے۔ بارش سے ریت جم گئی سخت ہوگئی اس کے اندر دھنسنے سے قدم محفوظ ہو گئے۔ یا قدموں کو جمانے سے مراد ہے دل میں قوت پیدا کرنا اور برداشت کرنا اور برداشت شدت پر ثابت قدم رکھنا۔

(تفسیر مظہری)

تفسیر جلالین میں اس کی تفصیل اس طرح بیان ہوئی ہے۔

**اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ** قریشی لشکر نے بدر پہلے پہنچ کر جنگی اعتبار سے بہتر جگہ منتخب کر لی تھی اور پانی کے چشمہ پر بھی قابض ہو گئے۔ غرض یہ کہ ظاہری اسباب کے اعتبار سے قریشی لشکر کو فوقیت حاصل تھی۔ تعداد کے اعتبار سے مسلمانوں کی بہ نسبت تین گنا تھے نیز آلاتِ جنگ کے اعتبار سے نہایت مضبوط تھے۔ وہ لوگ ظاہری اسباب کے اعتبار سے مطمئن تھے۔ ادھر اسلامی لشکر کا یہ حال تھا کہ تعداد کے اعتبار سے دشمن کے مقابلہ میں ایک تہائی تھے۔ سواری کی یہ حالت کہ کل دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے اور چند زر ہیں موقع کے لحاظ سے بھی کوئی اطمینان بخش جگہ نہ تھی۔ ریگستانی نشیبی علاقہ جس میں انسانوں اور جانوروں کا چلنا پھرنا دشوار، گرد و غبار کی مصیبت الگ پانی کی قلت پینے کے لئے پانی ناکافی تھا چہ جائیکہ غسل وطہارت کے لئے۔

## حباب بن منذرؓ کا مشورہ:

جس مقام پر آنحضرت ﷺ نے قیام فرمایا تھا۔ حباب بن منذرؓ نے جو کہ اس علاقہ سے واقف تھے۔ اس مقام کو جنگی اعتبار سے نامناسب سمجھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں کیا عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جو مقام آپ نے اختیار فرمایا ہے اگر یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے تو ہمیں کچھ کہنے کا کوئی اختیار نہیں اور اگر محض رائے مصلحت کے پیش نظر اختیار فرمایا گیا ہے تو بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں یہ کوئی حکم خداوندی نہیں اس میں تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے تب حضرت حباب بن منذرؓ نے عرض کیا کہ پھر تو یہ بہتر ہے کہ اس مقام سے آگے بڑھ کر مکی سرداروں کے لشکر کے قریب ایک پانی کا مقام ہے۔ اس پر قبضہ کر لیا جائے وہاں ہمیں افراط کے ساتھ پانی مل جائے گا۔ آنحضرت ﷺ نے اس مشورہ کو قبول فرما لیا اور وہاں جا کر پانی پر قبضہ کیا۔ ایک حوض پانی کے لئے بنا کر اس میں پانی کا ذخیرہ جمع کر لیا۔ (احسن التفاسیر)

اس کام سے مطمئن ہونے کے بعد حضرت سعد بن معاذؓ کے مشورہ سے آپ ﷺ کے لئے ایک پہاڑی پر جہاں سے پورا میدان جنگ نظر آتا تھا۔ ایک عریش (چھپر) بنا دیا گیا جس میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے یار غار حضرت صدیق اکبرؓ رات بھر مشغول دعا رہے

## میدان بدر میں صحابہؓ پر غنودگی:

یہ اس رات کا واقعہ ہے جس کی صبح کو بدر کی لڑائی پیش آئی اسی رات کو باران رحمت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ اس بارش سے تین فائدے ہوئے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کو پانی کافی مقدار میں مل گیا۔ مسلمانوں نے حوض بنا کر پانی کافی ذخیرہ کر لیا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ بارش کی وجہ سے ریت جم گیا۔ جس کی وجہ سے ایک تو گرد و غبار کی تکلیف سے نجات ملی۔ دوسرے یہ کہ ریت جم کر چلنے پھرنے کے قابل ہوگئی۔ مشرکین کا لشکر چونکہ نشیب کی طرف تھے اس لئے وہاں کیچڑ اور پھسلن ہوگئی۔ جس کی وجہ سے سے بارش قریشی لشکر کے لئے زحمت ثابت ہوئی۔

## شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست:

شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست سے مراد ہراس اورگھبراہٹ کی وہ کیفیت تھی جس میں مسلمان ابتداء مبتلا رہے تھےاورقسم قسم کے خیالات ان کے دلوں میں آرہے تھے۔ دشمن اپنی تعداد، تیاری نیز جنگی اعتبار سے بہتر مقام پر فائز اور پانی پر قابض تھے۔ ان سب باتوں کے پیش نظر مسلمانوں کے دلوں میں خیالات اور ساوس کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھااوراس پر مزید یہ ہوا کہ بعض مسلمانوں کوغسل کی حاجت ہوگئی۔ جس کی وجہ سے فجر کی نماز حالت جنابت میں پڑھنی پڑی۔ اس وقت شیطان نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال کرشکوت وشبہات پیدا کر دیئے کہ تم سمجھتے ہو کہ محمد ﷺ تمہارے نبی ہیں اورتم اللہ کے محبوب اور دوست ہو حالانکہ تم بے وضواور جنابت کی حالت میں نماز پڑھ رہے ہو۔ اگرتم حق پر ہوتے تو پھران سب پریشانیوں کا کیا سبب ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ایسی زوردار بارش عطا فرمائی کہ وادی بہہ پڑی۔ (فتح القدیر شوکانی عن ابن عباس)

ایک ہزارفرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کا ذکر آیا ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں پرغنودگی طاری کرنے کا ذکر ہے اس غنودگی کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کے دلوں جو طبعی خوف و ہراس تھا وہ سب جاتا رہا، سستی اور تھکاوٹ ختم ہوگئی۔ جس کی وجہ سے اطمینان اور کامیابی کا پختہ یقین حاصل ہوگیا۔

**فائدہ:** سورۂ آل عمران میں ہے کہ احد کے میدان میں بھی لشکراسلام پرغنودگی طاری کردی گئی تھی لیکن وہ غنودگی لڑائی بگڑ جانے کا رنج وغم رفع کرنے کے لئے تھی اور بدر میں لڑائی سے پہلے اللہ تعالیٰ نے لشکراسلام پرغنودگی طاری کرکے دشمنوں کی تعداد کے زیادہ ہونے کا خوف اورشکست کھا جانے کا اندیشہ نیز شیطانی وسوسے دور فرمادئے۔ (جمالین فی شرح جلالین)

23:2 ۔ اِذۡ یُوۡحِیۡ رَبُّکَ اِلَی الۡمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیۡ مَعَکُمۡ فَثَبِّتُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ سَاُلۡقِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الرُّعۡبَ فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ وَ اضۡرِبُوۡا مِنۡهُمۡ کُلَّ بَنَانٍ O

(الانفال - 8:12)

جب تمہارا پرودگار فرشتوں کو ارشاد فرماتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، مومنوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں۔ میں ابھی ابھی کافروں کے دلوں میں رعب اور ہیبت ڈالے دیتا ہوں تو تم (کافروں کی) گردنوں کے اوپر سے ضرب لگاؤ اور ان کے ایک ایک جوڑ کو توڑ دو۔

When your Lord revealed to the angle: I am withyou So, make firm the feet of those who believe. I shall cast awe into the hearts of those who disbelieve. So, strike at the necks, and strike at every finger-joint of theirs.

**الملائکۃ** سے مراد وہ ملائکہ ہیں جن کو مسلمانوں کی کمک کے لئے بھیجا گیا تھا۔

**انی معکم** یعنی مسلمانوں کی مدد کرنے میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مراد یہ ہے کہ معیت سے جسمانی معیت مراد نہیں ہے بلکہ اللہ کے ساتھ ہونے سے مراد ہے اللہ کی مدد کا ساتھ ہونا ہے۔

**فَثَبِّتُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا** یعنی مسلمانوں کے دشمنوں سے لڑ کر مسلمانوں کی جماعت میں اضافہ کر کے اور مسلمانوں کی بشارت دے کر تم ان کی ہمت بڑھاؤ۔ ان کو اطمینان خاطر دلاؤ۔ مقاتل کا بیان ہے کہ آدمیوں کے بھیس میں ملائکہ صف سے آگے چلتے تھے اور کہتے تھے تم کو بشارت ہو کہ اللہ تم کو قطعی طور پر فتح یاب فرمائے گا۔

**الرعب** دل کے اندر خوف بھر جانا مراد ہے کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا ڈر بیٹھ جانا۔

**سَاُلۡقِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ** یہ پورا جملہ گویا **انی معکم** کی تشریح ہے۔

یعنی میری مدد کی گویا شکل یہ ہوگی کہ میں کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کی تعداد کو دوگنا چوگنا دکھا کر رعب ڈال دوں گا۔ ابو نعیم نے حضرت ابن عباس ؓ کا بیان نقل کیا ہے آپ ؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا! ابا آپ کو ابوالیسر ؓ نے کیسے گرفتار کرلیا۔ اگر آپ چاہتے تو اس کو مٹھی میں پکڑ لیتے۔ آپ قد آور اور جسیم آدمی ہیں

اور ابوالیسر ناٹا ٹھنگنا مٹھی بھر کا آدمی ہے۔ فرمایا! بیٹے ایسا نہ کہو وہ مجھے کوہ خندقہ سے بھی بڑا دکھائی دیتا تھا۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ نے قریش کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا ہے۔

فَوْقَ الْاَعْنَاقِ یعنی گردنوں سے اوپر والے حصوں میں مارو جیسے سر حلق وغیرہ۔ عکرمہ نے کہا فوق الاعناق سے سر مراد ہیں۔ کیونکہ سر گردنوں کے اوپر ہوتے ہیں۔ ضحاک نے کہا فوق الاعناق سے مراد ہے گردنوں پر فوق بمعنی علٰی ہے۔ گردنوں کے اوپر جمع ہے ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے پوروں کو بنان کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے بنان انگلیاں یا انگلیوں کے سرا۔

آیت بتا رہی ہے کہ اضربوا سے ملائکہ کو خطاب ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ملائکہ بھی لڑے تھے (صرف مسلمانوں کی تعداد بڑھانے ان کے دلوں میں اطمینان پیدا کرنے اور کافروں کو خوفزدہ کرنے کے لئے ہی شریک نہیں ہوئے تھے)۔ ابن انباری نے کہا فرشتے واقف نہ تھے کہ آدمیوں کو کیسے قتل کیا جاتا ہے۔ اللہ نے فاضربو فرما کو ان کو بتا دیا۔

بخاری، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ بدر کے دن جب کہ رسول اللہ ﷺ کیمپ کے اندر تھے۔ آپ ﷺ نے دعا کی اے اللہ! میں تجھے تیری ذمہ داری اور تیرے وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے اللہ! اگر مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی آج تیری مشیت ہوئی۔ آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جا سکے گی۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! بس آپ اپنے رب کے سامنے خوب زاری کر چکے۔ حضور ﷺ نے دعا ختم کر دی اور زرہ پہنے اچھلتے ہوئے یہ فرماتے ہوئے ڈیرہ سے باہر آ گئے۔

**سهزم الجمع ويولون الدبر O بل الساعة موعدهم والساعة ادهٰى وامر O**

(سورۃ القمر: ۴۶_۴۵)

عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔ بلکہ قیامت ان کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت بڑی سخت اور اور بڑی تلخ ہے۔

اور اللہ نے آیت نازل فرمائی!

اِذْتَستَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَا سْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدَّکُمْ بِأَ لْفٍ مِّنَ الْمَلَا ئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ O

(سورۃ الانفال ۔۹)

جب تم اپنے رب سے فریاد کرنے لگے تو اس نے تمہاری فریاد سن لی کہ
میں لگا تار آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا۔

مُرْدِفِیْنَ سے مراد ہیں پے در پے ایک کے بعد ایک سلسلہ وار اور فرمایا!

اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَۃِ اٰ لَا فٍ مِّنَ الْمَلَائِکَۃِ مُنْزِلِیْنَ O

(سورۃ ال عمران ۔ ۱۲۴)

کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب آسمان سے اتارے ہوئے تین ہزار
فرشتوں سے تمہاری مدد کرے۔

اور فرشتوں سے فرمایا!

اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوْا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ
فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْھُمْ کُلَّ بَنَانٍ۔

مسلم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس روز ایک مسلمان ایک مشرک کے تعاقب میں دوڑ رہا تھا۔ مشرک آگے آگے بھاگا جا رہا تھا کہ مسلمان نے اوپر سے کوڑا مارنے کی آواز سنی اور کسی سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا '' اقدم حیزوم حیزوم '' آگے بڑھ نظر اٹھا کر دیکھا تو مشرک سامنے چت پڑا ہوا دکھائی دیا۔ جس کی ناک ٹوٹ گئی تھی اور چہرہ پھٹ گیا تھا۔ اس مسلمان نے سب کو وہاں جمع کر کے دکھایا۔ ایک انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا حضور ﷺ نے فرمایا! تم سچ کہتے ہو۔ وہ قتل تیسرے آسمان کے فرشتوں کی کمک نے کیا تھا۔

حاکم اور بیہقی اور ابونعیم نے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ حضرت سہیلؓ بن حنیف نے فرمایا! بدر کے دن ہم میں سے بعض لوگ اپنی تلوار سے مشرک کے سر کی طرف اشارہ ہی کرتے تھے اور تلوار پہنچنے نہ پاتی تھی کہ سر نیچے گر پڑتا تھا۔ بیہقیؒ نے حضرت ربیع ابن انسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ گردنوں اور پوروں پر آگ سے جلے ہوئے کی طرح نشان دیکھ کر لوگ پہچان لیتے تھے کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے۔ ابن سعد نے حویطب بن عبدالعزی کا بیان نقل کا ہے میں بدر کے موقع پر مشرکوں کی معیت میں موجود تھا۔ میں نے ایک جماعت دیکھی آسمان وزمین کے درمیان ملائکہ کر دیکھا جو قتل اور قید کررہے تھے۔

محمدؒ بن عمر اسلمی اور بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بردہؓ بن دینار نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تین سر لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! ان دو کو میں نے قتل کیا ہے اور تیسرے کو میں نے دیکھا کہ کسی گورے رنگ کے دراز قامت شخص نے اس کو تلوار ماری اور سر اڑا دیا۔ معلوم نہیں وہ کون شخص تھا میں نے اس کا سر لے لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا! اس کو قتل کرنے والا فلاں فرشتہ تھا۔ ابن سعدؒ نے عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے اس روز بعض لوگوں کے سر اڑ کر الگ گر رہے تھے اور معلوم نہ ہوتا تھا کہ کس نے قتل کیا ہے۔ بعض کے ہاتھ کٹ کر الگ گر رہے تھے اور معلوم نہ ہوتا تھا کہ کاٹنے والا کون ہے۔

ابن اسحاق اور بیہقی نے حضرت ابووقد لیثیؓ کا بیان نقل کیا ہے میں بدر کے دن ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا لیکن میری تلوار پہنچنے سے پہلے اس کا سر گر پڑا۔ اس سے میں نے پہچان لیا تھا کہ کسی اور نے اس کو قتل کر دیا۔ بیہقی نے حضرت خارجہ بن ابراہیم کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرائیلؑ سے دریافت کیا بدر کے دن اقدم حیزوم کہنے والا کون فرشتہ تھا۔ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا! تمام آسمان والوں کو میں نہیں پہچانتا۔

ابن اسحاقؒ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابورافعؓ نے فرمایا کہ میں عباسؓ بن عبدالمطلب کا غلام تھا اسلام ہمارے گھر والوں کے اندر داخل ہو چکا تھا۔ ام الفضلؓ مسلمان ہو چکی تھیں اور میں بھی اسلام لے آیا تھا۔ حضرت عباس اپنی قوم والوں سے ڈرتے تھے اور ان کی مخالفت پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ آدمی بڑے مالدار تھے اور ان کا مال قوم میں بطور قرض بٹا ہوا تھا اس لئے آپ ایمان کو چھپائے ہوئے تھے۔ دشمن خدا ابولہب خود بدر میں شریک نہ ہوا تھا۔ اپنی جگہ اس نے عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیج دیا تھا جب اس کو بدر کی شکست

کی اطلاع ملی تو اللہ نے اس کو ذلیل اور رسوا کر دیا اور ہم کو اپنے اندر قوت اور عزت محسوس ہونے لگی میں کمزور آدمی تھا۔ تیر بنایا کرتا تھا اور زمزم کے حجرہ کے اندر بیٹھا تیر چھیلا کرتا تھا ایک روز حجرہ کے اندر بیٹھا تیر تراش رہا تھا۔ ام الفضل ؓ میرے پاس بیٹھی تھی کہ ابولہب (کافر) پاؤں کو گھسیٹتا ہوا سامنے آ گیا اور حجرہ کے بیرونی حصہ میں بیٹھ گیا۔ اس کی پشت میری پشت کی طرف تھی وہ بیٹھا ہی ہوا تھا کہ لوگوں نے کہا لو! ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آ گیا۔ ابولہب بولا! بھیجتے میرے پاس آؤ تمہارے پاس ضرور اطلاع ہو گی۔ ابوسفیان اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ لوگ کھڑے رہے ابولہب نے کہا! بھتیجے بتاؤ کیا ہوا۔

ابوسفیان نے کہا کچھ نہیں خدا کی قسم مقابلہ ہوا تو ہم نے اپنے شانے ان کے ہاتھوں میں دے دیئے کہ وہ جیسا چاہیں کریں۔ ہم کو قتل کریں یا قید کریں اس کے باوجود خدا کی قسم لوگ ناامید نہیں ہوئے۔ مگر ہمارا مقابلہ ایسے گورے رنگ کے لوگوں سے ہوا جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور آسمان و زمین کے درمیان (فضا میں) معلق تھے۔ خدا کی قسم! ان کا اندازہ کسی چیز سے نہیں ہوتا تھا نہ ان کے سامنے کوئی چیز ٹھہر سکتی تھی۔ حضرت ابورافع ؓ کا بیان ہے میں نے یہ سن کر خیمہ کا ایک حصہ (غالباً راوی نے جس کو حجرہ کہا ہے وہ حجرہ نما ڈیرہ ہو گا جو طنابوں سے بندھا ہوا ہو گا) اپنے ہاتھ سے اٹھا کر کہا خدا کی قسم! وہ ملائکہ تھے۔ ابولہب نے ہاتھ اٹھا کر فوراً میرے منہ پر زور سے ضرب لگائی۔ میں اس سے لپٹ گیا اس نے مجھے اٹھا کر زمین پر دے مارا اور اوپر چڑھ کر مجھے مارنے لگا۔ میں کمزور آدمی تھا ام الفضل ؓ نے جو یہ دیکھا تو ڈیرے کی ایک ٹیکی لے کر ابولہب کو زور سے ماری جس سے اس کا سر بری طرح سے پھٹ گیا اور بولیں چونکہ اس کا آقا موجود نہیں ہے اس لئے تو نے اس کو کمزور سمجھ لیا۔ ابولہب ذلیل ہو کر منہ پھیر کر چل دیا اور سات راتیں گذرنے نہ پائی تھیں کہ اللہ نے اس کو عدسہ کے مرض میں مبتلا کر دیا اور ختم کر دیا۔

ابن جریر نے کہا عدسہ ایک قسم کا پھوڑا ہوتا تھا عرب اس کو منحوس جانتے تھے ان کا خیال تھا کہ یہ بڑا متعدی مرض ہے۔ ابولہب کو چونکہ عدس کا مرض ہوا تھا اس لئے مرنے کے بعد بھی تین دن تک اس کی اولاد اس سے دور دور ہی رہی کوئی اس کی لاش کے قریب نہ آتا تھا۔ نہ اس کو دفن کرنے کا قصد کرتا آخر جب بدنامی کا زیادہ اندیشہ ہوا تو ایک گڑھا کھود کر لاٹھیوں کے سہارے لاش کو اٹھا کر اس گڑھے میں ڈال دیا اور دور ہی دور سے پتھروں سے گڑھے کو پاٹ کر لاش کو چھپا دیا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یونس بن بکیر کی روایت میں آیا ہے ابولہب کی لاش کے لئے گڑھا

نہیں کھود گیا تھا بلکہ کسی باغ کی دیوار کے سہارے اس کوٹکا کر دیوار کی پشت کی جانب سے پتھر پھینک کر لاش کو پتھروں میں چھپا دیا تھا۔

(تفسیر مظہری)

## خلاصۂ تفسیر

اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپ کا رب ان فرشتوں کو (جو امداد کے لئے نازل ہوئے تھے) حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں تو تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ۔ میں ابھی کفار کے قلوب میں رعب ڈالے دیتا ہوں۔ تم کفار کی گردنوں پر حربہ مارو اور ان کے ہر ایک جوڑ پر مار دو۔ یہ اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سخت سزا دیتے ہیں۔ خواہ دنیا میں کسی حکمت سے یا آخرت میں یا دونوں میں سو بالفعل یہ سزا چکھو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے جہنم کا عذاب مقرر ہی ہے۔

غزوہ بدر میں جو انعامات حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے ان میں سے پہلا انعام تو خود اس جہاد کے لئے مسلمانوں کو نکالنا ہے۔

جس کا بیان آیت کَمَآ اَخۡرَجَکَ رَبُّکَ میں ہوا ہے۔

دوسرا انعام فرشتوں کی مدد کا وعدہ ہے۔ جس کا ذکر آیت اِذۡ یَعِدُکُمُ اللّٰہ میں آیا۔

یہ تیسرا انعام دعا کی قبولیت اور مدد کا وعدہ پورا کرنا ہے۔ جس کا ذکر آیت اِذۡتَسۡتَغِیۡثُوۡنَ رَبَّکُمۡ میں ہوا ہے۔

چوتھے انعام کا تذکرہ ہے جس میں مسلمانوں کے لئے دو نعمتوں کا ذکر ہے ایک سب پر نیند غالب آ کر پریشانی اور تکان کا دور ہو جانا۔ دوسرے بارش کے ذریعہ ان کے لئے پانی مہیا فرماتا اور میدان جنگ کو ان کے لئے ہموار اور دشمن کے لئے دلدل بنا دینا۔

حضرت سعد بن معاذ ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہم آپ ﷺ کے لئے ایک

سائبان کسی محفوظ جگہ میں بنا دیں جہاں آپ مقیم رہیں اور آپ کی سواریاں بھی آپ ﷺ کے پاس رہیں۔ منشاء اس کا یہ ہے کہ ہم دشمن کے مقابلہ میں جہاد کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح نصیب فرمائی تو یہی مقصد ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی دوسری صورت ہو تو آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار ہو کر ان صحابہ کرامؓ کے ساتھ جا ملیں جو مدینہ طیبہ میں رہ گئے ہیں۔ کیونکہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ لوگ بھی جانثاری اور آپ ﷺ سے محبت میں ہم سے کم نہیں اور اگر ان کو آپ کے نکلنے کے وقت یہ خیال ہوتا کہ آپ کا اس مسلح لشکر سے مقابلہ ہوگا تو ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہتا۔ آپ ﷺ مدینہ میں پہنچ جائیں گے تو وہ آپ ﷺ کے رفیق کار رہیں گے۔ رسول کریم ﷺ نے ان کی اس جانبازانہ پیش کش پر دعائیں دیں اور ایک مختصر سا سائبان آپ ﷺ کے لئے بنا دیا گیا جس میں آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبرؓ کے سوا کوئی نہ تھا۔ حضرت معاذؓ دروازہ پر حفاظت کے لئے تلوار لئے کھڑے تھے۔

حافظ حدیث ابویعلی نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا کہ غزوہ بدر کی اس رات میں ہم میں سے کوئی باقی نہیں رہا جو سو نہ گیا ہو صرف رسول اللہ ﷺ تمام رات بیدار رہ کر صبح تک نماز تہجد میں مشغول رہے۔

اور ابن کثیرؒ نے بحوالۂ صحیح نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس رات میں جب کہ اپنے عریش یعنی سائبان میں نماز تہجد میں مشغول تھے۔ آپ کو بھی کسی قدر اونگھ آ گئی مگر فوراً ہی ہنستے ہوئے بیدار ہو کر فرمایا! اے ابوبکر! خوشخبری سنو۔ یہ جبرئیل علیہ السلام ٹیلہ کے قریب کھڑے ہیں اور یہ کہہ کر آپ ﷺ سائبان سے باہر آئے اور یہ آیت پڑھی۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ

یعنی عنقریب دشمن کی جماعت ہار جائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ گی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے باہر نکل کر مختلف جگہوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ابوجہل کی قتل گاہ ہے یہ فلاں کی یہ فلاں کی اور پھر ٹھیک اسی طرح واقعات پیش آئے۔

(تفسیر مظہری)

فرشتوں کو دو کام سپرد کئے گئے تھے ایک یہ کہ مسلمانوں کی ہمت بڑھائیں یہ اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ فرشتے میدان میں آ کر ان کی جماعت کو بڑھائیں اور ان کے ساتھ مل کر قتال میں حصہ لیں اور اس طرح بھی اپنے

تصریف سے مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کر دیں اور ان میں قوت پیدا کر دیں۔ دوسرا کام یہ بھی ان کے سپرد ہوا کہ فرشتے خود بھی قتال میں حصہ لیں اور کفار پر حملہ آوروں ہوں۔ اس آیت سے ظاہر یہی ہے کہ فرشتوں نے دونوں کام انجام دیئے مسلمانوں کے دلوں میں تصرف کر کے ہمت وقوت بھی بڑھائی اور قتال میں بھی حصہ لیا اور اس کی تائید چند روایات حدیث سے بھی ہوتی ہے جو تفسیر در منشور اور مظہری میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور قتال ملائکہ کی عینی شہادتیں صحابہ کرامؓ سے نقل کی ہیں۔

(تفسیر معارف القرآن)

23:3 . وَّرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا O

(الکھف- 18:14)

اور ان کے دلوں کو مربوط (یعنی مضبوط) کر دیا جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا مالک ہے ہم اس کے سوا کسی کو معبود سمجھ کر نہ پکاریں گے اگر ایسا کیا تو اس وقت میں ہم نے بعد از عقل بات کہی۔

We made their hearts firm when they stood up and said. Our Lord is the Lord of the heavens and the earth. We shall never invoke any god other than Him, otherwise we would be saying something far from the truth.

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ یعنی اصحاب کہف چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر اس زمانے کے دین عیسوی کے مطابق ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اور ترقی کر دی کہ صفات ایمان ثابت قدمی اور بلاؤں پر صبر، دنیا سے اعراض آخرت کی فکر وغیرہ بھی عطا کر دیں۔ انہی صفات ایمان وہدایت میں ایک بات یہ تھی کہ ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے۔ جبکہ وہ پختہ ہو کر آپس میں یا مخالف بادشاہ کے رد برد کہنے لگے کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو

آسمانوں اورزمین کا رب ہے۔ ہم تو اس کو چھوڑ کر کسی معبود کی عبادت نہ کریں گے کیونکہ خدانخواستہ ہم نے ایسا کیا تو اس صورت میں ہم نے بڑی بے جا بات کہی اور یہ ہماری قوم ہے۔ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اور معبود قرار دے رکھے ہیں کیونکہ ان کی قوم اور بادشاہ وقت سب بت پرست تھے سو یہ لوگ اپنے معبودوں کے معبود ہونے پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے۔

جیسا کہ موحدین توحید واضح اور یقینی دلیل رکھتے ہیں تو اس سے زیادہ کون غضب ڈھانے والا ہوگا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگا دے کہ اس کے کچھ ساجھی اور شریک بھی ہیں اور پھر آپس میں کہا کہ جب ہم ان لوگوں سے عقیدہ ہی میں الگ ہوگئے اور ان کے معبوں کی عبادت سے بھی الگ ہوگئے ہیں۔ مگر اللہ سے الگ نہیں ہوئے بلکہ اسی کی وجہ سے وہ سب کو چھوڑا ہے تو اب مصلحت یہ ہے کہ ہم فلاں غار میں (جو مشورے سے طے ہوا ہوگا) چل کر پناہ لیں تاکہ امن اور بےفکری کے ساتھ اللہ کی عبادت کر سکیں۔ ہم پر ہمارا رب اپنی رحمت پھیلا دے گا اور ہمارے لئے اس کام میں کامیابی کے سامان درست کر دے گا اللہ تعالیٰ سے اسی امید اور توقع پر غار میں جانے کے وقت انہوں نے سب سے پہلے یہ دعا کی کہ

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا.

(سورۃ الکہف۔۱۰)

اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بارگاہ سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہدایت (کے اسباب) مہیا فرما۔

وَرَبَطۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اللہ کی طرف سے ان کے دلوں کو مضبوط کر دینے کا واقعہ اس وقت ہوا جب کہ بت پرست ظالم بادشاہ نے ان نوجوانوں کو اپنے دربار میں حاضر کر کے سوالات کئے اس موت وحیات کی کش مکش اور قتل کے خوف کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو دلوں پر اپنی محبت اور ہیبت وعظمت ایسی مسلط کر دی کہ اس کے مقابلے میں قتل وموت اور ہر مصیبت کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو کر اپنے عقیدے کا صاف صاف اظہار کر دیا کہ وہ اللہ کے سوا کسی معبود کی عبادت نہیں کرتے اور آئندہ بھی نہ کریں گے۔ جو لوگ اللہ کے لئے کسی کام کا عزم پختہ کر لیتے ہیں تو حق تعالیٰ کی طرف سے ان کی ایسی ہی امداد ہوا کرتی ہے۔ (تفسیر معارف القرآن)

23:4 ۔ وَاَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰی فٰرِغًا ؕ اِنۡ كَادَتۡ لَتُبۡدِیۡ بِهٖ لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّبَطۡنَا عَلٰی قَلۡبِهَا لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ O

(القصص-28:10)

اورموسیٰ کی ماں کا دل بے صبر ہوگیا اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے تو قریب تھا کہ وہ اس (قصے) کو ظاہر کر دیں غرض یہ تھی کہ وہ مومنوں میں رہیں۔

And the heart of the mother of Musa (AS) becamerestless; indeed she was about to disclose this (the real factsabout Musa [AS]) had We not stengthened her heart toremain among those who have firm belief (in Allah's promise).

## جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب ان کو صندوقچہ میں ڈال کر دریا میں بہادیا تو بہت پریشان ہوئیں اور سوائے اللہ کے سچے رسول اور اپنے لخت جگر حضرت موسیٰ ؑ کے آپ کو کسی اور چیز کا خیال ہی نہ رہا۔ صبر وسکون جاتا رہا دل میں بجز حضرت موسیٰ ؑ کی یاد کے اور کوئی خیال ہی نہیں آتا تھا۔ اگر اللہ کی طرف سے ان کی دلجمعی نہ کر دی جاتی تو وہ تو بے صبری میں راز فاش کر دیتیں لوگوں سے کہہ دیتیں کہ اسی طرح میرا بچہ ضائع ہوگیا۔ لیکن اللہ نے ان کا دل ٹھہرا دیا، ڈھارس دی اور تسکین دے دی کہ تمہارا بچہ تمہیں ضرور ملے گا۔ والدہ موسیٰ ؑ نے اپنی بڑی بیٹی سے جو ذرا سمجھدار تھیں فرمایا تم اس صندوق پر نظر جما کر کنارے کنارے چلی جاؤ۔ دیکھو کیا انجام ہوتا ہے۔ مجھے بھی خبر کرنا تو یہ دور سے اسے دیکھتی ہوئی چلیں لیکن اس انجان پن سے کے کوئی اور نہ سمجھ سکے کہ یہ اس کا خیال رکھتی ہوئی اس کے ساتھ جارہی ہے۔ فرعون کے محل تک پہنچتے ہوئے اور وہاں اس کی لونڈیوں کو اٹھاتے ہوئے آپ کی ہمشیرہ نے دیکھا پھر وہیں باہر کھڑی رہ گئیں کہ شاید کچھ معلوم ہوسکے کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔ وہاں یہ ہوا کہ جب حضرت آسیہ نے فرعون کو اس کے خونی ارادے سے باز رکھا اور بچے کو اپنی پرورش میں لے لیا تو شاہی محل میں جتنی دائیاں تھیں ان کو بچہ دیا گیا ۔ ہر ایک نے بشری محبت و پیار سے انہیں دودھ پلانا چاہا۔ لیکن بحکم الٰہی حضرت موسیٰ ؑ نے کسی کے دودھ کا ایک

گھونٹ بھی نہ پیا۔ آخر اپنی لونڈیوں کے ہاتھوں اسے باہر بھیجا کہ کسی دایہ کو تلاش کرو۔ جس کا دودھ یہ پئے اس کو لے آؤ۔ چونکہ رب العٰلمین کو منظور یہ تھا کہ وہ اپنی والدہ کے سوا کسی اور کا دودھ نہ پیئں۔ اس میں سب سے بڑی مصلحت یہ تھی کہ حضرت موسیٰؑ اپنی ماں کے پاس پہنچ جائیں۔

لونڈیاں آپؑ کو لے کر باہر نکلیں تو آپؑ کی بہن نے آپ کو پہچان لیا۔ لیکن ان پر ظاہر نہ کیا اور نہ خود انہیں پتہ چل سکا۔ آپؑ کی بہن پہلے تو بہت پریشان تھی لیکن اس کے بعد اللہ نے صبر وسکون دے دیا اور وہ خاموش اور مطمئن تھیں۔ بہن ان کنیزوں کے پاس گئیں اور ان کو کہا تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ انہوں نے کہا یہ بچہ کسی دایہ کا دودھ نہیں پیتا اور ہم اس کے لئے کسی دایہ کی تلاش میں ہیں۔ یہ سن کر حضرت موسیٰؑ کی بہن نے کہا! تم کہو تو میں تمہیں ایک دایہ کا پتہ بتاتی ہوں ممکن ہے بچہ ان کا دودھ پی لے اور اس کی پرورش کریں اس کی خیر خواہی کریں۔ یہ سن کر ان کو کچھ شک گزرا کہ یہ لڑکی اس لڑکے کی اصلیت اور اس کے ماں باپ سے واقف ہے۔ اسے گرفتار کر لیا گیا اور پوچھا تمہیں کیا معلوم کہ وہ عورت اس کی کفالت اور خیر خواہی کرے گی۔ اس نے کہا سبحان اللہ؟ کون نہ چاہے گا کہ شاہی دربار میں اس کی عزت ہو انعام واکرام کی خاطر کون اس سے ہمدردی نہ کریگا۔ ان کی سمجھ میں بھی آ گیا کہ ہمارا پہلا گمان غلط تھا۔ یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے اسے چھوڑ دیا اور کہا اچھا چل اس کا مکان دکھا یہ انہیں لے کر اپنے گھر لے آئیں اور اپنی والدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا انہیں دیجئے۔ سرکاری آدمیوں نے انہیں دیا تو بچہ دودھ پینے لگا۔ فوراً یہ خبر حضرت آسیہ کو دی گئی وہ یہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور انہیں اپنے محل میں بلوایا اور بہت کچھ انعام واکرام کیا لیکن ان کو یہ علم نہ ہوا کہ فی الواقع یہی اس بچے کی والدہ ہیں۔ فقط اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰؑ نے ان کا دودھ پیا تھا وہ ان سے بہت خوش ہوئیں۔

کچھ دنوں تک تو یونہی کام چلتا رہا آخر ایک روز حضرت آسیہ نے فرمایا! میری خوشی ہے کہ تم محل میں آ جاؤ یہیں رہو سہو اور اسے دودھ پلاتی رہو۔ ام موسیٰؑ نے جواب دیا کہ یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ میں بال بچوں والی ہوں میرے میاں بھی ہیں۔ انہیں دودھ پلا دیا کروں گی پھر آپ کے ہاں بھیج دیا کروں گی۔ یہ طے ہوا اور اس پر فرعون کی بیوی بھی رضامند ہو گئیں ام موسیٰؑ کا خوف امن سے، فقیری امیری سے، بھوک آسودگی سے، دولت و عزت میں بدل گئی۔ روزانہ انعام واکرام پاتیں کھانا، کپڑا، شاہی طریق پر ملتا اور اپنے پیارے بچے کو اپنی گود

میں پالتیں۔ ایک ہی دن یا ایک رات کے بعد ہی اللہ نے اس کی مصیبت کو راحت سے بدل دیا۔
حدیث شریف میں ہے جو شخص اپنا کام دھندا کرے اور اس میں اللہ کا خوف اور میری سنتوں کا لحاظ کرے۔ اس کی مثال ام موسیٰؑ کی طرح ہے کہ اپنے ہی بچے کو دودھ پلائے اور اجرت بھی لے۔ اللہ کی ذات پاک ہے اسی کے ہاتھ میں تمام کام ہے۔ اسی کا چاہا ہوا ہوتا ہے اور جس کام کو وہ نہ چاہے ہر گز نہیں ہوتا۔ یقیناً وہ ہر اس شخص کی مدد کرتا ہے جو اس پر توکل کرے۔ اس کی فرمانبرداری کرنے والے کا دستگیر وہی ہے۔ وہ اپنے نیک بندوں کے آڑے وقت کام آتا ہے اور ان تکلیفوں کو دور کرتا ہے اور ان کی تنگی کو فراخی سے بدلتا ہے اور ہر رنج کے بعد راحت عطا فرماتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور اسے اپنے بچے کا صدمہ نہ رہے اور وہ اللہ کے وعدوں کو بھی سچا سمجھے اور یقین مان لے کہ وہ ضرور نبی اور رسول بھی ہونے والا ہے۔ اب آپؑ کی والدہ اطمینان سے آپؑ کی پرورش میں مشغول ہوگئیں اور اسی طرح پرورش کی جس طرح ایک بلند درجہ نبی کی ہونی چاہیے۔ ہاں رب کی حکمتیں بے علموں کی نگاہ سے اوجھل رہتی ہیں۔ وہ اللہ کے احکام کی غایت کو اور فرمانبرداری کے نیک انجام کو نہیں سوچتے ظاہری نفع نقصان کے پابند رہتے ہیں اور دنیا پر ریجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہیں یہ نہیں سوجھتا کہ ممکن ہے جسے وہ برا سمجھ رہے ہیں اچھا ہو اور بہت ممکن ہے کہ جسے وہ اچھا سمجھ رہے ہیں وہ برا ہو۔ یعنی جسے برا جانتے ہوں کیا خبر کہ اس میں قدرت نے کیا فوائد پوشیدہ رکھیں ہیں۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

**وَاَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰی فٰرِغًا** اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہوگیا۔ یعنی شدت خوف ہجوم غم سے موسیٰؑ کی ماں کا دل عقل سے خالی ہوگا۔ اس کے اوسان خطا ہوگئے کیونکہ انہوں نے سن لیا تھا کہ موسیٰؑ فرعون کے ہاتھ میں پڑ گئے۔

اکثر اہل تفسیر نے خالی ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ موسیٰؑ کی یاد کے علاوہ اس کا دل ہر بات سے خالی ہوگیا۔ حسنؒ نے یہ مطلب بیان کیا کہ اس کا دل خالی ہوگیا۔ وہ اس الہام کو بھول گئیں جو اللہ نے اس کے دل میں پیدا کر دیا تھا کہ اس کو دریا میں ڈال دینا اور کچھ خوف و غم نہ کرنا ہم ضرور اس کو لوٹا کر تیرے پاس پہنچا دیں گے اور اس کو

پیغمبر بنائیں گے۔ مگر شیطان نے اس سے آ کر کہا کیا تجھے یہ بات تو پسند نہیں کہ فرعون تیرے بچہ کو قتل کر دے اور تجھے اس کا اجر و ثواب ملے اور تو خود بچہ کو قتل کرنے کے درپے ہو رہی ہے اور اس کو دریا میں ڈال کر غرق کر رہی ہے۔ اس کا گناہ تو تجھ پر ہوگا اور اگر فرعون اس معصوم کو قتل کر دے گا تو تجھے اجر ملے گا۔ غرض جب اس کو اطلاع ملی کہ فرعون نے دریائے نیل میں موسیٰؑ کو پالیا تو اس مصیبت نے ان کو اللہ کا وعدہ فراموش کرا دیا۔ شاید ان کو اس سے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ ممکن ہے اس کے دل میں جو القاء ہوا تھا وہ غلط ہو۔ کیونکہ اولیاء کا الہام ظنی ہوتا ہے قطعی نہیں ہوتا، الہام میں غلطی ہو سکتی ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا اس کا دل غم سے خالی ہو گیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اللہ کا وعدہ ضرور سچا ہے بچہ کبھی ضائع نہ ہوگا۔

اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِىْ بِهٖ قریب تھا کہ وہ اس کو ظاہر کر دیتی یعنی قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دیتی کہ یہ موسیٰؑ میرا بیٹا ہے۔ اس کو شدت حزن نے اس حد تک پہنچا دیا تھا کہ وہ ضبط کرنے کی طاقت تقریباً کھو چکی تھی۔ عکرمہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا جو قول نقل کیا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قریب تھا کہ وہ کہہ دیتی ہائے میرا بیٹا۔

مقاتل نے کہا جب اس نے صندوق کو دیکھا کہ دریا کی لہریں اس کو اوپر اٹھا کر پھر نیچے پٹخ رہی ہیں اور وہ لہروں میں پھنسا ہوا ہے تو اس کو ڈوب جانے خطرہ اتنا ہوا کہ قریب تھا وہ چیخ پڑتیں اور بات کھل جاتی۔ کلبی نے کہا جوان ہونے کے بعد جب حضرت موسیٰؑ کو فرعون کا بیٹا کہا جانے لگا اور آپ کی والدہ نے بھی یہ بات سنی تو اس کو یہ بات اتنی شاق گزری کہ قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دیتی کہ موسیٰؑ میرا بیٹا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ والدہ موسیٰؑ کا دل غم و فکر سے خالی ہو گیا اس کو کوئی غم نہ رہا۔ جب کہ اس نے سن لیا کہ موسیٰؑ کو فرعون نے بیٹا بنا لیا ہے۔ یہ بات سن کر اس کو اتنی خوشی ہوئی کہ خوشی سے مغلوب ہو کر وہ قریب تھا کہ ظاہر کر دیتی کہ موسیٰؑ میرا بیٹا ہے میرے بیٹے کو فرعون نے بیٹا بنایا ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی کا بیان نقل کیا یہ کہ جب موسیٰؑ کی بہن نے کہا کہ میں تم کو ایک ایسی عورت بتاتی ہوں کہ یہ بچہ اس کا دودھ پی لے گا اور پھر ماں کو لے کر آ گئی۔ موسیٰؑ نے ماں کے پستان کو منہ میں لے لیا تو قریب تھا کہ ماں بول اٹھتی یہ تو میرا ہی بیٹا ہے لیکن اللہ نے اس کو اظہار سے بچا لیا۔ ابو عبیدہ نے آیت کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ موسیٰؑ کی ماں کا دل خوف و

حزن سے خالی ہو گیا۔ کیونکہ اللہ نے فرمادیا تھا لَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ یعنی اس کو اللہ کے اس وعدہ پر اتنا اعتماد تھا کہ قریب تھا وہ بتادے کہ موسیٰؑ میرا بیٹا ہے یا یہ ظاہر کردے کہ مجھے وحی سے اللہ کا یہ وعدہ معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ اس کو میرے پاس لوٹا کر ضرور لائے گا اور اس کو پیغمبر بنائے گا۔

یوسف بن حسین نے کہا موسیٰؑ کی ماں کو دو حکم دیئے گئے تھے اور دو چیزوں کی ممانعت کی گئی اور دو بشارتیں دی گئی تھیں۔ لیکن اس کو کسی سے کوئی فائدہ اس وقت تک نہیں پہنچا جب تک اللہ نے اس کی حفاظت نہیں کی اور اس کے دل کو مضبوط نہ کیا اور بے چینی کو سکون سے نہ بدلا تا کہ وہ ان مومنوں میں سے ہو جائے جو اللہ کے وعدہ پر پختہ بھروسہ رکھتے ہیں۔ فرعون کے بیٹا بنانے پر بھروسہ نہ رکھے۔

(تفسیر مظہری)

## خلاصہ تفسیر

فرعون سرزمین مصر میں بہت سر چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف طبقے بنادئے تھے۔ اس طرح کہ قبطیوں (یعنی مصری لوگوں) کو معزز بنا رکھا تھا اور سبطیوں (یعنی بنی اسرائیل) کو پست اور خوار کر رکھا تھا۔ ان باشندوں میں سے ایک جماعت یعنی بنی اسرائیل کا زور گھٹا رکھا تھا۔ اس طرح سے کہ ان کے بیٹوں کو جو نئے پیدا ہوتے تھے جلادوں کے ہاتھوں ذبح کرواتا تھا اور ان کی عورتوں یعنی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا تا کہ ان سے خدمت لیجائے اور ان سے کوئی خطرہ بھی نہ ہو۔ واقعی وہ بڑا مفسد تھا۔ اللہ کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کو ذلیل کیا جا رہا تھا ہم ان پر دنیوی و دینی احسان کریں اور وہ احسان یہ کہ ان کو دین میں پیشوا بنادیں اور دنیا میں ان کو اس ملک کا مالک بنائیں اور مالک ہونے کے ساتھ زمین میں ان کو حکومت دیں۔ فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین کو ان بنی اسرائیل کی جانب سے وہ ناگوار واقعات دکھائے جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے۔ مراد اس سے زوال سلطنت و ہلاکت ہے کہ اسی بچاؤ کرنے کے لئے بنی اسرائیل کے بچوں کو ایک تعبیر خواب کی بنا پر قتل کر رہا تھا جو فرعون نے دیکھا تھا اور نجومیوں نے یہ تعبیر دی تھی۔ (کذا فی الدر المنثور)

اللہ کی قضاوقدر کے سامنے ان لوگوں کی تدبیر کچھ کام نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اسی پرآشوب زمانہ میں پیدا ہوئے تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام کیا کہ جب تک ان کا اخفا ممکن ہو تم ان کو دودھ پلاؤ پھر جب تم کو ان کی نسبت جاسوسوں کے مطلع ہونے کا اندیشہ ہو تو بے خوف وخطر ان کو صندوق میں رکھ کر دریا یعنی نیل میں ڈال دینا اور نہ تو غرق سے اندیشہ کرنا اور نہ مفارقت پر غم کرنا۔ کیونکہ ہم ضرور ان کو پھر تمہارے ہی پاس واپس پہنچا دیں گے اور پھر اپنے وقت پر ان کو پیغمبر بنا دیں گے غرض وہ اسی طرح دودھ پلاتی رہیں۔ پھر جب افشائے راز کا خوف ہوا تو صندوق میں بند کر کے اللہ کے نام پر دریائے نیل میں چھوڑ دیا۔ اس کی کوئی شاخ فرعون کے محل میں جاتی تھی یا تفریحاً فرعون کے متعلقین دریا کی سیر کو نکلے تھے۔ غرض وہ صندوق کنارے پر لگا تو فرعون کے لوگوں نے صندوق بمعہ بچے کے اٹھا لیا اور فرعون کے سامنے لائے تو فرعون کی بی بی حضرت آسیہؓ نے فرعون سے کہا کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ یعنی اس کو دیکھ دیکھ کر جی خوش ہوا کرے گا تو اس کو قتل مت کرو عجب نہیں کہ بڑا ہو کر ہم کو کچھ فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنا لیں اور ان لوگوں کو انجام کی خبر نہ تھی کہ یہ وہی بچہ ہے۔ جس کے ہاتھوں فرعون کی سلطنت غارت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ادھر یہ قصہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل خیالات مختلفہ کے ہجوم سے بیقرار ہوگیا اور بیقراری بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ ایسی سخت بیقراری کہ قریب تھا کہ غایت بیقراری سے وہ موسیٰ علیہ السلام کا حال سب پر ظاہر کر دیتیں۔ اگر ہم ان کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کرتے کہ وہ ہمارے وعدہ پر یقین کئے بیٹھی رہیں۔ غرض بمشکل انہوں نے دل کو سنبھالا اور تدبیر شروع کی وہ یہ کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن یعنی اپنی بیٹی سے کہا ذرا موسیٰ کا سراغ تو لگا۔ سو وہ چلیں اور یہ معلوم کر کے کہ صندوق محل میں کھلا ہے۔ محل میں پہنچیں یا تو ان کی آمدورفت ہوگی یا کسی حیلہ سے پہنچیں اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو دور سے دیکھا اور ان لوگوں کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ ان کی بہن ہیں اور اس فکر میں آئی ہیں اور ہم نے پہلے ہی سے یعنی جب سے صندوق سے نکلے تھے۔
موسیٰ علیہ السلام پر دودھ پلانے والیوں کی بندش کر رکھی تھی یعنی کسی کا دودھ نہ لیتے تھے سو موسیٰ علیہ السلام کی بہن اس حال کو دیکھ کر موقع پا کر کہنے لگیں کیا میں تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ بتا دوں جو تمہارے لئے اس بچہ

کی پرورش کریں اور وہ اپنی جبلت کے موافق دل سے اس کی خیر خواہی کریں۔ ان لوگوں نے ایسے وقت میں کہ دودھ پلانے کی مشکل پڑ رہی تھی اس مشورہ کو غنیمت سمجھا اور ایسے گھرانے کا پتہ پوچھا انہوں نے اپنی والدہ کا پتہ بتلا دیا۔ چنانچہ وہ بلائی گئیں اور موسیٰ علیہ السلام ان کی گود میں دیئے گئے۔ جاتے ہی دودھ پینا شروع کر دیا اور ان لوگوں کی اجازت سے چین سے اپنے گھر لے آئیں اور گاہے بگاہے لے جا کر ان کو دکھلا آتیں۔

غرض ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح ان کی والدہ کے پاس اپنے وعدہ کے موافق واپس پہنچا دیا تا کہ اپنی اولاد کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تا کہ فراق کے غم میں نہ رہیں اور مرتبہ معائنہ میں اس بات کو اور زیادہ یقین کے ساتھ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

23:5 ۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ج
كَذَٰلِكَ ج لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا O

(الفرقان - 25:32)

اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ اس طرح آہستہ آہستہ اس لئے اتارا گیا کہ اس سے تمہارے دل کو قائم رکھیں اور اسی واسطے ہم اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں۔

Said those who disbelieved, :Why has the Quran not been revealded to him all at once? (it has been sent down) in this way (i.e. in parts) so that We make your heart firm, and We revealed it little by little .

## قرآن حکیم مختلف اوقات میں کیوں اتارا:

کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ جیسے توریت، انجیل، زبور وغیرہ ایک ساتھ پیغمبروں پر نازل ہوتی

رہیں۔ یہ قرآن ایک ہی دفعہ آنحضرت ﷺ پر نازل کیوں نہ ہو؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہاں واقعی یہ متفرق طور پر اترا ہے۔ تیئیس برس میں نازل ہوا ہے، جیسے جیسے ضرورت پڑتی گئی جو جو واقعات ہوتے رہے ۔ احکام نازل ہوتے گئے تا کہ مومنوں کا دل جما رہے، ٹھہر ٹھہر کر احکام اتریں تا کہ ایک دم عمل مشکل نہ ہو پڑے وضاحت کے ساتھ بیان ہوجائے اور سمجھ میں آجائے ۔ تفسیر بھی ساتھ ہی ساتھ ہوتی رہے۔ صبح شام، رات دن، سفر حضر میں بار باراس نبی ﷺ کی عزت اوراپنے خاص بندوں کی ہدایت کے لئے اللہ کا کلام ہمارے نبی ﷺ کی پوری زندگی تک اتر تا رہا۔ جس سے حضور ﷺ کی بزرگی اور فضیلت بھی ظاہر ہوتی رہی۔ لیکن دوسرے انبیاء علیہم السلام پر ایک ہی مرتبہ سارا کلام اترا۔ مگراس سے بہترین نبی ﷺ سے اللہ تبارک وتعالیٰ بار بار خطاب کرتا کہ اس قرآن کی عظمت بھی آشکار ہوجائے۔ اس لئے یہ اتنی لمبی مدت میں نازل ہوا۔ پس نبی ﷺ بھی سب نبیوں میں اعلیٰ اور قرآن بھی سب کلاموں میں بالا ہے کہ قرآن کو دونوں بزرگیاں ملیں۔ یہ ایک ساتھ لوح محفوظ سے ملا اعلیٰ میں اترا۔ لوح محفوظ سے پورے کا پورا دنیا کے آسمان تک پہنچا۔ پھر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سارا قرآن ایک دفعہ ہی لیلۃ القدر میں دنیا آسمان پر نازل ہوا پھر تیئیس سال تک زمین پر اترا اتارہا۔ پھراس کے ثبوت میں آپ نے آیت تلاوت فرمائی

وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا O

(25.الفرقان. 33)

اور یہ لوگ آپ کے پاس کیسا ہی سوال لائیں ہم آپ کواس کا ٹھیک جواب اور عمدہ توجیہ دیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا O

(17.الاسراء :106)

اور ہم نے قرآن کو جز جز کر کے نازل کیا تا کہ آپ (ﷺ) لوگوں کے سامنے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور اسی لئے ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا نازل کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

**کذلک** کاف کا تعلق فعل محذوف سے ہے۔ یعنی ہم نے اس کو اس طرح تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَکَ تاکہ اس سے آپ کے دل کو جماؤ عطا کریں۔ آپ کو سمجھنے اور یاد رکھنے میں دشواری نہ ہو۔ پھر واقعات اور حالات کے موافق نازل کرنے میں معنوی بصیرت بھی اس سے حاصل ہوتی ہے۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ جب تھوڑا تھوڑا نازل کیا گیا اور ہر ٹکڑے کو چیلنج کے طور پر پیش کیا گیا۔ کفار ہر ٹکڑے کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوئے تو اس سے اللہ کے رسول ﷺ کے دل کو قوت حاصل ہوئی۔ تدریجی نزول کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ہر مرتبہ جبرئیلؑ نے آ کر آپ ﷺ کے دل کو قوی کیا۔ تدریجی نزول سے ناسخ و منسوخ کی پہچان بھی ہوگئی۔

**ورتلنٰہ ترتیلا** حضرت ابن عباسؓ نے اس کا ترجمہ کیا ہم نے قرآن کو واضح طور پر بیان کر دیا۔ ترتیل کا معنی ترسل یعنی ٹھہر ٹھہر (الگ الگ صاف صاف) پڑھنا۔ سدی نے ترجمہ کیا ہم نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ کر دیا۔ مجاہد نے کہا ہم اس کے ایک حصہ کو دوسرے کے بعد لائے۔ نخعی اور حسن نے کہا ہم نے اس کو جدا جدا ٹکروں میں بانٹ دیا۔

(تفسیر مظہری)

## خلاصہ تفسیر

کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پیغمبر پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہیں کیا گیا۔ مقصود اس اعتراض سے یہ تھا کہ اگر خدا کا کلام ہوتا تو بتدرریج نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس بتدریج نازل کرنے سے تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ محمد ﷺ خود ہی سوچ سوچ کر تھوڑا تھورا بنا لیتے ہیں۔ اس اعتراض کا جواب ہے کہ اس طرح تدریجاً اس لئے ہم نے نازل کیا ہے تاکہ ہم اس کے ذریعہ آپ ﷺ کے دل کو قوی رکھیں۔ اسی لئے ہم نے اس کو بہت ٹھہرا ٹھہرا کر اتارا ہے۔ چنانچہ تیئیس ۲۳ سال کے عرصہ میں آہستہ آہستہ پورا ہوا۔

اس اعتراض کے جواب میں قرآن کو بتدریج نازل کرنے کی ایک حکمت یہاں یہ فرمائی ہے کہ اس کے ذریعہ آپ ﷺ کے دل کو قوی رکھنا مقصود ہے۔ نزول تدریجی میں آنحضرت ﷺ کی تقویت قلب کی چند وجوہ ہیں۔

اول یہ کہ یاد رکھنا آسان ہو گیا۔ ایک ضخیم کتاب بیک وقت نازل ہو جاتی تو یہ آسانی نہ رہتی اور آسانی کے ساتھ یاد ہوتے رہنے سے دل میں کوئی پریشانی نہیں رہتی۔

دوسرے جب کفار آپ ﷺ پر کوئی اعتراض یا آپ کے ساتھ کوئی ناگوار معاملہ کرتے تو اسی وقت آپ ﷺ کی تسلی کے لئے قرآن میں آیت نازل ہو جاتی اور اگر پورا قرآن ایک دفعہ آ گیا ہوتا اور اس خاص واقعہ پر تسلی کا ذکر بھی ہو گیا ہوتا تو بہر حال اس کو قرآن میں تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی اور ذہن کا اس طرف متوجہ ہو جانا بھی عادۃً ضروری نہیں تھا۔

تیسرے پیغام خداوندی آنا تازہ شہادت ہے اور اس جگہ حکمت تقویت قلب کی بتلائی گئی ہے۔ نزول تدریجی کی حکمت ہی صرف اس میں منحصر نہیں بلکہ دوسری حکمتیں بھی ہیں ۔ (بیان القرآن)

(تفسیر معارف القرآن)

# 24 ۔ مطمئن دل

اللہ تعالیٰ نے مطمئن دل رکھنے والوں کا تذکرہ قرآن کریم میں سات مقامات پر کیا ہے

24:1 ۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ط قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ط قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ط قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا ط وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ O

(البقرہ- 2:260)

اور جب ابراہیمؑ نے خدا سے کہا کہ اے پرودگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے، خدا نے فرمایا! کیا تم نے اس بات پر یقین نہیں کیا؟ انہوں نے کہا! کیوں نہیں! لیکن (میں دیکھنا) اس لئے (چاہتا ہوں) تا کہ میرا دل اطمینان حاصل کر لے۔ خدا نے کہا کہ چار پرندے پکڑو اور اپنے پاس منگا لو اور ٹکڑے کر دو پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھ دو پھر ان کو بلاؤ تو تمہارے پاس دوڑ چلے آئیں گے اور جان رکھو کہ خدا غالب اور صاحب حکمت ہے۔

Remember When Ibrahim (AS) said: My Lord, show me how You give life to the dead; He said; is it that you do not believe? He said: of course, I do, but is just to make my heart at peace, "He said: Then take four birds and tame them to your call, then put on every mountain a part from them, then give them a call, and they shall come to you rushing, and know that Allah is Mighty, Wise."

## معمہ حیات وموت

حضرت ابراہیمؑ کے اس سوال کی بہت سی وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ چونکہ یہی دلیل آپؑ نے نمرود مردود کے سامنے پیش کی تھی تو آپؑ نے چاہا کہ علم الیقین سے عین الیقین حاصل ہوجائے۔ جانتا تو ہوں ہی لیکن دیکھ بھی لیں۔

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کے موقع کی ایک حدیث ہے جس میں ہے کہ ہم شک کے حقدار بہ نسبت حضرت ابراہیمؑ کے زیادہ ہیں ۔ جبکہ آیت میں ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى

اس سے کوئی جاہل یہ نہ سمجھے کہ حضرت خلیل اللہ کو اللہ کی اس صفت میں شک تھا۔ اس حدیث کے بہت سے جواب ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے (شاید ہی ہوگا کہ ہم خلیل اللہ سے کمزور ایمان والے ہونے کے باوجود خلاق عالم کی اس صفت میں شک نہیں کرتے تو خلیل اللہ کو شک کیوں ہوگا؟ اب رب العالمین خالقِ کل فرماتا ہے کہ چار پرندے لے لو۔ اس بارے میں کئی قول ہیں کہ کون کون سے پرندے حضرت ابراہیم نے لئے تھے؟ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا علم ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اس کا نہ جاننا ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ کوئی کہتا ہے وہ بگلا اور مور اور مرغ اور کبوتر تھے، کوئی کہتا ہے وہ مرغابی اور سیمرغ کا بچہ اور مرغ اور مور تھے، کوئی کہتا ہے، کبوتر، مرغ، مور اور کوا تھے، پھر انہیں کاٹ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔ حضرت ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں اور روایت میں ہے کہ سر اپنے پاس رکھ لئے، جب مل گئے انہیں ذبح کر دیا، پھر ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ کر دیئے۔

پس آپ نے چار پرندے لئے اور ذبح کر کے ان کے ٹکڑے کئے۔ پھر پر اکھیڑ دیئے اور سارے مختلف ٹکڑے آپس میں ملا دیئے۔ پھر چاروں پہاڑوں پر وہ ٹکڑے رکھ دیئے۔ اور سب پرندوں کے سر اپنے ہاتھ میں رکھے۔ پھر بحکم اللہ انہیں بلانے لگے۔ جس جانور کو آواز دیتے۔ اس کے بکھرے ہوئے پر ادھر ادھر سے اڑاتے اور آپس میں جڑ جاتے۔ اسی طرح خون خون کے ساتھ ملتا اور باقی اجزاء بھی جس جس پہاڑ پر ہوتے ہوتے آپس میں مل جاتے اور پرندہ اڑتا ہوا آپ کے پاس آتا۔ آپؑ اسے دوسرے پرندے کا سر دیتے تو قبول نہ کرتا۔ خود اس

کا سر دیتے تو وہ بھی جڑ جاتا، یہاں تک کہ ایک ایک کر کے یہ چاروں پرندے زندہ ہو کر اڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اور مردوں کے زندہ ہونے کا یہ ایمان افروز نظارہ خلیل اللہ نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا۔ پھر فرمایا ہے کہ جان لو اللہ غالب ہے کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ جس کام کو چاہے وہ بے روک ٹوک ہو جاتا ہے ہر چیز اس کے قبضے میں ہے۔ وہ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ اسی طرح اپنے انتظام میں اور شریعت کے مقرر کرنے میں بھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرمایا کرتے تھے کہ ابراہیم ؑ سے جناب باری تعالیٰ کا یہ سوال کرنا کہ کیا تو ایمان نہیں لایا اور حضرت خلیل اللہ کا یہ جواب دینا کہ ہاں ایمان تو ہے لیکن دلی اطمینان چاہتا ہوں۔

یہ آیت اور تمام آیتوں سے زیادہ امید دلانے والی معلوم ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک ایماندار کے دل میں اگر کوئی خطرہ وسوسہ شیطانی پیدا ہو تو اس پر پکڑ نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ کی ملاقات ہوتی تو پوچھتے ہیں کہ قرآن میں سب سے زیادہ امید پیدا کرنے والی آیت کون سی ہے؟

عبداللہ بن عمرو ؓ فرماتے ہیں یہ آیت ہے۔ (39-الزمر:53)

قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ☆

جس میں ارشاد ہے کہ اے میرے گنہگار بندو! میری رحمت سے ناامید نہ ہونا۔

میں سب گناہوں کو بخش دیتا ہوں۔ ابن عباس ؓ نے فرمایا میرے نزدیک تو اس امت کیلئے سب سے زیادہ ڈھارس بندھانے والی آیت حضرت ابراہیم ؑ کا یہ قول پھر رب دو عالم کا سوال اور آپ کا جواب ہے۔

(عبدالرزاق و ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیرؒ)

حسنؒ، قتادہؒ، عطاء خراسانیؒ، اور ابن جریجؒ نے لکھا ہے کہ اس سوال کا سبب یہ تھا کہ ساحل پر گدھے کا ایک ڈھانچہ پڑا تھا۔ جب سمندر میں مد ہوتا تو سمندر کے جانور اسے کھاتے اور جب جزر ہوتا تو درندے اور پرندے اسے کھاتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے دیکھا تو متعجب ہوئے۔ عرض کی اے رب! میں جانتا ہوں کہ تو سمندر اور خشکی سے جمع کرے گا، مجھے دکھا تو کیسے زندہ فرماتا ہے تاکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں میرے

یقین میں اضافہ ہو۔ ایک قول میں کہا گیا ہے کہ جب نمرود نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں ایک آدمی کو قتل کرادیا اور ایک کو آزاد کردیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا! اللہ تعالیٰ موت عطا کرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ نمرود نے کہا تو نے خود دیکھا ہے تو آپؑ ہاں نہ کہہ سکے۔ اس وقت آپؑ نے رب سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے مردوں کو زندہ کرنا دکھایئے تاکہ بعد میں اگر کوئی کہے کہ تو نے دیکھا ہے تو میں ہاں کہہ سکوں۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ایک فرشتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ انہیں اس کی بشارت دے۔ فرشتہ نے آپ علیہ السلام کو بشارت دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا اس کی علامت کیا ہے؟ فرشتہ نے کہا اللہ تعالیٰ تمہاری دعا کو قبول کرے گا اور تمہارے سوال کرنے پر مردوں کو زندہ کرے گا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سوال کیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم ایمان نہیں رکھتے کہ میں موت دینے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا جبکہ اسے علم تھا کہ بندوں میں سے یہ سب سے مضبوط ایمان والے ہیں۔ جو جواب انہوں نے دیا وہ جواب دیں اور سننے والے اسے جان لیں تاکہ میری بصیرت اور اطمینان قلب میں اضافہ ہو۔ جب میرا مشاہد وحی اور استدلال کے ساتھ ملے یا اس کا مفہوم یہ ہے تاکہ میرا دل اس سے مطمئن ہو کہ تو نے مجھے اپنا دوست بنایا اور میری دعا کو قبول کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے حقدار ہیں۔ آپ نے کہا!

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى (الآیۃ)

(پروردگار! دکھا مجھے تو کیسے زندہ فرماتا ہے مردوں کو اور یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے رب)

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ☆

اے ابراہیم! کیا تم ایمان نہیں رکھتے۔ عرض کی ایمان تو ہے لیکن یہ سوال اس لئے ہے تا کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ امام ابو خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حدیث میں حضور ﷺ کا اپنی ذات یا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر شک کا اعتراف نہیں بلکہ دونوں سے شک کی نفی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے جب میں اس میں شک نہیں کرتا تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو بدرجہ اولیٰ اس میں شک نہیں کرتے۔ حضور ﷺ نے یہ قول تواضع اور کسر نفسی کے طور پر فرمایا۔ یہی مفہوم اس ارشاد کا بھی ہے اگر میں اتنی دیر قید میں رہتا جتنا حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام رہے تو میں دعوت کو قبول کر لیتا۔ اس میں اس بات کی خبر دیتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے سوال شک کی بناء پر نہ تھا بلکہ مشاہدہ کے ذریعے علم میں زیادتی کے لئے تھے۔ کیونکہ مشاہدہ ایسی معرفت اور اطمینان عطا کرتا ہے جو استدلال عطا نہیں کرتا۔

حضور ﷺ کا فرمان خبر مشاہدہ جیسی نہیں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ ان کی قوم بچھڑے کی پوجا کرنے لگی ہے لیکن انہوں نے تختیاں نہ پھینکی۔ مگر جب خود دیکھا تو تختیاں پھینکیں دیں تو وہ ٹوٹ گئیں۔ اسے امام احمد اور طبرانی رحمہا اللہ تعالیٰ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے انس رحمۃ اللہ علیہ سے خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سند حسن کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس میں حضرت موسیٰ ؑ کا ذکر نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا جب یہ آیت نازل ہوئی ایک قوم نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا ہمارے نبی نے شک نہیں کیا تو رسول اللہ ﷺ نے تواضع اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقدم جانتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شک کی نفی تو اللہ تعالیٰ کے کلام سے ثابت ہے۔ کیونکہ فرمایا کیوں نہیں لیکن تا کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا۔ اس وہم کو دور کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ سچی بات وہ ہے جو صوفیاء کرام نے کہی سلوک میں اہل اللہ کے دو مقام ہیں۔

1۔ ایک مقام عروج ہے۔ وہ صفات بشریہ سے خلاصی اور صفات ملکیہ وقدسیہ اپنانا ہے۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد اس مقام کی وضاحت کرتا ہے آپ ﷺ نے وصال کے روزے رکھنے سے منع کرنے پر فرمایا میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ میں اپنے رب کے ہاں رات گزارتا ہوں وہی مجھے کھلاتا ہے وہی مجھے پلاتا ہے۔ صوفیاء کی

اصطلاح میں اسے سیر اِلی اللہ اور سیر فی اللہ کا نام دیا جاتا ہے۔

2۔ دوسرا مقام نزول ہے۔ وہ بشری صفات سے مکمل انخلاء کے بعد دوبارہ بشری صفات کو اپنانا ہے۔ یہی مقام تکمیل ہے اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینا ہے۔ اسی کو سیر من اللہ باللہ (اللہ تعالیٰ کے ساتھ سیر) کہتے ہیں۔ مقام نزول کی حکمت یہ ہے کہ فیضان کرنے والے اور فیض پانے والے کے درمیان کوئی مناسبت ہونی چاہیئے تاکہ استفادہ آسان ہو جائے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے ہی رسول انسانوں کی طرف مبعوث فرمائے اور عوام کے لئے اللہ تعالیٰ سے فیض پانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ باہم مناسبت نہیں اللہ تعالیٰ تو جہاں بھر سے غنی ہے اور نہ ہی فرشتوں سے رسول مبعوث فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا! '' فرما دیجئے اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتے رسول بنا کر بھیج دیتے '' اور فرمایا! اگر ہم رسول فرشتہ بناتے تو اسے بھی انسان ہی بناتے اور ہم ان پر معاملہ اسی طرح مشتبہ کرتے جس طرح وہ شک میں مبتلا ہیں۔ جب کبھی کسی انسان کا نزول مکمل ہوا تو اس کی دعوت بھی زیادہ فائدہ منداور مکمل ہوئی۔ جس طرح تیر پھینکنے والا ہدف سے بلند جگہ پر ہو تو اکثر اس کا تیر نشانہ پر نہیں لگتا۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز نے فرمایا! لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کا اس لئے انکار کیا کیونکہ دونوں لوگوں کی استعداد کا فرق تھا اور حضور ﷺ کی دعوت کو اس لئے قبول کیا کیونکہ داعی اور مدعوین میں مناسبت تھی۔ اس کا مفہوم یہ کہ جب لوگوں کی استعداد انتہائی پست تھی اور حضرت نوح علیہ السلام مقام عروج پر فائز تھے تو دونوں میں باہمی فرق کی وجہ سے عوام آپ علیہ السلام سے اثر قبول نہ کر سکے اور جب حضور ﷺ نزول میں انتہائی مقام تک پہنچے تو باہم تعلق قائم ہونے کی وجہ سے لوگوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کیا۔ عارف معرفت نامہ رکھتا ہے کبھی کبھی اس پر آثار نزول ظاہر ہوتے ہیں اس وقت وہ عوام کی طرح اور اسباب سے متعلق ہوتا ہے۔ اسی مقام کی یہ واقعات وضاحت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جنگ میں لوہے کی دو زرہیں زیب تن فرمائیں۔ مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کھودی اسی مقام پر عارف یقین کی زیادتی اور اطمینان قلب کے لئے استدلال

کو لازم پکڑتا ہے۔ اسی مقام کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ اور حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ اشارہ کرتا ہے جب انہوں نے کہا!

''لَوْاَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْاٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ''

اے کاش میرے پاس بھی تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں پناہ ہی دے سکتا کسی مضبوط سہارے کی۔

حضور ﷺ نے یقین کی زیادتی کی طلب کو مجازاً شک سے تعبیر کیا کیونکہ دونوں میں صوری مشابہت ہے اور اپنے مقام نزول کے متعلق ان الفاظ سے خبر دی لَوْاَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْاٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ یعنی ہمارا مقام نزول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام نزول سے بڑھ کر ہے ہم یقین کی زیادتی کے طلب کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ کا نزول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نزول سے بڑھ کر ہے کیونکہ آپ ﷺ تمام بنی نوع انسان کی طرف مبعوث کئے گئے۔ جس طرح حضور ﷺ کا مقام عروج بھی تمام انبیاء ورسل کے مقام عروج سے بڑھ کر ہے۔ آپ ﷺ تو **قاب قوسین او ادنی** کے مقام پر فائز تھے۔ آپ ﷺ پر کمالات کی تمام جہتیں ختم ہوتی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے پکڑے مور، مرغ، کبوتر، اور کوا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کبوتر کی جگہ گدھ منقول ہے۔ عطاء خراسانی رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی کی ایک سبز بطخ، سیاہ کوا، سفید کبوتر اور سرخ مرغ پکڑو۔ اللہ تعالیٰ نے چار پرندے پکڑنے کا اس لئے حکم دیا کیونکہ انسان بھی چار اخلاط سے مل کر بنتا ہے جو چار عناصر سے بنتے ہیں، سرخ مرغ خون، سفید کبوتر بلغم، سیاہ کوا سوداء اور سبز بطخ صفراء کی حکایت بیان کرتا ہے۔ ان چار پرندوں کو مارنے کے بعد زندہ کرنا اس پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اجزاء کو مارنے کے بعد زندہ کرسکتا ہے۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نفس کو ابدی زندگی عطا کرنا یہ شہوات کو مارنے کے ساتھ ہی حاصل ہوتا ہے۔ ظاہری سجاوٹ اور خواہشات کی محبت مور کی صفات میں سے ہیں۔ حملہ کرنے اور رعب میں مشہور ہے نفس کی خست اور آرزوں کی طوالت یہ کوے کی صفت ہے۔ اپنے آپ کو بلند سمجھنا

اور خواہشات کی طرف جلدی کرنا یہ کبوتر کی صفت ہے۔ جب ابراہیم علیہ السلام مقام نزول اور مقام دعوت پر تھے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو راہنمائی کے راستہ سے آگاہ کیا یعنی موید کو فناء بقاء کو عطا کرنا ان پرندوں کو پکڑنا اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنا سلوک وفناء سے آگاہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں بلانا جزب اِلی اللہ اور بقاء سے آگاہ کرتا ہے۔ یہ کلمات اہل بصیرت کے لئے ہیں ان کی تفسیر کی گنجائش نہیں۔ واللہ اعلم

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ پرندوں کو ذبح کریں ان کے پروں کو اکھیڑ دیں ان کے پر خون اور گوشت آپس میں ملا دیں۔ پھر حکم دیا کہ اس کے اجزاء کو پہاڑوں پر رکھ دیں۔ آپ علیہ السلام نے ان کے سات سات ٹکڑے سات پہاڑوں پر رکھے اور ان کے سر اپنے ہاتھ میں پکڑ لئے۔ اسی طرح ابن جریج اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ نے نقل کیا۔ ابن جریر نے ابن اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ آپ علیہ السلام نے ہر پرندے کے چار ٹکڑے کئے اور چار پہاڑوں پر ہر پرندے کا چوتھائی رکھا۔ انہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے ساتھ آجاؤ۔ دوڑتے ہوئے جلدی کرتے ہوئے آئیں گے، اڑتے ہوئے یا پیدل چلتے ہوئے۔ دوسری ہڈی اور ٹکڑے کے ساتھ ملنے لگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے یا یہاں تک کہ ہر جسم سر کے بغیر مکمل ہو گیا۔ پھر وہ دھڑ سروں کی طرف بڑھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اذن سے پہلے کی طرح ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرے کوئی اسے عاجز نہیں کر سکتا جو کچھ وہ کر سکتا ہے یا چھوڑتا ہے اس میں حکمت بالغہ کارفرما ہوتی ہے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت دعاء میں تضرع اور سوال میں حسن ادب کی اہمیت پر شاہد عادل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسی وقت آسان ترین صورت میں وہ دکھایا۔ جس کا ارادہ فرمایا جبکہ حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال تک موت عطا کرنے کے بعد دکھایا۔

(تفسیر مظہری)

## خلاصہ تفسیر

اس وقت کے واقعہ کو یاد کرو جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے پرودگار! مجھ کو یہ دکھا دیجئے کہ آپ مردوں کو قیامت میں کس کیفیت سے زندہ کریں گے۔ یعنی زندہ کرنے کا تو یقین ہے لیکن زندہ کرنے کی مختلف صورتیں اور کیفیتیں ہوسکتی ہیں وہ معلوم نہیں اس لئے وہ معلوم کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اس سوال سے کسی کم سمجھ آدمی کو اس کا شبہ ہوسکتا تھا کہ معاذ اللہ ابراہیم علیہ السلام کو مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان و یقین نہیں تھا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے خود یہ سوال قائم کر کے بات کھول دی۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام سے اس سوال کے جواب میں اول ارشاد فرمایا کہ کیا تم اس پر یقین نہیں لاتے۔ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ یقین کیوں نہ لاتا۔ لیکن اس غرض سے یہ درخواست کرتا ہوں تا کہ میرے قلب کو معین صورت زندہ کرنے کی مشاہدہ کرنے سے سکون ہوجائے۔ ذہن دوسرے احتمالات سے چکر میں نہ پڑے۔ ارشاد ہوا کہ اچھا تو تم چار پرندے لو پھر ان کو پال کر اپنے لئے ہلا لو تا کہ ان کی خوب شناخت ہوجائے۔ پھر سب کو ذبح کر کے اور ہڈیوں پروں سمیت ان کا قیمہ کر کے اس کے کئی حصے کرو اور کئی پہاڑ اپنی مرضی سے انتخاب کر کے ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک ایک حصہ رکھ دو اور پھر ان سب کو بلاؤ۔ دیکھو تمہارے پاس زندہ ہو کر دوڑے دوڑے چلے آئیں گے۔ خوب یقین رکھو کہ اس بات کا کہ حق تعالیٰ زبردست قدرت والا ہے، سب کچھ کرسکتا ہے، پھر بھی بعض باتیں نہیں کرتا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حکمت والے بھی ہیں ہر کام حکمت و مصلحت کے مطابق کرتے ہیں۔

(تفسیر معارف القرآن)

تفسیر روح المعانی میں بسند ابن المنذر، حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ پھر ان کو پکارا تو فوراً ہڈی سے ہڈی، پر سے پر، خون سے خون، گوشت سے گوشت مل ملا کر سب اپنی اپنی اصلی ہیّت میں زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آ گئے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم! قیامت کے روز اسی طرح سب اجزاء و جساد کو جمع کر کے ایک دم سے ان میں جان ڈالدوں گا۔

قرآن کے الفاظ میں یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا آیا ہے کہ یہ پرندے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اڑ کر نہیں آئیں گے، کیونکہ آسمان میں اُڑ کر آنے میں نظروں سے اوجھل ہو کر بدل جانے کا شبہ ہو سکتا ہے، زمین پر چل کر آنے میں یہ بالکل سامنے رہیں گے۔ اس واقعہ میں حق تعالیٰ نے قیامت کے بعد حیات بعد الموت کا ایسا نمونہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو دکھلا دیا۔ جس نے مشرکین اور منکرین کے سارے شبہات کا ازالہ مشاہدہ سے کر دیا۔

حیات بعد الموت اور عالم آخرت کی زندگی پر سب سے بڑا اشکال منکرین کو یہی ہوتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد مٹی ہو جاتا ہے، پھر یہ مٹی کہیں ہوا کے ساتھ اُڑ جاتی ہے، کہیں پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہے، کہیں درختوں اور کھیتوں کی شکل میں برآمد ہوتی ہے، پھر اس کا ذرہ ذرہ دنیا کے اطراف بعید میں پھیل جاتا ہے۔ ان منتشر ذروں اور اجزاء انسانی کو جمع کر دینا اور پھر ان میں روح ڈال دینا سطحی نظر والے انسان کو اس لئے سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ سب کو اپنی قدرت اپنی حیثیت پر قیاس کرتا ہے۔ وہ اپنے سے مافوق اور ناقابل قیاس قدرت میں غور نہیں کرتا۔ حالانکہ اگر وہ ذرا سا اپنے ہی وجود میں غور کر لے تو اسے نظر آئے کہ آج بھی اس کا وجود ساری دنیا میں بکھرے ہوئے اجزاء وذرات کا مجموعہ ہے۔ انسان کی پیدائش جن ماں اور باپ کے ذریعے ہوتی ہے اور جن غذاؤں سے اُن کا خون اور جسم بنتا ہے وہ خود جہان کے مختلف گوشوں سے سمٹے ہوئے ذرات ہوتے ہیں، پھر پیدائش کے بعد انسان جس غذا کے ذریعے نشو ونما پاتا ہے، جس سے اس کا خون اور گوشت پوست بنتا ہے، اس میں غور کرے تو اس کی غذاؤں میں ایک ایک چیز ایسی ہے جو تمام دنیا کے مختلف ذرّات سے بنی ہوئی ہے۔ دودھ پیتا ہے تو وہ کسی گائے، بھینس یا بکری کے اجزاء ہیں، اور ان جانوروں میں یہ اجزاء اُس گھاس دانے سے پیدا ہوئے جو انھوں نے کھائے ہیں، یہ گھاس دانے معلوم نہیں کس کس خطہ زمین سے آئے ہیں اور ساری دنیا میں پھرنے والی ہواؤں نے کہاں کہاں کے ذرّات کو ان میں شامل کر دیا ہے۔ اسی طرح دنیا کا دانہ دانہ اور پھل اور ترکاریاں اور انسان کی تمام غذائیں اور دوائیں جو اس کے بدن کا جزو بنتی ہیں۔ وہ کس کس گوشہ عالم کس کس طرح حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور نظام محکم نے ایک انسان کے بدن میں جمع فرما دیئے، اگر غافل اور کوتاہ نظر انسان دنیا کو چھوڑ کر اپنے ہی تن بدن کی تحقیق (ریسرچ) کرنے بیٹھ جائے تو اس کو یہ نظر آئے گا کہ اس کا وجود خود ایسے بے شمار اجزاء سے مرتب ہے، جو کوئی

مشرق کا ہے کوئی مغرب کا، کوئی جنوبی دنیا کا کوئی شمال حصہ کا، آج بھی دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اجزا قدرت کے نظام محکم نے اس کے بدن میں جمع فرما دیتے ہیں اور مرنے کے بعد یہ اجزاء پھر اسی طرح منتشر ہو جائیں گے، تو اب دوسری مرتبہ پھران کا جمع فرما دینا اس کی قدرت کاملہ کے لئے کیا دشوار ہے، جس نے پہلی مرتبہ اس کے وجود میں ان منتشر ذرّات کو جمع فرما دیا تھا۔

### واقعہ مذکورہ پر چہ سوالات مع جوابات:

آیت متذکرہ بالا کے مضمون میں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

اوّل یہ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ سوال ہی کیوں پیدا ہوا، جبکہ وہ حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر ایمان لانے میں اس وقت کی ساری دنیا سے زیادہ یقین پر تھے؟

درحقیقت حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ السّلام کا سوال کسی شک وشبہ کی بناء پر تھا ہی نہیں، بلکہ سوال کا منشاء صرف یہ تھا کہ حق تعالیٰ قیامت میں مرُدوں کو زندہ کریں گے۔ اُن کی قدرت کامل سے یہ کسی طرح کی بھی دشواری یا حیرت انگیز بات نہیں بلکہ یقینی ہے، لیکن مُردوں کو زندہ کرنے کا کام انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ اس نے کبھی کسی مرُدہ کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھا نہیں اور مردہ کو زندہ کرنے کی کیفیات اور صورتیں مختلف ہوسکتی ہیں، انسان کی فطرت ہے کہ جو چیز اس کے مشاہدہ میں نہ ہو اس کی کیفیات کی کھوج لگانے کی فکر میں رہا کرتا ہے، اس میں اس کا خیال مختلف راہوں پر چلتا ہے، جس میں ذہنی انتشار کی تکلیف بھی برداشت کرتا ہے، اس ذہنی انتشار کو رفع کر کے قلب کو سکون مل جانے ہی کا نام اطمینان ہے، اسی کے لئے حضرت خلیل اللہ نے یہ درخواست پیش فرمائی تھی۔

اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایمان اور اطمینان میں کیا فرق ہے، ایمان اس اختیار یقین کا نام ہے جو انسان کو رسول کے اعتماد پر کسی غیب کی بات کے متعلق حاصل ہو جائے اور اطمینان سکون قلب کا نام ہے۔ بعض اوقات نظروں سے غائب کسی چیز پر یقین کامل تو ہوتا ہے، مگر قلب کو سکون اس لئے نہیں ہوتا کہ اس کی کیفیات کا علم نہیں ہوتا۔ یہ سکون صرف مشاہدہ سے حاصل ہوسکتا ہے، حضرت خلیل اللہ کو بھی حیات بعد الموت پر تو کامل ایمان ویقین تھا۔ سوال صرف کیفیت احیاء کے متعلق تھا۔

**دُوسرا سوال** یہ ہے کہ جب حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سوال زندہ کرنے کی کیفیت سے متعلق تھا۔ اصل حیات بعد الموت میں کوئی شک شبہ نہ تھا، تو پھر ارشاد ربانی **اَوَلَمْ تُؤْمِنْ** یعنی '' کیا آپ کو یقین نہیں '' فرمانے کا کوئی موقع نہیں رہتا؟

**جواب** یہ ہے کہ جو سوال حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے پیش فرمایا کہ اصل واقعہ میں کوئی شک نہیں۔ لیکن اس سوال کا ایک مفہوم تو یہی ہے کہ زندہ کرنے کی کیفیت دریافت کرنا منظور ہے۔ انہی الفاظ سوال کا ایک دوسرا مفہوم بھی ہوسکتا ہے جو اصل قدرت میں شبہ یا انکار سے پیدا ہوا کرتا ہے۔ جیسے آپ کسی بوجھ کے متعلق یہ یقین رکھتے ہیں کہ فلاں آدمی اس کو نہیں اٹھا سکتا اور آپ اس کا عاجز ہونا ظاہر کرنے کے لئے کہیں کہ دیکھیں تم کیسے اس بوجھ کو اٹھاتے ہو۔ چونکہ ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے سوال کا یہ غلط مفہوم بھی کوئی لے سکتا تھا اس لئے حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس غلط بات سے بری ثابت کرنے کے لئے ہی یہ ارشاد فرمایا! **اَوَلَمْ تُؤْمِنْ** تاکہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے جواب میں '' بلیٰ'' فرما کر افتراء پردازوں کی اعتراض سے نکل جائیں۔

**تیسرا سوال** یہ ہے کہ اس سوال ابراہیمی سے کم از کم اتنا تو معلوم ہوا کہ ان کو حیات بعد الموت پر اطمینان حاصل نہ تھا، حالانکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر عالم غیب سے پردہ اٹھا دیا جائے تو میرے یقین واطمینان میں کوئی زیادتی نہ ہوگی، کیونکہ مجھے ایمان بالغیب ہی اطمینان کامل حاصل ہے۔ جب بعض امتیوں کو درجہ اطمینان حاصل ہو تو کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ کے خلیل کو اطمینان کا درجہ حاصل نہ ہو؟

جواب: اس کے متعلق یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اطمینان کے بھی بہت سے درجات ہیں، ایک وہ اطمینان ہر جو اولیاء اللہ اور صدیقین کو حاصل ہوتا ہے، اور ایک اس سے اعلیٰ مقام اطمینان ہے جو عام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو حاصل ہوتا ہے اور ایک اس سے بھی مافوق ہے جو خاص خاص کو بصورت مشاہدہ عطا فرمایا جاتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جو درجہ اطمینان کا حاصل تھا وہ بلاشبہ حضرت خلیل اللہ کو حاصل تھا۔ بلکہ اس سے اعلےٰ درجہ اطمینان جو مقام نبوت کے ساتھ خاص ہے۔ اس اطمینان میں حضرت خلیل اللہ اور سب امتیوں پر برتری رکھتے تھے، پھر جس کو وہ

طلب فرما رہے ہیں وہ سب سے اعلیٰ مقام اطمینان ہے جو خاص خاص انبیاء کو عطا فرمایا جاتا ہے۔ جیسے سرور کائنات سیدالانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت و دوزخ کا مشاہدہ کرا کر اطمینان خاص بخشا گیا۔ الغرض اس سوال کی وجہ سے یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطمینان حاصل نہ تھا۔ یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اطمینان کامل جو مشاہدہ سے حاصل ہوا کرتا ہے وہ نہ تھا اسی کے لئے یہ درخواست فرمائی تھی۔

آیت کے آخر میں فرمایا۔ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ زبردست ہیں اور حکمت والے ہیں زبردست ہونے میں قدرت کاملہ کا بیان فرمایا اور حکمت والا کہہ کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ بمقتضائے حکمت ہر ایک کو حیات بعد الموت کا مشاہدہ نہیں کرایا جاتا ورنہ حق جل شانہ کے لئے کوئی دشوار نہیں کہ ہر انسان ان کو مشاہدہ کرادیں۔ مگر پھر ایمان بالغیب کی جو فضیلت ہے وہ قائم نہیں رہ سکتی۔

(تفسیر معارف القرآن)

24:2 ۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ط
وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ O

(ال عمران- 3:126)

اور اس مدد کو خدا نے تمہارے لئے ذریعہ بشارت بنایا یعنی اس لئے کہ تمہارے دلوں کو اس سے تسلی حاصل ہو ورنہ مدد تو خدا ہی کی ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔

And Allah did this solely to make it a good news for you, and so that your hearts may be at rest with it. Otherwise, victory is from none but Allah, the All-Powerful, the All-Wise.

''اور نہیں بنایا فرشتوں کے اترنے کو اللہ نے مگر خوشخبری تمہارے لئے (۱) اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس سے اور (۲) (حقیقت تو یہ ہے کہ) نہیں ہے فتح و نصرت مگر اللہ کی طرف سے (۳) جو سب پر غالب (اور) حکمت والا ہے (۴)

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی صورت میں امداد کو نہیں بنایا مگر خوشخبری تمہارے لئے مدد کی صورت میں۔

(۲) پس تم دشمنوں کی کثرت اور اپنی تعداد کی قلت سے خوف زدہ نہیں ہوتے۔ انسان اسباب کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا عادی ہے۔ جب حمائتیوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے تو فتح کے اسباب کو ملاحظہ کرتے ہوئے اس کا دل مطمئن ہوتا ہے

(۳) حقیقت میں فتح اللہ کی طرف سے ہوتی ہے نہ اسلحہ سے نہ ہی تعداد کی زیادتی سے کیونکہ اسباب سب کے سب عادیہ ہیں اور بندے خواہ انسان ہوں یا فرشتے ان کے افعال اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہوتے ہیں۔

(۴) جو غالب ہے اس پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا جو واسطہ کے ساتھ یا بغیر واسطہ فتح دیتا ہے یا ذلت عطا کرتا ہے سب اس کی حکمت کا نتیجہ ہوتا ہے یہ سب بطور احسان ہوتا ہے اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔

(تفسیر مظہری)

نیز یہ کہ جب فرشتے میدان میں آئے ہی تھے تو ایک کافر بھی بچنا نہیں چاہئے تھا اس کا جواب خود قرآن کریم نے آیت وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى میں دیدیا ہے کہ فرشتوں کے بھیجنے میں درحقیقت ان سے کوئی میدان جنگ فتح کرانا مقصود نہ تھا بلکہ مجاہدین مسلمین کی تسلی اور تقویت قلب اور بشارت فتح دینا مقصود تھا۔ جیسا کہ اس آیت کے الفاظ اِلَّا بُشْرٰى اور لِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ سے واضح ہے اور اس سے زیادہ صریح سورۃ انفال میں اس واقعہ کے متعلق آئے ہوئے الفاظ ہیں فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جس میں فرشتوں کو خطاب کر کے ان کے سپرد یہ خدمت کی گئی کہ وہ مسلمانوں کے قلوب کو جمائے رکھیں پریشان نہ ہونے دیں اس تثبیت قلوب کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ اپنے تصرف کے ذریعہ ان کے قلوب کو مضبوط کر دیں۔ جیسا کہ مشائخ صوفیہ اہل تصرف کا معمول ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

24:3 ۔ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ O

(المائدہ- 5:113)

وہ بولے کہ ہماری خواہش ہے کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل تسلی پائیں۔ اور ہم جان لیں کہ تم نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم اس خوان کے نزول پر گواہ ہیں۔

They said, :We wish that we eat from it, and our hearts be satisfied, and we may know for sure that you have told us the truth, and we may become witness to.it

''حواریوں نے کہا ہم تو (بس) یہ چاہتے ہیں کہ ہم کھائیں اور اس سے ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم اس پر گواہی دینے والوں سے ہو جائیں''۔

حواریوں نے عرض کی ہم نے مائدہ کا مطالبہ اس لئے کیا ہے تا کہ ہم اسے کھائیں اور جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں ہمارا مشاہدہ علم استدلال کے ساتھ ملے گا تو ہمیں اطمینان نصیب ہوگا اور آپ کے نبوت دعویٰ کے بارے میں ہمیں یقین ہوگا کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے اور ہمارے ایمان اور یقین میں اضافہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں تیس روزے رکھنے کا حکم دیا جب وہ افطار کریں گے تو وہ اللہ تعالیٰ سے جو سوال کریں گے اللہ تعالیٰ سے پورا کر دے گا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور مائدہ کا سوال کیا۔ انہوں نے کہا ہم جانتے ہیں کہ تم نے سچ کہا ہے۔ یعنی جب ہم تیس روزے پورے کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری عرضداشت کو پورا کرے گا تو ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اس کی قدرت اور آپ کی نبوت پر گواہ ہو جائیں گے۔ جبکہ پہلے ہم غائبانہ ایمان لائے تھے یا اس کا معنی یہ ہے کہ جب ہم ان کے پاس لوٹ کر جائیں گے تو ہم بنی اسرائیل کے پاس آپ کے حق میں گواہی دیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت غسل کیا کمبل کا لباس زیب تن کیا دو رکعت نماز ادا فرمائی اپنا سر جھکایا آنکھیں بند کیں اور خوب روئے۔

(تفسیر مظہری)

مشہور صحابی حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ جب حواریوں کی جانب سے اس آسمانی کھانے کی درخواست پیش ہوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت ناگوار گذری۔ آپؑ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو جس طرح روزی ملتی رہی ہے اسی پر قناعت کرو۔ ایسے دسترخوان کی درخواست نہ کرو۔ اگر مطلوبہ دسترخوان نازل کر دیا گیا تو پھر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہوجائیگی۔ قوم ثمود کا بھی یہی معاملہ ہوا تھا۔ اس کے بعد حواریوں نے جب نیک ارادہ کا اظہار کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی تو یہ دسترخوان اس شان کے ساتھ نازل ہوا کہ اس کا رنگ سرخ تھا اس کے اوپر نیچے بادل تھا وہ نظروں کے سامنے بڑے تیزی سے نیچے اترا۔ جب یہ دسترخوان نیچے اترا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے اختیار رونے لگے اور دعاء کی کہ

اے اللہ! ہم کو اس نعمت کا شکر ادا کرنے والا بنادے۔ اے اللہ! تو اسے ہمارے لئے رحمت بنادے۔
مگر یہود نے اس نعمت عظمیٰ اور خوان عظیم کی ناشکری کی۔ جس کے نتیجے میں ان کو سخت عذاب سے دوچار کر دیا۔
جس کے صلہ میں ان کو بندر اور خنزیر کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ (**اللّٰھم احفظنا من سخطک والنار**)

(جمالین فی شرح جلالین)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری بولے کہ ہمارا مقصد بے ضرورت فرمائش کرنا نہیں ہے، بلکہ ایک مصلحت سے ان کی درخواست کرتے ہیں وہ یہ کہ ہم ایک تو یہ چاہتے ہیں کہ برکت حاصل کرنے کو اس میں سے کھائیں اور دوسرے یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دلوں کو ایمان پر پورا اطمینان ہوجائے اور مطلب اطمینان کا یہ ہے کہ ہمارا یہ یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے دعویٰ رسالت میں ہم سے سچ بولا ہے۔ کیونکہ جس قدر دلائل بڑھتے جاتے ہیں دعوے کا یقین بڑھتا جاتا ہے اور تیسرے یہ چاہتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کے سامنے جنھوں نے یہ معجزہ نہیں دیکھا گواہی دینے والوں میں سے ہوجائیں کہ ہم نے ایسا معجزہ دیکھا ہے تاکہ ان کے سامنے اثبات رسالت کر سکیں اور ان کی ہدایت کا یہ ذریعہ بن جائے۔

(تفسیر معارف القرآن)

24:4 ۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ج وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْم'' O

(الانفال- 8:10)

اوراس مدد کو خدا نے محض بشارت بنایا تھا کہ تمہارے دل اس سے اطمینان حاصل کریں اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے بیشک خدا غالب حکمت والا ہے۔

And Allah has made it (the promise) merely to give you good news, and so that your hearts might be at rest thereby. And the help is from none but Allah, Surely Allah is Mighty Wise.

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی . اور اللہ نے ملائکہ کی امداد اور صرف تمہاری بشارت کے لئے عطا فرمائی تھی جعلہ میں ضمیر امداد کی طرف راجع ہے ۔ بشریٰ یعنی خوش ہونے کا سبب۔

وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ اور اس لئے کہ تمہارے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور وہ خوف دور ہو جائے جو اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کو دیکھ کر حسب معمول پیدا ہوا تھا۔

رسول اللہ ﷺ سے اللہ نے فتح کا وعدہ فرما لیا تھا پھر بھی آپ کو اضطراب پیدا ہوا اور آپؐ نے اللہ سے وعدہ کا واسطہ دے کر دعا کی بات یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی حالت حضرت ابراہیمؑ کی طرح تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا تھا اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى اللہ نے فرمایا اَوَلَمْ تومِنْ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا وَلٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي دونوں پیغمبروں کی حالت نزول اتم کے مرتبہ کی تھی۔

نزول اتم کی تشریح سورہ بقرہ کی اس آیت میں ہے۔ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِي الْمَوتٰى

عبداللہ بن رواحہؓ نزول اتم کے مرتبہ پر فائز نہ تھے اس لئے انہوں نے کہا تھا کہ اللہ کو وعدہ یاد دلایا جائے اس سے اللہ بہت بالا و برتر ہے اس کو اس کی ضرورت نہیں اور حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ ﷺ کے اس مرتبہ سے واقف تھے اور آپ کو رسول اللہ ﷺ کا قرب حاصل تھا اس لئے حضرت ابن رواحہؓ کی طرح تو الفاظ زبان سے نہیں

نکالے۔ ہاں یہ فرمایا کہ اب اللہ کو واسطہ دے کر دعا کرنے کی حد ہوگئی۔ اس سے زیادہ ضرورت نہیں اور رسول اللہ ﷺ کے بے قرار ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ اشاعت اسلام او راستیصال کفر کی انتہائی رغبت رکھتے تھے اور آپ ﷺ کو یہ بھی معلوم تھا کہ اللہ سارے جہاں کی عبادت سے بے نیاز ہے۔ اس کو ضرورت نہیں کہ کوئی اس کی عبادت کرے اور دنیا میں اسلام پھیلے اور کفر مٹے۔ واللہ اعلم

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ٗ

اور فتح تو حاصل نہیں ہوتی مگر اللہ کی جانب سے بے شک اللہ غالب ہے اور اس کے کام مبنی بر حکمت ہیں۔

ملائکہ کی امداد تعداد کی کثرت اور سامان جنگ کی زیادتی تو درمیانی ذرائع ہیں واقع میں ان کی کوئی تاثیر نہیں ضابطہ خداوندی یونہی ہے۔

فائدہ:۔ دعا سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس جنگ میں شریک ہوگئے اور خوب لڑے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی شریک جنگ ہو کر لڑے۔ اول دونوں حضرات جھونپڑی کے اندر انتہائی کوشش کے ساتھ دعا اور آہ وزاری میں منہمک رہے پھر باہر نکل کر لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی اور برانگیختہ کیا اور خود بھی اجتماعی حالت میں مختلف مقامات پر لڑے۔

ابن سعد اور فریابی کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا بدر کا دن اور جنگ سامنے آئی تو رسول اللہ ﷺ ہمارے آگے ہوگئے اور ہم نے حضور ﷺ کی آڑ میں اپنا بچاؤ کیا اور اس روز آپ ﷺ سب سے زیادہ جنگ جو تھے۔ ہم میں سے کوئی بھی مشرکوں سے اتنا قریب نہ تھا جتنا حضور ﷺ تھے۔ امام احمدؒ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا بدر کے دن وہ منظر میرے سامنے ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی پناہ لے رہے تھے۔ نسائی کے یہ الفاظ ہیں جب لڑائی گرم ہوگئی اور دشمن سے مقابلہ ہوا تو ہم رسول اللہ ﷺ کی آڑ پکڑ کر اپنا بچاؤ کرنے لگے۔

پیغمبروں کی دو حالتیں ہوتی ہیں صعودی اور نزولی یعنی قربِ الٰہی اور قربِ مخلوق اول حالت کا تعلق نبوت سے ہے اور دوسری حالت رسالت سے متعلق ہے۔ جس کی صعودی حالت اکمل ہوتی ہے اس کی نزولی حالت بھی بدرجہ اتم ہوتی۔ یہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابراہیمؑ کو نزول اتم کا مرتبہ حاصل تھا۔ اسی لئے باوجود کمال ایمانی کے حضرت ابراہیمؑ نے احیاء کو آنکھوں سے دیکھنے کی درخواست کی تاکہ شہودی طور پر اطمینان قلب پیدا ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ نے شہودی اطمینان کے لئے امداد ظاہری کے لئے دعا کی۔

(تفسیر مظہری)

## اہل ایمان کی چار صفات:

ان آیات میں اہل ایمان کی چار صفت بیان کی گئی ہیں

(۱) اہل ایمان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں

(۲) اللہ کا ذکر سن کر اللہ کی جلالت وعظمت سے ان کے دل لرزنے لگتے ہیں

(۳) تلاوت سے ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے

(۴) اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں

یعنی ظاہری اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اسباب سے اعراض وگریز نہیں کرتے۔ اس لئے کہ اختیار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے بھی دیا ہے لیکن اسباب ظاہری کو ہی سب کچھ نہیں سمجھتے بلکہ ان کا یقین اللہ کی ذات پر ہی ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی مدد واعانت حاصل کرنے سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوتے۔ آگے مومنین کے مزید صفات کا تذکرہ ہے اور ان صفات کے حاملین کے لئے اللہ کی طرف سے سچے مومن ہونے کا سرٹیفکٹ اور مغفرت ورحمت الٰہی اور رزق کریم کی نوید ہے۔

(جمالین فی شرح جلالین)

وعدہ فرمایا گیا کہ تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کی یہ امداد صرف اس حکمت کے لئے ہے کہ تم کو غلبہ پانے کی بشارت ہو اور تمہارے دلوں کو قرار آجائے۔ یعنی انسان کو تسلی طبعی طور پر اسباب سامان سے ہوتی ہے اس لئے وہ بھی جمع کر دیا گیا اور واقع میں تو نصرت اور غلبہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست حکمت والے ہیں۔

ارشاد فرمایا! وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ

یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ صرف اس لئے کیا کہ تمہیں بشارت ہو اور تا کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں۔

غزوہ بدر میں جو اللہ تعالیٰ کے فرشتے امداد کے لئے بھیجے گئے ان کی تعداد اس جگہ ایک ہزار مذکور ہے اور سورۃ آل عمران تین ہزار اور پانچ ہزار کی گئی ہے۔ اس کا سبب دراصل تین مختلف وعدے ہیں۔ جو مختلف حالات میں کئے گئے ہیں۔ پہلا وعدہ ایک ہزار فرشتوں کا ہوا۔ جس کا سبب رسول کریم ﷺ کی دعا اور عام مسلمانوں کی فریاد تھی۔ دوسرا وعدہ جو تین ہزار فرشتوں کا سورۂ آل عمران میں پہلے مذکور ہے۔ وہ اس وقت کیا گیا جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ قریشی لشکر کے لئے اور کمک آرہی ہے۔

روح المعانی میں ابن ابی شیبہ اور ابن لمنذر وغیرہ سے بروایت شعبیؒ منقول ہے کہ مسلمان کو بدر کے دن یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر محاربی مشرکین کی امداد کے لئے کمک لے کر آرہا ہے۔ اس خبر سے مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ اس پر آل عمران کی آیت نازل ہوئی۔

اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّ كُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ الٰافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَ لِيْنَ،

جس میں تین ہزار فرشتے امداد کے لئے آسمان سے نازل کرنے کا وعدہ ذکر کیا گیا۔

تیسرا وعدہ پانچ ہزار کا اس شرط کی ساتھ مشروط تھا کہ اگر فریق مخالف نے یکبارگی حملہ کر دیا تو پانچ ہزار فرشتوں کی مدد بھیج دی جائے گی۔ آل عمران کی آیت مذکورہ کے بعد کی آیت میں اس طرح مذکور ہے۔

بَلٰیٓ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ
بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ

یعنی اگر تم ثابت قدم رہے اور تقوی پر قائم رہے اور مقابل لشکر یکبارگی تم پر ٹوٹ پڑا۔ تو تمھارا رب تمھاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا جو خاص نشان یعنی خاص وردی میں ہوں گے۔

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس وعدہ میں تین شرطیں تو صحابہ کرام ؓ میں موجود تھیں اور اس میدان میں اول سے آخر تک اُن میں کہیں فرق نہیں آیا۔ مگر تیسری شرط یکبارگی ہلہ کی واقع نہیں ہوئی اس لئے پانچ ہزار ملائکہ کے لشکر کی نوبت نہیں آئی۔ اس لئے معاملہ ایک ہزار اور تین ہزار میں رہا۔ جس میں یہ بھی احتمال ہے کہ تین ہزار سے مراد یہ ہو کہ ایک ہزار جو پہلے بھیجے گئے اُن کے ساتھ مزید دو ہزار شامل کر کے تین ہزار کر دیئے گئے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ تین ہزار اُس پہلے ہزار کے علاوہ ہوں۔

یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ ان تین آیتوں میں ملائکہ کی تین جماعتوں کے بھیجنے کا وعدہ ہے اور ہر جماعت کے ساتھ ایک خاص صفت کا ذکر ہے۔

سورۃ انفال کی آیت جس میں ایک ہزار کا وعدہ ہے۔ اُس میں تو ان ملائکہ کی صفت میں مُرۡدِفِيۡنَ فرمایا ہے۔ جس کے معنی ہیں پیچھے لگانے والے۔ اس میں شاید اس طرف پہلے ہی اشارہ کر دیا گیا کہ ان فرشتوں کے پیچھے دوسرے بھی آنے والے ہیں۔

سورۃ آل عمران کی پہلی آیت میں ملائکہ کی صفت مُنۡزَلِيۡنَ ارشاد فرمائی۔ یعنی یہ فرشتے آسمان سے اُتارے جائیں گے، اس میں اشارہ خاص اہمیت کی طرف ہے کہ زمین میں جو فرشتے پہلے سے موجود ہیں ان سے کام لینے کے بجائے خاص اہتمام کے ساتھ یہ فرشتے آسمان سے اسی کام کے لئے بھیجے جائیں گے۔

آل عمران کی دوسری آیت جس میں پانچ ہزار کا ذکر ہے۔ اُس میں ملائکہ کی صفت مُسَوِّمِيۡنَ ارشاد فرمائی ہے کہ وہ ایک خاص لباس اور علامت کے ساتھ ہوں گے۔ جیسا کہ روایات حدیث میں ہے کہ بدر میں نازل ہونے والے فرشتوں کے عمامے سفید اور غزوہ حنین میں مدد کے لئے آنے والے فرشتوں کے عمامے سرخ تھے۔

پھر آیت میں اشارفرمایا وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ اس میں مسلمانوں کو تنبیہ فرمادی جو مدد بھی کہیں سے ملتی ہے خواہ ظاہری صورت سے ہو یا مخفی انداز سے سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ اسی کے قبضہ میں یہ فرشتوں کی مدد بھی ہے اوراس کے تابع فرمان ہے اس لئے تمہاری نظر صرف اسی ذات وحدہ لاشریک لہ کی طرف رہنی چاہئے۔ کیونکہ وہ بڑا اقدرت والاحکمت والا ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

24:5 ۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِکْرِ اللّٰهِ ط اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ O

(الرعد - 13:28)

یعنی جولوگ ایمان لاتے اورجن کے دل یادخدا سے آرام پاتے ہیں اورسن کھوکہ خدا کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں۔

The ones who believe and their hearts are peaceful with the remembrance of Allah. Listen, the hearts find peace only in the remembrance of Allah

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِکْرِ اللّٰهِ ط .

اللہ کی طرف رجوع کرنے والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لے آئے۔

ان میں ایمان ویقین جم جاتا ہے ہر طرح کا شک زائل ہوجاتا ہے۔ ذکر سے مراد قرآن اوراطمینان ہے ایمان کیونکہ دلوں کا سکون ہے اور نفاق دلوں کی بے چینی یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی یاد سے شیطانی وسوسے زائل ہوجاتے ہیں۔ اس مطلب پر ذکر سے مراد ہوگی اللہ کی یاد۔ صرف قرآن مراد نہ ہوگا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر آدمی کے دل کے دوخانے ہوتے ہیں ایک خانہ میں فرشتہ کا ظہور ہوتا ہے اور دوسرے خانہ میں شیطان کا ظہور۔ جب آدمی اللہ کی یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے کوسمٹ جاتا ہے اور جب انسان اللہ کی یاد نہیں کرتا تو شیطان اپنی چونچ آدمی کے دل کے اندر رکھ دیتا ہے۔ اس طرح وسوسہ پیدا ہوجاتا ہے۔

(رواہ ابن ابی شیبہ فی المصنف عن عبداللہ بن شقیق ورواہ البخاری تعلیقا عن ابن عباسؓ مرفوعاً)

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے آدمی کے دل پر شیطان مالش کرتا ہے۔ جب آدمی اللہ کی یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے کو سکڑ جاتا اور جب اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈال دیتا ہے یا آیت کا یہ مطلب ہے کہ اہل ایمان کے پاک وصاف دلوں کی روزی اللہ کی یاد ہے۔ اللہ کی یاد سے ان کو چین اور سکھ ملتا ہے۔ جیسے مچھلیوں کو پانی، پرندوں کو ہوا میں وحشی جانوروں کو جنگل میں لیکن اگر غفلت آفریں کوئی اندرونی خیال دل میں آجاتا ہے یا اہل غفلت کی صحبت اثر انداز ہوجاتی ہے تو دلوں کا چین جاتا رہتا ہے، بے چینی اور عدم سکون پیدا ہوجاتا ہے۔ جیسے پانی سے باہر مچھلی کو اور خشکی کے جانور کو پانی کے اندر اور وحشی جانوروں کا پنجرے میں اضطراب ہوتا ہے۔ ہر مرشد برحق کا خدمت گزار ان حالات کو دیکھا کرتا ہے۔ اس مطلب پر اَلَّذِینَ اٰمَنُوْا سے مراد ہوں گے پاک باطن روشن دل صوفیہ۔

**اَلا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب**

خوب سن لو اللہ کی یاد سے ہی پاک صاف دلوں کو چین ملتا ہے۔

بغوی نے اس جگہ ایک شبہ اور اس کا جواب لکھا ہے۔ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَاذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ بس مومن وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔

اس جگہ ذکر الٰہی مومن کے قلب کا اطمینان فرمایا گیا ہے۔ ایک حالت میں خوف اور اطمینان ایک دل میں کیسے جمع ہوسکتے ہیں۔ اس شبہ کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ عذاب کے ذکر کے وقت مومن کا دل ڈر جاتا ہے اور ثواب کے وعدہ کے ذکر کے وقت اس کے اندر اطمینان پیدا ہوجاتا ہے۔ وہ ڈرتا ہے اللہ کے انصاف اور عذاب سے اور چین پاتا ہے اللہ کے فضل وکرم کے ذکر سے۔ اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ اطمینان وخوف میں باہم تضاد ہے لیکن ایک حالت میں دونوں کا اجتماع نہیں ہوتا اطمینان کی حالت جدا ہوتی ہے اور خوف کی جدا۔

طمانیت اور خوف میں کوئی تضاد نہیں طمانیت انس سے پیدا ہوتی ہے اور انس خوف کی حالت میں بھی ہوتا ہے۔ بلکہ خوف وامید بھی ایک حالت میں جمع ہوسکتے ہیں۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ایک نوجوان کے مرنے کے

وقت رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا تجھے اپنے دل کی کیفیت کیا محسوس ہوتی ہے۔ اس نے عرض کیا! یارسول اللہ ﷺ! میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں کا مجھے خوف بھی ہے۔ فرمایا ایسے موقع پر جس بندہ کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں تو اللہ ضرور اس کو اس کی امید کے مطابق عطا فرماتا ہے اور جس چیز سے اس کو خوف ہوتا ہے اس چیز سے محفوظ رکھتا ہے۔

(رواہ الترمذی و ابن ماجۃ) ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

(تفسیر مظہری)

**اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ** سے مراد توحید کا بیان ہے جس سے مومنوں کے دلوں میں انشراح اور کافروں کے دل میں قبض پیدا ہوتا ہے۔ یا خدا کی بندگی، تلاوت قرآن، نوافل اور دعاء مناجات مراد ہیں۔ جو اہل ایمان کے دلوں کی خوراک ہے، یا اس کے احکام وفرامین کی بجا آوری مراد ہے۔ جس کے بغیر اہل ایمان وتقویٰ بے قرار رہتے ہیں۔ یعنی ذکر الٰہی کی خاصیت ہی یہ ہے کہ یہ انسان کے قلب کو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے الجھاوے سے بچا دیتا ہے اور شرک سے جو انتشار ذہنی پیدا ہوتا ہے یقیناً توحید اس کے لئے تریاق کا کام دیتی ہے۔ البتہ اس اطمینان کے بھی مختلف درجے ہیں جس درجہ کا ذکر الٰہی ہوتا ہے اسی نسبت سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔

ذکر الٰہی کے آثار میں سے ایک اثر خوف وخشیت کا ہے "**اِذَا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم**" لیکن یہ ماسوا کی طرف سے اطمینان اور فراغت خوف خدا کے منافی نہیں بلکہ یہ دونوں کیفیتیں تو عین ایک دوسرے کی پورا کرنے والی اور مکمل ہیں۔

(جمالین فی شرح جلالین)

جو شخص ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور طریق حق کا طالب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف رسائی دینے کے لئے ہدایت کر دیتے ہیں اور گمراہی سے بچا لیتے ہیں۔ مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر

سے جس کی بڑی قسم قرآن ہے۔ ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ جس کی بڑی بات ایمان ہے یعنی وہ قرآن کے اعجاز کو دلالت علی النبوۃ کے لئے کافی سمجھتے ہیں اور واہی تباہی فرمائش نہیں کرتے۔ پھر خدا کی یاد اور اطاعت میں ان کو ایسی رغبت ہوتی ہے کہ متاع حیات دنیا سے مثل کفار کے ان کو رغبت اور فرحت نہیں ہوتی۔

خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر کی ایسی ہی وضاحت ہو کہ اس سے دل کو اطمینان ہو جاتا ہے۔ یعنی جس مرتبے کا ذکر ہو اسی مرتبہ کا اطمینان۔ چنانچہ قرآن سے ایمان اور اعمال صالحہ سے طاعت کا شدت تعلق اور توجہ الی اللہ میسر ہوتا ہے۔ غرض جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کے لئے دنیا میں خوش حالی اور آخرت میں نیک انجامی ہے۔

اسی طرح ہم نے آپ ﷺ کو ایک ایسی امت کی طرف اس لئے رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ آپ ان کو وہ کتاب پڑھ کر سنا دیں جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعے بھیجی ہے۔ ان کو چاہئے تھا کہ اس نعمت عظمیٰ کی قدر کرتے اور اس کتاب پر کہ وہ معجزہ بھی ہے ایمان لے آتے۔ مگر وہ لوگ ایسے بڑے رحمت والے کی ناقدری کرتے ہیں اور قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔

(تفسیر معارف القرآن)

24:6 ۔ وَلَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا لِمَنۡ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ قَالُوۡا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمۡ ؕ قَالُوا الۡحَقَّ ۚ وَهُوَ الۡعَلِىُّ الۡكَبِيۡرُ۝

( سبا- 34:23)

اور خدا کے ہاں کسی کے لئے سفارش فائدہ نہ دے گی مگر اس کے لئے جس کے بارے میں وہ اجازت بخشے یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے اضطراب دور کر دیا جائے تو کہیں گے تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے فرشتے کہیں گے کہ حق فرمایا ہے اور وہ عالی رتبہ اور گرامی قدر ہے۔

" No intercession can avail in His Presence, except for those for whom He has granted permission. So for ( is this the case) that, when terror is removed from their hearts (at the Day of Judgment, then) will they say, 'What is it that your Lord commanded? they will say, ' That which is

true and just;  and He is the Most High Most Great'."

وَلَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا لِمَنۡ اَذِنَ لَهٗ

اور خدا کے سامنے کسی کی سفارش کسی کے لئے کام نہیں آئے گی سوائے اس کے لئے سفارش کرنے کی سفارش کرنے والے کو اللہ اجازت دے دے۔

یعنی شفیع کو اجازت دے دے گا یا جس کے لئے شفاعت کئے جانے کی اجازت دے دے گا۔ جس کی سفارش کی جائے اس کی طرف بھی کافر (ہار کر) آخر درجہ پر کہتے تھے کہ ہم مانتے ہیں۔ ملائکہ اور بت خود کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے اور یہ اللہ کے شریک نہیں ہیں۔ لیکن ہم ان کی پوجا تو اس لئے کرتے ہیں کہ خدا کی بارگاہ میں یہ ہماری شفاعت کریں گے۔ اس کی تردید میں آیت مذکورہ نازل ہوئی اور اللہ نے فرمایا کہ بغیر اذن الٰہی کوئی کسی کی سفارش نہیں کرے گا۔ بت تو ظاہر ہے بے جان ہیں۔ اس امر کے قابل ہی نہیں ہیں کہ ان کو شفاعت کرنے کی اجازت ملے۔ اب رہے وہ لوگ جن کی سفارش کا امکان ہے ان میں کافر اپنی حد سے بڑھی ہوئی سرکشی اور طغیانی کی وجہ سے شفاعت پانے کے مستحق نہیں ہیں اس لئے انبیاء، اولیاء اور ملائکہ کو صرف مومنوں کی شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

حَتّٰۤی اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ قَالُوۡا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّکُمۡ ؕ
قَالُوا الۡحَقَّ ۚ وَهُوَ الۡعَلِیُّ الۡکَبِیۡرُ.

یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں۔
تمہارے رب نے کیا فرمایا وہ کہتے ہیں فلاں حق بات فرمائی اور وہ عالی شان سب سے بڑا ہے۔

فُزِّعَ (تَفزِیۡع سے ماضی مجہول) تَفزِیۡع کا معنی ہے۔ فزع گھبراہٹ دور کر دینا۔
جیسے تمریض مرض کو زائل کر دینا۔ پہلے کلام سے شفاعت کرنے والے اور وہ جن کی شفاعت ہو سکتی ہے۔ شفاعت کرنے والے اور جن کے لئے شفاعت کی جائے گی وہ سب گھبرائے ہوئے اذن شفاعت کے منتظر ہوں

گے۔ ان کو خوف ہوگا کہ کہیں شفاعت کی اجازت نہ ملے۔ یا یوں کہا جائے کہ جب شفاعت کی اجازت ہو جائے گی تو اللہ کا کلام سننے سے ان پر غشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی وہ اللہ کی جلالت شان اور عظمت سے خوف زدہ ہو جائیں گے۔ اسی طرح جب اللہ کوئی حکم جاری فرماتا ہے تو فرشتوں پر گھبراہٹ کی وجہ سے غشی طاری ہو جاتی ہے۔

بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جب آسمان میں حکم جاری فرماتا ہے تو عاجزی سے ملائکہ اپنے بازو پھٹ پھٹاتے ہیں اس کی آواز ایسی ہوتی ہے جیسے پتھر کی چٹان پر کوئی زنجیر ماری جائے۔ پھر جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو باہم پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا! دوسرے ملائکہ کہتے ہیں حق فرمایا اور وہ عالی شان اور سب سے بڑا ہے۔ یہ بات چوری سے سننے والے جنات اور پھر ان کے نیچے چوری سے سننے جنات اور پھر ان کے نیچے چوری سے سننے والے سن پاتے ہیں۔ اس طرح نیچے والے اوپر والوں سے سنتے چلے جاتے ہیں۔ سفیان نے اپنے ہاتھ کو ذرا ترچھا کر کے ترتیب وار انگلیوں کو الگ الگ کر کے بتایا کہ اس طرح اوپر نیچے جنات لگے ہوتے ہیں۔ اوپر والا وہ بات سن پاتا ہے تو نیچے والے کو القاء کر دیتا ہے۔ پھر وہ اپنے نیچے والے کو القاء کرنے سے پہلے ہی اوپر والے پر ایک انگارہ آ پڑتا ہے اور اس کو جلا ڈالتا ہے اور کبھی القاء کے بعد شعلہ آ لگتا ہے۔ ساحر یا کاہن کو جب اس بات کا علم ہو جاتا ہے تو وہ اپنی طرف سے اس میں سو جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہے۔ جب وہ ایک بات صحیح ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں دن کاہن یا ساحر نے ہم سے ایسا ایسا نہیں کہا تھا۔ چنانچہ آسمان سے سنی جانے والی اس ایک بات کی تصدیق کی جاتی ہے۔

مسلم نے بوساطت حضرت ابن عباسؓ ایک انصاری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا ہمارے رب تبارک تعالیٰ اس کا نام بابرکت ہے جب کوئی حکم نافذ کرتا ہے تو حاملین عرش (عرش کو اٹھانے والا ملائکہ) تسبیح پڑھتے ہیں۔ پھر ان سے متصل آسمان والے تسبیح پڑھتے ہیں۔ بالآخر وہ حکم اسی طرح اس آسمان دنیا پر رہنے والوں تک پہنچ جاتا ہے اور وہ تسبیح پڑھتے ہیں وہ ملائکہ جو حاملین عرش کے متصل ہیں حاملین عرش سے پوچھتے ہیں۔ تمہارے رب نے کیا فرمایا! حاملین عرش اللہ کا فرمان بیان کر دیتے ہیں۔ اسی طرح نچلے آسمان والے اونچے آسمان والوں سے پوچھتے چلے جاتے ہیں اور وہ بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ بالآخر

یہ سلسلہ سوال و جواب اس دنیوی آسمان تک پہنچتا ہے۔ یہاں سے کوئی جن اس بات کو جھپٹ کر سن پاتا ہے اور اپنے دوستوں کی طرف پھینک دیتا ہے یعنی جلدی سے کہہ دیتا ہے۔ ان پر انگارے مارے جاتے ہیں سو جن اگر وہ بات صحیح صحیح پہنچا دیتے ہیں تو وہ حق ہوتی ہے لیکن وہ اس میں زیادتی کرتے ہیں۔

بغویؒ نے حضرت نواس بن سمعانؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جب اللہ کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو وحی کے ذریعہ سے کلام کرتا ہے۔ جس کو سن کر اللہ کے خوف سے آسمان لرز جاتے ہیں۔ جب آسمان والے اس کلمات کو سنتے ہیں تو بے ہوش ہو جاتے ہیں اور سب سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ سب سے پہلے جبرائیل سجدہ سے سر اٹھاتے ہیں۔ اللہ جو کچھ چاہتا ہے ان کو وحی کلامی کرتا ہے۔ پھر جبرائیلؑ ملائکہ کی طرف سے گزرتے ہیں اور جس آسمان سے گزرتے ہیں۔ وہاں کے ملائکہ ان سے دریافت کرتے ہیں۔ ہمارے رب نے کیا فرمایا! جبرائیلؑ جواب دیتے ہیں اللہ نے جو کچھ فرمایا وہ حق ہے۔ اللہ عالی شان اور بڑی عظمت والا ہے۔ یہ سن کر سب ملائکہ وہی بات کہتے ہیں۔ جبرائیلؑ کہتے ہیں آخر جہاں وحی پہنچانے کا اللہ نے حکم دیا ہوتا ہے وہاں وحی پہنچا دیتے ہیں۔ یعنی اذن شفاعت حاصل ہونے سے پیدا ہونے والی گھبراہت دور ہونے کے بعد انہوں نے کہا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ یعنی شفاعت کی اجازت جن مومنوں کے متعلق دی گئی ہے۔ وہ حق ہے اَلعَلِيُّ الْكَبِيْر وہی بڑے بلند مرتبہ اور بزرگی والا ہے۔ کوئی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل بغیر اذن کے اس کے سامنے بول نہیں سکتا۔

بغوی نے لکھا ہے فرشتے قیامت برپا ہو جانے کے خوف سے گھبرا جائیں گے۔ مقاتل، سدی اور کلبی نے کہا حضرت عیسیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی درمیانی مدت ۵۵۰ برس اور بقول بعض ۶۰۰ سو برس کی تھی۔ یہ وحی کا زمانہ فترت تھا۔ اس مدت میں ملائکہ نے کوئی وحی کی آواز نہیں سنی۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور فرشتوں نے وحی کی آواز سنی تو انہوں نے خیال کیا کہ قیامت آگئی۔ کیونکہ آسمان والوں کو اس کا علم تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت قیامت کی علامت ہے۔ پس جب وحی کی آواز سنی تو قیامت برپا ہونے کے خوف سے بے ہوش ہو گئے۔ جب ابتداء وحی کے موقع پر حضرت جبرائیلؑ بارگاہ خداوندی سے نیچے اترے تو جس آسمان کی طرف سے گزرے تو وہاں کے ملائکہ نے سر اوپر اٹھائے اور ایک نے دوسرے سے پوچھا تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ دوسروں نے جواب دیا حق فرمایا حق سے مراد وحی ہے۔

ایک شبہ: مقاتل اور کلبی وغیرہ کی تفسیر پر حَتّٰی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ اس آیت میں نزول وحی کے وقت بے ہوشی طاری ہو جانے اور پھر گھبراہٹ دور ہونے کے بعد سوال و جواب کرنے کا بیان ہے شفاعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

ازالہ:۔ ارتباط کی توجیہ اس آیت سے کی جاسکتی ہے کہ وَیَرَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْعِلْمَ الَّذِیْ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ هُوَ الْحَقُّ وَیَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ اور اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے مراد ہیں ملائکہ۔

ان دونوں آیتوں کے درمیان کی عبارت بطور معترضہ ہے اور پورا مطلب اس طرح ہوگا کہ ملائکہ جانتے ہیں کہ جو قرآن آپ (ﷺ) کے پاس آپ کے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے وہ حق ہے اس لئے نزول قرآن کے وقت قیامت برپا ہو جانے کے خوف سے گھبرا جاتے ہیں کیوں کہ نزول قرآن قیامت کی علامت ہے۔ یہاں تک کہ جب ان کی گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ دوسرے جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا یعنی کلمات وحی ارشاد فرمائے اور وہ بڑی شان والا اور عظمت والا ہے۔

اہل تفسیر کی ایک جماعت کا قول ہے کہ آیت مذکورہ میں مشرکوں کی حالت بیان کی ہے۔ حسن اور ابن زید بن زید نے کہا کہ نزول موت کے وقت مشرکوں کو جو گھبراہٹ ہوتی ہے حجت پوری کرنے کے لئے جب وہ گھبراہٹ ان کے دلوں سے دور کردی جاتی ہے تو مشرک کہتے ہیں پیغمبروں کی زبانی تمہارے رب نے دنیا میں کیا فرمایا تھا۔ دوسرے مشرک کہتے ہیں جو کچھ فرمایا حق فرمایا گویا مشرک ایسے وقت قرآن کی صداقت کا اقرار کرتے ہیں جو ان کے لئے مفید نہیں ہوتا۔ یعنی موت تک مشرک شک میں پڑے رہتے ہیں۔ آخر مرنے کے بعد ان کا شک دور (شہودی) یقین پیدا ہو جاتا ہے تو اقرار کرتے ہیں مگر بے سود۔ (تفسیر مظہری)

اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے حضرت جلال الدین محلیؒ تفسیر جلالین میں لکھتے ہیں۔

## روک و دعوت توحید:

ایجاد عالم سے لے کر روزانہ کے تصرفات تک کسی چیز میں بھی ذرہ برابر لوگوں کے خیالی معبودوں کو

اختیار نہیں ہے۔ شرک کی جتنی قسمیں بھی عام طور پر پھیلی ہوئی ہیں سب کی تردید ہوگئی۔ مشرکین کو خطاب ہے کہ اللہ کے سوا جن چیزوں پر تم کو خدائی گمان ہے ذرا کسی آڑے وقت میں ان کو پکارو تو سہی۔ دیکھیں وہ کیا کام آسکتے ہیں؟ وہ خود تو کسی کے کام کیا کرتے، اللہ تعالیٰ سے کچھ سفارش کر کے کام کرانے کی بھی مجال نہیں رکھتے۔ جمادات میں تو خیر کیا اہلیت ہوتی شیاطین بھی جو اللہ کے یہاں اپنی مقبولیت کھو چکے ہیں زبان ہلانے کی مجال نہیں۔ حتیٰ کہ فرشتوں جیسی مقبول مخلوق بھی بلا اجازت کچھ نہیں بول یا کر سکتی، فرشتوں کا حال سمع وطاعت میں تو یہاں تک ہے کہ حکم الٰہی کے آثار زوال دیکھتے ہی گھبرا اٹھتے ہیں اور تھرتھراتے ہوئے محو تسبیح اور سجدے میں گر جاتے ہیں۔ ان کے مجمع میں ہل چل سی مچ جاتی ہے اور احتیاط کی وجہ سے اپنے حفظ وفہم پر اعتماد نہ کرتے ہوئے گھبرا گھبرا کر ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں اور پھر ایک دوسرے کی تسکین وتقویت کے لئے کہہ اٹھتے ہیں کہ جو ارشاد ہوا برحق ہے۔ جس مخلوق کی یہ حالت ہو وہ ابتداء بغیر اجازت بولنے کیا جرأت کر سکتی ہے۔

## جب خالق و رزاق ایک ہے تو پھر معبود کئی کیوں؟

یہ تو مسئلہ شفاعت تھا جس کی نسبت عام قومیں گمراہی میں پھنسی ہوئی ہیں۔ اب شرک وتوحید جیسے بنیادی مسئلہ کو لے لیا جائے۔ منکرین کے نزدیک بھی جب عالم میں روزی رساں صرف اللہ کی ذات ہے پھر الوہیت میں اس کی یکتائی کیوں نہیں مانتے۔ اس میں دوسرے کی گنجائش کہاں سے آگئی؟

توحید اور شرک دونوں کو صحیح ماننے کا نتیجہ ظاہر ہے کہ دونوں فریقوں میں سے ایک فریق سچا اور دوسرا جھوٹا ہے۔ اس لئے سوچ سمجھ کر سچی بات قبول کر لینی چاہئے۔ اس بات کی ضد چھوڑ دینی چاہئے اس میں ان لوگوں کا جواب بھی ہو گیا جو کہتے ہیں کہ ہمیشہ سے دو فرقے ہوتے چلے آئے ہیں۔ اس لئے جھگڑا کرنے کی کیا ضرور ہے؟ یہاں بتلا دیا کہ یقیناً ایک خطا کار و گمراہ ہے البتہ تعیین کے ساتھ گمراہ نہ کہنے میں حکیمانہ روش اور دعوت وقبولیت کا ایک بہترین اسلوب ہے تا کہ مقابل ایک دم اشتعال میں نہ آ جائے۔ بلکہ ٹھنڈے دل سے بات سننے اور غور کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔ یعنی ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے ہیں اتنا ضرور ہے کہ ایک یقیناً غلطی پر ہے۔ لیکن دلائل میں غور کر کے خود ہی فیصلہ کر لو کہ کون غلطی پر ہے؟ اسی کے ساتھ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی عاقبت کی فکر لازمی ہے۔

کوئی بھی دوسرے کی غلطی یا قصور کا ذمہ دار یا جوابدہ نہ ہوگا۔ اتنی صاف اور واضح بات سننے کے بعد بھی اگر تم اپنی روش پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں ہو تو ہمارا کام اتنا ہی تھا کہ کلمہ حق پہنچا دیں۔ اب آگے خود تمہارا کام رہ گیا ہے۔

(کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

آپ (ﷺ) ان لوگوں سے فرمایئے کہ جن معبودوں کو تم خدا کے سوا خدائی میں شریک سمجھ رہے ہو ان کو اپنی حاجتوں کے لئے پکارو تو سہی معلوم ہو جائے گا کہ کتنی قدرت اور اختیار رکھتے ہیں ان کی حالت واقعیہ تو یہ ہے کہ وہ ذرہ برابر کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے۔ نہ آسمانوں کی کائنات میں اور نہ زمین کی کائنات میں اور نہ ان دونوں کے پیدا کرنے میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا کسی کام میں مددگار ہے اور خدا کے سامنے کسی کی سفارش کسی کے لئے کام نہیں آتی بلکہ سفارش ہی نہیں ہو سکتی۔ مگر اس کے لئے جس کی نسبت وہ کسی سفارش کرنے والے کو اجازت دیدے۔ کفار و مشرکین میں کچھ جاہل تھے تو ایسے تھے جو پتھر کے خود تراشیدہ بتوں ہی کو حاجت روا اور خدائی کا شریک سمجھتے تھے۔

بعض لوگ اتنا قدرت والا تو نہیں کہتے تھے مگر یہ عقیدہ رکھتے کہ یہ بت خدا تعالیٰ کے کاموں میں اس کے مددگار ہیں۔ ان کے رد کے لئے یہ فرمایا (مَا لَهُ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ) اور کچھ ایسے سمجھدار تھے کہ ان بے جان بتوں کو کسی چیز کا خالق یا خالق کا مددگار تو نہیں مانتے تھے۔ مگر یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ اللہ کے نزدیک مقبول ہیں کہ جس کی سفارش کر دیں اس کا کام بن جاتا ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ ان بتوں میں کسی قابلیت کے تو تم بھی قائل نہیں۔ مگر تم اس دھوکہ میں ہو کہ ان کو اللہ کے نزدیک مقبولیت حاصل ہے۔ یہ محض تمہارا خیال بے بنیاد ہے نہ ان میں کوئی قابلیت اور نہ اللہ کے نزدیک مقبولیت۔ جن میں قابلیت بھی موجود ہو اور مقبولیت بھی جیسے اللہ کے فرشتے وہ بھی کسی کی سفارش کرنے میں خود مختار نہیں بلکہ ان کے لئے شفاعت کا قانون یہ ہے کہ جس شخص کے لئے سفارش کرنے کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے صرف اس کی سفارش کر سکتے ہیں اور وہ بھی بڑی مشکل سے کیونکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کی ہیبت وجلال سے مغلوب ہیں۔ جب ان کو کسی عام حکم دیا جاتا ہے یا کسی کے لئے سفارش ہی کا حکم ملتا ہے تو وہ حکم سننے کے وقت

ہیبت سے مدہوش ہوجاتے ہیں۔ جب یہ ہیبت کی کیفیت رفع ہوجاتی ہے اس وقت حکم پرغور کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ کرتحقیق کر لیتے ہیں کہ ہم نے جوحکم سنا ہے وہ کیا ہے اس تحقیق کے بعد وہ حکم کی تعمیل کرتے ہیں جس میں کسی کی سفارش کا حکم بھی داخل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ کے فرشتے جو قابلیت بھی رکھتے ہیں مقبولیت عنداللہ بھی ہیں۔ وہ بھی کسی کی سفارش ازخود بلا اجازت نہیں کر سکتے اور جب کسی کے لئے اجازت ملتی بھی ہے تو خود ہیبت سے مدہوش جیسے ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد جب ہوش درست ہوتا ہے تو سفارش کرتے ہیں تو یہ پتھروں کے خود تراشیدہ بت جن میں نہ کسی طرح کی قابلیت ہے نہ مقبولیت وہ کیسے کسی کی سفارش کر سکتے ہیں؟ جب فرشتوں کے دلوں سے گھبراہٹ جوحکم سننے کے وقت طاری ہوتی ہے دور ہوجاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا۔ وہ کہتے ہیں کہ فلاں حق بات کا حکم فرمایا جیسے طالب علم سبق پڑھنے کے بعد استاد کی تقریر کو صحیح کرنے اور یاد کرنے کے لئے باہم اس کا اعادہ کیا کرتے ہیں۔ یہ فرشتے بھی اپنے سنے ہوئے حکم کی باہم ایک دوسرے سے تحقیق وتصدیق کرتے ہیں۔ اس کے بعد حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کے روبرو فرشتوں کا ایسا حال ہوجانا کیا بعید ہے وہ عالی شان سب سے بڑا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی حکم نافذ فرماتے ہیں تو سب فرشتے خشوع وخضوع سے اپنے پر مارنے لگتے ہیں اور مدہوش جیسے ہوجاتے ہیں۔ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ اور ہیبت وجلال کا وہ اثر دور ہوجاتا ہے تو کہتے ہیں تمھارے رب نے کیا فرمایا؟ دوسرے کہتے ہیں کہ فلاں حکم حق ارشاد فرمایا ہے۔ الحدیث

(تفسیر معارف القرآن)

24:7 ۔ هُوَالَّذِیٓ اَنۡزَلَ السَّكِیۡنَةَ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِیۡمَانًا مَّعَ اِیۡمَانِهِمۡ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیۡمًا حَكِیۡمًا O

(الفتح ۔ 48:4)

وہی تو ہے جس نے مومنوں کے دل پر تسلی نازل فرمائی تا کہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھے اور آسمان اور زمین کے لشکر (سب) خدا ہی کے ہیں اور خدا جاننے والا، حکمت والا ہے۔

He (Allah) is such that He sent down tranquility into the hearts of the believers, so that they grow more in faith in addition to their (existing) faith_ And to Allah belong the forces of the heavens and the earth, and Allah is All-Knowing, All-Wise_

## اطمینان و رحمت:

سکینہ کے معنی ہیں اطمینان، رحمت اور وقار کے فرمان ہے کہ حدیبیہ والے دن جن با ایمان صحابہ نے اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لی۔ اللہ نے ان کے دلوں کو مطمئن کر دیا اور ان کے ایمان اور بڑھ گئے۔ اس سے حضرت امام بخاری وغیرہ ائمہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ دلوں میں ایمان بڑھتا ہے اور اسی طرح گھٹتا بھی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کے لشکروں کی کمی نہیں وہ اگر چاہتا تو خود ہی کفار کو ہلاک کر دیتا۔ ایک فرشتے کو بھیج دیتا تو وہ ان سب کو برباد اور بے نشان کر دینے کے لئے بس تھا۔ لیکن اس نے اپنی حکمت بالغہ سے ایمانداروں کو جہاد کا حکم دیا۔ جس میں اس کی حجت بھی پوری ہو جائے اور دلیل بھی سامنے آ جائے۔ اس کا کوئی کام علم و حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ ایمانداروں کو اپنی بہترین نعمتیں اس بہانے عطا فرمائے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے کیا ہے؟ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری کہ مومن مرد و عورت جنتوں میں جائیں گے جہاں چپے چپے پر نہریں جاری ہیں اور جہاں وہ ابدآباد تک رہیں گے اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ اور ان کی برائیاں دور اور دفع کر دے انہیں ان کی برائیوں کی سزا نہ دے۔ بلکہ معاف فرما دے درگذر کر دے بخش دے پردہ ڈال دے رحم کرے اور ان کی قدردانی کرے دراصل یہی اصل کامیابی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر)

وہ (خدا) وہی تو ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں تحمل پیدا کیا ہے تا کہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان بڑھ جائے اور آسمان وزمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ سکینہ سے مراد ہے اللہ کے حکم کی تعمیل پر ثبات اور اطمینان۔ یعنی مسلمانوں کے دلوں کو اس مقام پر اثبات واطمینان عطا کیا جہاں دلوں میں تردو پیدا ہو جاتا ہے اور قدم ڈگمگانے لگتے ہیں۔ جب کہ کافروں کے دلوں میں جاہلیت کی حمیت پیدا کر دی۔

**اِيْـمَـا نًـا مَّـعَ اِيْمَا نِهِم** ضحاک نے کہا (پہلے) یقین کے ساتھ تازہ یقین یعنی عقیدہ کا جماؤ اور دل کا اطمینان۔ کلبی نے کہا یہ حدیبیہ میں ہی ہوا تھا جب کہ اللہ نے اپنے رسول (ﷺ) کے خواب کو سچ کر دکھایا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے اپنے رسول کو **لا الٰه الا اللّٰه** کی شہادت (دینے) اور لوگوں کو اس کی تعلیم دینے) کے لئے بھیجا۔ جب لوگوں نے اس کی تصدیق کر دی اور ایمان لے آئے تو پھر نماز (کی فرضیت) کا اضافہ کر دیا پھر زکوٰۃ پھر روزہ پھر حج پھر جہاد کا مزید حکم دیا پھر ان کے دین کو پورے احکام دے کر مکمل کر دیا۔ اس طرح جو حکم مزید آتا تھا اور لوگ اس کی تصدیق کرتے تھے تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

**وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ** یعنی حدیبیہ میں صلح کرنے کا حکم مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے نہیں دیا گیا بلکہ اللہ کے علم وحکمت کا تقاضا یہی تھا۔ اللہ کی مصلحت اس کی مقتضی تھی۔

(تفسیر مظہری)

وہ خدا ایسا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں عمل پیدا کیا۔ جس کے دو اثر ہیں ایک بیعت جہاد کے وقت اس کی طرف مسابقت اور عزم اور دوسرا اثر کفار کی بیجا ضد کے وقت اپنے جوش اور غیظ وغضب کو قابو میں رکھنا۔ تا کہ اُن کے پہلے ایمان کیساتھ اُن کا ایمان اور زیادہ ہو کیونکہ درصل اطاعتِ رسول ذریعہ ہے نورِ ایمان میں زیادتی کا اور اس واقعہ میں ہر پہلو سے مکمل اطاعتِ رسول کا امتحان ہو گیا کہ جب رسول نے دعوتِ جہاد کے لئے بُلایا اور

بیعت لی تو بڑی خوشدلی اور مسابقت کے ساتھ سب نے بیعت کی اور جہاد کے لئے تیار ہو گئے اور جب حکمت و مصلحت کے پیش نظر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قتال سے روکا اور سب صحابہ ؓ جوش جہاد میں قتال کے لئے بے قرار تھے مگر اطاعت رسول میں سر تسلیم خم کر دیا اور قتال سے باز رہے۔ آسمان و زمین کے سب لشکر جیسے ملائکہ اور سب مخلوقات اللہ ہی کے لشکر ہیں اس لئے کفار کی شکست اور دین اسلام کی سر بلندی کے لئے اللہ تعالیٰ تمہارے قتال و جہاد کا محتاج نہیں۔ وہ اگر چاہیں تو اپنے فرشتوں کے لشکر بھیج دیں جیسا کہ بدر، احزاب، حنین کے غزوات میں اس کا مشاہدہ ہو چکا، اور یہ لشکر بھیجنا بھی مسلمانوں کی ہمت بڑھانے کے لئے ہے ورنہ ایک فرشتہ بھی سب کیلئے کافی ہے۔ اسلئے تم لوگوں کو نہ تو کفار کی کثرت دیکھ کر جہاد و قتال میں کوئی تردّد ہونا چاہیے اور نہ جس وقت اللہ و رسول کا حکم ترک قتال کا ہو اس وقت ترک قتال میں بھی کوئی تردّد نہیں ہونا چاہیے کہ افسوس کرو کہ صلح ہوگئی اور کفار بچ گئے۔ ان کو سزا نہ ہوئی اور قتال یا ترک کے نتائج کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ (مصلحتوں کا) بڑا جاننے والا حکمت والا ہے۔ جب قتال میں حکمت ہوتی ہے تو اس کا حکم دیتا ہے اور جب ترک قتال میں مصلحت ہوتی ہے تو اُس کا حکم فرماتا ہے۔ اسلئے مسلمانوں کو چاہیے کہ دونوں حالتوں میں اپنے جذبات کو امر رسول کے تابع رکھیں جو سبب ہے زیادت ایمان کا۔

(تفسیر معارف القرآن)

# 25 ۔ نیک دل

نیک دل کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ الانفال اور سورۃ حشر میں کیا ہے۔

25:1 . یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ O

(الانفال ۔ 8:70 )

اے پیغمبر ﷺ جو قیدی تمہارے ہاتھ میں (گرفتار) ہیں ان کہ کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں نیکی معلوم کرے تو جو (مال) تم سے چھن گیا ہو اس سے بہتر تمہیں عنایت فرمائے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا۔ اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

O Prophet, say to the prisoners in yourhands,: If Allah Knows any goodness in your hearts, He will give you somethingbetter than what has been taken from you,and will forgive you. Allah is Most-Forgiving, Very-Merciful.

## فدیہ طے ہو گیا:

بدر والے دن آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے یقیناً معلوم ہے کہ بعض بنو ہاشم وغیرز بردستی اس لڑائی کے لئے نکالے گئے ہیں، انہیں ہم سے لڑنے کی خواہش نہ تھی۔ پس بنو ہاشم کو قتل نہ کرنا ابوالبختری بن ہشام کو بھی قتل نہ کیا جائے۔ عباس بن عبدالمطلب کو بھی قتل نہ کیا جائے ان کو بھی بادل ناخواستہ اپنے ساتھ کھینچا گیا ہے۔ اس پر ابوحذیفہ بن عتبہ نے کہا کہ کیا ہم اپنے باپ داداؤں کے بچوں کو، اپنے بھائیوں کو اور اپنے قبیلے کو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں؟ واللہ اگر وہ مجھے مل گیا تو میں اس کی گردن ماروں گا۔ جب یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا! اے ابوحفصہ ؓ! کیا رسول اللہ ﷺ کے چچا کے منہ پر تلوار ماری جائے گی؟ حضرت عمر فاروق ؓ فرماتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے میری کنیت سے مجھے یاد فرمایا تھا۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا۔

یارسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ابوحذیفہ کی گردن اڑادوں واللہ وہ تو منافق ہوگیا۔ حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں واللہ مجھے اپنے اس دن کے قول کا کھٹکا آج تک ہے۔ میں اس سے ابھی تک ڈر رہا ہوں تو میں اس دن چین پاؤں گا جس دن اس کا کفارہ ہوجائے اور وہ یہ ہے کہ میں راہ حق میں شہید کردیا جاؤں۔ چنانچہ جنگ یمامہ میں آپ شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورضا عنہ۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں جس دن بدری قیدی گرفتار ہوکر آئے رسول اللہ ﷺ کو اس رات نیند نہ آئی۔ صحابہؓ نے سبب پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے چچا کی آہ بکا کی آواز میرے کانوں میں ان قیدیوں میں سے آرہی ہے۔ صحابہؓ نے اس وقت ان کی قید کی رسیاں کھول دیں تب آپ کو نیند آئی۔ انہیں ایک انصاری صحابیؓ نے گرفتار کیا تھا۔ یہ بہت مالدار تھے انہوں نے سو اوقیہ سونا اپنے فدیے میں دیا۔ بعض انصاریوں نے سرکار نبوت میں گذارش بھی کی کہ ہم چاہتے ہیں آپ ﷺ کے چچا عباسؓ کو بغیر کوئی زرفدیہ لئے آزاد کردیں لیکن مساوات کے علم بردار ﷺ نے فرمایا! ایک چونی بھی کم نہ لینا پورا فدیہ لو۔ قریش نے فدیہ کی رقمیں دے کر اپنے آدمیوں کو بھیجا تھا ہر ایک صحابی نے اپنے اپنے قیدی کی من مانی رقم وصول کی۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا بھی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں تو مسلمان ہی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! مجھے تمہارے اسلام کا علم ہے۔ اگر یہ تمہارا قول صحیح ہے تو اللہ تمہیں اس کا بدلہ دیگا۔ لیکن چونکہ احکام ظاہر پر ہیں اس لئے آپ اپنا فدیہ ادا کیجئے بلکہ دونوں بھتیجوں کا بھی فدیہ آپ دیجئے۔ نوفل بن حارث بن عبدلامطلب کا اور عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا جو بنوحارث بن فہر کے قبیلے سے ہے۔ انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! میرے پاس تو اتنا مال نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! وہ مال کہاں گیا جو تم نے اور ام الفضلؓ نے زمین میں دفنایا تھا اور تم نے کہا تھا کہ اپنے اس سفر میں کامیاب رہا تو یہ مال الفضل اور عبداللہ اور قثیم کا ہے؟ تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ واللہ! میں جانتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ﷺ ہیں۔ اس مال کو بجز میرے اور ام الفضل کے کوئی نہیں جانتا۔ اچھا یوں کیجئے کہ میرے پاس سے بیس اوقیہ سونا آپ کے لشکریوں کو ملا ہے اسی کو میرا زرفدیہ سمجھ لیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! ہرگز نہیں وہ مال تو ہمیں اللہ نے اپنے فضل سے دلوایا ہے۔ چنانچہ اب آپ نے اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں کا اور اپنے حلیف کا فدیہ اپنے پاس سے ادا کیا۔

اس بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ اگر تم میں بھلائی ہے تو اللہ اس سے بہتر بدلہ دے گا۔ حضرت عباسؓ کا بیان ہے کہ اللہ کا فرمان پورا اترا اور ان بیس اوقیہ کے بدلے مجھے اسلام میں اللہ نے بیس غلام دلوائے جو سب کے سب مالدار تھے۔ ساتھ ہی مجھے اللہ عزوجل کی مغفرت کی بھی اُمید ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں میرے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے میں نے اپنے اسلام کی خبر حضور ﷺ کو دی اور کہا کہ میرے بیس اوقیہ کا بدلہ دلوائے جو مجھ سے لئے گئے ہیں لیکن آپ ﷺ نے انکار کر دیا تھا۔ الحمد اللہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے بدلے مجھے بیس غلام عطا کر مائے جو سب تاجر ہیں۔ میں نے حضور (ﷺ) سے کہا تھا کہ ہم تو آپ کی وحی پر ایمان لا چکے ہیں آپ کی رسالت کے گواہ ہیں ہم اپنی قوم میں آپ کی خیر خواہی کرتے رہے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اللہ دلوں کے حال سے واقف ہے۔ جس کے دل میں نیکی ہوگی اس سے جو لیا گیا ہے اس سے بہت زیادہ دے دیا جائے گا اور پھر اگلا شرک بھی معاف کر دیا جائے گا۔ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ ساری دنیا مل جانے سے بھی زیادہ خوشی مجھے اس آیت کے نازل ہونے سے ہوئی ہے۔ مجھ سے جو لیا گیا واللہ اس سے سو حصے زیادہ مجھے ملا اور مجھے اُمید ہے کہ میرے گناہ بھی دُھل گئے۔

کتابوں میں مذکور ہے کہ جب بحرین کا خزانہ سرکار رسالت مآب ﷺ میں پہنچا وہ اسی ہزار کا تھا آپ ظہر کے لئے وضو کر چکے تھے۔ پس آپ نے ہر ایک شکایت کرنے والے کی اور ہر ایک سوال کرنے والے کی دادرسی کی اور نماز سے پہلے ہی سارا خزانہ راہ اللہ میں لٹا دیا۔ حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ لے لو اس میں سے لے لو اور گٹھڑی باندھ کر لے جاؤ۔ پس یہ ان کے لئے بہت بہتر تھا اور اللہ تعالیٰ گناہ بھی معاف فرمائے گا۔ یہ خزانہ ابن الحضر ی نے بھیجا تھا۔ اتنا مال حضور ﷺ کے پاس اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہیں آیا۔ سب کا سب بوریوں پر پھیلا دیا گیا اور نماز کی اذان ہوئی۔ آپ تشریف لائے اور مال کے پاس کھڑے ہو گئے مسجد کے نمازی بھی آ گئے پھر حضور ﷺ نے ہر ایک کو دینا شروع کیا نہ تو اس دن ناپ تول تھی نہ گنتی اور شمار تھا، پس جو آیا وہ لے گیا اور دل کھول کر لے گیا۔ حضرت عباسؓ نے تو اپنی چادر میں گٹھڑی باندھ لی لیکن اٹھا نہ سکے تو حضور ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ذرا اونچا کر دیجئے۔ آپ ﷺ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی اتنی کہ دانت چمکنے لگے۔ فرمایا کچھ کم کر دو جتنا اُٹھے اتنا ہی لو۔ چنانچہ کچھ کم لیا اور اُٹھا کر یہ کہتے ہوئے چلے کہ الحمد اللہ اللہ تعالیٰ کی ایک بات تو پوری ہوتی ہوئی دکھا دی

اور دوسرا وعدہ بھی انشاء اللہ پورا ہو کر رہے گا۔ یہ اس سے بہتر ہے جو ہم سے لیا گیا۔ حضور ﷺ برابر اس مال کا تقسیم فرماتے رہے یہاں تک کہ اس میں سے ایک پائی بھی نہ بچی۔ آپ ﷺ نے اپنے اہل کو اس میں سے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں دی پھر نماز کے لئے آگے بڑھے اور نماز پڑھائی۔

دوسری حدیث۔حضور ﷺ کے پاس بحرین سے مال آیا اتنا کہ اس سے پہلے یا اس کے بعد اتنا مال کبھی نہیں آیا۔ حکم دیا کے مسجد میں پھیلا دو پھر نماز کے لئے آئے کسی طرف سے التفات نہ کیا۔ نماز پڑھا کر بیٹھ گئے پھر تو جسے دیکھتے دے دیتے اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ آگئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ مجھے دلوایئے میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے ہاتھ سے لے لو۔ انہوں نے چادر میں گٹھڑی باندھی لیکن وزنی ہونے کے باعث اٹھا نہ سکے تو کہا یا رسول اللہ ﷺ کسی کو حکم دیجئے کی میرے کاندھے پر چڑھا دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! میں تو کسی سے نہیں کہتا، کہا اچھا آپ ذرا اٹھوا دیجئے آپ ﷺ نے اس کا بھی انکار کیا اب تو بادل ناخواستہ اس میں کچھ کم کرنا پڑا۔ پھر اٹھا کر کندھے پر رکھ کر چل دیئے۔ حضور ﷺ کی نگاہیں جب تک یہ آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئے انہیں پر رہیں پس جب کل مال بانٹ چکے ایک کوڑی بھی باقی نہ بچی تب آپ وہاں سے اُٹھے۔

(تفسیر ابنِ کثیرؒ)

اے نبی ﷺ! تم لوگوں کے قبضہ میں جو قیدی ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ کو تمہارے دلوں نے اندر بہتری معلوم ہوئی تو تم سے جو کچھ لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو اللہ عنایت کر دے گا اور تمہارے قصور معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ محمد بن یوسف صالح نے سہیل الرشاد میں لکھا ہے کہ بدر کے قیدیوں کی ایک جماعت نے جس میں حضرت عباسؓ بھی شامل تھے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ہم تو مسلمان تھے مجبوری کے زیر اثر ہم (مقابلہ پر) آئے تھے ہم سے فدیہ کیوں لیا جا رہا ہے۔ اس پر آیت **یا ایھا النبی** نازل ہوگئی۔ **فی قلوبکم خیرا** میں خیر سے مراد ہے ایمان اور اخلاص **یوتکم خیرا** سے یہ مراد تم سے لیا گیا ہے۔ اس سے چند گنا دنیا میں اور ثواب آخرت میں عنایت کرے گا۔

طبرانی نے الاوسط میں بیان کیا ہے حضرت عباسؓ نے فرمایا جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی اور درخواست کی کہ جو بیس اوقیہ سونا میرے پاس نکلا اس کو حساب میں لیا جائے۔ تو خدا کی قسم یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے اس سونے کے عوض مجھے بیس غلام عنایت کر دے۔ جن میں سے ہر ایک میرے سرمایہ سے تجارت کرتا ہے اور کل نفع مجھے ملتا ہے اسی کے ساتھ میں اللہ سے مغفرت کا بھی امیدوار ہوں۔

بغویؒ نے حضرت عباسؓ کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ اللہ نے اس کے عوض مجھے بیس غلام عنایت فرما دیئے کہ سب کے سب تاجر ہیں اور کثیر مال کماتے ہیں۔ ہر ایک کم سے کم بیس ہزار درہم کماتا ہے اور اللہ نے مجھے زمزم کی تولیت بھی عنایت کر دی ہے۔ جس کے مقابلہ میں مجھے مکہ کا سارا مال بھی پسند نہیں اور مجھے اپنے رب سے مغفرت کی امید بھی لگی ہوئی ہے۔

سنبیل الرشاد میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت حضرت عباسؓ نے فرمایا! کاش مجھے اس مال سے جو آپ نے لیا ہے کئی گنا زیادہ لیا ہوتا۔ کیونکہ اللہ نے مجھے اس مال سے بہتر عنایت کر دیا یعنی چالیس غلام عنایت کر دے۔ جن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں میرا مال ہے جس سے وہ کمائی میری ہوئی ہے اور مجھے اللہ سے مغفرت کی امید بھی لگی ہوئی ہے۔

بخاری اور ابن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بحرین سے کچھ مال آیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا اس کو مسجد میں پھیلا دو (یعنی یونہی بے قدری کے ساتھ ڈال دو)۔ اتنے میں حضرت عباسؓ آ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اس میں سے عنایت کیجئے میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ ادا کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لے لو۔ حضرت عباسؓ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا کپڑا بھر لیا اور جب اٹھانے لگے تو اٹھا نہ سکے کہنے لگے کسی کو اٹھوانے کا حکم دے دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا! نہیں۔ حضرت عباسؓ نے کہا تو آپ ﷺ اٹھوا دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا! نہیں۔ حضرت عباسؓ نے مجبوراً کچھ حصہ نکال دیا اور اٹھا کر کاندھے پر رکھ کر لے گئے اور جاتے میں کہنے لگے۔ اللہ نے جو وعدہ فرمایا تھا میں وہی لے رہا ہوں۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں اٹھے جب تک وہاں ایک درہم بھی رہا۔

(تفسیر مظہری)

اے پیغمبر! آپ ﷺ کے قبضہ میں جو قیدی ہیں (ان میں جو مسلمان ہو گئے ہیں) آپ ﷺ ان سے فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو تمھارے قلب میں ایمان معلوم ہوگا یعنی تم دل سے مسلمان ہوئے ہو۔ اللہ تعالیٰ مسلمان اسی کو جانیں گے جو واقعی میں مسلمان ہوگا اور جو شخص غیر مسلم ہوگا اس کو غیر مسلم ہی جانیں گے۔ پس اگر تم دل سے مسلمان ہو گئے تو جو کچھ تم سے فدیہ میں لیا گیا ہے دنیا میں اس سے بہتر تم کو دے دے گا اور آخرت میں تم کو بخش دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں اور بڑی رحمت والے ہیں اس لئے تم کو نعم البدل دیں گے اور اگر بالفرض یہ لوگ صدقِ دل سے مسلمان نہ ہوئے ہوں بلکہ اظہار اسلام سے محض آپ کو دھوکا ہی دینا چاہیں اور دل میں آپ کے ساتھ خیانت کرنے کا یعنی نقضِ عہد کر کے مخالفت و مقابلہ کا ارادہ رکھتے ہوں تو کچھ فکر نہ کیجئے اللہ تعالیٰ ان کو پھر آپ ﷺ کے ہاتھوں میں گرفتار کرا دے گا جیسا اس سے پہلے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت کی تھی اور آپ کی مخالفت اور مقابلہ کیا تھا پھر اللہ نے ان کو آپ ﷺ کے ہاتھوں میں گرفتار کرا دیا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں کہ کون خائن ہے اور بڑی حکمت والے ہیں۔ اللہ ایسی صورتیں پیدا کر دیتا ہے جس سے خائن مغلوب ہو جائے۔ (تفسیر معارف القرآن)

## معارف و مسائل

غزوہ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ اسلام اور مسلمانوں کے وہ دشمن جنھوں نے آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو ستانے، مارنے، قتل کرنے میں کسی وقت بھی کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی اور جب موقع مل گیا تو ان پر انتہائی وحشیانہ مظالم کئے مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہو جانے کے بعد ان کی جان بخشی کر دینا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ان کے لئے بڑی غنیمت اور انتہائی لطف و کرم تھا۔ فدیہ میں جو رقم ان سے لی گئی وہ بھی نہایت معمولی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم دیکھئے کہ اس معمولی رقم کے دینے سے جو ایک قسم کی تکلیف ان کو پیش آئی اُس کو بھی کس طرح رفع فرمایا جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں میں کوئی خیر پائیں گے تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اُس سے بہتر تمھیں دے دیں گے اور اُس پر مزید یہ کہ تمھارے پچھلے گناہ بخش دیں گے۔ خیر سے مراد ایمان اور اخلاص ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آزاد ہونے کے بعد ان قیدیوں میں جو لوگ ایمان اسلام کو اخلاص کے ساتھ اختیار کر لیں گے تو جو

کچھ فدیہ میں دیا ہے اس سے زیادہ اور بہتر ان کو مل جائے گا۔ قیدیوں کو آزاد و خود مختار کر دینے کے ساتھ اس طرح دعوت دی گئی کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے نفع نقصان پر غور کریں۔ چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ ان لوگوں میں سے جو مسلمان ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت اور جنت کے درجات عالیہ کے علاوہ دنیا میں بھی ان کو اتنا مال و دولت دے دیا جو ان کے فدیہ سے زائد تھا۔

اکثر مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ وہ بھی بدر کے قیدیوں میں شامل تھے اور ان سے بھی فدیہ لیا گیا تھا۔ ان کی خصوصیت اس معاملہ میں یہ تھی کہ جنگ بدر میں یہ مکہ سے اپنے ساتھ تقریباً سات سو گنی سونا لے کر چلے تھے تا کہ وہ لشکر کفار پر خرچ کیا جائے اور ابھی یہ خرچ ہونے نہیں پایا تھا کہ وہ بمعہ اس سونے کے گرفتار کر لئے گئے۔ جب فدیہ دینے کا وقت آیا تو انھوں نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے ساتھ جو سونا تھا اس کو میرے فدیہ کی رقم میں لگا لیا جائے۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مال آپ کفر کی امداد کے لئے لائے تھے وہ مسلمانوں کا مال غنیمت بن گیا۔ فدیہ اس کے علاوہ ہونا چاہیئے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اپنے دو بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ بھی آپ ادا کریں۔ عباسؓ نے عرض کیا کہ اگر اتنا مالی بار مجھ پر ڈالا گیا تو مجھے قریش سے بھیک مانگنا پڑے گی، میں بالکل فقیر ہو جاؤں گا۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کیوں کیا آپ کے پاس وہ مال موجود نہیں جو مکہ سے روانگی کے وقت آپ نے اپنی زوجہ ام الفضل کے حوالہ کیا ہے۔ حضرت عباسؓ نے پوچھا کہ آپ ﷺ کو یہ کیسے معلوم ہوا۔ جب کہ وہ میں نے رات کی تاریکی اور تنہائی میں اپنی بیوی کے سپرد کیا تھا اور کوئی تیسرا آدمی اس سے واقف نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے اس کی پوری تفصیل بتلا دی۔ حضرت عباسؓ کے دل میں یہ سن کر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے رسول ہونے کا یقین ہو گیا۔ اس سے پہلے بھی وہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے معتقد تھے مگر کچھ شبہات تھے جو اللہ تعالیٰ نے اس وقت رفع فرما دیئے اور وہ درحقیقت اسی وقت سے مسلمان ہو گئے۔ مگر ان کی بہت سی رقم قریش مکہ کے ذمہ قرض تھی اگر یہ اسی وقت اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیتے تو وہ ماری جاتی اس لئے اعلان نہیں کیا اور رسول اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا۔ فتح مکہ سے پہلے انھوں نے رسول اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت چاہی کہ مکہ سے ہجرت کر کے

مدینہ طیبہ آ جائیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہی مشورہ دیا کہ ابھی ہجرت نہ کریں۔

حضرت عباس ؓ کی اس گفتگو پر رسول اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکورہ میں آیا ہوا وعدہ بھی ان کو بتلا دیا کہ اگر آپ نے اسلام قبول کرلیا اور اخلاص کے ساتھ مومن ہو گئے تو جو کچھ مال فدیہ میں خرچ کیا ہے اس سے بہتر اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرما دیں گے۔ چنانچہ حضرت عباس ؓ اظہار اسلام کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اس وعدہ کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ کیونکہ مجھ سے بیس اوقیہ سونا فدیہ میں لیا گیا تھا، اس وقت میرے بیس غلام مختلف جگھوں میں تجارت کا کاروبار کررہے ہیں اور کسی کا کاروبار بیس ہزار درہم سے کم کا نہیں ہے۔ اس پر مزید یہ انعام ہے کہ مجھے حجاج کو آب زمزم پلانے کی خدمت مل گئی ہے جو میرے نزدیک ایسا گرانقدر کام ہے کہ سارے اہل مکہ کے اموال بھی اس کے مقابلہ میں کم سمجھتا ہوں۔

غزوہ بدر کے قیدیوں میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ مگر ان کے بارے میں یہ کھٹک لوگوں کے دل میں تھی کہ شاید یہ لوگ مکہ پہنچ کر اسلام سے پھر جائیں اور پھر ہمیں کوئی نقصان پہنچائیں۔ حق تعالیٰ نے اس کے بعد والی آیت میں اس خطرہ کو اس طرح دور فرمایا!

اِنْ یُّرِیْدُوْ اخِیَا نَتَکَ فَقَدْ خَانُو اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْکَنَ مِنْهُمْ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔

یعنی اگر یہ لوگ آپ کے ساتھ خیانت ہی کا ارادہ کرلیں تو اس سے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ یہ تو وہی لوگ ہیں جو اس سے پہلے اللہ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں۔ یعنی میثاق ازل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رب العالمین ہونے کا اقرار کیا تھا۔ اس کی مخالفت کرنے لگے تھے لیکن ان کی یہ خیانت خود انھیں کے لئے مضر ثابت ہوئی کہ انجام کار ذلیل وخوار اور گرفتار ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ تو دلوں کے رازوں کو جاننے والے اور بڑی حکمت والے ہیں۔ اگر یہ لوگ اب بھی آپ (ﷺ) کی مخالفت کرنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ سے باہر کہاں جائیں گے۔ وہ پھر ان کو اسی طرح پکڑ لے گا۔ آزاد ہونے والے قیدیوں کو اسلام کی طرف دعوت ترغیبی انداز میں دی گئی تھی اب ترہیب کے ذریعہ ان کو آگاہ کردیا کہ تمھاری دنیا وآخرت کی بھلائی اسلام وایمان پر منحصر ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

25:2 . وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا

بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآاِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ O

(الحشر - 59:10)

اور(ان کے لئے بھی) جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما۔ اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار تو بڑا اشفقت کرنے والا مہران ہے۔

And (fai' is also) for those who came after them saying: Our Lord, forgive us and those of our brothers who preceded us in faith, and do not place in our hearts any rancor against those who believe; Surely, Our Lord, You are Very-Kind, Very-Merciful.

جوان کے بعد آئے بعد کو آنے والے ان اگلوں کے لئے دعا کرتے اور کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ان ایمان والوں کے لئے کینہ نہ پیدا کر دینا اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔

بَعْدِ هِمْ یعنی مہاجرین وانصار کے بعد ان سے مراد ہیں وہ صحابی جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اور وہ تمام مومن بھی مراد ہیں جو صحابہؓ کے بعد قیامت تک آنے والے ہیں۔

لِاِ خْوَا نِنَا یعنی ہمارے دینی بھائیوں کے لئے جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔ پہلوں کا پچھلوں پر بڑا حق ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے جن کو ہدایت ملی اور ایمان کی توفیق ہوئی ان ہی کے ذریعہ سے پیچھے آنے والے ہدایت یافتہ ہوئے۔

غِلًّا کینہ حسد بغض۔

لِلَّذِ يْنَ اٰمَنُوْا ان سے مراد ہیں مہاجرین وانصار جو بعد کو آنے والوں سے پہلے ایمان لائے اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اگر کسی کے دل میں کسی صحابیؓ کی طرف سے کسی طرف کا بغض ہو تو اس کا شمار ان لوگوں میں

نہیں ہوگا۔ جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ (یعنی نواصب، خوارج اور شیعہ اس آیت کے مصداق نہیں ہیں)

مؤلف فصول نے جو امامیہ اثنا عشری فرقہ میں سے تھا لکھا ہے کہ ایک جماعت حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ پر نکتہ چینی کر رہی تھی۔ حضرت جعفر محمد بن علی باقرؒ نے فرمایا ہے میں شہادت دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں شامل نہیں ہو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔

صحیفہ کاملہ میں آیا ہے کہ حضرت امام زین العابدینؒ یہ دعا کیا کرتے تھے اے اللہ محمد ﷺ کے صحابہؓ پر خصوصیت کے ساتھ رحمت نازل فرما، جنہوں نے صحبتِ رسول اللہ ﷺ کیا اور آپ ﷺ کی مدد کرنے میں اچھی طرح آزمائش میں پورے اترے، تیزی کے ساتھ خدمت رسول (ﷺ) میں حاضر ہوئے اور دعوت رسول کی طرف پیش قدمی کی اور جونہی آپ ﷺ نے اپنی رسالت کے دلائل بیان کئے فوراً انہوں نے قبول کرلیا اور کلمہ توحید اور رسالت کو ظاہر کرنے میں تامل نہیں کیا بلکہ اہل وعیال کو چھوڑ دیا اور نبوت کو مضبوط کرنے کے لئے اپنے ماں باپ اور اولاد سے بھی لڑے اور آپ ﷺ کی وجہ سے فتح یاب ہوئے اور اے اللہ! ان لوگوں پر رحمت نازل فرما! جو رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے اور آپ کی دوستی میں جان و مال کی اس تجارت کے امیدوار تھے۔ جو خسران مال نہیں تھی اور ان لوگوں پر بھی رحمت نازل کر جنہوں نے اسلام کا مضبوط قبضہ پکڑ کر اپنے قبائل کو چھوڑ دیا اور ان کی رشتہ داریاں مثلاً قرابتداروں سے منقطع ہوگئیں اور قرابت رسول ﷺ کے سایہ میں وہ مسکن گزیں ہوگئے۔

اے اللہ! جن چیزوں کو انہوں نے تیرے راستہ میں قربان کردیا ان کو نظرانداز نہ کرنا اور اپنی خوشنودی عطا فرما کر ان کو خوش کرنا اس بدلہ میں کہ انہوں نے تیرے دین پر لوگوں کو جمع کیا اور تیرے رسول کے ساتھ رہے اور تیری طرف آنے کی لوگوں کو دعوت دی اور ان کی قدر افزائی فرما۔ اس بنا پر کہ انہوں نے تیری راہ میں اپنی قوم کی بستیوں کو چھوڑا اور وسعت معاشی سے نکل کر تنگدستی میں پڑے۔

اے اللہ! اور رحمت نازل فرما ان لوگوں پر بھی جو بخوبی صحابہؓ کی پیروی کرنے والے ہوں اور کہتے ہوں اے ہمارے رب! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے تھے۔

مالک بن معولؒ کا بیان ہے مجھ سے عامر بن شرجیل شعبیؒ نے کہا مالک ایک بات میں یہودی اور عیسائی

رافضیوں سے افضل ہیں۔ جب یہودیوں سے دریافت کیا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے افضل کون لوگ تھے تو انہوں نے کہا! موسیٰؑ کے صحابی اور عیسائیوں سے پوچھا گیا تمہاری امت میں کون لوگ سب سے برتر تھے تو انہوں نے کہا عیسیٰؑ کے حواری۔ لیکن جب رافضیوں سے سوال کی گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے برے کون لوگ ہیں تو کہنے لگے محمد ﷺ کے صحابی۔ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ صحابیؓ کے لئے طلب مغفرت کریں تو انہوں نے بجائے دعا کرنے کے صحابیوں کو برا کہا۔ ان کے خلاف روز قیامت تک تلواریں کھچی رہیں گی۔ ان کا جھنڈا کبھی سربلند نہیں ہوگا نہ ان کے قدم جمیں گے نہ ایک رائے پر ان کا اتفاق ہوگا۔ جب بھی یہ صحابہؓ کے خلاف لڑائی کی آگ بھڑ کائیں گے اللہ ان جماعتوں کو منتشر کرکے اور ان کے خون بہا کر لڑائی کی آگ بجھا دے گا۔ اللہ ہم کو گمراہ کن خواہشات سے محفوظ رکھے۔ آمین

حضرت مالک بن انسؓ نے فرمایا جو شخص کسی صحابی سے بغض رکھے گا یا اس کے دل میں کسی صحابی کی طرف سے کینہ ہوگا اس کو مسلمانوں کے مال فئے میں حصہ پانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ فرما کر امام مالک نے آیت تلاوت فرمائی۔

مَاافَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی ........... رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(سورۃ الحشر:۱۰۔۷)

اَلَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ کا عطف الفقراء پر ہے۔ اور کسی مسلمان کے مستحق فئے قرار پانے کی شرط فقیر ہونا نہیں ہے۔ مسافر بالاتفاق مال فئے کا مصرف ہے حالانکہ ہر مسافر کو فقیر نہیں کہا جاسکتا۔ مہاجرین کے ساتھ جو لفظ فقراء ذکر کیا اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اکثر مہاجرین فقراء تھے یہ واقعی ان کی حالت کا ذکر ہے۔

وَرَبَآئِبُکُمُ اللّٰاتِیْ فِیْ حُجُوْرِکُمْ (سورۃ النساء۔۲۳)

اس آیت میں حجورکم لفظ محض واقعی بات کا اظہار ہے۔ اس قول کی وجہ یہ ہے کہ بلا جماع علماء مال فئے پر ہر قسم کے مسلمانوں کا حق ہے۔ خواہ غنی ہوں یا فقیر تمام مسلمان حکام اعمال اور علماء اس سے بہرہ یاب ہوسکتے ہیں۔ مشاہرات وظائف اس میں سے ان کو دئے جاسکتے ہیں خواہ مالدار ہوں یا نادار اسی طرح اسلامی فوج کے مصارف اس میں سے کئے جاسکتے ہیں۔ فوجیوں کا نادار ہونا ضروری نہیں حضرت ابو بکر صدیقؓ مال فئے میں سے تمام

مسلمانوں کو برابر حصہ دیتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فضیلت دینی اور خدمت اسلامی کے تفاوت کے پیش نظر تقسیم فئے میں بھی تفاوت کر دیا تھا لیکن مالداری اور ناداری کا لحاظ کسی نے نہیں کیا۔

امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ مجھ سے ابن ابی الخیح نے بیان کیا کہ حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں فئے کا کچھ مال پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس شخص سے کچھ مال دینے کا وعدہ کیا ہو وہ آ جائے۔ یہ ارشاد سن کر حضرت جابر بن عبداللہؓ آئے اور کہا مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا جب بحرین کا مال آئے تو میں تجھے اتنا اتنا دونوں گا اور لپ بھر کر اشارہ کیا دوں گا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا! دونوں ہاتھ بھر کر لے لو۔ میں نے لے لیا پھر اس کو گنا تو پانچ سو تھے، پھر ارشاد فرمایا کہ ایک ہزار لے لو( کیونکہ حضورِ اقدس ﷺ نے دونوں ہاتھوں کو ملا کر اشارہ کرتے ہوئے اتنا لفظ مکرر فرمایا تھا) میں نے ہزار لے لئے۔ اس کے بعد آپ نے ہر اس شخص کو جس سے رسول اللہ ﷺ نے وعدہ کیا تھا کچھ کچھ دیا اس کے بعد کچھ مال باقی رہ گیا تو آپ نے ہر مرد عورت بچے بڑے آزاد غلام سب کو برابر بانٹ دیا۔ چنانچہ ہر شخص کے حصہ میں ۱/۳ ۹ درہم آئے۔ جب دوسرا سال آیا تو اس سے زیادہ مال آیا۔ آپؓ نے وہ بھی لوگوں کو تقسیم کر دیا۔ اس بار ہر شخص کے حصہ میں بیس درہم آئے۔

یہ مساویانہ تقسیم دیکھ کر کچھ مسلمان حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور عرض کیا۔ اے رسول خدا کے جانشین! آپ نے مال کی تقسیم کی اور سب کو برابر حصہ دیا۔ ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو دوسروں پر فضیلت اور سبقت اسلامی اور پختگی اور سبقت اور پختگی حاصل ہے۔ آپ ان کی فضیلت اور اسلامی سبقت اور تقدم کو تقسیم میں ملحوظ رکھتے تو بہتر تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا! میں اس بات کو خوب جانتا ہوں مگر اس کا ثواب تو( آخر میں) اللہ دے گا۔ اور یہ تقسیم معاشی ہے اس میں برابری کمی بیشی (بعض کو بعض پر ترجیح دینے) سے بہتر ہے۔ جب حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت آیا اور فتوحات کا مال ملا تو آپ نے تقسیم میں فضیلت اسلام کا لحاظ رکھا اور فرمایا جو لوگ رسول اللہ ﷺ سے لڑے ان کو میں ان لوگوں کے برابر نہیں قرار دے سکتا۔ جو رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہ کر آپ کے دشمنوں سے لڑے۔ چنانچہ جن انصار و مہاجرین کو سبقت اسلام اور فضیلت حاصل تھی ان میں سے شرکاء بدر کو پانچ ہزار عطا کئے اور جن کو شرکاء بدر کی طرح صرف اسلامی برتری حاصل تھی۔ ان کو ان کے فضائل کے مطابق حصہ دیا۔ امام ابو یوسفؒ نے لکھا ہے کہ مجھ سے عفرہ کے غلام عمر نے اور بعض دوسرے لوگوں نے کہا کہ جب حضرت عمرؓ کے پاس

فتوحات کا مال بکثرت آیا تو فرمایا اس مال کی تقسیم کے متعلق ابوبکرؓ کی ایک رائے تھی اور میری رائے ان سے الگ ہے۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ سے لڑے ان کو میں ان لوگوں کے برابر نہیں رکھ سکتا جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ کر دشمنوں سے لڑے۔ چنانچہ آپ نے مہاجرین و انصار میں سے ہر اس شخص جو غزوہ بدر میں شریک رہا تھا چار ہزار دیے اور سوائے حضرت صفیہ ؓ اور حضرت جویریہؓ کے حضور ﷺ کی ہر اہلیہ کو بارہ ہزار دیے۔ حضرت صفیہ ؓ اور حضرت جویریہؓ کو صرف چھ چھ ہزار روپے ان دونوں امہات المومنین ؓ نے لینے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے دوسری بیویوں کو جو دوگنا حصہ دیا یہ وہ ان کی ہجرت کی وجہ سے دیا ہے۔ ان کی فضیلت ہجرت حاصل تھی دونوں بیویوں نے فرمایا وجہ نہیں بلکہ ترجیح کہ یہ وجہ ہے کہ آپ کے خیال میں رسول اللہ ﷺ کی نظر میں ان کو ہم پر برتری حاصل تھی حالانکہ حضور ﷺ کی نظر میں ہمارا بھی وہی مرتبہ تھا جو ان کا تھا۔ یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ نے ان کے لئے بھی بارہ بارہ ہزار کر دیئے۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس ؓ کو بھی بارہ ہزار روپے دئے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو چار ہزار دیئے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو تین ہزار۔ عبداللہ ؓ نے عرض کی ابا جان اسامہؓ کو مجھ سے ایک ہزار زائد کیوں دیے۔ اسامہؓ کے باپ کو کوئی ایسی فضیلت حاصل نہ تھی جو میرے باپ کو حاصل نہ ہو۔ اور نہ اسامہ ؓ کو کوئی ایسی برتری حاصل ہے جو مجھے حاصل نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا! اسامہؓ کا باپ تیرے باپ سے رسول اللہ ﷺ کو زیادہ پیارا تھا اور اسامہؓ حضور ﷺ کی نظر میں تجھ سے زائد محبوب تھا۔

حضرت حسن ؓ اور حضرت حسینؓ کو پانچ پانچ ہزار دیئے کیونکہ رسول اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ اونچا تھا۔ باقی انصار و مہاجرین کے لڑکوں کو دو دو ہزار دیے۔ لیکن جب عمرو بن ابی سلمہ سامنے سے گزرے تو فرمایا ان کو ایک ہزار بڑھا دو۔ اس پر محمد بن عبدالرحمٰن بن جحش نے کہا۔ ان کے باپ ابوسلمہ کو وہ فضیلت حاصل نہیں تھی جو ہمارے باپ کو حاصل ہو اور نہ ان کو کوئی ایسی برتری حاصل ہے جو ہم کو نہ ملی ہو پھر یہ حصہ میں بیشی کیوں کی گئی۔ فرمایا! ابوسلمہ کے بیٹے ہونے کی وجہ سے تو میں نے ان کو دو ہزار دیئے اور حضرت امّ سلمہ ؓ کی وجہ سے ایک ہزار زائد دیدیئے۔ اگر تیری ماں بھی حضرت ام سلمہؓ کے ہم پلہ ہوتی تو تجھے بھی میں ایک ہزار زائد دیدیتا۔ باقی لوگوں کو آپ نے آٹھ آٹھ سو دیدیے۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ اپنے بھائی کو لے کر آئے تو ان کو بھی آٹھ سو دیدیئے۔ نضر بن

انس سامنے سے گزرے تو فرمایا ان کو دو ہزار دیدو۔ جنگ احد میں ان کے باپ کا وہ کارنامہ تھا جو دوسروں کا نہیں ہوا۔ شکست کے بعد انہوں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا میں نے کہا میرے خیال میں حضور ﷺ کو شہید کر دیا گیا۔ یہ بات سن کر انہوں نے تلوار سونت لی اور نیام توڑ کر کہنے لگے رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے مگر وہ اللہ تو زندہ ہے وہ تو نہیں مرے گا یہ کہہ کر مشرکوں سے اتنا لڑے کہ شہید ہو گئے۔

حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں مال کی تقسیم اسی طرح کرتے رہے۔ امام ابو یوسفؒ نے لکھا ہے کہ مجھ سے محمد بن اسحاق نے بروایت ابو جعفر بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے جب تقسیم مال کا ارادہ کیا اور آپ کی رائے دوسروں کی رائے سے آخری تھی۔ تو لوگوں نے کہا کہ پہلے اپنی ذات سے شروع کیجئے۔ یعنی پہلے اپنا حصہ مقرر کیجئے۔ فرمایا! نہیں۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے قرابتداروں سے جو سب سے زیادہ قریب تھے سے تقسیم شروع کی۔ پہلے حضرت عباسؓ سے پھر حضرت علیؓ سے شروع کیا۔ اس طرح پانچ اصول تک ترتیب وار تقسیم کی۔ یہاں تک کہ عدی بن کعب تک پہنچ گئے۔ ہم سے مخالد بن سعید نے شعبی کا بیان نقل کیا گیا اور شعبی نے ایسے شخص کا حوالہ دیا جو حضرت عمرؓ کے دور میں موجود تھا کہ جب فارس اور روم کی فتوحات ہوئیں اور مسلسل بکثرت مال آنے لگا تو حضرت عمرؓ نے کچھ صحابیوںؓ کو جمع کر کے دریافت کیا۔ آپ حضرات کی کیا رائے ہے میرا خیال تو یہ ہے کہ سالانہ لوگوں کے وظائف مقرر کر دوں اور سال بھر تک مال خزانہ میں جمع کرتا رہوں۔ اس میں بڑی برکت ہوگی صحابہؓ نے جواب دیا آپ جو چاہیں کریں ان شاءاللہ آپ کو اللہ کی طرف سے توفیق نصیب ہوگی۔ اس کے بعد آپ نے سالانہ عطیات مقرر کر دیئے اور فرمایا آغاز تقرر کس سے کروں۔ عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا اپنی ذات سے شروع کیجئے۔ فرمایا نہیں خدا کی قسم! ایسا نہیں کروں گا بلکہ بنی ہاشم سے شروع کروں گا جو رسول اللہ ﷺ کا قریبی قبیلہ ہے۔

چنانچہ جو ہاشمی بدر میں شریک ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو خواہ غلام ہوں۔ یعنی بنی ہاشم کا آزاد کردہ عجمی غلام یا عربی بہر حال ہر ایک کے پانچ ہزار مقرر کئے حضرت عباسؓ کے بارہ ہزار مقرر ہوئے۔ بنی ہاشم اور بنی امیہ کے وظائف مقرر کئے، بنی امیہ میں سے بھی ان لوگوں کو مقدّم رکھا جو شرکاء بدر تھے اور بنی ہاشم سے قریب ترین رشتہ رکھتے تھے ان میں سے بھی ہر ایک کے پانچ ہزار مقرر کئے۔ انصار میں ہر ایک کے چار چار ہزار مقرر کئے انصاریوں میں سے پہلے محمد بن مسلمہؓ کا وظیفہ مقرر ہوا۔

امہات المومنین میں سے ہر ایک کے دس ہزار لیکن حضرت عائشہ ؓ کے بارہ ہزار مقرر کئے۔ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں سے ہر ایک کے چار ہزار، اور عمر بن ابوسلمہ کے چار ہزار مقرر ہوئے کیونکہ حضرت امّ سلمہؓ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے آپ کو ترجیح حاصل تھی۔ عبداللہ بن جحشؓ نے کہا آپؓ نے ان کو ہم پر کیوں فضیلت دی پورا سوال و جواب بیان سابق میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ چونکہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو رسول اللہ ﷺ سے قربِ مرتبہ حاصل تھا اس لئے ان میں سے ہر ایک کے لئے پانچ ہزار مقرر کیا۔ پھر دوسرے لوگوں کے لئے عربی ہوں یا آزاد کردہ عجمی تین سو اور چار سو کا وظیفہ کیا گیا۔

مہاجرین اور انصاریوں کا وظیفہ تین سو، چار سو، چھ سو اور دو سو مقرر ہوا کچھ مہاجرین کا وظیفہ دو ہزار مقرر ہوا۔ برفیل جب مسلمان ہو گئے تو ان کا وظیفہ بھی دو ہزار مقرر ہو گیا۔ برفیل نے کہا میری زمین میرے ہی قبضہ میں رہنے دیجئے میں اس کا خراج ویسے ہی ادا کروں گا جیسے پہلے ادا کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی درخواست منظور کر لی۔

امام ابو یوسفؒ نے لکھا ہے مجھ سے محمد بن عمرو بن علقمہ نے بحوالہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان نقل کیا اس روایت میں آیا ہے کہ مہاجرین کا پانچ پانچ ہزار اور انصار کا تین تین ہزار اور امہات المومنین کا بارہ بارہ ہزار وظیفہ مقرر کیا۔ جب حضرت زینب بنت جحشؓ کا وظیفہ ان کی خدمت میں پہنچا تو فرمایا۔ امیر المومنین کی اللہ مغفرت کرے اس روپیہ کی تقسیم تو میری ساتھ والیاں یعنی دوسری امہات المومنین مجھ سے زیادہ اچھی طرح کر سکتی تھیں۔ حضرت زینبؓ سمجھیں کہ یہ بارہ ہزار درہم مجھے اس لئے دیئے گئے ہیں تاکہ میں دوسری بیویوں کو تقسیم کر دوں۔ لانے والے نے کہا یہ ساری رقم تو آپ کی ہے چنانچہ وہ رقم آپؓ کے سامنے ڈال دیا گیا اور آپؓ نے اس کو کپڑے سے ڈھانک دیا پھر جو عورت آپ کے پاس موجود تھی اس سے فرمایا! اس کپڑے کے اندر ہاتھ ڈال اور جتنا ہاتھ میں آجائے اتنا اتنا دوسری عورتوں کو بانٹ دے۔ وہ عورت اسی طرح بانٹنے لگی آخر اس تقسیم کنندہ عورت نے کہا شاید آپ مجھے بھول گئیں حالانکہ آپؓ پر میرا حق زائد ہے۔ فرمایا! کپڑے کے نیچے جو باقی رہا ہے وہ تو لے لے اس نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو ۸۵ درہم نکلے۔ اس کے بعد حضرت زینبؓ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اے اللہ! اس سال کے بعد کبھی عمرؓ کا عطیہ مجھے نہ پائے یعنی میں اگلے سال تک زندہ نہ رہوں۔ چنانچہ

امہات المومنین میں سب سے پہلے حضرت زینب ؓ کی وفات ہوئی اور آپ رسول اللہ ﷺ سے جا ملیں۔ حضرت زینب بنت جحش ؓ تمام بیویوں سے زائد سخی تھیں۔

حضرت عمرؓ نے حضرت زید بن ثابت ؓ کو انصار کی تقسیم کا ذمہ دار بنا دیا۔ حضرت زید نے سُکّانِ عوالیٔ مدینہ سے تقسیم کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے بنی الاشہل کو دیا۔ پھر قبیلہ ٔ اوس کو دیا کیونکہ ان کے گھر دوری پر تھے۔ اوس کے بعد قبیلہ ٔ خزرج کو۔ سب سے آخر میں آپ کا خود نمبر آیا ان کا قبیلہ بنی مالک بنی نجار تھا۔ بنی نجار مسجد کے گرداگرد رہتے تھے۔

امام ابو یوسف ؒ نے لکھا ہے مجھ سے مدینہ کے ایک شیخ نے بحوالہ اسماعیل بن مسائب بن یزید بیان کیا اور اسماعیل نے اپنے باپ کی روایت سے کہا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب فرما رہے تھے۔ قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! اس مال میں ہر شخص کا حق ہے میں دیتا ہوں اور سوائے مملوک غلام کے اور کسی کا دوسرے سے زیادہ حق نہیں ہے اور میں بھی تم میں سے ایک فرد ہوں۔ لیکن کتاب اللہ کی رو سے لوگوں کے مراتب مختلف ہیں۔ کوئی موروث اسلام ہے کسی کو تقدم اسلامی حاصل ہے، کوئی غنی ہے، کوئی محتاج۔ خدا کی قسم! اگر میں زندہ رہا تو ضرور ایسا ہوگا کہ کوہِ صفاء پر جانور چرانے والے کو اس مال میں اس کا حصہ اسی جگہ پر پہنچ جائے بغیر اس کے کہ اپنے حصہ کی طلب میں اس کا چہرہ سرخ ہو۔ حضرت عمرؓ سپہ سالار کا حصہ آٹھ اور سات ہزار کے درمیان مقرر کر دیتے تھے تا کہ ان کی غذائی ضرورتوں کی تکمیل اور متعلقہ امور کی درستی ہو سکے۔ پیدا ہوتے ہی بچہ کا وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ نوخیز شباب ہونے پر دو سو وظیفہ ہو جاتا تھا۔ اس سے آگے بڑھتا تھا تو اتنا ہی وظیفہ بڑھا دیا جاتا تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ مال بہت ہو گیا تو فرمایا آئندہ سال کی اس تاریخ تک اگر میں میں زندہ رہا تو پچھلی جماعتوں کو ان کی اولاد سے ملا دوں گا۔ یہاں تک کہ وظیفہ میں سب برابر ہو جائیں گے لیکن آپ کی وفات اس تاریخ کے آنے سے پہلے ہی ہو گئی۔

مسئلہ: جو مال بغیر لڑائی کے حکومت اسلامیہ کو مل جائے جیسے

(۱) جزیہ

(۲) تجارت کا عشر ٹیکس یعنی ۱/۱۰

(۳) وہ مال جو ڈر کے مارے کافر چھوڑ گئے ہوں

(۴) کافروں سے مصالحت کرنے کی بناء پر جو مال مسلمانوں کو کافروں سے حاصل ہوا ہو

(۵) زمین کا خراج

(۶) مرتد کا مال، جس کو قتل کر دیا گیا ہو یا وہ خود مر گیا ہو

(۷) لاوارث ذمی میت کا مال

(۸) بنی تغلب کی زکوٰۃ

کیا ان تمام اقسام کے مال کا خمس پانچواں حصہ نکالا جائے گا یا نہیں۔

آئمہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ ؒ اور امام مالک ؒ کی رائے ہے کہ خمس نہیں نکالا جائے گا۔ بلکہ مسلمانوں کے سماجی و اجتماعی مصالح کے لئے کل مال صرف کیا جائے گا۔ جیسے سرحدوں کی حفاظت و بندش پلوں کی تعمیر قاضیوں اور محتسبوں اور گورنروں اور کارندوں کی تنخواہیں اور بقدر کفایت علماء کے وظائف اور فوجیوں کی اور ان کے اہل وعیال کی معاشی ضرورتوں کی تکمیل۔

امام احمد ؒ کا بھی قوی الروایت قول یہی ہے کہ معلمین اور متعلمین کے وظائف اس مال سے دیئے جائیں گے تمام طالب علم اسی حکم میں شامل ہیں۔

امام شافعی ؒ کا قدیم قول تھا کہ خمس صرف اس مال کا نکالا جائے گا جو کافر ڈر کر چھوڑ بھاگے ہوں۔ باقی اقسام میں خمس نہیں نکالا جائے گا۔ لیکن آخری قول یہ ہے کہ تمام اقسام کا خمس نکالا جائے گا۔ پھر خمس کے پانچ حصے کئے جائیں گے۔ ایک حصہ یعنی کل مال کا ۱/۲۵ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو دیا جائے گا۔ مال دار اور نادار کی ان میں تفریق نہ ہوگی۔ سب کو دیا جائے گا ہاں مذکر کا مونث سے دوگنا حصہ ہوگا۔ دوسرا حصہ یتیموں کا ہوگا۔ یتیم اس نابالغ بچہ کو کہتے ہیں جس کا باپ مر گیا ہو۔

امام شافعی ؒ کے قول مشہور کی بنا پر یتیم کا حصہ اس وقت ہوگا جب وہ محتاج ہو۔ تیسرا حصہ مسکینوں کا اور چوتھا حصہ مسافروں کا ہوگا۔ بقول شافعی ان چاروں اصناف کو دینا ضروری ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ سب کو دینا ضروری نہیں ہے ان کو عمومی اور مشترک مصالح میں صرف کیا جائے گا۔ مثلاً سرحدوں کی حفاظت اور استحکام،

قاضیوں کی تنخواہیں اور علماء کے ظائف۔ ان میں بھی جو احوال اور ضرورت کے لحاظ سے اہم ہوگا اس کو دیا جائے گا۔

رہے باقی چار خمس (یعنی ۴/۵ یا پچیس میں سے بیس سہام) تو زیادہ ظاہر یہی ہے کہ وہ ان لوگوں کی معاشی امداد میں صرف ہوگا جن کی معاشی کفالت ضروری ہے یعنی وہ مجاہدین جو جہاد کے لئے تیار کئے گئے اور جہاد پر ان کو لگایا گیا ہو۔ ان کے ناموں کا ایک رجسٹر رکھا جائے گا اور بقدر کفایت ہر ایک کو دیا جائے گا۔ ان میں قریش کا نمبر اول ہوگا اور قریش میں سے بھی بنی ہاشم اور بنی مطلب کو مقدم رکھا جائے گا۔ پھر بنی شمس کا پھر بنی نوفل کا پھر بنی عبدالعزی کا اس کے بعد قریش کے دوسری شاخوں کا نمبر آئے گا اور دوسری شاخوں میں وہ لوگ پہلے شمار ہوں گے جو رسول اللہ ﷺ سے قرب اور قرابت رکھتے ہوں گے۔ اس کے بعد انصار کو پھر باقی عرب اور عجم کو تقسیم کیا جائے گا۔ رجسٹر میں ان لوگوں کے ناموں کا اندراج نہیں ہوگا جو نابینا ہوں یا اپاہج ہوں یا جہاد کرنے اور دشمن سے لڑنے کے قابل نہ ہوں۔ اگر چاروں خمس یعنی پچیس میں کے بیس جہادی دستوں کے مصارف سے زائد ہوں۔ تو ہر ایک کی محنت اور ذمہ دار کو ملحوظ رکھ کر انہی کو تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ مناسب یہ ہے کہ اس کا کچھ حصہ گھوڑوں کی خریداری اور سرحدوں کے استحکام کے لئے صرف کیا جائے۔

مذکورہ بالا طریق تقسیم تو اموال منقولہ کے متعلق تھا۔ زمین اور غیر منقولہ جائیداد کا حکم الگ ہے۔ صحیح مسلک یہ ہے کہ باغ، زمین، کنویں وغیرہ غیر منقولہ جائیداد کو وقف کر دیا جائے اور اس سے جو کچھ حاصل ہو اس کو منقولہ اموال کی طرح تقسیم کیا جائے۔ **کذا فی المنہاج۔**

(تفسیر مظہری)

یوں تو فئے میں مطلقاً سب مساکین کا حق ہے۔ لیکن ان حاجت مند مہاجرین کا بالخصوص حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جبراً وظلماً جدا کر دیئے گئے ہوں۔ یعنی کفار نے ان کو اس قدر تنگ کیا ہو کہ گھر بار چھوڑ کر ہجرت پر مجبور ہوئے ہوں اور اس ہجرت سے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل یعنی جنت اور رضا مندی کے طالب ہیں کسی دنیوی غرض سے ہجرت نہیں کی اور وہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے دین کی مدد کرتے ہیں اور یہی لوگ ایمان کے سچے ہیں اور نیز ان لوگوں کا بھی حق ہے جو دارالاسلام یعنی مدینہ میں اور ایمان میں ان مہاجرین کے آنے کے قبل سے

قرار پکڑے ہوئے ہیں۔ مراد اس سے انصاری حضرات ہیں اور مدینہ میں ان کا پہلے قرار پکڑنا تو ظاہر ہے کہ وہ یہیں کے باشندے تھے۔ ایمان میں پہلے قرار پکڑنے کا یہ مطلب نہیں کہ سب انصار کا ایمان سب مہاجرین سے مقدم ہے بلکہ مراد یہ ہوا کہ مہاجرین کے ایمان سے موخر ہی ہے۔ جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو مال غنیمت وغیرہ میں سے جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ انصار بوجہ محبت کے اپنے دلوں میں کوئی حسد نہیں پاتے اور بلکہ اس سے بھی بڑھ کر محبت کرتے ہیں کہ طعام وغیرہ میں ان کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو۔ یعنی خود بسا اوقات خود فاقہ سے بیٹھے رہتے ہیں اور مہاجرین کو کھلا دیتے ہیں اور واقعی جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھے۔ جیسے یہ لوگ ہیں کہ حرص اور اس کے مقتضا پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پاک رکھا ہے۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کا بھی اس مال غنیمت میں حق ہے جو دارالاسلام میں یا ہجرت میں یا دنیا میں ان مہاجرین و انصار مذکورین کے بعد آئے یا آئیں گے جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔ خواہ نفس ایمان یا ایمان کامل کہ موقوف ہجرت پر تھا اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے۔ یہ دعا متقدمین کے علاوہ معاصرین کو بھی شامل ہے۔ اے ہمارے رب! آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔

(تفسیر معارف القرآن)

## فضائل مہاجرین

مہاجرین کا پہلی صفت یہ بیان فرمایا کہ ان کو ان کے وطن اور مال و جائداد سے نکال دیا گیا۔ یعنی کفار مکہ نے صرف اس جرم میں کہ یہ لوگ مسلمان اور رسول اللہ ﷺ کے حامی و مددگار ہو گئے تھے ان پر طرح طرح کے مظالم کیے یہاں تک کہ وہ اپنا وطن اور مال و جائیداد چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ بعض لوگ بھوک سے مجبور ہو کر پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے اور بعض لوگ سردی کا سامان نہ ہونے کے سبب زمین میں گڑھا کھود کر اس میں سردی سے بچتے تھے۔ (تفسیر مظہری، قرطبی)

**ایک اہم مسئلہ مسلمانوں کے اموال پر کفار کے قبضہ کا حکم:**

اس آیت میں حضرات مہاجرین کو فقراء فرمایا ہے اور فقیر وہ شخص ہوتا ہے جس کی ملک میں کچھ نہ ہو یا کم از کم بقدر نساب کوئی چیز نہ ہو حالانکہ حضرات مہاجرین میں سے اکثر مکہ مکرمہ میں اصحاب اموال و جائداد تھے۔ اگر ہجرت کے بعد بھی وہ اموال ان کی ملکیت ہوتے تو ان کو فقراء کہنا درست نہ ہوتا۔ قرآن کریم نے ان کو فقراء فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ ہجرت کے بعد ان کی جائداد اور مال جو مکہ میں چھوڑ آئے اور کفار نے ان پر قبضہ کر لیا۔

اس لئے امام اعظم ابوحنیفہ ؒ و امام مالک ؒ نے فرمایا کہ اگر مسلمان کسی جگہ ہجرت کر کے چلے آئیں اور ان کے مال و جائداد پر کفار قابض ہو جائیں یا خدانخواستہ کسی دارالاسلام پر وہ غالب آ کر مسلمانوں کے اموال و جائداد چھین لیں تو یہ اموال و جائیداد کفار کے مکمل قبضہ مالکانہ کے بعد انہی کی ملک ہو جاتے ہیں ان کے تصرفات بیع و شراء ان اموال مسلمین میں نافذ ہوتے ہیں۔ روایات حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

دوسری صفت مہاجرین کی یہ بیان کی گئی کہ ان کے اسلام میں داخل ہونے اور پھر ہجرت کر کے مال و وطن کو چھوڑنے کی کوئی دنیاوی غرض نہ تھی بلکہ صرف اللہ کا فضل و رضا مطلوب تھی۔ ان حضرات نے اپنے تمام سابقہ اسبابِ عیش، مکان، جائداد وغیرہ کو تو چھوڑ دیا اب دنیاوی ضروریات بھی اور آخرت کی نعمتیں بھی صرف اسلام کے سایہ میں مطلوب تھیں۔ اور دنیا کی ضروریات زندگی بھی اللہ و رسول ﷺ کی رضا کے تحت حاصل کرنا مقصود تھا۔

تیسرا وصف حضرات مہاجرین کی یہ تھی کہ یہ سب کام انہوں نے اس لئے اختیار کئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کریں۔ اللہ کی مدد سے مراد اس کے دین کی مدد ہے۔ جس میں انہوں نے حیرت انگیز قربانیاں پیش کیں۔

چوتھا وصف ان کا کلمہ اسلام پڑھ کر جو عہد اللہ و رسول ﷺ سے باندھا تھا اس میں بالکل پورے اترے۔ جو شخص ان میں سے کسی کو جھوٹا قرار دے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اس آیت کا منکر ہے۔ معاذ اللہ روافض جو ان حضرات کو منافق کہتے ہیں یہ اس آیت کی کھلی تکذیب ہے۔ ان حضرات مہاجرین کا اللہ کے رسول ﷺ کے نزدیک یہ مقام تھا کہ اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے ان فقراء مہاجرین کا وسیلہ دے کر دعا فرماتے تھے۔

( کماء رواہ البغوی، مظہری)

## فضائل انصارؓ مدینہ طیبہ کی ایک خاص فضیلت:

مدینہ منورہ کو ٹھکانہ، دارِہجرت یا دارایمان کہا گیا۔ اسی لئے حضرت امام مالکؒ ایک حیثیت سے مدینہ طیبہ کو باقی دنیا کے سب شہروں سے افضل قرار دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ دنیا کے تمام شہر اور ملک جہاں جہاں اسلام پہنچا اور پھیلا ہو سب جہاد کے ذریعہ فتح ہوئے ہیں یہاں تک کہ مکہ مکرمہ بھی، بجز مدینہ طیبہ کے یہ صرف ایمان سے فتح ہوا ہے۔ (قرطبی)

حالانکہ ٹھکانا پکڑنے کا تعلق کسی مقام اور جگہ سے ہوتا ہے ایمان کوئی ایسی چیز نہیں جس میں ٹھکانا پکڑا جائے۔ یہی وہ حضرات ہیں جنہوں نے دارالہجرت میں ٹھکانا بنایا اور ایمان میں مخلص اور مضبوط ہوئے۔ یہ بھی ہوسکتا ہو کہ یہاں استعارہ کے طور پر ایمان کو ایک محفوظ مکان سے تشبیہ دے کر اس میں پناہ گزین ہو جانے کو بیان فرمایا ہو۔ ان انصار مدینہ کی ایک فضیلت یہ ہو کہ جو شہر اللہ کے نزدیک دارالہجرت اور دارالایمان بننے والا تھا۔ اس میں ان لوگوں کا قیام وقرار مہاجرین سے پہلے ہو چکا تھا اور مہاجرین کے یہاں منتقل ہونے سے پہلے ہی یہ حضرات ایمان قبول کر کے اس میں پختہ ہو چکے تھے۔

## دوسری صفت:

حضرات انصارؓ کی یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ حضرات ان لوگوں سے محبت رکھتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے شہر میں چلے آئے ہیں جو عام دنیا کے انسانوں کے مزاج کے خلاف ہے ایسے اجڑے ہوئے خستہ حال لوگوں کو اپنی بستی میں جگہ دینا کون پسند کرتا ہے۔ ہر جگہ ملکی اور غیر ملکی کے سوالات کھڑے ہوتے ہیں۔ مگر ان حضرات انصارؓ نے صرف یہی نہیں کیا کہ ان کو اپنی بستی میں جگہ دی بلکہ اپنے مکانوں میں آباد کیا اور پنے اموال میں حصہ دار بنایا۔ اس طرح عزت واحترام کے ساتھ ان کا استقبال کیا کہ ایک ایک مہاجر کو اپنے پاس جگہ دینے کے لئے کئی کئی انصاری حضرات نے درخواست کی۔ یہاں تک کہ قرعہ اندازی کرنا پڑی قرعہ کے ذریعہ جو مہاجر جس انصاری کے حصہ میں آیا اس کو سپرد کیا گیا۔ (مظہری)

## تیسرا وصف:

حضرات انصارؓ کا یہ بیان فرمایا کہ ان کا تعلق اس خاص واقعہ سے ہے جو بنونضیر کے جلاوطن ہونے اور ان کے باغات ومکانات پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے کے وقت پیش آیا۔

## اموال بنونضیر کی تقسیم کا واقعہ:

اللہ تعالیٰ نے اموال فئے کی تقسیم مہاجرین وانصار وغیرہ میں کرنے کا اختیار نبی کریم ﷺ کو دیدیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ مہاجرین کے پاس نہ اپنا کوئی مکان تھا نہ جائیداد وہ حضرات انصار کے مکانوں میں رہتے تھے اور انہیں کی جائیدادوں میں مزدوری کر کے گزارہ کرتے تھے جب بنونضیر اور بنوقینقاع کے اموال بطور فئے کے مسلمانوں کو حاصل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انصار مدینہ کے سردار ثابت بن قیس بن شماسؓ کو بلا کر فرمایا کہ اپنی قوم انصار کو میرے پاس بلا دو۔ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ انصار کے اپنے قبیلہ خزرج کو یا سب انصار کو؟ آپ ﷺ نے فرمایا سب ہی کو بلانا ہے۔ یہ حضرات سب جمع ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے ایک خطبہ دیا جس میں حمد وصلوٰۃ کے بعد انصار مدینہ کی اس بات پر مدح وثناء فرمائی کہ انہوں نے جو سلوک اپنی مہاجر بھائیوں کے ساتھ کیا وہ بڑے عزم و ہمت کا کام تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کے اموال آپ لوگوں کو دیدیئے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان اموال کو مہاجرین وانصار سب میں تقسیم کردوں اور مہاجرین بدستور سابق آپ کے مکانوں میں رہائش پذیر رہیں اور آپ چاہیں تو ایسا کیا جائے کہ یہ بے گھر و بے زر لوگ ہیں یہ اموال صرف ان میں تقسیم کر دیئے جائیں اور یہ لوگ آپ کے گھروں کو چھوڑ کر الگ اپنے اپنے گھر بسالیں۔

یہ سن کر انصار مدینہ کے دو بڑے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہماری رائے یہ ہے کہ سب اموال بھی صرف مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرما دیجیے اور وہ پھر بھی ہمارے مکانوں میں بدستور مقیم رہیں۔ ان کی بات سنکر تمام حاضرین انصار بول اٹھے کہ ہم اس فیصلے پر راضی اور خوش ہیں۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے تمام انصار اور ابناء انصار کو دعا دی اور اموال کو صرف مہاجرین میں تقسیم کر دیا۔ انصار میں سے صرف دو افراد کو جو بہت حاجتمند تھے اس میں سے حصہ عطا فرمایا۔ یعنی سہل بن حنیفؓ اور ابودجانہؓ۔

سعد بن معاذؓ کو ایک تلوار عطا فرمائی جو ابن ابی الحقیق کی ایک ممتاز تلوار تھی۔
(مظہری بحوالہ سبیل الرشاد محمد بن یوسف الصالحی)

اس تقسیم میں جو کچھ مہاجرین کو دیدیا گیا انصار مدینہ میں خوشی سے اس طرح قبول کیا کہ گویا ان کو ان چیزوں کی کوئی حاجت ہی نہیں۔ ان کو دینے سے بُرا ماننا یا شکایت کرنا اس کا تو دور دور کوئی امکان ہی نہ تھا۔ اس کے بالمقابل جب بحرین فتح ہوا رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ پورا مال صرف انصار میں تقسیم کر دیا جائے مگر انصار نے اس کو قبول نہ کیا بلکہ عرض کیا ہم اس وقت تک نہ لیں گے۔ جب تک ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اس میں سے حصہ نہ دیا جائے۔ (رواہ البخاری عن انس بن مالکؓ از ابن کثیر)

## چوتھا وصف:

حضرات انصارؓ اپنے اوپر دوسروں کو یعنی مہاجرین کو ترجیح دیتے تھے کہ اپنی حاجت ضرور کو پورا کرنے سے پہلے ان کی حاجت کو پورا کرتے تھے اگرچہ خود حاجتمند اور فقر و فاقہ میں ہوں۔

## حضرات صحابہؓ خصوصاً انصارؓ کے ایثار کے چند واقعات:

یہ واقعات ہر انسان کو اعلیٰ انسانیت کا سبق دینے والے اور زندگی میں انقلاب لانے والے ہیں۔ اس لئے حضرات مفسرینؒ نے اس موقع پر ان کو تفصیل سے لکھا ہے خصوصاً قرطبیؒ نے اسی سے چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری کے گھر رات کو کوئی مہمان آ گیا ان کے پاس صرف اتنا کھانا تھا کہ یہ خود اور ان کے بچے کھا سکیں۔ انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ بچوں کو تو کس طرح سلا دو اور گھر کا چراغ گل کر دو پھر مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر برابر بیٹھ جاؤ کہ مہمان سمجھے کہ ہم بھی کھا رہے ہیں مگر ہم نہ کھائیں تا کہ مہمان بافراغت کھانا کھا سکے۔ (قال الترمذی ھذا حسن صحیح)

ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک دوسرا واقعہ یہ منقول ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بھوک سے پریشان ہوں آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کے پاس پیغام بھیجا۔ وہاں سے بھی یہی جواب دیا کہ ہمارے پاس تو اس وقت بجز پانی کے کچھ نہیں۔ دوسری کے پاس پیغام بھیجا وہاں سے بھی یہی جواب آیا۔ پھر تیسری، چوتھی یہاں تک کہ تمام امہات المومنین کے پاس بھیجا اور سب کا ایک ہی جواب آیا کہ پانی کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں۔ حاضرین مجلس سے خطاب فرمایا کہ کوئی ہے جو آج رات اس شخص کی مہمان داری کرے۔ ایک انصاری نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں کروں گا۔ ان کو ساتھ لے گئے اور جا کر گھر میں پوچھا کہ کھانے کے لئے کچھ ہے تو بیوی نے بتلا دیا کہ صرف اتنا ہے کہ ہمارے بچے کھالیں۔ انصاری بزرگ نے بچوں کو سلا دینے کے لئے کہا اور فرمایا کہ مہمان کے سامنے کھانا رکھنے اور خود ساتھ بیٹھ جانے کے بعد اٹھ کر چراغ گل کر دینا کہ ہمارے نہ کھانے کا مہمان کو احساس نہ ہو۔ مہمان نے کھانا کھالیا جب یہ صبح کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس معاملہ کو جو تم نے گذشتہ رات اپنے مہمان کے ساتھ کیا بہت پسند فرمایا۔ مہدوی نے ایک ایسا ہی واقعہ ایک انصاری بزرگ کا حضرت ثابت بن قیسؓ کے ساتھ رات کو چراغ گل کر کے کھانا کا ذکر کیا ہے۔

قشیری نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے ایک بزرگ کو کسی شخص نے ایک بکری کا سر بطور ہدیہ پیش کیا۔ اس بزرگ نے خیال کیا کہ فلاں بھائی اور اس کے اہل و عیال ہم سے زیادہ ضرورتمند ہیں۔ یہ سر ان کے پاس بھیج دیا اس دوسرے بزرگ کے پاس پہونچا تو اسی طرح انہوں نے تیسرے کے پاس اور تیسرے نے چوتھے کے پاس بھیج دیا یہاں تک کہ سات گھروں میں پھرنے کے بعد پھر پہلے بزرگ کے پاس واپس آ گیا۔ یہی واقعی ثعلبیؒ نے حضرت انسؓ سے بھی روایت کیا ہے۔

مؤطاء امام مالکؒ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہو کہ ایک مسکین نے ان سے سوال کیا ان کے گھر میں صرف ایک روٹی تھی اور ان کا اس روز روزہ تھا۔ آپ نے اپنی خادمہ سے فرمایا کہ روٹی اس کو دیدو۔ خادمہ نے کہا کہ اگر یہ دیدی گئی تو شام کو آپ کے افطار کرنے کے لئے کوئی چیز نہ رہے گی۔ حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ پھر بھی دیدو۔ یہ خادمہ کہتی ہیں کہ جب شام ہوئی تو ایک ایسے شخص نے جس کی طرف سے ہدیہ دینے کی کوئی رسم نہ تھی۔

ایک سالم بکری بھنی ہوئی اوراس کے اوپر آٹے میدے کا خول چڑھا ہوا پختہ جو عرب میں سب سے بہترین کھانا سمجھا جاتا ہے ان کے پاس بطور ہدیہ بھیج دیا۔ حضرت صدیقہؓ نے خادمہ کا بلایا کہ آؤ کھاؤ یہ تمہاری اس روٹی سے بہتر ہے۔

نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ بیمار تھے اور انگور کو جی چاہا ان کے لئے ایک درہم میں ایک خوشہ انگور کا خرید کرلایا گیا۔ اتفاق سے ایک مسکین آ گیا اور سوال کیا آپ نے فرمایا کہ یہ خوشہ اس کو دیدو۔ حاضرین میں سے ایک شخص خفیہ طور پر اس کے پیچھے گیا اور خوشہ اس مسکین سے خرید کر پھر ابن عمرؓ کو پیش کر دیا مگر سائل پھر آیا اور سوال کیا تو حضرت ابن عمرؓ نے پھر اس کو دیدیا۔ پھر کوئی صاحب خفیہ طور پر گئے اور اس مسکین کو ایک درہم دے کر خوشہ خرید لائے اور حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ وہ سائل پھر آنا چاہتا تھا لوگوں نے منع کر دیا اور حضرت ابن عمرؓ کو یہ اطلاع ہوتی کہ یہ وہی خوشہ ہے جو انہوں نے صدقہ میں دیدیا تھا تو ہرگز نہ کھاتے مگر ان کو یہ خیال ہوا کہ لانے والا بازار سے لایا ہے اس لئے استعمال فرمالیا۔

ابن مبارکؒ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ نے چارسو دینار ایک تھیلی میں بھر کر تھیلی غلام کے سپرد کی کہ ابوعبیدہ بن جراحؓ کے پاس لے جاؤ کہ ہدیہ ہے قبول کر کے اپنی ضرورت میں صرف کریں اور غلام کو ہدایت کر دی کہ ہدیہ دینے کے بعد کچھ دیر گھر میں ٹھیر جانا اور یہ دیکھنا کہ ابوعبیدہؓ اس رقم کو کیا کرتے ہیں غلام نے حسب ہدایت یہ تھیلی حضرت ابوعبیدہؓ کی خدمت میں پیش کر دی اور ذرا ٹھہر گیا۔ ابوعبیدہؓ نے تھیلی لے کر کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کو یعنی عمر بن خطابؓ کو اس کا صلہ دے اور ان پر رحمت فرمائے اور اسی وقت اپنی کنیز کو کہا کہ لو۔ یہ سات فلاں شخص کو پانچ فلاں کو دے آؤ۔ یہاں تک کہ پورے چارسو دینار اسی وقت تقسیم کر دئے۔

غلام نے واپس آ کر واقعہ بیان کر دیا حضرت عمر بن خطابؓ نے اسی طرح چارسو دینار کی ایک دوسری تھیلی تیار کی ہوئی غلام کو دے کر ہدایت کی کہ معاذ بن جبلؓ کو دے آؤ اور وہاں بھی دیکھو وہ کیا کرتے ہیں۔ یہ غلام لے گیا انہوں نے تھیلی لے کر حضرت عمرؓ کے حق میں دعا دی رَحِمَہُ اللہُ وَ وَصلہ یعنی اللہ ان پر رحمت فرمائے اور ان کو صلہ دے۔ یہ بھی تھیلی لے کر فوراً تقسیم کرنے کے لئے بیٹھ گئے اور اس کے بہت سے حصے کر کے مختلف گھروں میں بھیجتے رہے۔ حضرت معاذؓ کی بیوی یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھیں آخر میں بولیں کہ ہم بھی تو بخدا مسکین ہی ہیں ہمیں بھی کچھ ملنا

چاہئے۔ اس وقت تھیلی میں صرف دو دینار رہ گئے تھے وہ ان کو دیدیئے۔ غلام یہ دیکھنے کے بعد لوٹا اور حضرت عمرؓ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ سب بھائی ہیں سب کا مزاج ایک ہی ہے۔

حذیفہ عدویؓ فرماتے ہیں کہ میں جنگ یرموک میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش شہداء کی لاشوں میں کرنے کے لئے نکلا اور کچھ پانی ساتھ لیا کہ اگر ان میں کچھ جان ہوئی تو پانی پلادوں گا۔ ان کے پاس پہنچا تو کچھ رمق زندگی کی باقی تھی۔ میں نے کہا کہ کیا آپ کو پانی پلادوں اشارہ سے کہا کہ ہاں۔ مگر فوراً ہی قریب سے ایک دوسرے شہید کی آواز آہ آہ کی آئی تو میرے بھائی نے کہا کہ یہ پانی اس کو دیدو۔ ان کے پاس پہونچا اور پانی دینا چاہا کہ تیسرے آدمی کی آواز ان کے کانوں میں آئی تو انہوں نے بھی اس تیسرے کو دینے کو کہا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے سات شہیدوں کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا۔ جب ساتویں شہید کے پاس پہنچا تو وہ دم توڑ چکے تھے۔ یہاں سے وہ واپس ایک ایک کر کے سب کے پاس سے ہوتے ہوئے اپنے بھائی کے پاس پہنچے تو وہ سب ختم ہو چکے تھے۔

## ایک شبہ کا جواب:

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات ایثار جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ ان پر ایک شبہ روایات حدیث سے یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا پورا مال صدقہ کر ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک بیضہ کے برابر سونے کا ٹکڑا بغرض صدقہ پیش کیا تو آپ ﷺ نے اس کو اسی کی طرف پھینک کر ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ اپنا سارا مال صدقہ کرنے کو لے آتے ہیں پھر محتاج ہو کر لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں۔

جواب اس شبہ کا انہی روایات سے یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں ہر حال کا حکم الگ ہے۔ پورا مال صدقہ کر ڈالنے کی ممانعت ان لوگوں کے لئے ہے جو بعد میں فقر و فاقہ پر صبر نہ کرسکیں اور اپنے صدقہ کئے ہوئے پر پچھتائیں یا پھر لوگوں سے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں اور وہ لوگ جن کے عزم و ہمت اور ثبات و استقلال کا یہ حال ہو کہ سب کچھ خرچ کر ڈالنے کے بعد فقر و فاقہ پر انہیں کوئی پریشانی نہ ہو وہ بلکہ ہمت کے ساتھ اس پر صبر کر سکتے ہیں۔ ان کے لئے سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالنا جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے

ایک جہاد میں چندہ میں اپنا سارا مال پیش کر دیا تھا۔ اسی کے نظائر یہ واقعات ہیں جو اس جگہ مذکور ہیں۔ ایسے حضرات نے اپنے اہل وعیال کو بھی اسی صبر واستقلال کا خوگر بنا رکھا تھا۔ اس لئے اس میں ان کی بھی کوئی حق تلفی نہ تھی۔ اگر مال خود اہل وعیال کے قبضہ میں ہوتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتے۔ (قرطبی باضافہ اشیاء)

## حضرات مہاجرین کی طرف سے ایثارِ انصار کی مکافات:

دنیا میں میں کوئی اجتماعی کام یک طرفہ رواداری وایثار سے قائم نہیں رہتا۔ جب تک دونوں طرف سے اسی طرح کا معاملہ نہ ہو۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے جیسا اس کی ترغیب دی کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دے کر باہمی محبت بڑھایا کریں۔ اسی طرح جن کو ہدیہ دیا گیا ہے ان کو یہ بھی تعلیم دی کہ تم بھی ہدیہ دینے والے کے احسان کی مکافات کرو۔ اگر مالی وسعت اللہ تعالیٰ عطا فرمادے تو مال سے ورنہ دعا ہی ہے اس کی مکافات کرو بے حسی کے ساتھ کسی کے احسانات کا بار سر پر لیتے رہنا شرافت اور خلق کے خلاف ہے۔

حضرات مہاجرین کے معاملہ میں حضرات انصار نے بڑے ایثار سے کام لیا اپنے مکانوں، دکانوں، کاروبار، زمین اور زراعت میں ان کو شریک کرلیا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کو وسعت عطا فرمائی تو انہوں نے بھی حضرات انصار کے احسانات کی مکافات میں کمی نہیں کی۔

قرطبی نے بحوالہ صحیحین حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ جب مہاجرین مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آئے تو ان کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا اور انصار مدینہ زمین جائداد والے تھے۔ انصار نے ان حضرات کو ہر چیز نصفاً نصف تقسیم کر دی۔ اپنے باغات کے آدھے پھل سالانہ ان کو دینے لگے۔ اور حضرت انسؓ کی والدہ اُم سلیمؓ نے اپنے چند درخت کھجور کے رسول اللہ ﷺ کو دیدیئے تھے جو آنحضرت ﷺ نے اسامہ بن زیدؓ کی والدہ ام ایمنؓ کو عطا فرمادیئے تھے۔

ام زہری کہتے ہیں کہ مجھے انس بن مالکؓ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ جب خیبر کے جہاد سے کامیابی کے ساتھ فارغ ہو کر مدینہ طیبہ واپس آئے تو اس غزوہ میں مسلمانوں کو اموال غنیمت کافی مقدار میں ہاتھ آئے تو سب مہاجرین نے حضرات انصار کے سب عطایا کا حساب کر کے ان کو واپس کر دیا اور رسول اللہ ﷺ نے میری والدہ

کے درخت ام ایمن ؓ سے لے کر ان کو واپس کر دیئے اور اس کی جگہ ام ایمن ؓ کو اپنے باغ میں سے درخت عطا فرمائے۔

حضراتِ انصار ؓ کے ایثار اور اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینے کا ذکر کرنے کے بعد عام ضابطہ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچ گئے تو اللہ کے نزدیک وہ ہی فلاح و کامیابی پانے والے ہیں۔ لفظ شح اور بخل تقریبا ہم معنی ہیں لفظ شح میں کچھ مبالغہ ہے کہ بہت شدید بخل کو کہا جاتا ہے۔ بخل و شح اگر حقوق واجبہ میں کیا جائے خواہ وہ اللہ کے حقوق ہوں جیسے زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، عشر، قربانی وغیرہ کہ ان کی ادائیگی میں بوجہ بخل کوتاہی کرے یا انسانوں کے حقوقِ واجبہ ہوں جیسے اہل وعیال کا نفقہ یا اپنے حاجتمند والدین اور عزیزوں کا نفقۃ واجبہ جو بخل ان حقوق واجبہ کی ادائیگی سے مانع ہو وہ قطعاً حرام ہے اور جو امور مستحبہ اور فضائل انفاق سے مانع ہو وہ مکروہ و مذموم ہے اور جو محض رسمی چیزوں میں خرچ سے مانع ہو وہ شرعاً بخل نہیں۔ بخل و شح اور دوسروں پر حسد ایسی مذموم خصلتیں ہیں کہ قرآن و حدیث میں ان کی بڑی مذمت آئی ہے اور جو ان سے بچ جائے اس کے لئے بڑی بشارت ہے۔ حضرات انصار ؓ کی صفات اور بیان ہوتی ہیں ان میں ان کا بخل و حسد سے بری ہونا واضح ہے۔

## کینہ اور حسد سے پاک ہونا جنتی ہونے کی علامت ہے:

ابن کثیرؒ نے بحوالہ امام احمدؒ حضرت انس ؓ سے روایت کی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی تمہارے سامنے ایک شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے چنانچہ ایک صاحب انصار میں سے آئے جن کی ڈاڑھی سے تازہ وضو کے قطرات ٹپک رہے تھے اور بائیں ہاتھ میں اپنے نعلین لئے ہوئے تھے۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور یہی شخص اسی حالت میں داخل ہوئے اسی طرح تین دن تک وہی آتے رہے۔ تیسرے دن جب رسول اللہ ﷺ مجلس سے اٹھ گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ اس شخص کے پیچھے لگے تاکہ اس کے اہل جنت ہونے کا راز معلوم کریں اور ان سے کہا کہ میں نے کسی جھگڑے میں قسم کھالی ہے کہ میں تین روز تک اپنے گھر نہ جاؤں گا۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو تین روز مجھے اپنے یہاں رہنے کی جگہ دیدیں انہوں نے منظور فرمالیا۔ عبداللہ بن عمرو ؓ نے یہ تین راتیں ان کے ساتھ گزاریں تو دیکھا کہ رات کو تہجد کے

لئےنہیں اٹھتے البتہ جب سونے کے لئے بستر پر جاتے تو کچھ اللہ کا ذکر کرتے تھے پھر صبح کی نماز کے لئے اٹھ جاتے تھے۔ البتہ اس پورے عرصہ میں نے ان کی زبان سے بجز کلمہ خیر کے کوئی کلمہ نہیں سنا۔ جب تین راتیں گزر گئیں اور قریب تھا کہ میرے دل میں ان کے عمل کی حقارت آجائے تو میں نے ان پر اپنا راز کھول دیا کہ ہمارے گھر کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ لیکن میں رسول اللہ ﷺ سے تین روز تک یہ سنتا رہا کہ تمہارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے اور اس کے بعد تینوں دن آپ ہی آئے اس لئے میں نے چاہا کہ میں آپ کے ساتھ رہ کر دیکھوں کہ آپ کا وہ کیا عمل ہے جس کے سبب یہ فضیلت آپ کو حاصل ہوئی۔ مگر عجیب بات ہے کہ میں نے آپ کو کوئی بڑا عمل کرتے نہیں دیکھا تو وہ کیا چیز ہے جس نے آپ کو اس درجہ تک پہنچایا۔ انہوں نے کہا میرے پاس تو بجز اس کے کوئی عمل نہیں جو آپ نے دیکھا ہے۔ میں یہ سنکر واپس آنے لگا تو مجھے بلا کر کہا کہ ہاں ایک بات ہے کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے کینہ اور برائی نہیں پاتا اور کسی پر حسد نہیں کرتا جس کو اللہ نے کوئی خیر کی چیز عطا فرمائی ہو۔ عبداللہ بن عمروؓ نے کہا کہ بس یہی وہ صفت ہے۔ جس نے آپ کو یہ بلند مقام عطا کیا ہے۔

(ابن کثیرؒ)

مہاجرین وانصار کے بعد عام امت کے مسلمان:

صحابہ کرام مہاجرین وانصار کے بعد پیدا ہونے والے قیامت تک مسلمان شامل ہیں اور اس آیت نے ان سب کو مال فئے میں حقدار قرار دیا ہے۔ یہی سبب تھا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے جب دنیا کے بڑے ممالک عراق، شام، مصر وغیرہ فتح کئے تو ان کی زمینوں کو غانمین میں تقسیم نہیں فرمایا بلکہ ان کو اگلی آنے والی نسلوں کے لئے وقف عام رکھا کہ ان کی آمدنی اسلامی بیت المال میں آتی رہے تا کہ اس سے قیامت تک آنے والے مسلمان فائدہ اٹھا سکیں۔ بعض صحابہ کرامؓ نے جو ان سے مفتوحہ زمینوں کی تقسیم کا سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میرے سامنے آئندہ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمینوں کو تقسیم فرما دیا تھا اگر یہ ساری زمینیں موجود مسلمانوں میں تقسیم ہوگئیں تو آنے والے مسلمانوں کے لئے کیا باقی رہے گا۔

(رواہ مالک قرطبی)

**امت کے حق پر ہونے کی پہچان صحابہ کرامؓ کی محبت وعظمت ہے:**

اس مقام میں حق تعالیٰ نے پوری امت محمدیہ ﷺ کے تین طبقے کئے۔ مہاجرین، انصاراور باقی تمام امت۔ مہاجرین وانصار کے خاص اوصاف اور فضائل اس جگہ ذکر فرمائے گئے۔ مگر باقی امت کے فضائل و کمالات اور اوصاف میں سے صرف ایک چیز یہ بتلائی کہ وہ صحابہ کرام کی سبقت ایمانی اور ہم تک ایمان پہنچانے کا ذریعہ ہونے کو پہچانیں اور سب کے لئے دعائے مغفرت کریں اور اپنے لئے یہ دعا کریں کہ ہمارے دلوں میں کسی مسلمان سے کینہ ونفرت نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے بعد والے جتنے مسلمان ہیں ان کے ایمان و اسلام قبول ہونے اور نجات پانے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کی عظمت ومحبت اپنے دلوں میں رکھتے ہوں اور ان لئے دعاء کرتے ہوں۔ جس میں یہ شرط نہیں پاتی جاتی وہ مسلمان کہلانے کے قابل نہیں۔ اسی لئے حضرت مصعب بن سعدؒ نے فرمایا کہ امت کے تمام مسلمان تین درجوں میں ہیں جن میں سے دو درجے تو گذر چکے۔ یعنی مہاجرین وانصار۔ اب صرف ایک درجہ باقی رہ گیا۔ یعنی وہ جو صحابہ کرام سے محبت رکھے۔ ان کی عظمت پہچانے گا اب اگر تمہیں امت میں کوئی جگہ حاصل کرنی ہے تو اسی تیسرے درجہ میں داخل ہو جاؤ۔

حضرت حسین بن علیؓ سے کسی نے حضرت عثمان غنیؓ کے شان کے بارے میں سوال کیا جبکہ ان کی شہادت کا واقعہ پیش آچکا تھا تو انہوں نے سوال کرنے والے سے پوچھا کہ تم مہاجرین میں سے ہو؟ اس نے انکار کیا پھر پوچھا کہ انصار میں سے ہو؟ اس نے اس کا بھی انکار کیا تو فرمایا بس اب تیسری آیت **اَلَّذِینَ جَآءُ وْ مِنْ بَعْدِ ھِمْ** کی رہ گئی۔ اگر تم عثمان غنیؓ کی شان میں شک وشبہ پیدا کرنا چاہتے ہو تو اس درجہ سے بھی نکل جاؤ گے۔

قرطبی نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ صحابہ کرامؓ کی محبت ہم پر واجب ہے۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ جو شخص کسی صحابیؓ کو بُرا کہے یا اس کے متعلق بُرائی کا اعتقاد رکھے اس کا مسلمانوں کے مال فئے میں کوئی حصہ نہیں۔ پھر اسی آیت سے استدلال فرمایا اور چونکہ مال فئی میں حصہ ہر مسلمان کا حق ہے تو جس کا اس میں حصہ نہ رہا اس کا اسلام وایمان ہی مشکوک ہو گیا۔

حضرت عبداللہ عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو اصحاب رسول ؓ کے لئے استغفار اور دعاء کرنے کا حکم دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان کے آپس میں جنگ وجدال کے فتنے بھی پیدا ہوں گے۔ اس لئے کسی مسلمان کو صحابہ کرامؓ کے آپس کے اختلاف کی وجہ سے ان میں سے کسی سے بدگمان ہونا جائز نہیں۔

ام المومنین حضرت صدیقہ عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ یہ امت اس وقت تک ہلاک نہیں ہوگی جب تک اس کے پچھلے لوگ اگلوں پر لعنت وملامت نہ کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ کسی صحابی کو بُرا کہتا ہے تو اس سے کہو کہ جو تم میں سے زیادہ بُرا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت یہ ظاہر ہے کہ زیادہ بُرے صحابہ تو ہو نہیں ہوسکتے یہی ہوگا۔ جو ان کی بُرائی کرر ہا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام ؓ میں سے کسی کو بُرا کہنا سبب لعنت ہے۔

عوام بن حوشبؒ نے فرمایا کہ میں نے اس امت کے پہلے لوگوں کو اس بات پر مستقیم اور مضبوط پایا ہے کہ وہ لوگوں کو یہ تلقین کرتے تھے کہ صحابہ کرام ؓ کے فضائل اور محاسن بیان کروتا کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا ہو اور وہ مشاجرات اور اختلافات جو ان کے درمیان پیش آئے ہیں ان کا ذکر نہ کیا کرو۔ جس سے ان کی جرأت بڑھے اور وہ بے ادب ہو جائیں۔ یہ سب روایات تفسیر قرطبی سے لی گئی ہیں۔

(تفسیر معارف القرآن)

# 26 ۔ پاک دل

پاک دل کاذکر سورۃ الشعراء اور سورۃ صافات میں آیا ہے۔

26:1 ۔ یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَO اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ O

(الشعرآء- 26:89)

اس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد۔ ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل لے کر آیا۔

(وہ بچ جائے گا)

"The day whereon neither wealth nor sons will avail, Except to him who will come to Allah with a sound heart.

سلیم سے مراد شرک اور شک سے پاک دل ہے۔ گناہوں سے پاک ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ کوئی شخص بھی لغزش یا جھوٹے بڑے ہر قسم کے گناہ سے پاک نہیں ہے۔ بغوی نے لکھا ہے یہی قول اکثر اہل تفسیر کا ہے۔ سعید بن جبیرؓ نے کہا سلیم (تندرست، صحت مند) دل مومن کا ہے اور بیمار دل کافر اور منافق کا (اس قول پر آیت میں ہر مومن مراد ہوگا)۔ ابوعثمان نیشاپوری نے کہ سلیم دل اس کا ہے جو ہر بدعت سے خالی ہو اور سنت پر قائم ہو۔

یعنی آیت میں اہل السنّت والجماعت مراد ہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس روز مال اور اولاد کسی کو فائدہ نہیں پہنچائے گی، ہاں مومن کو فائدہ ضرور پہنچائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کا مال اولاد مفید نہ ہوگی، ہاں مومن کا مال اور اولاد کام آئے گا۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ کافر خواہ اپنے قرابت داروں کے لئے کتنا ہی مال صرف کر دے اور کتنے ہی مسکینوں کا کھانا کھلائے۔ کچھ بھی اس کے کام نہ آئے گا نہ اولاد اس کے کام آئے گی۔ خواہ اس کی اولاد صلحاہ ہی ہوں۔ مگر کافر کی کوئی شفاعت نہیں کرے گا نہ اس کے لئے معافی کا طلب گار ہوگا۔ اللہ نے فرما دیا ہے۔

مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اَنۡ یَّسۡتَغۡفِرُوۡ لِلۡمُشۡرِ کِیۡنَ وَلَوۡ کَانُوۡ اُوۡلِیَ قربیٰ

نہ نبی کے لئے جائز ہے نہ (دوسرے) مسلمانوں کے لئے کہ وہ مشرکوں کے لئے دعاء مغفرت کریں خواہ وہ مشرک ان کے قرابتدار ہی ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ آزر کو اس حال میں پائیں گے کہ اس کا چہرہ بدرونق غبار آلود ہوگا۔ آپؑ اس سے فرمائیں گے کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میرے قول کے خلاف نہ چلو۔ باپ کہے گا آج میں تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا۔ ابراہیمؑ علیہ السلام دعا کریں گے اور عرض کریں گے۔ اے میرے رب! تو نے وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے دن مجھے رسوا نہیں کرے گا۔ میرے باپ کی انتہائی رسوائی سے بڑھ کر اور کون سی میری رسوائی ہوگی۔ اللہ فرمائے گا میں نے جنت کافروں کے لئے حرام کردی ہے۔ پھر حکم ہوگا ابراہیمؑ اپنے دونوں قدموں کے نیچے دیکھو۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے قدموں کی طرف دیکھیں گے تو بڑے بڑے بالوں کا ایک بجو دکھائی دے گا جو گندگی میں لتھڑا ہوا ہوا پھر اس کی ٹانگیں پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ حضرت ابراہیمؑ اس روز اس سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ مومن نے جو مال اطاعت خداوندی میں خرچ کیا ہوگا اس سے قیامت کے دن اس کو فائدہ پہنچے گا۔ اسی طرح اس کی اولاد بھی شفاعت و استغفار کر کے اس فائدہ پہنچائے گی۔

(تفسیر مظہری)

وہاں اس کو نجات ہوگی جو اللہ کے پاس کفر و شرک سے پاک دل لے کر آئیگا۔ اس روز خدا ترسوں یعنی ایمان والوں کے لئے جنت نزدیک کردی جائے گی کہ اس کو دیکھیں اور یہ معلوم کر کے کہ ہم اس میں جائیں گے تو خوش ہوں گے۔

قیامت کے اس دن میں جس میں نہ کوئی مال کسی کو فائدہ دیگا نہ اس کی نرینہ اولاد بجز اس شخص کے جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر پہنچے۔ اس جملے کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص زید کے متعلق کسی سے پوچھے کہ کیا زید کے پاس مال اور اولاد بھی ہے وہ اس کے جواب میں کہے اس کا مال و اولاد تو اسکا قلب سلیم ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مال اولاد تو کچھ نہیں۔ مگر ان سب کے بدلے اس کے پاس اپنا قلب سلیم موجود ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مال یا اولاد تو اس روز کچھ کام نہ آئیں گے۔ کام صرف اپنا ایمان اور عمل صالح آئے گا جس کو قلب سلیم سے تعبیر کردیا گیا

ہے۔ یعنی مال اور اولاد قیامت کے روز کسی شخص کے کام نہ آئیں گے بجز اس شخص کے جس کا قلب سلیم ہے۔ یعنی وہ مومن ہے اس کا حاصل یہ ہوا کہ یہ سب چیزیں قیامت میں بھی مفید و نافع ہوسکتی ہیں مگر کافر کو کچھ نفع نہ دیں گی۔ یہاں ایک بات یہ قابل نظر ہے کہ اس جگہ قرآن کریم نے وَلَا بَنُوْنَ فرمایا جس کے معنی نرنیہ اولاد کے ہیں۔ عام اولاد کا ذکر غالباً اس لئے نہیں یا آڑے وقت میں کام آنے کی توقع دنیا میں بھی نرینہ اولاد یعنی لڑکوں ہی سے ہوسکتی ہے۔ لڑکیوں سے کسی مصیبت کے وقت امداد ملنے کا تو یہاں بھی احتمال شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ اس لئے قیامت میں بالخصوص لڑکوں کے غیر نافع ہونے کا ذکر کیا گیا۔ جن سے دنیا میں بھی توقع نفع کی رکھی جاتی تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ قلب سلیم کے لفظی معنی تندرست دل کے ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ قلب ہے جو کلمہ توحید کی گواہی دے اور شرک سے پاک ہو۔ یہی مضمون مجاہد، حسن بصری، سعید بن مسیّب سے بعنوان مختلف منقول ہے۔ سعید بن مسیّبؒ نے فرمایا کہ تندرست دل صرف مومن کا ہوسکتا ہے۔ کافر کا دل بیمار ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے۔ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَض

(تفسیر معارف القرآن)

26:2 ۔ اِذْجَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ O

(الصافات- 37:84)

جب وہ اپنے پروردگار کے پاس (عیب سے) پاک دل لے کر آئے

Remember when he came to his Lord with a pure heart.

جب وہ خالص دل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے۔ یعنی اللہ کے سوا دوسروں کی محبت اور مشغولیت سے دل کو خالی کر کے اللہ ہی کی طرف اپنا رخ کیا۔ اللہ کے حکم کی تعمیل میں اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا واقعہ ابراہیمؑ کو خلوص قلب پر دلالت کر رہا ہے۔

**لطائف سلوک:** ......................... آیت و نجینه

معلوم ہوا کہ طبعی رنج وملال کمالات کے منافی نہیں ہے اسی لئے کاملین بھی طبعی اور بشری تقاضوں سے خالی نہیں ہوتے۔ اس کے خلاف اگر کچھ منقول ہوتو وہ غلبہ حال کی بناء پر ہے۔

آیت **اذجاء ربه بقلب سليم** میں حق تعالیٰ کے آنے سے قرب خداوندی ہے۔ مگراس کے لئے قلب کا نیت واعتقاداور صفات کے فساد وآفات سے سلامت رہنا شرط ہے

(کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

حضرت ابراہیمؑ کا وہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے جب کہ وہ اپنے رب کی طرف صاف دل سے متوجہ ہوئے۔ صاف دل کا مطلب یہ کہ ان کا دل بدعقیدگی اور دکھلاوے کے جذبہ سے پاک تھا۔ جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے جو بت پرست تھی فرمایا کہ تم کس واہیات چیز کی عبادت کیا کرتے ہو؟ کیا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو اللہ کے سوا معبود بنانا چاہتے ہوتو تمہارا رب العالمین کے ساتھ کیا خیال ہے۔ یعنی تم نے جو اس کی عبادت ترک کررکھی ہے تو کیا اس کے معبود ہونے میں کوئی شبہ ہے؟ یعنی اول تو ایسا نہیں ہونا چاہئے اور اگر کوئی شبہ ہے تو اسے رفع کرلو۔

اپنے پروردگار کے پاس صاف دل لے کراور پروردگار کے پاس آنے سے مراد ہے اللہ کی طرف رجوع کرنا اس کی طرف متوجہ ہونا اوراس کی عبادت کرنا اس کے ساتھ صاف دل کی قید لگا کراشارہ کردیا گیا ہے۔ اللہ کی کوئی عبادت اس وقت تک قابل قبول نہیں ہے جب تک کہ عبادت کرنے والے کا دل غلط عقیدوں اور بُرے جذبات سے پاک نہ ہو۔ اگر غلط عقیدے کے ساتھ کوئی عبادت کی جائے تو خواہ عبادت گذار نے اس میں کتنی محنت اٹھائی ہو وہ قابل قبول نہیں۔ اسی طرح اگر عبادت کرنے والے کا اصل مقصد اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے بجائے دکھلاوا ہو یا کوئی مادی منفعت ہوتو وہ عبادت قابل تعریف نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رجوع الی اللہ ان تمام ملاوٹوں سے پاک تھا۔ (تفسیر معارف القرآن)

# 27 ۔ ناصح دل

قرآن کریم کی سورۃ الشعراءاور سورۃ ق میں ناصح دل پر آیات نازل ہوئی ہیں۔

## 27:1 ۔ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ O

(الشعرآء- 26:194)

یعنی اس نے تمہارے دل پر (القا) کیا ہے تا کہ (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہو

To thy heart and mind, that thou mayest admonish.

فرمایا گیا کہ قرآن وہ مبارک کتاب ہے کہ جسے کسی مخلوق نے نہیں بلکہ خود رب العالمین نے اتارا ہے اور روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام جیسے زبردست محافظ اور امانتدار فرشتے نے انہیں پہنچایا ہے۔ جن کے لائے ہوئے پیغام پر کسی غلطی یا تحریف کا امکان نہیں اور پھر آپ کے پاک وصاف قلب پر اتاری گئی اور وہ بھی نہایت فصیح، واضح اور شگفتہ عربی زبان میں تا کہ آپ اپنی قوم کو خدا کے عذاب سے ڈرائیں۔ قرآن کے مخاطب اول چونکہ عرب تھے۔ اس وجہ سے اسے عربی زبان میں نازل کیا گیا تا کہ ہر شخص اسے پڑھ سکے اور اس کے مضامین سمجھ سکے اور کسی کا کوئی عذر باقی نہ رہے۔

اس آیت سے بعض مفسرین نے یہ مطلب نکالا ہے کہ صرف مضامین قرآن پاک آپ ﷺ کے قلب پر اتار دیئے گئے اور آپ ﷺ نے اسے اپنے الفاظ میں ادا کر دیا حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ بلکہ الفاظ ومعانی سب بذریعہ وحی آپ کے قلب میں القا کئے گئے نیز قرآن کے عربی زبان ہونے پر جو بار بار زور دیا گیا ہے، اس سے فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ غیر عربی قرآن یعنی قرآن کے ترجمے پر قرآن کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے اور اس کے لانے والے کی پیشین گوئی انبیاء سابقین برابر کرتے چلے آیئے ہیں۔

دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے اس قرآن کے بیشتر مضامین سابقہ کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس آیت سے بعض مفسرین مثلاً حصاص اور صاحب مدارک وغیرہ نے بھی یہ استدلال کیا ہے۔ چونکہ قرآن کا پچھلی

کتابوں میں ہونا فرمایا گیا ہے۔ حالانکہ سابقہ کتابوں میں قرآن عربی میں نہیں تھا۔ اس لئے قرآن کا اطلاق غیر عربی قرآن پر بھی ہوسکتا ہے۔ اسی استدلال سے کام لیتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ نے نماز میں قرآن کے فارسی ترجمے کوخود قرآن کے قائم مقام کر دیا تھا اور اس کی اجازت دے دی مگر پھر بعد میں امام اعظمؒ نے اپنے اس قول سے رجوع فرما لیا تھا۔ (کمالین ترجمہ وشرح تفسیر جلالین)

روح الامین یعنی جبرئیلؑ اس کو لے کر اترے ہیں اور تمہارے دل پر اس نے نازل کیا ہے پھر آپ ﷺ نے اس کو یاد کرلیا ہے۔ قلب سے مراد یہی صنوبری قلب جوسینہ کے اندر ہے۔ وہ لامکانی لطیفہ زبانی مراد نہیں ہے۔ جس کا مقام عرش کے اوپر ہے اور اس کا ظہور اسی صنوبری دل پر لطیفہ ربانی تو عالم امر سے ہے یہ نہ وحی کا بار اٹھا سکتا ہے نہ نبوت کا۔ یہ بوجھ اٹھانے والا تو قلب صنوبری ہی ہے۔ جو عناصر کا مجموعہ کے نقوش کا محل اور عالم امر کے ظہور کا مقام ہے۔ اسی لئے ہمیشہ وحی کا صدور جسمانی ساخت کی تکمیل یعنی چالیس سال کی عمر کے بعد ہوا۔ جبرئیل امینؑ وحی الٰہی لانے والے ہیں اس لئے ان کو امین کہا جاتا ہے۔

لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ تاکہ آپ اللہ کی نافرمانی اور عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ یعنی فہرست انبیاء میں آپ ﷺ شامل ہوجائیں۔

(تفسیر مظہری)

یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے اس کو امانتدار فرشتہ لے کر آیا ہے۔ آپ ﷺ کے قلب پر صاف عربی زبان میں تاکہ آپ بھی منجملہ ڈرانے والوں کے ہوجائیں۔ یعنی جس طرح اور پیغمبروں نے اپنی امت کو احکام الٰہیہ پہنچائے۔ آپ بھی پہنچائیں اور اس قرآن کا ذکر پہلی امتوں کی آسمانی کتابوں میں بھی ہے کہ ایک ایسی شان کا پیغمبر ہوگا اور اس پر ایسا کلام نازل ہوگا۔ چنانچہ تفسیر حقانی کے اس مقام کے حواشی میں چند بشارتیں کتب سابقہ تورات وانجیل کی نقل کی ہیں۔

(تفسیر معارف القرآن)

27:2 ۔ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَی السَّمۡعَ وَھُوَ شَہِیۡدٌ O
(ق- 50:37)

جو شخص دل (آگاہ) رکھتا ہے یا دل سے متوجہ ہوکر سنتا ہے اس کے لئے اس میں نصیحت ہے۔

Indeed, there is a lesson in all this for him who has heart and gives ear (to the truth) attentively.

بلاشبہ اس میں اس شخص کیلئے بڑی عبرت ہے جو (سمجھدار) دل رکھتا ہو یا کم سے کم متوجہ ہوکر بات کی طرف کان ہی لگائے۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ ۔ یعنی اس سورۃ میں یا اُمم ہالکہ کے کھنڈروں کی سیر میں ہے۔

لَذِکۡرٰی بلاشبہ عبرت اور نصیحت ہے۔

لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ یعنی اس شخص کے لئے جس کا دل تمام کثافتوں سے پاک صاف ہو۔ تجلیات صفات کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اللہ کی یاد میں ڈوبا رہتا ہو اور غیر اللہ کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اس مضمون کی تائید ایک حدیث قدسی سے ہوتی ہے۔ اللہ نے فرمایا نہ میری زمین مجھے سما سکتی ہے، نہ میرا آسمان مجھے سما سکتا ہے، ہاں مومن بندے کے دل کے اندر میری سمائی ہوسکتی ہے۔ صوفیہ کی اصطلاح میں ایسا دل فنا کے بعد ہی ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قلب سے مراد عقل ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک یاد رکھنے والا عبرت پذیر دل مراد ہے جو حقائق پر غور کرتا ہے۔ سطحی نظر سے نہیں ہو کر دیکھتا۔

وَھُوَ شَہِیۡدٌ یعنی یہ سورۃ اس شخص کے لئے عبرت کا باعث ہے، جس کا قلب سلیم ہو یا قران کو بحضور قلب سے سنے۔ خواہ حضور قلب بناوٹی ہو۔ یعنی صورت حضور قلب والے کی ایسی بنالے کہ غافل نہ ہو۔

یا شہید بمعنی شاہد ہے۔ یعنی کانوں سے سن کر دل اس کی گواہی دے اور تصدیق کرے۔ ظاہر قرآن سے نصیحت اندوز ہوا اور تنبیہات فرقانیہ سے اثر پذیر ہو۔

اول قلب سلیم ہونا کاملوں کا بیان اور دوسرا کانوں کو متوجہ ہونا مخلص مریدوں کا درجہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا! عبادت کی خوبی یہ ہے کہ تم اپنے رب کی اس طرح عبادت کرو گویا عبادت کے وقت تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو اتنا خیال رکھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی اللہ کے سامنے حاضر ہونے کا تصور رکھا جائے خواہ خود آور وہی ہے۔

حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا اور اس کو صحیح کہا ہے کہ کچھ یہودیوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر آسمان و زمین کی تخلیق کے متعلق سوال کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا! اللہ نے زمین کو اتوار کے دن اور سمندروں کو سوموار کے دن اور پہاڑوں کو اور جو کچھ ان کے اندر فائدہ بخش چیزیں ہیں سب کو منگل کے دن اور آسمان کو جمعرات کے دن اور ستاروں اور چاند سورج کو، ملائکہ جمعہ کے دن اس قت تک پیدا کیا جبکہ یوم جمعہ کی تین ساعتیں باقی تھیں۔ پہلی ساعت میں اوقات موت کو پیدا کیا، جن میں مرنے والے مرتے ہیں اور دوسری ساعت میں ان مصائب کو پیدا کیا، جن کا نزول انسان کو فائدہ پہنچانے والی ہر چیز پر ہوتا ہے اور تیسری ساعت میں آدمی کو پیدا کیا اور ان کو جنت کا ساکن بنایا اور ابلیس کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرے اور تیسری ساعت کے آخر آدمؑ کو یا ابلیس کو جنت سے نکال دیا۔ یہودیوں نے دریافت کیا محمد ﷺ پھر کیا ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر اللہ عرش پر مستوی ہو گیا۔ یہودیوں نے کہا آپ نے پورا بیان نہیں کیا بیان میں نقص ہے اگر آپ بیان مکمل کر دیتے تو صحیح ہو جاتا۔ اس کے بعد اللہ نے آرام کیا۔

(تفسیر مظہری)

# 28 ۔ اخلاص والا دل

28:1 ۔ لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ فَاَنۡزَلَ السَّکِیۡنَةَ عَلَیۡهِمۡ وَاَثَابَهُمۡ فَتۡحًا قَرِیۡبًاO

(الفتح- 48:18)

اے پیغمبر ﷺ جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا اور جو (صدق وخلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کرلیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی۔

Allah was pleased with the believers when they were pledging allegiance with you (by placing their hands in your hands) under the tree, and He Knew what was in their hearts, so He Sent down tranquility upon them, and rewarded them with a victory, near at hand.

## چودہ سو صحابہؓ اور بیعت رضوان:

یہ بیعت کرنے والے چودہ سو کی تعداد میں تھے اور یہ درخت ببول کا تھا جو حدیبیہ کے میدان میں تھا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن جب حج کو گئے تو دیکھا کہ کچھ لوگ ایک جگہ نماز ادا کررہے ہیں۔ پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو جواب ملا کہ یہ وہی درخت ہے۔ جہاں رسول اللہ ﷺ سے بیعت الرضوان ہوئی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن نے واپس آکر یہ قصہ حضرت سعید بن مسیّبؒ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا میرے والد صاحب بھی ان بیعت کرنے والوں میں تھے۔ ان کا بیان ہے کہ بیعت کے دوسرے سال ہم وہاں گئے ہم سب کو بھلا دیا گیا وہ درخت ہمیں نہ ملا۔ پھر حضرت سعید فرمانے لگے تعجب ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ سے بھی زیادہ جاننے والے ہو۔ پھر فرمایا ہے ان کی دلی صداقت نیت وفا اور سننے اور ماننے والی عادت کو اللہ نے معلوم کرلیا۔ پس ان کے دلوں میں اطمینان ڈال دیا اور قریب کی فتح انعام فرمائی۔ یہ فتح وہ صلح ہے جو حدیبیہ کے میدان میں ہوئی۔ جس سے عام بھلائی حاصل ہوئی اور جس کے قریب خیبر فتح ہوا پھر تھوڑے ہی زمانے کے بعد مکہ بھی فتح ہوگیا پھر اور قلعے اور

علاقے بھی فتح ہوتے چلے گئے۔ وہ عزت ونصرت وظفر واقبال اور رفعت حاصل ہوئی کہ دنیا انگشت بدنداں حیران و پریشان رہ گئی۔ اسی لئے فرمایا کہ بہت سی غنیمتیں عطا فرمائے گا۔ سچے غلبہ والا اور کامل حکمت والا اللہ ہی ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے ہم حدیبیہ کے میدان میں دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے ندا کی کہ لوگو بیعت کے لئے آگے بڑھو روح القدس آچکے ہیں۔ ہم بھاگے دوڑے حاضر حضور ﷺ ہوئے۔ آپ ﷺ اس وقت ببول کے درخت تلے تھے ہم نے آپ کے ہاتھ بیعت کی جس کا ذکر آیت میں ہے۔

حضرت عثمانؓ کی طرف سے آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر خود ہی بیعت کر لی تو ہم نے کہا عثمانؓ بڑے خوش نصیب رہے کہ ہم تو یہاں پڑے ہوئے ہیں اور وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہوں گے۔ یہ سن کر جناب رسول مقبول ﷺ نے فرمایا! بالکل ناممکن ہے کہ عثمانؓ ہم سے پہلے طواف کر لیں چاہے کئی سال تک وہاں رہیں۔

(تفسیر ابن کثیرؒ)

بیشک اللہ مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ ﷺ سے درخت (الشجر ہ) کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا۔ پس اللہ نے ان کے لئے اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو ایک لگے ہاتھ فتح میں بہت سی غنیمتیں بھی دیں۔ جن کو لوگ لے رہے ہیں اور اللہ بڑا زبردست اور بڑی حکمت والا ہے۔

تَحۡتَ الشَّجَرَةِ یعنی حدیبیہ میں درخت کے نیچے اسی آیت کی وجہ سے اس بیعت کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے اس آیت سے مقصود مومنوں کی تعریف اور مدح مقصود تھا۔

صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے فرمایا ہم حدیبیہ کے دن ایک ہزار چار سو تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم زمین والوں میں سب سے بہتر ہو۔

مسلم نے حضرت ام بشر کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے کہ جو کوئی اس درخت کے نیچے بیعت کر چکا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔

**فَعَلِمَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ** یعنی سچائی اور بیعت کا ایفاء۔

**فَاَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ** یعنی ان کے دلوں میں اطمینان پیدا کر دیا کہ حضور قلب کے ساتھ وہ ذکر خدا میں مشغول ہو گئے اور نفسانی پسندیدگی کو چھوڑ کر اللہ کے حکم پر راضی ہو گئے۔

**فَتۡحًا قَرِيۡبًا** یعنی فتح خیبر۔ ابن عائذ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حدیبیہ سے واپس آ کر دس روز رسول اللہ ﷺ نے مدینے میں قیام فرمایا۔ سلیمان تیمی نے پندرہ روز قیام بتایا ہے۔ ابن عقبہ نے زہری کا قول نقل کیا ہے کہ بیس روز قیام فرمایا۔

ابن اسحاق نے بحوالہ مسور و مروان بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ماہ ذوالحجہ میں مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اور محرم تک قیام پذیر رہے۔ محرم میں خیبر کی طرف روانہ ہو گئے اور فتح خیبر ۷ھ میں ہوئی۔

(کذا فی المغازی للواقدی)

احفظ نے کہا یہی روایت راجح ہے حاکم نے بھی واقدی سے یہی نقل کیا ہے۔

مغانم کثیرہ بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا! خیبر فتح ہو گیا تو ہم نے کہا اب ہم پیٹ بھر کر چھوارے کھائیں گے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا! جب تک خیبر کی فتح نہ ہوگئی ہم نے پیٹ بھر کر چھوارے نہیں کھائے۔ حافظ محمد بن یوسف صالحی نے کہا! خیبر زمین کا ایک قطعہ تھا جس میں قلعے تھے کھیت تھے، بکثرت نخلستان تھے۔ مکہ مکرمہ سے تین روز کی مسافت پر شامی حاجیوں کے بائیں ہاتھ کو واقع تھا۔

(تفسیر مظہری)

## خلاصہ تفسیر

تحقیق اللہ ان مسلمانوں سے جو آپ ﷺ کے ہمسفر ہیں خوش ہوا۔ جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے جہاد میں ثابت قدم رہنے پر بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ اخلاص اور عہد کو پورا کرنے کا عزم تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا اور اسوقت اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں اطمینان پیدا کر دیا۔ جس سے ان کو خدا کا حکم ماننے میں ذرا پس وپیش یا تردد نہیں ہوا۔ یہ تو معنوی نعمتیں ہوئیں اور اس کے ساتھ کچھ محسوس نعمتیں بھی دی گئیں۔ جن میں معنوی نعمتیں بھی شامل تھیں۔

چنانچہ ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح دیدی۔ مراد اس فتح سے فتح خیبر ہے اور اس فتح میں بہت سی غنیمتیں بھی دیں جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست اور بڑا حکمت والا ہے کہ اپنی قدرت اور حکمت سے جس وقت جس کے لئے مناسب سمجھتا ہے فتح دے دیتا ہے اور کچھ اسی فتح خیبر پر بس نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم سے اور بھی بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے۔ جن کو تم لوگے سو ان میں سے سر دست تم کو یہ دیدی ہے اور اس کے دینے کے لئے خیبر اور اطراف کے لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے۔ یعنی سب کے دلوں پر رعب ڈالدیا کہ ان کو زیادہ دراز دستی کی ہمت نہ ہوئی اور اس سے تمہارا دنیوی نفع بھی مقصود تھا تا کہ آرام اور فراغت ملے اور دینی نفع بھی تھا۔ تا کہ یہ واقعہ اہل ایمان کیلئے دوسرے وعدووں کے سچے ہونیکا ایک نمونہ ہوجائے۔ یعنی خدا کے وعدوں کے سچا ہونے پر اور زیادہ ایمان پختہ ہوجائے اور تا کہ اس نمونہ کے ذریعہ تم کو آئندہ کے لئے ہر کام میں ایک سیدھے راستہ پر ڈالدے۔ مراد اس راستہ سے توکل اور اللہ پر بھروسہ ہے۔ یعنی ہمیشہ کے لئے اس واقعہ کو سوچ کر اللہ پر اعتماد سے کام لیا کرو۔ اس طرح دینی نفع دو ہوگئے ایک علمی اور اعتقادی جس کو ولتکون سے بیان فرمایا ہے۔ دوسرا عملی واخلاقی جس کو یھد یکم کے الفاظ سے ارشاد فرمایا ہے۔ اور ایک فتح اور بھی موعود ہے جو اس وقت تک تمہارے قابو میں نہیں آئی۔ مراد اس سے فتح مکہ ہے۔ جو اب تک واقع نہیں ہوئی تھی مگر خدا تعالیٰ اس کو احاطہ قدرت میں لئے ہوئے ہے۔ جب چاہے گا تم کو عطا کر دے گا اور اسی کی کیا تخصیص ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

# 29 ۔ محبت کرنے والا دل

29:1 ۔ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ط لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ط اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ O

(الانفال - 8:63)

اوران کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے۔ مگر خدا ہی نے ان میں الفت ڈال دی۔ بیشک وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

and united their hearts. Had you spent all that on earth you could not have united their hearts. But Allah didunite their hearts. Surely He is All-Mighty , All-Wise.

مومنوں سے مراد ہے قبیلہ اوس وخزرج والے۔ دونوں قبائل میں اتنی عداوت اور کینہ وبغض اور شر وفساد تھا کہ دور ہی نہیں ہوسکتا تھا۔

سورۂ آل عمران میں آیا ہے

اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا

مطلب یہ ہے کہ ان میں باہم اتنی سخت دشمنی تھی کہ روئے زمین کی دولت خرچ کرنے کے بعد بھی ان کے دلوں کو باہم نہیں جوڑا جا سکتا تھا مگر اللہ نے محض اپنی ہمہ گیر قدرت سے ان کے دلوں کو جوڑ دیا۔ تمام لوگوں کے دل اللہ کی چٹکی میں ہیں۔ جس طرف چاہتا ہے موڑ دیتا ہے۔ بلاشبہ ایسے غلبہ اور قدرت والا ہے کہ کوئی اس کی مشیت سے اس کو روک نہیں سکتا اور ایسا حکیم ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کو اپنی منشا کے مطابق کس طرح کرنا چاہئے۔
(تفسیر مظہری)

مسلمانوں کی بین الاقوامی پالیسی بزدلانہ نہیں ہونی چاہئے:

خلاصہ یہ ہے کہ بین الاقوامی معاملات میں مسلمانوں کی پالیسی بزدلانہ نہیں ہونی چاہئے، بلکہ خدا کے بھروسہ پر بہادرانہ اور دلیرانہ ہونی چاہئے۔ دشمن جب گفتگوئے مصالحت کی خواہش ظاہر کرے بے تکلف اس کے لئے تیار ہوجانا چاہئے۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ .. الخ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور مومنین پر جو احسانات فرمائے ان میں ایک بڑے احسان کا ذکر ہے وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کی مومنین کے ذریعہ مدد فرمائی۔ وہ آپ کے دست و بازو اور محافظ و معاون بن گئے۔ مومنین پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے درمیان پہلے جو عداوت تھی اسے محبت والفت میں تبدیل فرمادیا۔ پہلے جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اب ایک دوسرے کے جاں نثار بن گئے۔ خصوصیت کے ساتھ اللہ کا یہ فضل اوس وخزرج کے معاملہ میں تو سب سے زیادہ نمایاں تھا۔ یہ دونوں قبیلے دو ہی سال پہلے تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور مشہور جنگ بعاث کو کچھ زیادہ دن نہیں گذرے تھے۔ جس میں اوس نے خزرج کو اور خزرج نے اوس کو گویا صفحۂ ہستی سے مٹادینے کا تہیہ کرلیا تھا۔ ایسی شدید عداوتوں کو دو تین سال میں گہری دوستی اور برادری میں تبدیل کردینا اور ان بکھرے ہوئے اجزاء کو جوڑ کر ایسی بنیان مرصوص بنادینا۔ جیسی نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ کی تھی یقیناً انسان کی طاقت سے بالاتر تھا۔

(جمالین فی شرح جلالین)

مسلمانوں کو ذریعہ امداد بنانے کے لئے ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کردیا۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ اگر باہم اتفاق نہ ہوتو کوئی کام بالخصوص دین کی نصرت مل کر نہیں کرسکتے اور ان میں بوجوہ ریاست اور اقتدار کا شوق کے بعض وعداوت اور نفاق ایسا دشوار تھا کہ آپ باوجودیکہ عقل و تدبیر بھی کامل رکھتے ہیں اور سامان بھی اس کے لئے آپ کے پاس کافی ہوتا یہاں تک کہ دنیا بھر کا مال اس کام کے لئے خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں اتفاق پیدا نہ کرسکتے۔ لیکن یہ اللہ ہی کا کام تھا کہ اس نے ان میں باہم اتفاق پیدا کردیا بیشک وہ زبردست ہیں کہ جو چاہیں اپنی قدرت سے کردیں اور حکمت والے ہیں کہ جس طریق سے مناسب جانیں اس کام کو کردیں۔ (تفسیر معارف القرآن)

## معارف ومسائل

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے اس خاص انعام کا ذکر فرمایا۔ جو آنخضرت ﷺ کی تائید ونصرت کے لئے عام مسلمانوں پر ہوا کہ ان کے دلوں میں مکمل وحدت والفت پیدا کر دی گئی۔ حالانکہ آنخضرت ﷺ کی ہجرت مدینہ سے پہلے ان کے دو قبیلوں اوس وخزرج کے آپس میں شدید جنگیں لڑی جا چکی تھیں اور جھگڑے چلتے رہتے تھے۔ آنخضرت ﷺ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان جانی دشمنوں کو باہم شیر وشکر بھائی بھائی بنا دیا۔ مدینہ میں قائم ہونے والی نئی اسلامی ریاست کے قیام و بقاء اور دشمنوں پر غالب آنے کا حقیقی اور معنوی سبب تو اللہ تعالیٰ کی نصرت وامداد تھی اور ظاہر سبب مسلمانوں کی آپس میں مکمل الفت ومحبت اور اتفاق واتحاد تھا۔

اسی کے ساتھ اس آیت میں یہ بھی بتلا دیا گیا کہ مختلف لوگوں کے دلوں کو جوڑ کر ان میں الفت ومحبت پیدا کرنا کسی انسان کے بس کا کام نہیں صرف اس ذات کا کام جس نے سب کو پیدا کیا ہے۔ اگر کوئی انسان ساری دنیا کی دولت بھی اس کام کے لئے خرچ کر ڈالے کہ باہم منافرت رکھنے والے لوگوں کے دلوں میں الفت پیدا کر دے تو وہ کبھی اس پر قابو نہیں پا سکتا۔ مسلمانوں کا آپس میں حقیقی اور پائدار اتفاق اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری پر موقوف ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کے قلوب میں باہمی الفت ومحبت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ اس کے انعام کو حاصل نہیں کیا جا سکتا بلکہ حصول انعام کے لئے اس کی اطاعت و رضا جوئی شرط ہے۔

جماعتوں اور افراد کے درمیان وحدت اتفاق ایک ایسی چیز ہے جس کے محمود اور مفید ہونے سے کسی مذہب وملت اور کسی فکر ونظر والے کو اختلاف نہیں ہوسکتا اور اسی لئے ہر شخص جو لوگوں کی اصلاح کی فکر کرتا ہے وہ ان کو آپس میں متفق کرنے پر زور دیتا ہے۔ عام دنیا اس حقیقت سے بے خبر ہے کہ دلوں کا پورا اور پائدار اتفاق ظاہری تدبیروں سے حاصل نہیں ہوتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت ورضا جوئی سے حاصل ہوتا ہے۔

قرآن حکیم نے اس حقیقت کی طرف کئی آیتوں میں ارشاد فرمائے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

اس میں اختلاف وتفرقہ سے بچنے کی یہ تدبیر بتلائی گئی ہے کہ اللہ کی رسی یعنی قرآن اور شریعت اسلام کو

مضبوط تھام لیں تو سب آپس میں خود بخود متفق ہو جائیں گے اور باہمی تفرقے ختم ہو جائیں گے۔ رائے کا اختلاف دوسری چیز ہے اور وہ جب تک اپنی حد کے اندر رہے تفرقہ اور جھگڑے کا سبب کبھی نہیں بنتا جھگڑا فساد جبھی ہوتا ہے جب کہ حدود شریعت سے تجاوز کیا جائے۔ آج اتفاق اتفاق تو سب پکارتے ہیں مگر اتفاق کے معنی ہر شخص کے نزدیک یہ ہوتے ہیں کہ لوگ میری بات مان لیں تو اتفاق ہو جائے اور دوسرے بھی اتفاق کے لئے اسی فکر میں ہوتے ہیں کہ وہ ہماری بات مان لیں تو اتفاق ہو جائے۔ حالانکہ جب رایوں کا اختلاف اہل عقل و دیانت میں ناگزیز اور ضروری ہے تو یہ ظاہر ہے کہ اگر ہر شخص دوسرے کے ساتھ متفق ہونے کو اس پر موقوف رکھے کہ دوسرا اس کی بات مان لے تو قیامت تک آپس میں اتفاق نہیں ہوسکتا بلکہ اتفاق کی صحیح اور فطری صورت وہ ہی ہے جو قرآن نے بتلائی کہ دونوں مل کر کسی تیسرے کی بات کو تسلیم کرلیں اور تیسرا وہ ہی چاہیۓ جس کے فیصلے میں غلطی کا امکان نہ ہو وہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ ہی ہوسکتا ہے۔ اس لئے آیت مذکورہ میں اس کی ہدایت فرمائی گئی کہ سب مل کر اللہ کی کتاب کو مضبوط تھام لو تو آپس کے جھگڑے ختم ہو کر اتفاق کامل پیدا ہو جائے گا۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا.

یعنی جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اللہ تعالیٰ ان کے آپس میں محبت ومودت پیدا فرما دیتے ہیں۔

اس آیت نے واضح کردیا کہ دلوں میں حقیقی محبت ومودّت پیدا ہونے کا اصلی طریقہ ایمان اور عمل صالح کی پابندی ہے۔ اس کے بغیر اگر کہیں کوئی اتفاق واتحاد کو مصنوعی طور پر قائم کر بھی لیا جائے تو وہ محض بے بنیاد اور کمزور ہوگا۔ ذرا سی ٹھیس میں ختم ہو جائے گا۔ جس کا مشاہدہ تمام اقوام دنیا کے حالات وتجربات سے ہوتا رہتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں رسول کریم ﷺ پر حق تعالیٰ کے اس انعام کی وضاحت کی گئی ہے جو مدینہ کے تمام قبائل کے دلوں میں الفت پیدا کر کے رسول کریم ﷺ کی امداد و نصرت کے لئے ان کو ایک آہنی دیوار کی طرح بنا کر کیا گیا ہے۔ (تفسیر معارف القرآن)

# 30 ۔ تائب دل

30:1. اِنۡ تَتُوۡبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُکُمَا ج وَاِنۡ تَظٰھَرَا عَلَیۡہِ فَاِنَّ اللّٰہَ

ھُوَ مَوۡلٰىہُ وَجِبۡرِیۡلُ وَصَالِحُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ج وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ بَعۡدَ ذٰلِکَ ظَھِیۡرٌ O

(التحریم- 66:4)

اگر تم دونوں خدا کے آگے توبہ کرو (تو بہتر ہے کیونکہ) تمھارے دل کج ہو گئے ہیں اور اگر پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا) پر باہم اعانت کرو گی تو خدا اور جبرئیل اور نیک کردار مسلمان ان کے حامی (اور دوست) ہیں اور (ان کے علاوہ اور) فرشتے بھی مددگار ہیں

(O two wives of the Prophet(ﷺ),) if both of you repent to Allah,then (your conduct calls for it, because) youhearts have departed from the correct way. And if youback each other against him (the Prophet (ﷺ)), Then Allah is his supporter, and jibra'il (Gabriel A.S) and righteous believers,and after all that, angels are his helpers.

اِنۡ تَتُوۡبَآ اِلَی اللّٰہِ ام المومنین حضرت حفصہ ؓ کو خطاب ہے۔ عبید بن عمیر کی جو روایت ام المومنین حضرت عائشہ ؓ صدیقہ سے آئی ہے اور اس روایت کو بخاری اور مسلم نے ذکر کیا ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ خطاب ام المومنین حضرت حفصہ ؓ کو ہے۔

فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُکُمَا تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں ۔ایک طرف کو جھک گئے ہیں، راہ حق پر قائم نہیں رہے۔ کیونکہ تم نے اس بات کو پسند کیا جو رسول اللہ ﷺ کو ناپسند تھی۔ آپ ﷺ نہ حضرت ماریہ ؓ کو اپنے لئے حرام کرنا چاہتے تھے نہ اپنے راز کا افشاء آپ ﷺ کو پسند تھا اور تم کو یہ دونوں باتیں پسند تھیں۔

حالانکہ ہر شخص پر واجب ہے کہ جس بات کو رسول اللہ ﷺ پسند کریں وہ بھی اس بات کو پسند کرے اور جس بات سے رسول اللہ ﷺ کو نفرت ہو اس بات سے اس کو بھی نفرت ہو۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا! مجھے حضرت عمرؓ سے یہ بات دریافت کرنے کی بڑی خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی وہ دو بیویاں کون سی تھیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا ( مگر موقع نہیں ملتا تھا)۔

ایک بار جب حضرت عمرؓ حج کو گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ حج کو گیا اور (راستہ میں قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی اور) آپ ایک طرف کو مڑ گئے۔ میں بھی لوٹا لئے (راستہ چھوڑ کر) آپ کے ساتھ ایک طرف کو مڑ گیا۔ آپ ضروریات پوری کر کے واپس آئے تو میں نے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور اس وقت کہا۔ امیر المومنینؓ! رسول اللہ ﷺ کی وہ بیویاں کون سی تھیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا حضرت عمرؓ نے فرمایا! ابن عباسؓ تم پر تعجب ہے وہ دونوں عائشہؓ اور حفصہؓ تھیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے پوری سرگزشت بیان کی اور فرمایا: میں اور بنی امیہّ بن زید کے قبیلہ کا ایک انصاری (جو عوالی مدینہ کا رہنے والا تھا) نے باہم طے کر چکے تھے کہ باری باری ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا کریں گے ایک دن میں ایک دن وہ۔ میری باری کے دن جو وحی نازل ہو یا کوئی دوسرا اہم واقعہ ہو اس کی اطلاع میں اس انصاری کو کر دوں اور اس کی باری کے دن جو کچھ ہو وہ مجھ سے آ کر بیان کر دے۔

ہمارا قریش کا گروہ اپنی عورتوں پر غالب رہتا تھا۔ لیکن جب ہم مدینہ میں آئے تو ہم نے ایسے لوگ پائے جن کی عورتیں ان پر غالب تھیں۔ ہماری عورتیں بھی انصاری عورتوں کی خوخصلت سیکھنے لگیں۔ ایک روز میں اپنی عورت پر چلایا تو اس نے بھی ویسا ہی (چلا کر) جواب دیا۔ مجھے اس کا جواب دینا غیر معمولی لگا۔ اس نے کہا۔ آپؓ کو میرا جواب دینا کیوں ناگوار گزرا۔ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں رسول اللہ ﷺ کو جواب دیتی ہیں۔ بلکہ بعض عورتیں تو آج دن بھر شام تک حضور ﷺ کو چھوڑے رہی ہیں۔ (یعنی حضور ﷺ سے کلام بھی نہیں کیا)

میں یہ بات سن کر گھبرا گیا اور میں نے کہا نامراد رہے گی جو ایسا کرے گی۔ اس کے بعد میں نے کپڑے پہنے اور جا کر حفصہؓ کے پاس اترا اور پوچھا: کیا تم میں سے کوئی رسول اللہ ﷺ سے اتنی ناراض ہوتی ہے کہ دن بھر شام تک حضور ﷺ کو چھوڑے رکھتی ہے۔ ام المومنین حفصہؓ نے کہا! ہاں۔ میں نے کہا تو ناکام ونامراد ہوگئی (اگر تو نے ایسی حرکت کی) کیا تجھے ڈر نہیں لگتا کہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضی سے اللہ ناراض ہو جائے گا پھر تو تباہ ہو جائے گی۔ (خبردار) رسول اللہ ﷺ سے زیادہ (مصارف) طلب نہ کرنا اور کسی معاملے میں حضور ﷺ کو جواب نہ دینا اور آپ کو چھوڑے نہ رہنا (یعنی ترک کلام نہ کرنا) اور جو کچھ تجھے ضرورت ہو مجھ سے مانگ لینا، اور تجھے اس بات پر رشک نہ ہونا چاہیے کہ تیری ہمسائی تجھ سے زیادہ چمکیلی اور رسول اللہ ﷺ کو تجھ سے زیادہ پیاری ہے یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا اس زمانہ میں ہم آپس میں تذکرہ کرتے تھے کہ غسانیوں نے ہم سے لڑنے کے لئے اپنے گھوڑوں کی نعل بندی کرائی ہے۔ ایک روز انصاری دوست اپنی باری کے دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہا اور عشاء کے وقت ہمارے پاس لوٹ کر آیا اور آتے ہی میرا دروازہ زور زور سے پیٹ ڈالا اور پوچھا کیا عمرؓ ہیں۔ میں گھبرا کر فوراً باہر نکلا۔ انصاری نے کہا آج ایک عظیم حادثہ ہوگیا۔ میں نے کہا کیا ہوا کیا غسان (شاہ شام) آ گیا۔ بولا اس سے بھی بڑا حادثہ ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیبیوں کو طلاق دے دی۔ میں نے کہا! حفصہؓ ناکام ونامراد ہوگئی۔ میرا تو پہلے ہی خیال تھا کہ عنقریب (شاید) ایسا ہوگا۔ اس کے بعد میں نے کپڑے پہنے اور جا کر فجر کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی۔ نماز کے بعد حضور ﷺ اپنے بالا خانے پر تشریف لے گئے اور وہاں سب سے کنارہ کش ہو گئے اور میں حفصہؓ کے پاس گیا وہ رو رہی تھیں۔ میں نے کہا اب کیوں روتی ہے، کیا میں نے تجھے پہلے ہی نہیں ڈرا دیا تھا۔ کیا تم عورتوں کو رسول اللہ ﷺ نے طلاق دے دی ہے۔ بولیں مجھے نہیں معلوم کیا وجہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ سب سے الگ بالا خانے پر گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ میں حفصہؓ کے پاس سے نکل کر (مسجد میں) منبر کر پاس پہنچا۔ اس وقت منبر کے آس پاس کچھ لوگ بیٹھے رو رہے تھے۔ میں بھی ان کے پاس تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گیا۔ لیکن اندرونی غم کی وجہ سے مجھ سے وہاں زیادہ رُکا نہ گیا فوراً بالا خانے کی طرف آیا جہاں رسول اللہ ﷺ آرام فرما رہے تھے۔ میں نے خادم سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے عمرؓ کے لئے اجازت کی

درخواست کرو۔ خادم اندر گیا۔ رسول اللہ ﷺ سے کچھ بات کی اور پھر واپس آ کر خادم نے کہا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی تھی اور تمہارا تذکرہ کر دیا۔ لیکن حضور ﷺ خاموش رہے۔ مجبوراً میں واپس آ کر پھر منبر کے پاس ان لوگوں کے قریب بیٹھ گیا۔ جو وہاں موجود تھے لیکن زیادہ دیر رُکا نہ گیا۔ پھر جا کر اسی خادم سے کہا میرے لئے داخلہ کی اجازت کی استدعا کرو۔ اس نے اندر جا کر حضور ﷺ سے کچھ کلام کیا اور کچھ دیر کے بعد واپس آ گیا اور بولا میں نے حضور ﷺ سے تمہارے لئے داخلہ کی درخواست کی تھی مگر حضور ﷺ خاموش رہے۔

میں (مایوس ہو کر) لوٹ آیا اور انہی لوگوں کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا جو منبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن کچھ ہی دیر کے بعد اندرونی احساس کے غلبہ کی وجہ سے اٹھا اور خادم سے جا کر کہا عمر کے لئے اجازت کی درخواست کرو۔ خادم ندر گیا اور کچھ دیر کے بعد لوٹ کر آیا اور کہا میں نے تمہارا ذکر کیا لیکن حضور ﷺ خاموش رہے۔ میں نے واپسی کے لئے پشت پھیری ہی تھی کہ اس خادم نے مجھے پکار کر کہا! رسول اللہ ﷺ نے تم کو داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ یہ بات سن کر میں اندر چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ ننگی چٹائی پر استراحت فرما ہیں۔ جس کی وجہ سے پہلو پر چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں اور سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ ہے۔ جس میں درخت کھجور کے ریشے بھرے ہوئے ہیں۔ میں نے سلام کیا اور کھڑے کھڑے عرض کیا! یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے اپنی بیبیوں کو طلاق دے دی۔ حضور ﷺ نے میری طرف نظر اٹھائی اور فرمایا نہیں۔ اللہ اکبر۔

رسول اللہ ﷺ سے اپنی جھجک کو دور کرنے کے لئے میں نے کھڑے کھڑے ہی عرض کیا۔ دیکھئے حضور ﷺ ہمارا قریش کا جتھا پہلے اپنی عورتوں پر غالب تھا۔ لیکن مدینہ آنے کے بعد ہم نے ایسے لوگ پائے جن کی عورتیں ان پر غالب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ یہ بات سن کر مسکرا دیئے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ملاحظہ فرمایئے میں حفصہؓ کے پاس گیا تھا اور میں نے اس سے کہہ دیا کہ تجھے اس بات پر رشک نہ ہونا چاہئے کہ تیری ہمسائی تجھ سے زیادہ چمکیلی اور رسول اللہ ﷺ کو چہیتی ہے۔ حضور ﷺ یہ بات سن کر مسکرا دیئے۔ حضور ﷺ کو مسکراتے دیکھ کر میں بیٹھ گیا اور نظر اٹھا کر گھر کے اندر کی چیزوں کو دیکھا۔ خدا کی قسم تین کچے چمڑوں کے علاوہ میں نے کوئی چیز قابل دید نہیں پائی۔ میں نے عرض کیا! یا رسول اللہ ﷺ! اللہ سے دعا کیجئے کہ آپ ﷺ کی

امت کوفراخ حالی حاصل ہو جائے۔ روم اور فارس کو اللہ نے فراغ حال کیا ہے اور ان کو دنیا عطا کی ہے باوجودیکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ حضور ﷺ اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ میری بات سنتے ہی بیٹھ گئے اور فرمایا ابن خطابؓ! کیا تم اس خیال میں ہو ان لوگوں کو تو اللہ نے ان کی عمدہ (دل پسند) چیزیں دنیا میں دے دی ہیں (آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں)۔ میں نے عرض کیا! یارسول اللہ ﷺ! میرے لئے دعاء مغفرت فرما دیئے۔ بس یہی بات تھی کہ حضور ﷺ اپنی بیبیوں سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہو گئے تھے کیونکہ حفصہؓ نے عائشہؓ سے حضور ﷺ کا راز کہہ دیا تھا۔

اللہ نے اپنے رسول سے اس بارے میں سوال کیا تھا، اس لئے حضور ﷺ اپنی بیبیوں سے سخت ناراض تھے اور عہد کیا تھا میں ایک ماہ تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ جب انتیس راتیں گزر گئیں تو سب سے پہلے عائشہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے کہا! یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے تو قسم کھائی تھی کہ ایک مہینہ تک آپ ہمارے (یعنی کسی بی بی) کے پاس تشریف نہیں لائیں گے۔ لیکن آج تو انتیس کے بعد کی صبح ہے میں برابر گن رہی ہوں۔ فرمایا! مہینہ انتیس کا (بھی ہوتا) ہے۔ واقعی وہ مہینہ انتیس کا تھا۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی۔ نزول آیت کے بعد سب سے پہلے حضور ﷺ میرے پاس تشریف لائے (اور مجھے نکاح میں باقی رہنے یا آزاد ہو جانے کا اختیار دیا) میں نے حضور ﷺ (کے ساتھ رہنے) کو اختیار کیا۔ پھر دوسری بیبیوں کو یہ ہی اختیار دیا اور سب نے اس بات کو اختیار کیا جو عائشہؓ نے اختیار کی تھی (یعنی کیسا ہی فقر و فاقہ ہو کسی بی بی نے حضور ﷺ سے جدا ہونے کو پسند نہیں کیا)۔

بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا۔ میں تم سے ایک بات کہتا ہوں بغیر ماں باپ کے مشورے کے فوری عجلت میں اس کا جواب دینا تمہارے لئے لازم نہیں ہے۔ حضور ﷺ جانتے تھے کہ میرے والدین رسول اللہ ﷺ سے جدا ہونے کا مجھے مشورہ نہیں دیں گے۔ میں نے عرض کیا کیا اس معاملہ میں والدین سے مشورہ کروں اس کی کوئی ضرورت نہیں، میں اللہ کو اور اس کے رسول کو

دار آخرت ( کی بھلائی ) کو چاہتی ہوں۔ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو ایک ماہ تک اپنی بیبیوں سے کنارہ کش رہے اس کا سبب وہی افشاء راز تھا۔ حضرت حفصہ ؓ نے حضرت عائشہ ؓ سے رسول اللہ ﷺ کا راز کہہ دیا تھا۔

مسلم ؒ نے حضرت جابر ؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ داخلہ کی اجازت مانگنے کے لئے آئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں اور اجازت داخلہ کے امیدوار ہیں۔ لیکن کسی کو اجازت نہیں دی گئی۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر ؓ کو اجازت دے دی۔ آپ ؓ اندر چلے گئے کچھ دیر کے بعد حضرت عمر ؓ آئے اور اجازت داخلہ کے خواستگار ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان کو اجازت دے دی حضرت عمر ؓ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ غمگین خاموش بیٹھے ہیں۔ حضرت عمر ؓ نے ( اپنے دل میں ) کہا میں کوئی ایسی بات کہوں جس سے رسول اللہ ﷺ کو ہنسی آ جائے۔ چنانچہ کہنے لگے۔ یا رسول اللہ ﷺ اگر خارجہ کی بیٹی ( یعنی میری بیوی ) مجھ سے زیادت خرچ کی طلب گار ہو تو میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔ یہ بات سن کر حضور ﷺ مسکرا دیئے اور فرمایا! تم دیکھ رہے ہو کہ یہ عورتیں میرے گرداگرد جمع ہیں اور مجھ سے زیادت مصارف کی طلب گار ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر ؓ اٹھ کر حضرت عائشہ ؓ کی طرف بڑھے تا کہ ان کی گردن مروڑ دیں۔ اور حضرت عمر ؓ بھی حضرت حفصہ ؓ کی طرف بڑھے۔ اور دونوں حضرات نے ( اپنی اپنی بیٹیوں سے ) کہہ دیا کہ کبھی رسول اللہ ﷺ سے اس چیز کی طلب گار نہ ہوں جو حضور ﷺ کے پاس نہ ہو۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ بیبیوں سے ایک ماہ یعنی انتیس رات تک کنارہ کش رہے، پھر آیت تخییر نازل ہوئیں ( سورۃ التحریم کی ابتدائی آیات ) اور حضور ﷺ سب سے پہلے حضرت عائشہ کے پاس تشریف لے گئے اور آیت تخییر کی تلاوت ان کے سامنے کی۔

حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے یہ ہو سکتا ہے کہ ان تمام واقعات کا مجموعہ بیبیوں سے کنارہ کش ہونے کا سبب ہے۔ شہد کا قصہ، حضرت ماریہ ؓ کا واقعہ، حضرت حفصہ ؓ کا حضرت عائشہ ؓ سے رسول اللہ ﷺ کے راز کا اظہار ، بیبیوں کی طرف سے وسعت نفقہ کی درخواست، حضرت زینب ؓ کی طرف سے تین بار ہدیہ کا واپس کرنا اور ہر مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا ہدیہ میں اضافہ کرنا۔ جیسا کہ ابن سعد ؒ نے بیان کیا ہے۔ یہ تمام واقعات آگے پیچھے ہوتے

رہے اور حضور ﷺ ضبط کرتے رہے اور درگزر فرماتے رہے۔ حضور اقدس ﷺ کے مکارم اخلاق اور بلندی حوصلہ کا یہی تقاضہ تھا کہ جب یہ واقعات پیہم ہوتے رہے۔ آپ ﷺ نے عورتوں سے کنارہ کش کر لی (مگر طلاق پھر بھی نہیں دی) اور پھر راضی ہو گئے۔

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ یعنی اگر تم دونوں رسول اللہ ﷺ کے خلاف باہم تعاون کرلوگی اور ایسی بات کروگی جو رسول اللہ ﷺ کو ناگوار ہو (مثلاً) توسیع نفقہ کی طلب اور افشاء راز تو کامیاب نہ ہوگی۔

فَاِنَّ اللّٰهَ (ف تعلیلیہ ہے، یہ کامیاب نہ ہونے کی علت ہے۔

مَوْلٰىهُ اس کا مددگار اللہ تعالیٰ ہے اور جبرئیلؑ جو مقرب فرشتوں کا سردار ہے۔ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کا رفیق اور مددگار رہے۔

وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی رسول اللہ ﷺ کے متبعین اور اعوان اور آپ کے گرد اگرد جمع ہونے والے بھی رسول اللہ ﷺ کے رفیق اور ساتھی ہیں۔ کلبی نے کہا صالح المومنین سے مراد ہیں مخلص مومن جو منافق نہیں ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت اُبی بن کعبؓ کا قول مروی ہے کہ صالح المومنین ابوبکرؓ وعمرؓ ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابو امامہؓ نے اس قول کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی کی ہے۔ ابن عمرؓ، ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؓ کا بیان ہے کہ یہ آیت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے حق میں نازل ہوئی۔ مدد تو صرف اللہ ہی کی کافی ہے وہی تنہا مددگار اور ناصر ہے۔ لیکن جبرئیلؑ اور مومنین صالحین اور ملائکہ کا ذکر ان سب کی عزت افزائی اور عظمت ظاہر کرنے کے لئے کیا گیا۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ" یعنی اللہ کی جبرائیلؑ کی اور مؤمنین صالحین کی مدد کے بعد ملائکہ بھی اپنی پوری کثرت کے ساتھ مددگار ہیں۔ آیت میں تینوں کی ترتیب ثابت کر رہی ہے کہ جبرئیلؑ جو خواص ملائکہ میں سے ہیں عام انسانوں سے یعنی صالح مومنوں سے افضل ہیں اور عام انسان صالح مومن عام ملائکہ سے افضل ہیں۔

بخاری نے حضرت عمرؓ کی روایت حدیث میں بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا! یارسول اللہ ﷺ عورتوں کے معاملہ میں آپ کے لئے کیا دُشواری ہے۔ اگر آپ ان کو طلاق دے

دیں گے تو ( آپ ﷺ کا کچھ نقصان نہ ہوگا کیوں کہ ) اللہ آپ ﷺ کے ساتھ ہے اور فرشتے اور جبرئیلؑ و میکائیلؑ اور ابوبکرؓ اور مؤمن بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے جب کوئی بات کہی تو اللہ سے مجھے امید رہی کہ وہ میری بات کو سچا کر دے گا۔

(تفسیر مظہری)

حضرت مفتی محمد شفیع ؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ازواج مطہرات میں سے جن دو کا اجمالی ذکر اوپر آیا ہے کہ انھوں نے باہم مشورہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہد پینے پر ایسا طرز اختیار کیا جس سے آپ ﷺ نے شہد پینے سے قسم کھائی اور پھر آپ ﷺ نے اس کے اخفاء کے لئے فرمایا تھا وہ اخفاء نہیں کیا۔ بلکہ ایک نے دوسری پر بات کھول دی۔ یہ دو کون ہیں ان کے متعلق صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ کی ایک طویل روایت ہے۔ جس میں انھوں نے فرمایا کہ ایک عرصہ تک میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ میں ان دو عورتوں کے متعلق عمر بن خطابؓ سے دریافت کروں۔ جن کے متعلق قرآن میں آیا ہے اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ ،

یہاں تک ایک موقع آیا کہ عمر بن خطابؓ حج کے لئے نکلے اور میں بھی شریک سفر ہو گیا۔ حاجت کے لئے جنگل کی طرف تشریف لے گئے اور واپس آئے تو میں نے وضو کے لئے پانی کا انتظام کر رکھا تھا۔ میں آپؓ کے ہاتھوں میں پانی ڈالا اور وضو کراتے ہوئے میں نے سوال کیا۔ یہ دو عورتیں جن کے متعلق قرآن میں اِنْ تَتُوْبَآ آیا ہے کون ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ سے تعجب ہے کہ آپ کو خبر نہیں۔ یہ دونوں عورتیں حفصہؓ اور عائشہؓ ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنا ایک طویل قصہ اس واقعہ سے متعلق ذکر فرمایا۔ جس میں اس واقعہ کے پیش آنے سے پہلے کچھ حالات بھی بیان فرمائے۔ آیت میں اس واقعہ کا تقاضا ہے کہ تمہارے دل حق سے مائل ہو گئے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی محبت اور آپ کی رضا جوئی ہر مومن کا فرض ہے۔ مگر تم دونوں نے باہم مشورہ کر کے ایسی صورت اختیار کی جس سے آپ کو تکلیف پہنچی یہ ایسا گناہ ہے کہ اس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ اور فرمایا

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰئهُ وَجِبْرِيْلُ الآیت

اس میں یہ بتلا دیا کہ اگر تم نے توبہ کر کے رسول اللہ ﷺ کو راضی نہ کیا تو یہ نہ سمجھو کہ آپ ﷺ کو کوئی نقصان پہنچے گا۔ کیونکہ آپ ﷺ کا تو اللہ مولیٰ اور کفیل ہے۔ اور جبرئیلؑ امین اور سب نیک مسلمان اور ان کے بعد سب فرشتے جس کی رفاقت واعانت پر سب لگے ہوں۔ اس کو کوئی کیا نقصان پہنچا جا سکتا ہے نقصان وضرر جو کچھ ہے تمہارا ہی ہوگا۔

(تفسیر معارف القرآن)

☆☆☆

# دُرُود تنجينا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلىٰ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰٓ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاِخْوَانِهٖ
صَلٰوةً تُنَجِّيْنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَهْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِىْ لَنَا بِهَا جَمِيْعِ
الْحَاجَاتِ وَتُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّاٰتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَ ک
اَعْلَىَ الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَآ اَقْصَى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيْعِ الْخَيْرَات
فِي الْحَيٰوةِ وَبَعَدَ الْمَمَاتِ ط اِنَّکَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ✦

| | |
|---|---|
| يا قاضى الحاجات | يا مجيب الد عواة |
| يا شافى الامراض | يا دافع البليّات |
| يا حل المشكلات | يا كافى المهمّات |
| يا رافع الد رجات | يا ارحم الرٰحمين |

ترجمہ! اے اللہ! ہمارے سردار اور آقا حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل اور اصحاب اور پیغمبروں پر درود بھیج اور اس کے ذریعے تو ہمیں تمام خوف و ہراس اور مصیبتوں سے نجات دیدے ہماری سب حاجتوں کو پورا فرما دے اور ہمیں تمام گناہوں سے پاک وصاف کردے ہمیں اپنے نزدیک اعلیٰ سے اعلیٰ درجات سے سرفراز فرمادے اور ہمیں زندگی میں اور موت کے بعد تمام بھلائیوں سے نوازدے۔ بے شک تو ہر شے پر قادر ہے۔

# دعا برائے حفاظت

اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اَلَیْنَا اُلِا یْمَانَ وَزَیِّنْہُ فِیْ قُلُوْ بِنَا وَکَرِّہْ اِلَیْنَا الْکُفْرَ
وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّ شِدِیْنَ.
اَللّٰھُمَّ توَفَّنَاَ مُسْلِمِیْنَ وَالْحِقْنَا بِالصَّالِحِیْنَ
غَیْرَ خَزَایَا وَلَا مَفْتُوْنِیْنَ

☆☆☆

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

# سکندر نقشبندی صاحب کی تصانیف

1- سیرتِ رسول اعظم ﷺ (ماہ وسال کے آئینہ میں)
2- ثانی اثنین ۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ
3- سیرتِ امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰؓ
4- دل کی اقسام (قرآن کی روشنی میں)
5- نفس کا بیان
6- بشر و شجر
7- تصوف (قرآن وسنتِ رسول کریم ﷺ کی روشنی میں)
8- غفلت اور جہالت
9- اخلاق مومن
10 سیرتِ امامِ اعظم ۔ ابوحنیفہؒ (حضرت نعمان بن ثابتؒ)
11- نفاق
12۔ سیرتِ سیدنا امیر معاویہؓ
13۔ خانوادۂ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ
14۔ امتِ مسلمہ کی نامور شہداء خواتین
15۔ عظیم مسلمان مائیں
16۔ دجال، امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
17۔ اولیاء کرام کے ایمان افروز واقعات اور حالات
18۔ تاریخ اسلام کی عظیم خواتین (جلد اول)
19۔ تاریخ اسلام کی عظیم خواتین (جلد دوم)
20۔ جہاد اور مجاہد
21۔ ائمہ حدیث کے مختصر حالات
22۔ زبان کا بیان
23۔ انتہائی ضروری بنیادی مسائل

## PUBLICATIONS OF SIKANDER NAQSHBANDI

1 - Biography of The Greatest Prophet (?)
(According to the Calendar)
2 - Al-Siddique (Syedna Abu Bakr Siddique RA)
3 - Seerat Amirul Mominin Syedna Ali Al-Murtaza (RA)
4 - HEARTS - In the light of Quran
5 - What is Soul (Nafs)
6 - Historical Trees of Islam
7 - Hypocrisy
8 - Carelessness and Ignorance
9 - Muslim Protocols
10 - Biographies of Muhadeseen
11 - Biography of Imam-e-Azam (Hazrat Abu Hanifah ra)
12 - Dajjal, Imam Mehdi and Hazrat Esa (AS)
13 - Great Women in Islamic History. V1
14 - Great Women in Islamic History. V2
15 - Seerat Syedna Amir Muawiyah (RA)
16 - Naqshbandi Family
17- Tasawwuf
18- Stories of Auliya Karam

# سکندر نقشبندی صاحب کی تصانیف

# PUBLICATIONS OF SIKANDER NAQSHBANDI

1- سیرتِ رسول اعظم ﷺ (ماہ وسال کے آئینہ میں)
2- ثانی اثنین۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ
3- سیرتِ امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰؓ
4- سیرتِ امامِ اعظم۔ ابو حنیفہؒ (حضرت نعمان بن ثابتؒ)
5- آئمہ حدیثؒ کے مختصر حالات
6- دل کی اقسام (قرآن کی روشنی میں)
7- نفس کا بیان
8- بشر و شجر
9- تصوف (قرآن و سنتِ رسول کریم ﷺ کی روشنی میں)
10۔ غفلت اور جہالت
11۔ اخلاقِ مومن
12۔ نفاق
13۔ اولیاء کرام کے ایمان افروز واقعات اور حالات
14۔ تاریخ اسلام کی عظیم خواتین (جلد اول)
15۔ تاریخ اسلام کی عظیم خواتین (اور جلد دوم)
16۔ دجال۔ امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
17۔ عظیم مسلمان مائیں
18۔ امتِ مسلمہ کی نامور شہداء خواتین
19۔ جہاد اور مجاہد
20 سیرتِ سیدنا امیر معاویہؓ
21۔ خانوادہ ئ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ

Email: sikander.naqshbandi@gmail.com
Link: https//archive.org/details/@sikander.naqshbandi